دینی مدارس کا مقدمہ

مولانا قاری محمد حنیف جالندھری
ناظم اعلیٰ: وفاق المدارس العربیہ پاکستان

وفاق المدارس العربیہ پاکستان اور اتحاد تنظیمات مدارس کے پلیٹ فارم سے دینی مدارس کے تعارف، اہمیت، ضرورت، دفاع اور اعتراضات و پروپگنڈے کے جواب میں لکھے جانے والے مضامین اور بیانات کا ایک ولولہ انگیز مجموعہ

بیت السلام
پبلشر۔ کراچی۔ پاکستان

دینی مدارس کا مقدمہ

وفاق المدارس العربیہ پاکستان اور اتحاد تنظیمات مدارس کے پلیٹ فارم سے دینی مدارس کے تعارف، اہمیت، ضرورت، دفاع اور اعتراضات و پروپگنڈے کے جواب میں لکھے جانے والے مضامین اور بیانات کا ایک ولولہ انگیز مجموعہ

مولانا قاری محمد حنیف جالندھری
ناظم اعلیٰ: وفاق المدارس العربیہ پاکستان

بیت السلام
پبلشرز کراچی، پاکستان

بیت السلام

بیت السلام...... اسلام کی ابدی صداقتوں اور سدابہار تعلیمات سے معاشرے کو روشناس کرانے کیلئے قائم کیا گیا ایک اشاعتی ادارہ ہے

جس کا مقصد

- علماء اسلام کی گرانقدر علمی تالیفات وتصانیف کو عصر حاضر کے جدید طباعتی تقاضوں سے ہم آہنگ کر کے زیور طبع سے آراستہ کرنا، تاکہ اسلاف کا ایمان افروز تحریری سرمایہ نئی نسل کو منتقل ہو سکے۔
- اسلامی تہذیب وثقافت کے تحفظ اور فروغ کیلئے اہل علم ودانش کی جدید تخلیقات وتحقیقات کو سلیقے اور ڈھنگ سے شائع کرنا۔
- معاشرے میں امن، انصاف، علم وتحقیق، قومی یکجہتی و باہمی احترام کے جذبات کو فروغ دینا۔

امید ہے کہ ! اس سفر میں آپ کی رہنمائی اور دعائیں بیت السلام کے ساتھ رہیں گی۔

عبدالصبور علوی
مدیر بیت السلام کراچی

فہرست

○ ○ ○

دینی مدارس کا مقدمہ اور اس کا وکیل

ابن الحسن عباسی

ماہنامہ وفاق المدارس کے گزشتہ دس سالہ شماروں میں دینی مدارس کے حوالے سے مختلف مضامین لکھے جاتے رہے ہیں، صدر وفاق المدارس شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خاں صاحب مدظلہم کے مضامین ''صدائے وفاق'' کے عنوان سے چھپتے رہتے ہیں، ان مضامین کو احقر نے کتابی شکل میں مرتب کر کے ''صدائے وفاق'' کے نام سے شائع کیا، اس کے ایک سے زائد ایڈیشن نکل چکے ہیں، اب اس کا نیا ایڈیشن مزید اضافوں کے ساتھ عن قریب آ رہا ہے، ماہنامہ وفاق میں یہ ناکارہ بھی وقتاً فوقتاً لکھتا رہا ہے، میری تحریروں کا مجموعہ بھی ''داستان کہتے کہتے'' کے نام سے چھپ چکا ہے۔

ناظم اعلیٰ وفاق حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری صاحب کے مضامین تسلسل کے ساتھ ماہنامہ وفاق کی زینت بنتے رہتے ہیں اور ضرورت تھی کہ یہ مضامین بھی کتابی صورت میں محفوظ ہوں...... کتابی ذوق اور ماہنامہ وفاق المدارس کی ادارت کی بناء پر حضرت قاری صاحب مدظلہ کی خواہش تھی کہ میں ان مضامین کو مرتب کر کے کتابی صورت میں لے آؤں، ان مضامین پر جب نظر ڈالی گئی تو ایک کتاب کے اندر ان سب کو سمونا کافی مشکل لگا، اس لئے زیر نظر کتاب...... ''دینی مدارس کا مقدمہ'' ...... میں صرف وہ مضامین شامل کئے گئے ہیں جو دینی مدارس اور تعلیم و تربیت کے حوالے سے ہیں، زندگی کی دوسری جہتوں سے متعلق مضامین کو ایک الگ مجموعہ میں شائع کرنے کا ارادہ ہے۔

مولانا جالندھری صاحب کو اللہ جل شانہ نے دینی مدارس کے سب سے بڑے تعلیمی بورڈ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی نمائندگی اور ترجمانی کا موقع دیا ہے اور وہ گزشتہ تیرہ سال سے اس کے جنرل سیکریٹری اور ناظم اعلیٰ ہیں، اس پلیٹ فارم سے انہوں نے مختلف محاذوں پر دینی

مدارس کا مقدمہ جس طرح لڑا، مدارس کے خلاف ہونے والے پروپیگنڈہ کی مسموم فضا میں جس طرح دفاع کیا، گلی کوچوں سے لے کر اقتدار کے ایوانوں تک اور منبر ومحراب سے لے کر طباعتی اور برقی فورموں تک مدارس کے نظام تعلیم وتربیت کی افادیت کے لئے انہوں نے جس طرح صدائیں بلند کیں...... سچی بات یہ ہے کہ تمام اسلامیان پاکستان کی طرف سے انہوں نے ان مدارس کی صحیح ترجمانی کا حق ادا کیا جو اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق اور بزرگوں کی توجہ ودعاؤں کے بغیر ممکن نہیں...... آج سے چند سال قبل اس ناکارہ نے اپنے ایک مضمون میں لکھا تھا:

''اللہ تعالیٰ نظر بد سے بچائے وفاق المدارس اس وقت اہل حق کا ایک ایسا قابل رشک ادارہ ہے جس میں مخالفین اور حاسدین کی بڑی کوششوں کے باوجود اب تک کوئی دراڑ نہیں پڑ سکی، گیارہ ستمبر کے بعد ''پلٹا کلچر'' نے ہماری دیرینہ اور آبرومندانہ قومی پالیسی کی جو تعمیر ڈھائی اس کے ملبے میں بڑے مضبوط نظریات کے حامل ادارے اور جماعتیں دب کر رہ گئیں، بڑے بڑوں نے اپنی پالیسیاں بدلیں...... مجاہدین کے ساتھ چند لمحوں کی رفاقت کو زندگی کا مایہ سمجھنے والے ان کے نام لینے سے بھی کترانے لگے، دلیس غزنوی کے بدلتے تیور ہواؤں نے کالے عمامے اڑائے اور عزیمتوں کی تاریخ مرتب کرنے والے رخصتوں کے قصر میں نشیمن بنانے لگے...... خوف وہیبت کی اس فضا میں ہر حساس مسلمان کو دینی مدارس کی فکر تھی اور کہا جارہا تھا کہ سقوط طالبان کے بعد ''سقوط مدارس'' کا مرحلہ دشمنوں کی منزل ہے، مدارس کا نصاب، نظام اثر ورسوخ ہر پہلو حملوں کی زد میں آیا...... لیکن الحمدللہ ''وفاق المدارس'' نے اس تندی باد مخالف میں چراغ جلائے رکھا۔ اس کا بڑا ظاہری سبب یہ تھا کہ وفاق کی قیادت ایک ایسے اللہ والے بزرگ کے ہاتھ میں ہے جو نصف شب سے طلوع سحر تک اپنے رب کی بارگاہ میں گڑگڑاتے اور ان اداروں کی بقاء اور ترقی کے لئے دعائیں کرتے ہیں، جو علانیہ اور خفیہ پیشکشوں کو ایک لمحہ توقف کئے بغیر ٹھکرا دیتے ہیں جنہیں مادر علمی دارالعلوم دیوبند کی روشن شخصیات سے براہ راست استفادے کا موقع ملا، قیادت کے قحط الرجال کے اس دور میں یہ اسلامیان پاکستان کی خوش قسمتی ہے کہ یہاں کے دینی مدارس کو ایک مخلصانہ اور مدبرانہ قیادت میسر ہے...... وفاق المدارس العربیہ کے ناظم اعلیٰ مولانا قاری محمد حنیف جالندھری

ہیں، مولانا بڑی صلاحیتوں کے مالک ہیں، گفتگو کے فن پر انہیں عبور ہے اور دلائل کے زور سے وہ اپنی بات سامعین سے منوا لینے کا گر جانتے ہیں۔ میں نے کئی تقریبات میں دینی مدارس کا موثر دفاع کرتے ہوئے انہیں سنا، وہ دینی مدارس کا مقدمہ ایک ماہر اور کامیاب وکیل کی طرح سامنے لاتے ہیں اور فریق مخالف تک کو اپنی سوچ کے زاویے بدلنے پر مجبور کر دیتے ہیں..... گزشتہ سال کراچی کے ایوان صنعت وتجارت میں ''مدرسہ ایجوکیشن'' کے موضوع پر ایک سیمینار تھا، مقررین میں اکثر انگریزی میں تقریریں کررہے تھے، ماحول وہی تھا جو اس طرح کے ایوانوں کا ہوتا ہے مجھے خدشہ تھا کہ ''پڑھے لکھے'' لوگوں کے اس طبقے میں شاید مولانا صاحب کی تقریر جچے گی نہیں لیکن جب انہوں نے بولنا شروع کیا تو پورے ایوان پر چھا گئے اور ہال تالیوں سے گونج اٹھا، منتظمین کا کہنا تھا کہ ان کی تقریر سیمینار کی موثر ترین تقریر تھی جو سب سے زیادہ دلچسپی سے سنی گئی۔''

مدرسہ کیا ہے؟:..... مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے مدرسہ کا جو تعارف اپنے مخصوص جاذب مفکرانہ اسلوب میں کیا ہے، مدرسہ کا شاید اس سے خوبصورت تعارف نہیں کیا جاسکتا، وہ لکھتے ہیں:

''میں مدرسہ کو ہر ادارہ سے بڑھ کر مستحکم، طاقت ور، زندگی کی صلاحیت رکھنے والا اور حرکت ونمو سے لبریز سمجھتا ہوں۔ اس کا ایک سرا نبوت محمدی سے ملا ہوا ہے دوسرا اس زندگی سے، وہ نبوت محمدی کے چشمہ حیواں سے پانی لیتا ہے اور زندگی کی ان کشت زاروں میں ڈالتا ہے، وہ اپنا کام چھوڑ دے تو زندگی کے کھیت سوکھ جائیں اور انسانیت مرجھانے لگے۔ نہ نبوت محمدی کا دریا پایاب ہونے والا ہے، نہ انسانیت کی پیاس بجھنے والی ہے، نہ نبوت محمدی کے چشمہ فیض سے بخل اور انکار ہے نہ انسانیت کے کاسہ گدائی کی طرف سے استغناء کا اظہار، اُدھر سے انما انا قاسم والله یعطی کی صدائے مکرر ہے تو ادھر سے هل من مزید کی فغانِ مسلسل۔

مدرسے سے بڑھ کر دنیا میں کون ساز ندہ متحرک اور مصروف ادارہ ہوسکتا ہے، زندگی کے مسائل بے شمار، زندگی کے تغیرات بے شمار، زندگی کی ضرورتیں بے شمار، زندگی کی لغزشیں بے شمار، زندگی کے فریب بے شمار، زندگی کے رہزن بے شمار، زندگی کی

تمنائیں بے شمار، زندگی کے حوصلے بے شمار...... مدرسہ نے جب زندگی کی رہنمائی اور دستگیری کا ذمہ لیا تو اسے اب فرصت کہاں؟ دنیا میں ہر ادارہ ہر مرکز ہر فرد کو راحت اور فراغت کا حق ہے، اس کو اپنے کام سے چھٹی مل سکتی ہے، مگر مدرسہ کو چھٹی نہیں، دنیا میں ہر مسافر کے لئے آرام ہے لیکن اس مسافر کے لئے راحت حرام ہے۔''

مدرسہ، آنکھ کا کانٹا......

''دہشت گردی کے خلاف امریکی جنگ کی کامیابی ان دینی اداروں کے خاتمہ کے بغیر ممکن نہیں، دیگر جاری کارروائیوں سے پانچ دس برس کے لئے وقتی اطمینان ہوسکتا ہے، لیکن اس کے بعد پھر نئی دہشت گرد جماعتیں ظاہر ہوں گی، اس لئے دہشت گردی کے ہمیشہ کے لئے خاتمہ کی ابتدا تعلیم کے ابتدائی مراحل کے نصاب تعلیم کی ترمیم وتبدیلی سے ہونا چاہئے، فی الوقت اہم ترین بات نصاب ہائے تعلیم کے ان اجزاء کو بدلنا ہے جو یہود اور مغربی دنیا سے نفرت پر ابھارتے ہیں اور جن میں موجود مواد دہشت گردی کے عملی اقدام پر اکساتا ہے۔''

یہ بیان امریکی وزیر دفاع رمسفیلڈ کی اُس خفیہ یادداشت سے لیا گیا ہے جو اس نے اپنے معاون افسروں کے نام لکھی ہے، اس کے ساتھ ہی امریکی نائب وزیر دفاع کی تقریر کا یہ اقتباس بھی ملاحظہ ہو:

''اسلامی دینی مدارس لاکھوں مسلم بچوں کو انتہا پسندانہ دینی تعلیم پر ابھارتے اور دہشت گردی سکھاتے ہیں، اس لئے ان کی سرگرمیوں پر روک لگانے کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ان کے مالی بجٹ کی حد مقرر کی جائے، لیکن اس سے بہتر ذریعہ یہ ہوگا کہ مقامی طور پر ان مدارس کے مخالف افراد، رجحانات اور اداروں کو تقویت اور مدد پہنچائی جائے تاکہ وہ انتہا پسندی کے سرچشموں کا مقابلہ کرسکیں۔''

دوسری طرف امریکی کانگریس اپریل ۲۰۰۳ء میں ایک سیمینار منعقد کر چکی ہے، جس میں اس نے اسلامی دینی تعلیم کو دہشت گردی کی جاری لہروں میں سے ایک بڑی لہر مانا ہے اور اس کے تمام چشموں کو سُکھانے کے وسائل پر غور کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنائی ہے۔ بعض عرب ذرائع ابلاغ کی رپورٹوں کے مطابق ''امریکہ نے عرب ممالک پر اپنا دباؤ بڑھانے کے لئے وہاں کے تعلیمی نصابوں کی تبدیلی اور امریکی مطالبات کی تنقید کی نگرانی کے لئے امریکی ماہرین کے کئی گروہ

بھیجے، جو اگرچہ اپنے آپ کو کانگریس کیمبر یا یونی ورسٹی کے اساتذہ بتلاتے ہیں، لیکن درحقیقت وہ امریکن جاسوسی اور تحقیقاتی محکموں، سی آئی اے یا ایف بی آئی کے عہدیدار ہوتے ہیں جو دینی تعلیم کے خلاف مہم کی تنفیذ کی پیش رفت اور اس کو زیادہ فعال بنانے کے لئے نئے اقدامات کی نگرانی کرنے اور مشورے دینے کے لئے بھیجے جاتے ہیں۔

عالم اسلام میں اسلامی تعلیم کے شفاف سرچشموں کو آلودہ کرنا اور اس کی ان جاری سوتوں کو خشک کرنا امریکی جنگی حکمت عملی کا وہ وار ہے، جس کا ذکر درج بالا اقتباسات میں کر دیا گیا۔ برصغیر میں تو آزاد دینی مدارس کا ایک ایسا جال بچھا ہے جسے ختم کرنے کے لئے مدتوں سے اسلام دشمن قوتیں منصوبے بنا رہی ہیں، لیکن اب تک بحمد اللہ انہیں کامیابی نہیں مل سکی، عالم عرب میں برصغیر کے دینی مدارس کی طرح ٹھیٹھ دینی ادارے پہلے ہی سے نہیں ہیں، البتہ وہاں سرکاری تعلیمی اداروں میں اسلامی تعلیم وتربیت کے جو تھوڑے بہت شعبے ہیں انہیں ختم کرنے اور ان کے نصاب سے یکسر لیکن تدریجاً دینی مواد ہٹانے کے لئے یہ قوتیں سرگرم ہیں۔

عالم عرب کے اسلامی تعلیم ونصاب پر حملے...... مصر میں جامعہ ازہر کے اسلامی تشخص اور اسلامی علوم کے لئے اس کی نشر واشاعت کے شاندار ماضی سے کون ناواقف ہے، جامعہ ازہر صرف مصر ہی نہیں، پورے عالم اسلام کو ایک دور میں اسلامی علوم کے ماہرین مہیا کرتی رہی ہے اور اس کی ان خدمات کا دائرہ برسوں نہیں بلکہ صدیوں پر محیط ہے۔ لیکن ایک منظم سازش کے تحت عالم اسلام کے اس بے نظیر ادارے کا بطور خاص گزشتہ چند عشروں سے جو حشر کیا گیا ہے، اس سے شاید بہت سے لوگ واقف نہیں ہوں گے، اس کے بجٹ میں تخفیف کر کے، نئی ضروری عمارتوں کی تعمیر اور قدیم خستہ عمارتوں کی مرمت موقوف کر دی گئی، دینی تعلیم کو بالکل برائے نام کر دیا گیا، ہفتہ واری بیس گھنٹوں میں کمی کر کے صرف چار گھنٹے تفسیر وحدیث، فقہ وعقائد کے لئے رکھے گئے، نصاب تعلیم سے جہاد اور یہود سے متعلق تمام مواد نکال دیا گیا۔ ''شیخ الازہر'' کے عظیم منصب پر ڈاکٹر سید طنطاوی جیسے مغرب پرست شخص کو بٹھایا گیا، جس نے بیک جنبش قلم ایک قرارداد کے ذریعے ملک بھر میں پھیلے ہوئے حفظ قرآن کے چھ ہزار مکاتب کی انفرادی اور خود مختار حیثیت ختم کر کے انہیں ''ازہری معاہد'' میں ضم کر دیا...... وہ ازہر جہاں سے اسلامی علم کے چشمے ایک دنیا کو سیراب کر رہے تھے، اب سیکولر دانشوروں کے نرغے میں اپنی تابناک روایات سے محروم ہو چکا ہے!! قاہرہ میں امریکی سفیر نے کہا کہ ''ان تعلیمی تبدیلیوں میں واشنگٹن براہ راست مداخلت نہیں

کر رہا، ہم صرف مشورہ اور امداد فراہم کرنے پر اکتفا کر رہے ہیں۔'' جہاں کسی قوم میں میر جعفر و صادق قدم قدم پر دستیاب ہوں، وہاں دشمن کو عملی مداخلت کی آخر کیا ضرورت رہ جاتی ہے؟......
تونس کی وزارتِ تعلیم ہمیشہ کمیونسٹوں کے ہاتھ میں رہی، انہوں نے دینی تعلیم کی مشہور درس گاہ '' زیتونہ یونیورسٹی'' سے اس کے اسلامی تشخص و امتیاز کا خاتمہ کر کے فرانسیسی اور امریکی مدد کے زور پر بے دینی کو معاشرے میں اس قدر عام کر دیا کہ وہاں اسلامی اور عربی تہذیب کی بجائے تعلیم و تمدن کے میدان میں فرانسیسی اور امریکی جھنڈے لہرا رہے ہیں، دیکھنے سے پتہ ہی نہیں چلتا کہ یہ ان جانباز عربوں کا ملک ہے جنہوں نے ایک دور میں اقوام عالم کو جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر اسلام کی شان دار تہذیب سے آشنا کیا تھا۔

یمن کے اندر دینی مکاتب اور خود مختار آزاد دینی مدارس کا بڑا مفید سلسلہ جاری تھا، چند سال قبل خود مختار تمام دینی مدارس کو یا تو بند کر دیا گیا اور یا پھر انہیں وزارت تعلیم کے تحت کر دیا گیا، تا کہ اس کے نصاب میں ترمیم و تبدیلی کرتے ہوئے کٹھ پتلی امریکہ نواز حکومت کو کوئی دقت پیش نہ آئے اور اس کے بعد پارلیمانی کابینہ نے ان تمام قرآنی اور دینی مکاتب کو بند کرنے کے لئے ایک قرارداد منظور کرائی، جو نئے جاری کردہ قانونِ تعلیم پر پورا نہیں اترتے، یمنی صدر علی عبداللہ صالح نے اپنی بے بسی اور مجبوری کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ '' اگر آزاد دینی معاہد کو حکومت کے قبضہ میں نہ لیا جاتا تو ان کے ملک کا بھی افغانستان اور عراق جیسا حشر ہوتا۔''

آزاد دینی مدارس، قربانیوں کی لازوال تاریخ...... پاکستان کا معاملہ قدرے مختلف ہے، یہاں آزاد دینی مدارس کے پس منظر میں علماء کی قربانیوں کی لازوال تاریخ دمک رہی ہے، یہ ملک نظریاتی بنیاد پر وجود میں آیا اور نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کے لئے علماء کی محنتوں، قربانیوں اور شہادتوں کی لہورنگ فصیل ابھی زمانے کی دھند میں دھندلائی نہیں، اس۔ لئے اس مورچہ پر قبضہ کرنا اس قدر آسان نہیں، یہاں بڑے بڑوں نے زور آزمائی کی اور یہ سلسلہ تا ہنوز جاری ہے......

جنرل ایوب خان نے اپنے عہد اقتدار میں یہی سوال اٹھایا تھا کہ تیونس، مراکش، مصر اور شام وغیرہ عرب ملکوں میں علماء حکومت کے خلاف دم نہیں مار سکتے، ایک پاکستان ایسا ملک ہے کہ جہاں کراچی سے پشاور تک علماء صدائے احتجاج بلند کر کے ملک میں ہلچل مچا دیتے ہیں۔ مصری نسخے کو سمجھنے کے لئے انہوں نے باقاعدہ اسلامیہ کالج پشاور کے ڈین نور الحق صاحب کو مصر بھیجا، انہوں نے آ کر رپورٹ دی کہ وہاں مساجد اور مدارس کی اکثریت سرکاری تحویل میں ہے اور ائمہ

اور اساتذہ محکمہ اوقاف کے ملازمین ہیں، اس لئے ان کی زبانیں بند رہتی ہیں، جنرل ایوب نے جب یہاں اس نسخے کے آزمانے کا ارادہ کیا، تو ڈین صاحب اور دوسرے لوگوں نے انہیں روک دیا اور کہا کہ مصر اور پاکستان کے حالات مختلف ہیں، سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ اگر مدارس حکومت کی تحویل میں لے لئے جائیں تو یہ علماء مسجدوں کی چٹائیوں پر بیٹھ کر درس و تدریس کا سلسلہ شروع کر دیں گے اور عوام ان سے رسید طلب کئے بغیر ان کو چندہ بھی دیں گے، یوں پھر سے نئے آزاد مدارس وجود میں آجائیں گے اور سرکاری مدارس میں پڑھنے کوئی نہیں آئے گا۔

جنرل ایوب نے نصاب کی تبدیلی کے لئے ڈین صاحب کو مقرر کیا، وہ بڑے طمطراق کے ساتھ کراچی آئے، حیدرآباد یونیورسٹی کے داؤد پوتا بھی ان کے ہمراہ تھے، یہاں مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحب اور محدث العصر حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری صاحب سے ملے، انہیں نصاب تعلیم میں ترمیم کا مشورہ دیا، حضرت مولانا بنوری رحمہ اللہ نے ان کی پوری تقریر سن کر فرمایا: ''مدارس عربیہ کا نصاب بنانے میں آپ جیسے سرکاری ملازمین کی کیا حیثیت ہے؟ یہ نصاب جید علماء ہی بنا سکتے ہیں اور وہی بنائیں گے''...... ڈین صاحب نے پوچھا، وہ علماء کون ہوں گے، آپ نے فرمایا: ''یہ کام یوسف بنوری اور مفتی محمد شفیع صاحب کا ہے، آپ کا نہیں۔''

جنرل ضیاء مرحوم نے اپنے زمانہ اقتدار میں دینی مدارس کو سرکاری تحویل میں لینے اور ان کے نصاب میں تبدیلی کے لئے بڑی کوششیں کیں، لیکن دینی مدارس کی سب سے بڑی اور سب سے منظم تنظیم ''وفاق المدارس'' نے ان کوششوں کو بارآور نہیں ہونے دیا۔ ۱۹۷۹ء کو جنرل ضیاء کی سرکار نے ''قومی کمیٹی برائے دینی مدارس'' تشکیل دی، جس کی سفارشات کی روشنی میں وزارت تعلیم نے ایک منصوبہ تیار کیا، اس مجوزہ منصوبہ پر ''وفاق المدارس'' کی مجلس عاملہ نے ۱۵ ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ، ۲۱ فروری ۱۹۸۱ء کو راولپنڈی میں اپنے منعقدہ اجلاس میں غور کیا، اس وقت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب (بانی دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک) وفاق المدارس کے سرپرست، مولانا محمد ادریس میرٹھی صدر اور شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خاں صاحب ناظم اعلیٰ تھے، انہوں نے ایک قرارداد میں مجوزہ منصوبہ رد کرتے ہوئے حکومت کو لکھا:

''یہ سب منصوبے دیکھ کر ہمارے اس یقین میں اور پختگی آگئی ہے کہ حکومت کے ایسے آئے دن بدلتی ہوئی تجاویز، اضافوں اور ترمیمات سے مدارس عربیہ کا اصل مقصد اشاعت دین، تحفظ قرآن وسنت، علوم دینیہ، مخلص اہل حق علماء کی تیاری

باقی رکھ سکیں گے، نہ مدارس عربیہ آئے دن کے بدلتی ہوئی حکومتوں اور افسروں کے بدلتے ہوئے رجحانات اور مختلف نظریات کے ساتھ اپنی خودمختاری باقی رکھ سکیں گے، اس لئے نہ صرف یہ کہ آج کے اس اہم اجلاس میں وفاق المدارس اور مسلک دیوبند کے اکابر وزارت تعلیم کے اس مجوزہ خاکہ کو مسترد کرتے ہیں، بلکہ دینی تعلیم کی اشاعت میں سرگرم دیگر مکاتب فکر کے ارباب مدارس سے بھی توقع کرتے ہیں کہ وہ اس مجوزہ اصلاحات سے قطعی لاتعلقی کا اعلان کر کے دینی تعلیم کی حفاظت کا آزمودہ مروج طریقہ کار برقرار رکھیں گے، ان شاء اللہ اسی میں دین، علماء، مدارس دینیہ اور ملک وملت کی فلاح ہوگی۔"

اکتوبر ۱۹۹۹ء سے صدر پرویز مشرف صاحب کا دور حکومت شروع ہوتا ہے۔ ۱۸ اگست ۲۰۰۱ء کو انہوں نے بائیس دفعات پر مشتمل "ماڈل دینی مدارس آرڈی نینس" جاری کیا تو مختلف مکاتب فکر کے دینی مدارس کی مشترکہ تنظیم "اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ" نے ۲۷ اگست ۲۰۰۱ء کو جامعہ اشرفیہ لاہور میں اپنے منعقدہ اجلاس میں اسے مسترد کر دیا اور اپنے متفقہ فیصلے سے حکومت کو آگاہ کرتے ہوئے لکھا کہ "ہم دینی مدارس اور جامعات کی آزادی اور خودمختاری کا ہر قیمت پر تحفظ کریں گے، چاہے وہ مالی خودمختاری ہو یا نظام تعلیم کی، نصاب مدارس ہو یا انتظام مدارس دینیہ، ان میں سے کسی بھی قسم کی دخل اندازی چاہے وہ براہ راست ہو یا بالواسطہ، ہم اسے مسترد کرتے ہیں۔" اس کے تقریباً ایک سال بعد ۱۹ جون ۲۰۰۲ء کو وفاقی کابینہ نے ۲۹ دفعات پر مشتمل مدرسہ "رجسٹریشن اور ریگولیشن آرڈی نینس" کی منظوری دی، اس آرڈی نینس کا ناقابل قبول پہلو یہ تھا کہ اس میں ملک کے تمام دینی مدارس کو پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ یعنی ماڈل دینی مدارس بورڈ کے تحت بنا کر ان کی آزادی اور خودمختاری کا بالکلیہ خاتمہ کر دیا گیا، وفاق المدارس العربیہ پاکستان اور دوسرے مکاتب فکر کی تنظیمات مدارس نے اسے بھی یکسر مسترد کر دیا، چنانچہ ۱۸ جولائی ۲۰۰۲ء کو لاہور میں شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خاں صاحب کی زیر صدارت "اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ" کا اجلاس ہوا، پانچویں تنظیمات کی مجلس عاملہ کی قراردادیں پڑھ کر سنائی گئیں، جن میں تمام تنظیمات کی مجلس عاملہ نے مجوزہ دینی مدارس رجسٹریشن کو کلی طور پر مسترد کر دیا تھا۔ اتحاد تنظیمات نے اپنے متفقہ موقف سے آگاہ کرتے ہوئے، حکومت کے نام ایک خط بھی لکھا، جس میں مجوزہ آرڈی نینس پر شق وار جامع تبصرہ تھا اور ان عواقب کی نشان دہی کی گئی تھی، جن کا اس آرڈی نینس

کے ممکنہ نفاذ کی صورت میں دینی مدارس کو سامنا کرنا پڑتا۔

ماڈل دینی مدارس بورڈ درحقیقت آزاد دینی مدارس کو سرکاری شکنجے میں کسنے کا ایک منصوبہ تھا جو الحمدللہ ناکام ہوکر قصہ پارینہ بن گیا...... اس کے بعد براہ راست مدارس کو حملوں کا نشانہ بنانے کا سلسلہ شروع ہوا، لال مسجد کا المناک واقعہ پیش آیا، وزیرستان، سوات اور ملک کے دیگر مختلف اضلاع کے مدارس چھاپوں اور حملوں کی زد میں آتے رہے...... اس سلسلے میں وفاق المدارس نے کیا کردار ادا کیا؟ حکومت اور صاحب اقتدار طبقے کے ساتھ ان کے مذاکرات کے نکات اور نتائج کیا رہے؟ دینی مدارس کو نام نہاد دہشت گردی میں ملوث قرار دینے کی حقیقت کیا ہے؟ امن وامان کے داعی اسلامی تعلیم و تربیت کے ان مراکز کو دہشت گردی کے ساتھ کیوں نتھی کیا جارہا ہے؟ اور یہ پروپیگنڈہ کون لوگ کررہے ہیں؟ ان کے کیا مقاصد ہیں؟ مدارس کا نظام تعلیم و تربیت کیسا ہے؟ اس کے کیا فوائد اور برکات ہیں؟...... یہ اور اس طرح کے دیگر سوالات کا تفصیلی جواب، آپ کو حضرت ناظم اعلیٰ وفاق المدارس کی اس کتاب میں ملے گا...... لیکن اس سے پہلے ان کی زندگی اور سوانحِ حیات پر ایک مختصر نظر!......

صاحب کتاب کی کہانی خود ان کی زبانی...... ناظم اعلیٰ وفاق حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری صاحب نے مختلف انٹرویوں میں اپنی زندگی، خاندان اور سوانح حیات پر روشنی ڈالی ہے، آیئے کتاب پڑھنے سے پہلے صاحبِ کتاب کی کہانی خود ان کی زبانی پڑھتے ہیں، وہ کہتے ہیں:

''میرا تعلق بحمدللہ ایک علمی خاندان سے ہے، میرے جدامجد، حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ صاحب برصغیر کے اجل علماء میں سے تھے، حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے اجل خلیفہ اور دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے، آپ استاذ العلماء تھے، آپ کا درس انتہائی مقبول اور عام فہم تھا جو ''خیر الکلام ماقل و دل'' کا حقیقی مصداق تھا، میرے والد ماجد حضرت مولانا محمد شریف جالندھری صاحب دارالعلوم دیوبند کے ممتاز فضلاء میں سے تھے، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے تلمیذ رشید تھے...... ہمارے ددھیال ونھیال ضلع بہاولنگر چشتیاں کے قریب چک نمبر ۴۴ کے رہائشی تھے، دینی وعلمی خدمات کے لئے حضرت جدامجد رحمہ اللہ تعالیٰ جالندھر چلے گئے اور وہاں حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی سرپرستی میں خیر المدارس کے نام سے ایک معیاری درسگاہ قائم فرمائی...... تقسیم ہند کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد

حسن امرتسری رحمہ اللہ اور حضرت جدامجد اللہ کا مشترکہ پروگرام طے ہوا کہ لاہور میں ایک دینی ادارہ کی داغ بیل ڈالی جائے، اسی اثناء میں فیصل آباد سے میرے جدامجد کے لئے شدید اصرار ہوا کہ یہاں دینی کام کی ترویج وترقی کی انتہائی ضرورت ہے، چنانچہ حضرت جدامجد رحمہ اللہ فیصل آباد تشریف لائے...... مجاہد ملت حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ تعالیٰ فیصل آباد تشریف لائے اور میرے جدامجد رحمہ اللہ کو قائل کیا کہ یہاں کی بہ نسبت ملتان میں شرک وبدعت کے زور کی وجہ سے دینی تعلیم کے احیا اور فروغ کی انتہائی ضرورت ہے، آپ مولانا جالندھری رحمہ اللہ کی ترغیب اور وہاں دینی کام کی ضرورت کے احساس دلانے کی وجہ سے ملتان تشریف لے آئے، یوں ہمارا علمی خاندان چشتیاں سے جالندھر، جالندھر سے لاہور، فیصل آباد سے ہوتا ہوا ملتان آپہنچا۔

میری پیدائش ۸/نومبر ۱۹۶۱ء کو ملتان میں ہوئی، میری ابتدائی تعلیم کا آغاز خاندانی معمول کے مطابق حفظ قرآن مجید سے ہوا، اس وقت میری عمر پانچ، چھ سال کے لگ بھگ تھی، میرے حفظ کے استاد قاری محبوب احمد صاحب ہیں جو اب بھی جامعہ خیر المدارس ملتان کے شعبہ تحفیظ القرآن کے استاذ ہیں...... قدرت کا اپنا نرالا تکوینی نظام ہے، میری عمر سات سال کے لگ بھگ ہی تھی کہ والدہ ماجدہ کا انتقال ہوگیا، اس کے بعد حضرت جدامجد رحمہ اللہ کی شفقتوں میں انتہائی اضافہ ہوگیا، لیکن قدرت کے نظام نے والدہ صاحبہ کے بعد جلد ہی نو سال کی عمر میں ۱۹۷۰ء کو دادا جان کا سایہ اٹھالیا، جو انتہائی کڑی وسخت آزمائش تھی۔

حفظ کے بعد استاد القراء، زینت القراء حضرت قاری رحیم بخش صاحب پانی پتیؒ کے ہاں دو سال میں گردان مکمل کی، حضرت کی زندگی قرآن ہی کے لئے وقف تھی، وقت کے انتہائی پابند تھے، روحانی رعب بہت زیادہ تھا، اسی لئے آپ سے وحشت نہ تھی، صرف رعب تھا، جو تقویٰ کی وجہ سے اہل اللہ کو حاصل ہوتا ہے...... گردان سے فراغت کے بعد فارسی اور اولیٰ کے سال جامعہ ہی میں پڑھے، والد صاحب رحمہ اللہ کی اجازت ومشورہ سے ثانیہ کے لئے اشاعت العلوم چشتیاں بہاولنگر چلا گیا، وہاں حضرت جدامجد رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا عبدالعزیز رحمہ اللہ

مہتمم تھے، قاری اہل اللہ صاحب ابن حضرت قاری رحیم بخش صاحبؒ بھی میرے ہمراہ چشتیاں گئے تھے، اصل وہاں جانے کے بنیادی محرک ہی یہی تھے، وہاں ایک سال میں کئی تجربات وفوائد حاصل ہوئے، طالب علمی کی زندگی میں وہ سال انتہائی اہم رہا...... ثالثہ والے سال جامعہ خیر المدارس ملتان واپسی ہوگئی، ثالثہ سے دورہ حدیث تک جامعہ ہی میں تعلیم حاصل کی۔ میرے کتب کے اساتذہ کرام میرے والد ماجد حضرت مولانا محمد شریف جالندھری رحمہ اللہ، حضرت مولانا علامہ مولانا محمد شریف کشمیری رحمہ اللہ، حضرت مولانا مفتی عبدالستار رحمہ اللہ، حضرت مولانا عبدالمجید صاحب ساہیوال والے حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ، حضرت مولانا غلام مصطفیٰ صاحبؒ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد صدیق صاحب دامت برکاتہم ہیں۔

بندہ نے شعبان ۱۴۰۱ھ بمطابق ۱۹۸۱ء میں دورہ حدیث سے فراغت حاصل کی، ساتھ ہی مدینہ یونیورسٹی جانے کے لئے پروگرام بنا اور اس کے لئے کوششیں بھی شروع کردیں، اسی سال رمضان المبارک میں والد صاحب کی درخواست حج منظور ہوگئی...... میں نے شوال ۱۴۰۱ھ میں درجہ تکمیل پڑھنا شروع کیا، جس میں حمداللہ، صدرا، ملاحسن اور میبذی وغیرہ کتب شامل تھیں۔ حضرت مولانا علامہ محمد شریف کشمیری رحمہ اللہ جامع المعقول والمنقول تھے، شعبہ تکمیل کے سربراہ تھے، ان سے استفادہ کے لئے طلبہ دور سے کشاں کشاں آتے تھے...... میرے لئے حضرت نے یہ تجویز فرمایا کہ ابھی تکمیل کا سال پڑھو، بعد میں دیکھا جائے گا، میرے لئے حضرت کی خصوصی شفقت کی وجہ سے ایک یہ شرط بھی عائد تھی کہ فرمایا: ...... ''ملا حسن'' جب میں نے اپنے استاذ صاحب سے پڑھی تھی تو سبق زبانی سناتا تھا، اب آپ سے بھی ایسا ہی معاملہ ہوگا، چنانچہ میں بھی اسی طرح سناتا رہا، آخری سبق پر مکمل کتاب زبانی سنائی۔

تکمیل کے سال کے آغاز ہی میں ذی قعدہ ۱۴۰۱ھ کو مکہ مکرمہ میں والد صاحب کا انتقال ہوگیا۔ میرے لئے قیامت کی گھڑیاں تھیں، والدہ صاحبہ، دادا جان کی رفاقت کے بعد والد صاحب کے اچانک انتقال سے طبیعت پر غیر معمولی اثر ہوا،

لیکن حضرات اساتذہ اکابر کی شفقت ومحبت نے اس خلا کو پر کیے رکھا......والد صاحب کی وفات کے چندروز بعد جامعہ خیر المدارس ملتان ہی میں تعزیتی جلسہ ہوا، صدارت حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز حاجی محمد شریف صاحبؒ فرما رہے تھے۔ بڑے بڑے اکابر تشریف لائے، پہلی دفعہ اس جلسہ میں مجھے تقریر کا موقع ملا، میں نے اپنے درد وغم کا اظہار کیا، عوام وخواص سب نے میری گفتگو کو انتہائی محبت وتوجہ سے سماعت فرمایا اور دادِ تحسین بخشی......۲۳ ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ مطابق ۲۲/اکتوبر ۱۹۸۱ء کو جامعہ ہی میں مہتمم کے انتخاب کے لئے مجلس شوریٰ کا اجلاس ہوا، ملک بھر سے جید علماء کرام تشریف لائے، جن کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

1 حضرت مولانا حاجی محمد شریف صاحبؒ 2 حضرت مولانا محمد شریف صاحب کشمیریؒ 3 حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب (مہتمم جامعہ اشرفیہ، لاہور) 4 حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب (ملتان) 5 حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحبؒ (ملتان) 6 حضرت مولانا مفتی غلام قادر صاحبؒ 7 حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب 8 حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذیؒ 9 ڈاکٹر عبدالمجید صاحب (ملتان) 10 صوفی بشیر محمد صاحبؒ 11 منشی عبدالرحمٰن صاحبؒ 12 ملک عبدالغفور صاحب انوریؒ 13 حاجی شمشاد علی صاحبؒ 14 حضرت مولانا مشرف علی تھانوی صاحب 15 مولانا محمد حنیف سلمہٗ 16 الحاج امیر الدین صاحبؒ۔

حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا محمد مالک کاندھلویؒ نے مجلس شوریٰ کے نام ارسال کردہ خطوط میں ''اہتمام'' کے لئے احقر کا نام تجویز فرمایا......اہتمام کے لئے میرا نام متفقہ طور پر پیش ہوا، حضرت حاجی محمد شریف صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تعزیتی جلسہ میں اس کی تقریر سُن کر میں نے اسی روز فیصلہ کرلیا تھا کہ انہیں مہتمم بنانا ہے۔ بہر حال اکابر نے باتفاق رائے مجھے مہتمم بنانے کا فیصلہ کیا...... یہ چیز میرے وہم وگمان سے بھی بلند وبالا تھی، تھوڑی دیر بعد مجلس میں مجھے بلایا گیا، تمام اکابر مجھے دیکھ کر کھڑے ہوگئے، میری آنکھوں سے آنسو رواں تھے، اکابر نے فرمایا: آپ کے لئے جامعہ کے مہتمم ہونے کا فیصلہ ہوگیا ہے، لہٰذا اجلاس کی بقیہ کارروائی آپ کی صدارت میں ہوگی۔ یہ اصاغر نوازی اور

ناچیز پر اعتماد کی نایاب مثال تھی، باقی کارروائی میں جامعہ کے دیگر معاملات طے ہوئے، حضرت اقدس حاجی محمد شریف صاحبؒ کو جو حضرت تھانویؒ کے فیض یافتہ اور بیعت کے لئے اجازت یافتہ تھے، جامعہ کا سرپرست مقرر کیا گیا۔ حضرتؒ ضعف و نقاہت کے باوجود ہفتہ میں ایک بار جامعہ میں ضرور تشریف لاتے، جامعہ کے انتظامی معاملات حضرت رحمہ اللہ کی مشاورت ہی سے طے ہوتے تھے۔

مجلس شوریٰ کے اجلاس کا فیصلہ سننے کے لئے طلبہ، اساتذہ اور قرب وجوار کے علماء و مذہبی کارکن دارالحدیث میں سراپا منتظر تھے، فیصلہ سنانے کے لئے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کو منتخب کیا گیا۔ حضرت نے اپنے بیان میں فرمایا کہ فیصلہ کے تین طریقے ہیں: 1 فیصلہ کثرت رائے سے ہو، اختلاف موجود ہو 2 فیصلہ اتفاق رائے سے ہو، لیکن پہلے اختلاف ہو، بحث و تمحیص کے بعد سب قائل ہو جائیں 3 فیصلہ تو اُردے سے ہو جس میں کوئی اختلاف نہ ہو...... آج جامعہ خیر المدارس ملتان کے اہتمام کے لئے مولانا محمد حنیف جالندھری کے حق میں فیصلہ تیسرے طریقے کے مطابق ہوا ہے۔ پھر حضرت نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور محمد بن قاسمؒ کی مثالیں دیں جو نو عمری میں سپہ سالار بنے۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی مثال دی جو کم عمری میں دارالعلوم دیوبند کے مہتمم بنے۔ حضرت مولانا علامہ محمد شریف صاحب کشمیریؒ نے بھی بیان فرمایا اور اپنے بیان میں نعرے لگوائے...... عم محترم حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ نے اپنے ہاتھ میرے سر پر رکھ کر تائید فرمائی، حضرت مولانا محمد صدیق صاحب نے جو اس وقت جامعہ کے ناظم تھے، میری بھرپور تائید کا اعلان فرمایا۔ حضرت قاری رحیم بخش صاحبؒ اور حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحبؒ نے بھی تائید فرمائی...... اب پہلے سال میں درجہ تکمیل کا متعلم بھی تھا۔ پھر معلم اور مہتمم بھی بن گیا۔ اسباق کی تقسیم حضرت کشمیری صاحب، حضرت مفتی عبدالستار صاحب رحمہم اللہ اور حضرت مولانا محمد صدیق صاحب دامت برکاتہم فرماتے تھے۔ مجھے حضرت کشمیریؒ نے فرمایا کہ تم اب مہتمم ہو، صحیح بخاری سمیت جو سبق چاہتے ہو لے لو لیکن میری رائے اور خواہش یہ ہے کہ تم پختہ اور مضبوط عالم بنو۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ تم تحتانی اسباق سے

تدریجاً بتدریجاً فوقانی درجات کے اسباق کی طرف جاؤ، ہرفن کی کتاب کم از کم تین سال پڑھاؤ۔ میں نے عرض کیا کہ آپ میرے استاد، مربی اور والد ہیں آپ جو تجویز فرمائیں اسے سرمایہ اعزاز اور ترقی کا زینہ سمجھوں گا۔ بحمد للہ اب تک یہی معمول ہے کہ میرے اسباق اساتذہ ہی تجویز کرتے ہیں۔

میری سرپرستی اور جامعہ کی ترقی کے لئے حضرت قاری رحیم بخش پانی پتیؒ، حضرت مولانا علامہ محمد شریف کشمیریؒ، حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہم اللہ اور حضرت مولانا محمد صدیق صاحب دامت برکاتہم نے بڑی دستگیری فرمائی، ان کے ذکر سے باقی حضرات کے کردار واخلاص کی نفی مقصود نہیں۔ الحمد للہ جامعہ کو اللہ نے ہر دور میں اخلاص ومحبت کے خوگر اساتذہ ومعاونین عطا فرمائے۔ ان چار حضرات کی غیر معمولی شفقت کی وجہ سے بالتخصیص نام لیا۔

وفاق المدارس سے تعلق......

فقیر ۱۹۸۱ء میں مجلس عاملہ کا رکن بنا۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا قیام ۱۹۵۷ء کو عمل میں آیا۔ اس کے پہلے صدر حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانیؒ اور ناظم اعلیٰ مولانا مفتی محمود صاحبؒ تھے، بعد میں میرے جد امجد حضرت مولانا خیر محمد جالندھری صاحبؒ، حضرت مولانا محمد یوسف بنوری صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی صاحبؒ بالترتیب صدر الوفاق کے عہدے پر فائز رہے۔ نظماء اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ، حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی، حضرت مولانا سلیم اللہ خاں صاحب، حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحبؒ اور حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار صاحب رحمہ اللہ بالترتیب رہے ہیں۔ بندہ ۸ جون ۱۹۸۹ء سے ۲۸ فروری ۱۹۹۸ء تک وفاق کے نائب صدر کے عہدے پر فائز رہا۔ اور پھر یکم مارچ ۱۹۹۸ء سے تا حال فقیر ناظم اعلیٰ ہے۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے موجودہ صدر شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خاں صاحب دامت برکاتہم نے میری خوب تربیت کی، ہر موڑ پر میری رہنمائی فرمائی۔ حضرت جب ناظم اعلیٰ تھے تو بندہ نے ان کی رہنمائی میں وفاق کے لئے انتھک جدوجہد کی۔ پہلے امتحان سینکڑوں کی تعداد میں

ہوتا تھا اور خاص درجہ بندی کا انتظام نہیں تھا۔ اب الحمدللہ لاکھوں کی تعداد میں طلبہ وطالبات با قاعدہ درجہ بندی کے اعتبار سے امتحان دیتے ہیں، حضرت کی جہد مسلسل اور مخلص قیادت نے وفاق المدارس کو استحکام بخشا اور بندہ کی کوششوں سے بحمدللہ وفاق کے کام کو دوام ملا۔ درمیان میں تیز آندھیاں اور مصیبتیں بھی آئیں لیکن پاؤں نہیں ڈگمگائے۔ ہمت وعزم جواں رکھے۔ دینی مدارس دس برسوں میں بالعموم اور نائن الیون ولندن بم دھماکوں کے بعد بالخصوص عالمی ایجنڈے پر آ گئے، دہشت گردی، قتل وغارت اور فرقہ واریت کی ہر واردات کو دینی مدارس سے منتھی کرنے کی کوشش کی گئی۔ مدارس کی رجسٹریشن، غیر ملکی طلباء کا مسئلہ، دینی مدارس کی کردار کشی، مدارس کے نظام تعلیم ونصاب کو متنازعہ بنانا جیسے مسائل کھڑے کر دیئے گئے۔ ان تمام کے لئے ہم نے سوچا کہ موجودہ دور تنہائی کا نہیں۔ دوسرے مکاتب فکر کو بھی ساتھ لے کر چلنے کی ضرورت ہے، دینی مدارس کا تحفظ جیسے وسیع تر قومی مفاد کے مسئلے پر ہم نے دیگر مکاتب فکر کے وفاقوں کا اتحاد ''اتحاد تنظیمات مدارس'' کے نام سے تشکیل دیا۔ جس سے مدارس کا موقف مضبوط ہو کر مختلف عالمی وملکی فورموں پر پیش کیا گیا۔''

اس طرح گزشتہ تیس سال سے مولانا محمد حنیف جالندھری صاحب وفاق المدارس کی قیادت سے وابستہ رہے۔ ۱۹۸۱ء سے ۱۹۸۹ء تک تقریباً آٹھ سال مجلس عاملہ کے رکن رہے، ۱۹۸۹ء سے ۱۹۹۸ء تک تقریباً نو سال نائب صدر رہے اور ۱۹۹۸ء سے اب تک تقریباً تیرہ سال سے ناظم اعلیٰ وفاق المدارس کی ذمہ داری نبھا رہے ہیں۔

یہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے صدر، ناظم اعلیٰ اور جلیل القدر علماء پر مشتمل اس کی مجلس عاملہ کے اخلاص، بے غرضی اور حکمت وتدبر کا ثمرہ ہے کہ دینی مدارس کی آزادانہ حیثیت وخود مختاری ختم کرنے اور ان کے نصاب میں تبدیلی وترمیم کی کوئی سرکاری کوشش کامیاب نہیں ہو سکی اور منفی پروپیگنڈہ کے باوجود دینی مدارس کی تعداد نہ صرف دن بدن بڑھ رہی ہے بلکہ ان کی طرف طلبہ وطالبات اور قوم کا حیرت انگیز رجوع ہو رہا ہے...... اس لئے نظریاتی بنیاد پر وجود میں آنے والے اس ملک میں دشمنوں کے اہداف ومقاصد کے لئے سرگرم رہنے والے چاہے حکمران ہوں یا کوئی اور، انہیں یہ حقیقت بھولنی نہیں چاہئے کہ اس وطن کی مٹی پر جس طرح کسی جنرل، کسی کرنل،

کسی ڈی ایس پی، کسی ایس ایس پی، کسی وزیراعظم، وزیراعلیٰ، کسی گورنر اور آکسفورڈ، کیمرج کے نظام رنگ و بو سے تعلیم وتربیت پانے والے کسی "لکھے پڑھے" کا حق ہے، ٹھیک اسی طرح اس سر زمین پر پوری آزادی اور مکمل اسلامی تشخص کے ساتھ ایک عالم، ایک ملا، ایک حافظ قرآن، ایک دینی جدوجہد کے علمبردار، ایک مبلغ، ایک حقیقی اور مغرب کی اصطلاح میں ایک بنیاد پرست مسلمان کا بھی حق ہے اور اس ملک کا مفاد، اس کا تحفظ اور اس کی ترقی ان کو کسی بھی دوسرے طبقے کی بہ نسبت کم عزیز نہیں کیونکہ انہی کے اکابر کی ناقابل فراموش عزیمتوں اور قربانیوں سے یہ ملک وجود میں آیا......

یہ کتاب، مدارس سے متعلق عام مضامین کا مجموعہ نہیں، بلکہ گزشتہ کئی سالوں میں دینی مدارس کے دفاع اور تعارف کے لئے علمائے حق کی طرف سے ملکی اور بین الاقوامی سطح پر کی جانے والی کوششوں اور مساعی کی ایک مستند دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے، جامعہ بنوری ٹاؤن کے مہتمم اور شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب دامت برکاتہم نے بالکل بجا فرمایا ہے کہ "یہ کتاب ہر مدرسہ میں پہنچنی چاہئے، مدارس کے ذمہ دار حضرات اور مدرسین صاحبان اسے غور سے پڑھیں تاکہ وہ بوقت ضرورت تسلی بخش جواب دے سکیں......"

اور آخر میں انہی کی یہ آواز......"دینی مدارس کی آزادی اور خودمختاری ہماری اولین ترجیح ہے، پاکستان اکابر علمائے حق کی قربانیوں سے ہمیں ملا ہے، یہ اسلام کا قلعہ ہے، ان شاء اللہ اسلام پاکستان کا مقدر ہے، اس میں دیر ہوسکتی ہے، اندھیر نہیں......ہماری موجودہ پالیسی بھی یہی ہے کہ ہم ٹکراؤ اور تصادم پر یقین نہیں رکھتے، مذاکرات کے ذریعے کھلے دماغ سے ایک دوسرے کی بات چیت سنی جائے، بیرونی دباؤ کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ہمارے موقف کو بھی سنا جائے، دینی مدارس کا ایک ایک بچہ پاکستان کا مخلص وفادار ہے، ہم پاکستان کے چپہ چپہ کو مسجد کی طرح مقدس سمجھتے ہیں...... ہماری درس گاہیں حب الوطنی اور حب اسلام کا درس دیتی ہیں، الزامات محض الزامات ہوتے ہیں، ان کی وجہ سے حقائق نہ بدل سکتے ہیں، نہ مسخ ہوسکتے ہیں۔"

• • •

پیش لفظ

حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب مدظلہم

شیخ الحدیث جامعہ نصرت العلوم گوجرانوالہ

نحمدہٗ تبارک وتعالیٰ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم
وعلیٰ آلہ واصحابہ واتباعہ اجمعین

جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے جا رہے تھے تو اگرچہ معروف راستے سے ہٹ کر چھپتے چھپاتے سفر کر رہے تھے کہ قریش نے تعاقب کا اعلان کر رکھا تھا اور مختلف ٹولیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار یا شہید کرنے کے لئے چاروں طرف گھوم رہی تھیں مگر تمام تر احتیاط کے باوجود ایک عرب قبیلہ کے سردار سراقہ بن مالکؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر پہچان لیا اور آپ کا راستہ روکنے کے لئے سامنے آ گیا لیکن وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفیق سفر حضرت ابوبکر صدیقؓ پر قابو نہ پا سکا اور اپنے مشن میں ناکام ہو گیا۔ اس موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہؓ سے ایک عجیب بات فرمائی کہ میں تمہارے ہاتھوں میں کسریٰ بادشاہ کے سونے کے کنگن دیکھ رہا ہوں۔ سراقہؓ بعد میں مسلمان ہوئے، صحابی بنے اور امیر المومنین حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں فارس فتح ہونے کے بعد انہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی پوری کرنے کے لئے کسریٰ کے کنگن پہنائے گئے جسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں شمار کیا جاتا ہے۔

اس واقعہ کے معجزہ ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے مگر اس کا ایک اور پہلو بھی گہری توجہ کا متقاضی ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری کیفیت تو یہ تھی کہ خود مکہ مکرمہ سے رات کی تاریکی میں نکلے تھے، راستہ میں جبل ثور کی غار میں تین دن روپوش ہو رہے تھے، معروف راستے سے ہٹ کر سفر کر رہے تھے اور بظاہر صورت حال یہ تھی کہ جان بچا کر کسی طرح یثرب پہنچ جانا اس وقت کا سب سے بڑا ہدف تھا مگر اس حالت میں بھی نظر کسریٰ کے کنگنوں پر تھی جو اس وقت دنیا کی دو بڑی

طاقتوں روم اور فارس میں سے ایک کا حکمران تھا بلکہ جس وقت یہ بات ہو رہی تھی وہ روم کے خلاف جنگ میں بھی مسلسل پیش قدمی کی حالت میں تھا۔ اس لئے اس واقعہ کے معجزاتی پہلو کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ کے لئے اس میں سبق کا یہ پہلو بھی نمایاں طور پر موجود ہے کہ حالات کیسے ہی ناموافق کیوں نہ ہوں اور صورت حال کتنی ہی دگرگوں کیوں نہ ہو انسان کو حوصلہ نہیں ہارنا چاہئے اور اپنے اہداف کو نظر سے اوجھل نہیں ہونے دینا چاہئے اس لئے کہ نظریہ وعقیدہ رکھنے والی قوموں اور طبقات کے لئے شکست، ظاہری حالات کا اُلٹ پھیر نہیں ہوتی اور نہ ہی جسم وجان کی بے بسی شکست کہلاتی ہے بلکہ حوصلہ ہار دینا اور اپنے اہداف سے دست بردار ہو جانا فکر ونظر کی دنیا میں دراصل شکست کہلاتا ہے اور اپنی منزل سے دست بردار ہونا ہی حقیقی ناکامی ہوتا ہے۔

گزشتہ دو صدیوں کے دوران مسلم ممالک پر مغرب کی استعماری قوتوں کے نوآبادیاتی تسلط اور مسلم معاشرہ کے اجتماعی اداروں کی شکست وریخت کے بعد دینی قوتوں کی از سر نو جدوجہد کو جب دیکھتا ہوں تو ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ واقعہ بے ساختہ یاد آجاتا ہے اور مجھے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے اسی پہلو کی کارفرمائی اس طور پر اس میں دکھائی دیتی ہے کہ سب کچھ لٹ جانے کے بعد بھی یہ حوصلہ اور مورال کی قوت ہی تھی جس نے دینی قوتوں کو میدان سے ہٹنے نہیں دیا اور بظاہر سب کچھ گنوا کر بھی وہ اپنے وجود کا تسلط برقرار رکھنے، جدوجہد کی پیش رفت جاری رکھنے اور اپنا علمی، تہذیبی اور نظریاتی ورثہ اگلی نسلوں تک بحفاظت نسلوں تک بحاظت منتقل کرنے میں پوری طرح کامیاب رہے ہیں۔

جنوبی ایشیا میں ۱۸۵۷ء کے معرکہ حریت کی ناکامی اور اجتماعی زندگی کے ہر شعبہ میں برطانوی استعمار کے ہاتھوں مسلمانوں کی مکمل پسپائی کے بعد جدوجہد کا کون سا میدان باقی رہ گیا تھا اور اس خطے میں ملت اسلامیہ کے بہتر مستقبل کی کون سی کرن دکھائی دے رہی تھی؟ مگر یہ چند مردانِ حر کا حوصلہ تھا جنہوں نے ''زیرو پوائنٹ'' سے کام کا اس عزم کے ساتھ دوبارہ آغاز کیا کہ دیوبند کے قصبہ کی ایک چھوٹی سی مسجد میں انار کے درخت کے سائے سے شروع ہونے والے ''زیرو پوائنٹ'' کا دائرہ دیکھتے ہی دیکھتے پوری دنیا تک پھیلتا چلا گیا اور آج دنیا کا کوئی علاقہ اس کے اثرات اور انوار و برکات سے محروم نہیں ہے۔

بظاہر ایک چھوٹا سا مدرسہ تھا جس کے قیام کا مقصد وقتی طور پر نظر آ رہا تھا کہ دینی تعلیم کا نظام مکمل طور پر تاراج ہو جانے کے بعد مسلمان بچوں کو دینی علوم کے ساتھ وابستہ رکھنے کے لئے رضا

کارنامہ بنیادوں پر ایک درسگاہ قائم کی جائے اور اسی نقطہ سے اس نئے سفر کا آغاز ہوا لیکن اصحاب بصیرت کی نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ دینی علوم کی بقاء اور قرآن وسنت کی تعلیمات کے ساتھ عام مسلمانوں کی وابستگی ہی پوری دنیا میں مسلم امہ کی از سرِ نو بیداری اور نئی ملی زندگی کا ذریعہ ثابت ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ان مدارس کے قیام وبقاء کے لئے ایک ایک دروازے پر دستک دینے والے ان درویش صفت مردان حُر نے پورے جنوبی ایشیا میں اپنی سادگی، قناعت اور خلوص وجذبہ کے ساتھ ایک ایسا نیٹ ورک قائم کر دیا جو نہ صرف دینی علوم اور قرآن وسنت کی تعلیمات کے تحفظ اور سوسائٹی میں اسلامی اقدار وروایات کی بقاء کا ذریعہ ہے بلکہ وہ ان علوم وروایات کے علمی و عملی حاملین کی نسل در نسل کھیپ امت مسلمہ کو مہیا کرنے میں مصروف ہے جس کی روز افزوں تناسب نے نوآبادیاتی آقاؤں کو اپنی دوصدیوں کی مسلسل کاوشوں کی ناکامی پر ماتم کناں ہونے پر مجبور کر دیا ہے اور اب وہ ان مدارس کے ساتھ براہ راست مذاکرہ اور مکالمہ کے راستے تلاش کرتے نظر آرہے ہیں۔ باشعور مسلمانوں کے نزدیک دینی مدارس کا سب سے بڑا کارنامہ اور اسلام کو نسل انسانی کی اجتماعی زندگی سے آؤٹ کرنے کے خواہش مند عناصر کے نزدیک ان دینی مدارس کا سب سے بڑا قصور یہی ہے کہ ان دینی درسگاہوں نے: ●...... دینی علوم وفنون کو اصلی حالت میں باقی رکھا ہوا ہے۔ ●...... مسلمانوں کو ان کے عقائد وثقافت کے خلاف نظریاتی وفکری یلغار کے مقابلہ کے لئے نظریاتی اور تعلیمی حصہ فراہم کر رکھا ہے۔ ●...... مسلمانوں کے عبادات کے نظام اور خاندانی زندگی کے مذہبی پہلوؤں کے تحفظ کے لئے ماحول اور رجال کار کی فراہمی کی ذمہ داری سنبھالی ہوئی ہے اور یہ مدارس عام مسلمانوں کو بالادست تہذیب وثقافت سے ذہنی طور پر مرعوب ہونے سے بچانے کی مسلسل اور کسی حد تک کامیاب جدوجہد کر رہے ہیں۔

چنانچہ دوربین نگاہیں دیکھ رہی ہیں کہ دینی مدارس کی یہ محنت اور ان کا یہ علمی وتہذیبی اثاثہ نہ صرف یہ کہ ملت اسلامیہ کی دوبارہ بیداری اور حرکت کی اساس ثابت ہو رہا ہے بلکہ وہ آسمانی تعلیمات سے دست برداری اختیار کر کے اس کے منفی اثرات کا سامنا کرنے والے غیر مسلم معاشروں کے لئے بھی آسمانی تعلیمات کی طرف واپسی کے لئے مہمیز کا کام دینے لگا ہے۔

اس پس منظر میں پاکستان کے دائرہ میں دینی مدارس کی جدوجہد کی قیادت اور اس کے اہداف ومقاصد کی سمت درست رکھنے میں جن بزرگوں کی محنت سب سے زیادہ کارفرماں دکھائی دیتی ہے ان میں حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ، حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ، حضرت مولانا

سید یوسف بنوریؒ، حضرت مولانا مفتی محمودؒ، حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ، حضرت مولانا سلیم اللہ خاں صاحب دامت برکاتہم اور حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہیدؒ کے اسمائے گرامی نمایاں ہیں اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی اب تک کی پیش رفت اور ترقی انہی لوگوں کی کاوشوں سے عبارت ہے۔ اس دوران ان مدارس کی جداگانہ تشخص وامتیاز کو ختم کرنے، ان کی خودمختاری کو سلب کرنے، سرکاری مراعات اور امداد کے نام سے انہیں حکومتی دائرۂ عمل میں شامل کرنے اور جدید علوم کو نصاب میں شامل کرنے کے عنوان سے انہیں مروجہ عصری نظام تعلیم میں تحلیل کر دینے کے لئے ملکی اور عالمی سطح پر کیا کچھ نہیں ہوا اور تخویف وتحریص کے کون سے حربے نہیں آزمائے گئے مگر ان بزرگوں کی بصیرت اور عزیمت نے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کے ساتھ دینی مدارس کے خلاف ہر حربے کو ناکام بنا کر رکھ دیا اور دینی مدارس کے تشخص، خودمختاری اور تعلیمی اہداف پر کئے جانے والے ہر وار کا منہ توڑ دیا۔

بزرگوں کے اسی قافلہ کی جواں ہمت نمائندگی اور ترجمانی کا نام ''قاری محمد حنیف جالندھری'' ہے جو اپنے اسلاف واکابر کی روایات کا پرچم اٹھائے ہر قسم کا طعن والزام سہتے ہوئے بھی دینی مدارس کی ترقی، دفاع اور تحفظ کے میدان میں سربکف آگے بڑھ رہے ہیں۔ مولانا قاری محمد حنیف جالندھری ہمارے عزیز بھائی اور ہمارے مستقبل کی امید ہیں۔ انہوں نے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی ترقی، توسیع، ترجمانی اور دفاع کے لئے جو شبانہ روز جدوجہد کی ہے وہ مدارس کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے جسے مورخ کہیں نظر انداز نہیں کر سکے گا۔

مجھے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی ہے کہ محترم مولانا ابن الحسن عباسی نے مولانا قاری محمد حنیف جالندھری کے ان مضامین، تقاریر اور بیانات کو مرتب کیا ہے جن میں انہوں نے دینی مدارس کے اہداف ومقاصد کی وضاحت کرتے ہوئے دینی مدارس کے آزادانہ کردار کے خلاف بین الاقوامی اور حکومتی دباؤ کے اسباب وعوامل کو بے نقاب کیا ہے اور مختلف سطحوں پر اس سلسلے میں ہونے والے مذاکرات کی داستان بیان کی ہے۔ یہ تحریریں یقیناً اس علمی وثقافتی جنگ کا ایک اہم حصہ رہی ہیں جو مدارس کی جدوجہد اور ان کے خلاف بڑھتے ہوئے دباؤ کے اصل مقاصد کو سمجھنے میں مددگار ہوں گی اور نئی نسل کے لئے رہنمائی کا ذریعہ ثابت ہوں گی۔

دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو قبولیت سے نوازیں اور اسے زیادہ سے زیادہ لوگوں کی رہنمائی کا موثر ذریعہ بنائیں۔ (آمین یارب العالمین)

حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب مدظلہم

مہتمم وشیخ الحدیث جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی

الحمدلله الذی أرسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظهره علی الدین کله والصلاۃ والسلام علی سیدنا محمد الذی بعثه معلما و بشیرا ونذیرا وعلی آله و صحبه و من سلک سبیلهم الی یوم الدین.

أما بعد...... علوم اسلامیہ کی بنیاد اللہ کی اس وحی پر ہے، جسے اللہ نے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا اور امت تک پہنچانے اور اس کی تعلیم وتربیت کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلم بنا کر بھیجا۔ (لقد من الله علی المو منین...... الآیۃ آل عمران:۱۶۴)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تئیس سال کے عرصے میں اپنے قول اور عمل سے امت تک یہ دین پہنچایا اور حجۃ الوداع میں اس کی تکمیل اور اس کے آخری دین ہونے کا اعلان ہوا۔ (الیوم اکملت لکم دینکم...... الآیۃ سورۃ مائدہ:۳) اور جب یہ اعلان ہوا کہ اب قیامت تک کے لئے یہی دین اللہ کے ہاں قابل قبول ہے۔ (ان الدین عند الله الاسلام...... الآیۃ سورۃ آل عمران:۱۹)، (ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه...... الآیۃ سورۃ آل عمران:۸۵) تو اللہ تعالیٰ نے خود اس کی حفاظت کا ذمہ لے لیا۔ (انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون...... سورۃ حجر:۹)

تئیس سال کے عرصے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دین کے حاملین اور علماء کی ایسی عظیم الشان جماعت تیار فرمادی جس کی نظیر تاریخ پیش نہیں کرسکتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں ان نفوسِ قدسیہ پر اس دین کی حفاظت اور آئندہ آنے والی نسلوں تک پہنچانے کے لئے ان کو حکم دیتے ہوئے فرمایا: "فلیبلغ الشاهد منکم الغائب" (صحیح البخاری کتاب الحج) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ اور بعد میں آنے والی امت نے اس فریضہ کو کما حقہ ادا کیا، دین کے اس

سرمایہ کی حفاظت کی اور آنے والی نسلوں تک پہنچایا، چنانچہ چودہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی آج وہ دین روزِ اول کی طرح تروتازہ ہے۔(والحمد لله علی ذلک)

تاریخ اسلامی کے ہر دور میں مسلمان حکمرانوں نے اپنا فرض سمجھتے ہوئے ان علوم کی حفاظت اور ان کی نشرواشاعت کے لئے مدارس قائم کئے اور علماء اور طلبہ کی سرپرستی کی۔

متحدہ ہندوستان پر مسلمانوں نے کئی صدیاں حکومت کی، ان کا اپنا نظام تعلیم تھا جس سے ہر فن کے علماء پیدا ہوتے تھے۔

مسلمانوں کے آخری دور میں جب ان کی حکومت کمزور ہوگئی اور مغربی استعمار نے اپنے مکرو فریب اور ظلم و بربریت کے بعد ہندوستان پر قبضہ کرلیا، تو اس نے اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کے نظام تعلیم کو ختم کر کے اپنا نظام تعلیم جاری کردیا اور ہزاروں علماء کو قتل کردیا۔

اس افسوس ناک صورت حال کو دیکھتے ہوئے چند نفوس قدسیہ علماء کرام جمع ہوئے اور اس دین اور دینی علوم کی بقا کے لئے ایک مدرسہ کی داغ بیل ڈالی، جو آئندہ چل کر اللہ کے فضل اور علماء کرام کے اخلاص اور محنت کی برکت سے ''دارالعلوم دیوبند'' کے نام سے ایک عظیم بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی بن گئی جس سے فارغ ہونے والے فضلاء ہندوستان کے کونے کونے میں پھیل گئے اور جہاں پہنچے وہیں اس طرز کی درسگاہ قائم کردی۔

اور جب ۱۹۴۷ء میں ہندوستان تقسیم ہوگیا تو بہت سے علماء ہجرت کر کے پاکستان آگئے اور آتے ہی انہوں نے اسی مرکز کے طرز پر مدارس اور جامعات کھول دیں، جن کی تعداد ہزاروں تک پہنچ چکی تھی۔

ان مدارس کا نصاب تعلیم عموماً وہی تھا جوان کی مرکزی مادرِ علمی ''دارالعلوم دیوبند'' کا تھا، اور اسی نصاب نے ان کو آپس میں مربوط کیا ہوا تھا، لیکن ان مدارس کے اوپر کوئی ادارہ نہ تھا جوان کو منظم کرے اور ان کی افادیت میں اضافہ ہو۔

چنانچہ اس وقت کے اکابر علماء کرام ایک جگہ جمع ہوئے اور انہوں نے ''وفاق المدارس العربیہ'' کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا، تاکہ ان سب مدارس کو ایک ہی نظم میں جمع کردیا جائے کیونکہ اتحاد، اتفاق اور نظم میں جو برکت ہے وہ علماء پر مخفی نہیں۔

ان بزرگوں میں خاص طور پر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری، حضرت مولانا خیر محمد صاحب، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت مولانا مفتی محمود صاحب اور حضرت مولانا شمس الحق

افغانی رحمہم اللہ تعالیٰ قابل ذکر ہیں۔

دینی مدارس اور جامعات ہمیشہ اعداء اسلام اور ان کے پروردہ غلاموں کو کھٹکتے رہے ہیں۔ اس لئے کہ ان مدارس اور ان سے فارغ ہونے والے علماء کی برکت سے مسلمان معاشرے میں دین اور تقویٰ کا رنگ غالب ہے، اللہ کے گھر مسجدیں آباد ہیں اور شعائر اللہ کی تعظیم ہو رہی ہے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا سلسلہ جاری ہے۔

اس لئے اعداء اسلام اور ان کے غلاموں کا رویہ ہمیشہ معاندانہ رہا ہے اور گزشتہ دہائیوں میں تو وہ کھل کر سامنے آگئے ہیں، اور مدارس کے خلاف منظّم سازش شروع کر رکھی ہے، کبھی ان کو بند کرنے کا منصوبہ بنایا گیا ہے، کبھی بڑے بڑے علماء کو شہید کیا گیا، کبھی ان کے نصاب تعلیم میں تبدیلی کی سازش ہو رہی ہے، کبھی ان کو بدنام کرنے کیلئے جھوٹے پروپیگنڈے کئے جاتے ہیں۔

الحمدللہ! ہمارے اس دور میں وفاق کو حضرت مولانا سلیم اللہ خاں صاحب جیسے صدر اور ایک نوجوان باصلاحیت اور تجربہ کار ناظم اعلیٰ ...... مولانا قاری محمد حنیف صاحب کی صورت میں نصیب ہوئے، جنہوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لاکر ہر میدان میں ان فتنوں کا مقابلہ کیا اور ان کے اعتراضات کے دندان شکن جواب دیئے۔ حکومتی سطح پر بھی اور غیر سرکاری سطح پر بھی۔

ایں سعادت بزور بازو نیست　　　تانہ بخشد خدائے بخشندہ

ناظم اعلیٰ وفاق قاری محمد حنیف جالندھری صاحب نے اس طویل عرصہ میں اپنے رفقاء کے ساتھ جو حکومت کے ذمہ دار لوگوں سے مذاکرات کئے، یا وقتاً فوقتاً اعتراضات اور شبہات کے جوابات دیئے، یہ وہ قیمتی سرمایہ ہیں، جس کو منظر عام پر آنا چاہئے۔

مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی کہ محترم جناب مولانا ابن الحسن عباسی صاحب نے اس کام کو یکجا کر لیا ہے۔ اللہ کرے یہ جلد از جلد منظر عام پر آئے اور اس سے اہل علم فائدہ اٹھائیں۔

اس سلسلہ میں چند تجاویز پیش خدمت ہیں:

① ...... اس کتاب میں صرف انہیں بیانات پر اکتفاء نہ کیا جائے جو مختلف موقعوں پر مذاکرات میں فریقین کے درمیان ہوئے ہیں بلکہ مدارس کے بارے میں مخالفین کی جانب سے جو بھی اعتراضات اور شبہات ہوئے ہیں ان کو جوابات کے ساتھ ذکر کیا جائے۔ (حضرت کی تجویز کے مطابق کتاب میں ایسا ہی کیا گیا ہے۔)

② ...... یہ کتاب ہر مدرسہ میں پہنچنی چاہئے، خصوصاً بڑے مدارس کی لائبریریوں میں۔

③......مختلف سرکاری جامعات اور پبلک لائبریریوں میں۔

④...... مدارس کے ذمہ دار حضرات اور مدرسین صاحبان اسے غور سے پڑھیں تاکہ وہ بوقت ضرورت تشفی بخش جواب دے سکیں۔ کیونکہ اب بھی مخالفین کو جب موقع ملتا ہے تو علماء سے ایسے سوالات کرتے رہتے ہیں نیز بعض سادہ لوح مخلص حضرات بھی اپنی تسلی کے لئے پوچھتے رہتے ہیں۔

⑤......مناسب سمجھیں تو اسے ماہنامہ وفاق میں قسط وار شائع کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ دینی مدارس کی حفاظت فرمائے اور قاری محمد حنیف جالندھری صاحب کی اس محنت کو نافع بنائے۔آمین

(هذا ما عندي ولا أزكي على الله أحدا)

(مولانا ڈاکٹر) عبدالرزاق اسکندر
مہتمم: جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

• • •

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدلله رب العالمين، والصلاة والسلام على رسوله الكريم، وعلى آله و اصحابه اجمعين ، وعلى كل من تبعهم باحسان الى يوم الدين.

اما بعد ...... برصغیر کے دینی مدارس نے اس علاقے میں دین اور علم دین کی شمع روشن رکھنے اور اس کی روشنی کو گلی گلی پہنچانے کی جو عظیم خدمات انجام دی ہیں، وہ ہماری تاریخ کا روشن باب ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ انہی بے آب ورنگ مدرسوں نے ماضی قریب میں ایسی جگمگاتی ہوئی شخصیتیں پیدا کی ہیں جن کے علم وفضل، حکمت وبصیرت، زہد وتقویٰ اور جہد وعمل نے اس خطہ زمین کو اپنے گوناگوں فیوض سے نہال کیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اب بھی پورے خطے میں ان مدارس کی فیض رسانی کا سلسلہ شہر شہر اور گاؤں گاؤں جاری ہے۔

دینی مدارس کے نصاب ونظام پر کسی تعمیری تنقید کا ہمیشہ خیر مقدم کیا گیا ہے اور اس کی بنیاد پر اصلاحات کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ لیکن کچھ عرصے سے مغربی اثرات کے دباؤ میں ان مدارس کے خلاف معاندانہ پروپیگنڈے کی وبا پوری دنیا میں پھیلی ہے اور اس کی وجہ سے ان مدارس پر مختلف جہتوں سے پابندی لگانے اور معاشرے پر ان کے اثرات کو کم کرنے کی سازشیں کی جارہی ہیں۔

وفاق المدارس العربیہ کے جواں سال اور فعال ناظم اعلیٰ جناب مولانا محمد حنیف جالندھری صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی قابل رشک صلاحیتوں سے نوازا ہے۔ وہ ایک صاحب استعداد عالم ہونے کے ساتھ بڑے پائے کے خطیب بھی ہیں، ان کی تنظیمی صلاحیتیں وفاق المدارس کے نظم وضبط سے عیاں ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اس سلیقہ گفتار سے بھی نوازا ہے جس کے ذریعے وہ مذاکرات میں اپنا موقف موثر انداز میں پیش کر کے دوسروں کو معقولیت کے ساتھ قائل کرنے

کے اہل ہیں۔

سالہاسال سے دینی مدارس کے خلاف جو تحریک چل رہی ہے، اس کے مختلف مراحل پر انہوں نے دینی مدارس کے سلسلے میں جو تقریریں کیں، بیانات دیئے یا پریس کانفرنسیں کیں، انہوں نے مدارس کی صحیح حیثیت واضح کرنے اوران پر اڑائے جانے والے گردوغبار کو صاف کرنے میں موثر کردارادا کیا ہے، عزیز محترم مولانا ابن الحسن عباسی نے ان تقریروں اور بیانات کو اس کتاب میں بڑے سلیقے کے ساتھ یکجا کر کے بہت مفید خدمت انجام دی ہے۔ اس کے مطالعے سے دینی مدارس کا صحیح روکاراوران کے صحیح اغراض ومقاصد مستند طور پر معلوم ہوسکیں گے اوران اعتراضات کی حقیقت بھی انشاء اللہ واضح ہوگی جو بے سوچے سمجھےاور دور دور بیٹھ کران مدارس پر کیے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس کاوش کو قبول فرمائیں اوراسے نافع بنائیں۔ آمین

محمد تقی عثمانی

خادم طلبہ دارالعلوم کراچی

• • •

وفاق المدارس ایک عہد ساز ادارہ

(رجب،شعبان، رمضان۱۴۲۲ھ)

الحمد للّٰہ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. أما بعد

برصغیر میں دینی روایات اور اسلامی اقدار کے تحفظ و سر بلندی کے لیے علمائے حق نے جو مجاہدانہ وسرفروشانہ کردارادا کیا ہے،وہ تاریخ کا نا قابل فراموش باب ہے۔مشیتِ خداوندی نے برصغیر کے اہلِ علم کے لیے یہ سعادت مقدر کی کہ انہوں نے مآثر اسلامیہ کی حفاظت کے لیے دیگر عالمِ اسلام کے طریق سے ہٹ کر مدارسِ دینیہ کے قیام واستحکام کا بے نظیر کارنامہ سرانجام دیا۔ یہ ان مدارس ہی کا فیضان ہے کہ بعض دیگر مسلمان ممالک کے مقابلے میں برصغیر کے مسلمانوں کا عمل بالشریعت اور دینی وملی غیرت بدر جہا فائق ہے۔مغربی تہذیب اور باطل تمدن جو بہت سے اسلامی ممالک کو اپنی گرفت میں لے چکی ہے اور ان کی شدت میں بدستور اضافہ ہورہا ہے، برصغیر کے دینی مدارس اس کے لیے لوہے کے چنے ثابت ہورہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ اس وقت پورا یورپ اور امریکہ برصغیر کے دینی مدارس، اسلامی مکاتب اور جہادی تحریکوں سے سخت خائف ہے اور وہ انہیں ختم کردینے کے لیے اوچھے ہتھکنڈے بھی استعمال کررہا ہے، لیکن الحمدللہ مدارس دینیہ ماضی کی طرح اب بھی اسلامی تہذیب اور مسلمانوں کے تشخص وامتیاز کو محفوظ و برقرار رکھنے اور کفر کی یلغار کے مقابلے میں مضبوط قلعے ہیں۔مدارس دینیہ کی یہ عظیم طاقت آج سے تقریباً ۴۵ سال قبل مختلف ٹکڑیوں میں بٹی ہوئی تھی۔حق تعالیٰ شانہ نے اس وقت کے اکابر کے قلوب میں اس منتشر قوت کی شیرازہ بندی اور دینی حلقوں کے اتحاد وحدت کا الہام فرمایا اور ''وفاق المدارس العربیہ پاکستان'' جیسی خالص دینی، مسلکی اور علمی تنظیم وجود میں آئی۔

''وفاق المدارس العربیہ پاکستان'' کا پہلا اجلاس جامعہ خیر المدارس ملتان میں ۱۴، ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۷۶ھ، ۱۹، ۱۸۔اکتوبر ۱۹۵۷ء کو استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نوراللہ مرقدہ

کی صدارت میں منعقد ہوا، جس میں ''وفاق'' کے دستور کی منظوری کے ساتھ تین سال کے لیے عہدیداران کا انتخاب عمل میں آیا۔ حق تعالیٰ شانہ نے ''وفاق'' کے قیام کا عظیم کام کن مقتدر ومقبول ہستیوں سے لیا، اس کا اندازہ ان کے اسماء گرامی سے ہوسکتا ہے: صدر: شمس العلماء حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ، نائب صدر اول: استاذ العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ، نائب صدر دوم: محدث وقت حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ، ناظم اعلیٰ: محمود الملۃ حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ، خازن: فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبداللہ رحمہ اللہ۔

''وفاق المدارس'' نے دینی مدارس کے تحفظ وبقاء، اہل علم کے درمیان توافق ورابطہ، نظام تعلیم و امتحانات میں یکجہتی، جامع نصاب کی ترتیب، شہادات وسندات کے اجرا اور جدید علوم فنون اور عصری تقاضوں کے مطابق حسب ضرورت اب تک جو اقدامات کیے، وہ بلاشبہ تاریخ ساز ہیں۔

''وفاق المدارس'' جیسی فعال، متحرک اور ملک گیر تنظیم کی بدولت دینی ذوق اور مدارس دینیہ کی تعداد میں ماضی کی بنسبت بہت تیزی سے اضافہ ہورہا ہے۔ ان مدارس سے دعوت وتبلیغ، جہاد وقتال، تدریس وتعلیم اور وعظ وخطابت غرض یہ کہ ہر میدان میں نوجوان مبلغین، واعظین، مقررین اور مجاہدین آگے آرہے ہیں، دعوت وتبلیغ اور جہاد کے جذبات واثرات ان ہی مدارس کی بدولت عام معاشرے میں دکھائی دے رہے ہیں، بحمداللہ کراچی سے پشاور تک تقریباً سات ہزار سے زائد مدارس دینیہ ''وفاق المدارس العربیہ'' سے ملحق ہیں، جن کے ہر سال ساٹھ ہزار (۶۰،۰۰۰) سے زائد طلباء وطالبات ''وفاق'' کے امتحانات میں شرکت کرتے ہیں۔ صرف اسی سال ۱۴۲۱ھ بمطابق ۲۰۰۰ء میں ''وفاق'' کے تحت امتحان دینے والے طلباء اور طالبات کی تعداد سات ہزار (۷۰۰۰) سے زائد ہے۔ جب کہ ''وفاق'' سے ملحق مدارس میں زیر تعلیم طلباء وطالبات کی تعداد پانچ لاکھ سے متجاوز ہے۔

ملک گیر سطح پر تمام دینی مدارس کی ایسی فعال مربوط تنظیم کی مثال دیگر اسلامی ممالک تو کجا خود برصغیر میں بھی نہیں ملتی۔ بنگلہ دیش، بھارت، برما اور افغانستان پاکستان کے پڑوسی ممالک ہیں اور ان میں بھی دینی مدارس ہزاروں کی تعداد میں ہیں، لیکن یہ امتیازی اعزاز صرف پاکستان کے دینی مدارس کو حاصل ہے کہ وہ ایک مربوط تعلیمی نظام سے وابستہ ہیں اور کتاب وسنت کی ترویج واشاعت اور شعائر اسلام کے تحفظ وبقاء کے لیے ان کی آواز ایک ہے۔

پاکستان کی تاریخ میں متعدد حکومتوں نے دینی مدارس کو کچلنے اور ان کی آزادی کو پامال کرنے کی

مختلف کوشش کی ہیں، مگر بحمد اللہ ''وفاق المدارس'' نے ایسے تمام مواقع پر مدارس کو حکومتی مداخلت اور سرکاری دستبرداری سے بچانے کے لیے اپنا فریضہ نہایت جرات مندی وجواں مردی سے انجام دیا۔ دینی مدارس کے بارے میں موجودہ حکمرانوں کا طرزِ عمل بھی ماضی سے مختلف نہیں۔ وہ بھی دینی مدارس کی آزاد حیثیت کو ختم کرنے اور انہیں اپاہج کرنے کے لیے قرآن وسنت کے علوم کے ساتھ عصری علوم کے بے جوڑ پیوند کا ڈھول پیٹ رہے ہیں۔ لیکن ان شاء اللہ ثم ان شاء اللہ یہ بھی اپنے پیش روؤں کی طرح اپنے مکروہ عزائم میں ناکام اور خائب وخاسر ہوں گے۔

اسلام دنیا کے دیگر مذاہب کے مقابلے میں ایک ممتاز دین ہے جس کی اساسی تعلیمات کسی ترمیم واضافہ کے بغیر نسلاً عن نسلٍ منتقل ہوتی ہوئی دنیا تک پہنچیں۔ کتاب اللہ کی حفاظت کا قرآنی وعدہ اس طرح پورا ہوا کہ اس کے الفاظ، معانی، مضامین اور تشریحات کے لیے مستقل علوم وجود میں آئے اور امت کے مخلصین متقدمین ومتاخرین نے ہر زمانے میں حفاظت وخدمتِ دین کی ذمہ داری کو باحسن وجوہ نبھایا۔ دینِ متوارث کی حفاظت تابعین، تبع تابعین، ان کے جانشین اور ائمۂ دین بھی اسی راہ پر چلے۔ آج بھی حضرات علمائے کرام علوم اسلامیہ کی تبلیغ واشاعت کے لیے اپنے اسلاف کی راہ پر گامزن ہیں۔

برصغیر پاک وہند میں علوم قرآن وسنت کی اشاعت وتبلیغ کا ذریعہ ''اہل اللہ'' کی خانقاہوں کے بعد دینی مدارس رہے ہیں، جنہوں نے محدود وسائل میں رہ کر اپنی بساط سے بڑھ کر حفاظت دین اور اصلاح المسلمین کا فریضہ انجام دیا۔ ان میں پڑھانے والے بوریا نشینوں کی تعلیمی خدمات اور علمی کارنامے تاریخ میں ہمیشہ بنظر تحسین دیکھے جائیں گے۔ بلاشبہ دینی مدارس نے ہر دور میں حق وصداقت کی شمع کو جلائے رکھا جس سے کفر وبدعت اور الحاد کی تاریکیاں چھٹتی رہیں۔ ان ہی مدارس سے حق پرستی وحق گوئی کے زمزمے بلند ہوئے، چنانچہ آج ملت اسلامیہ کا باشعور طبقہ دینی مدارس کے کردار وخدمات کا معترف ومداح ہے۔ ان مدارس کی دینی خدمات کو مربوط کرنے اور انہیں اتحاد ویکجہتی کی لڑی میں پرونے کے لیے اصحاب بصیرت وجید علمائے دین نے ''وفاق المدارس العربیہ پاکستان'' کی بنیاد رکھی۔ ''وفاق المدارس'' نے نہ صرف دینی مدارس میں توافق ورابطہ اور ان کے نظام تعلیم وامتحانات میں یکجہتی پیدا کی، بلکہ دینی مدارس کو احساس تحفظ اور قوت وفعالیت بھی بخشی۔ ''وفاق'' ہی کی بدولت دینی مدارس کی منتشر قوت مؤثر، یکجا اور مضبوط تر ہوئی۔

جن مقاصد کے لیے ''وفاق'' کی بنیاد رکھی گئی تھی ان کی تکمیل وتحصیل کے لیے ملک بھر کے

دینی مدارس نے بھرپور تعاون کیا اور اپنی آواز کو ''وفاق المدارس'' سے ہم آہنگ کر کے اسے پاکستان کے تمام دینی مدارس کا ترجمان بنا دیا، چناں چہ اس تنظیم کے قیام ہی کے وقت سینکڑوں مدارس اس سے ملحق ہو گئے، جن کی تعداد اب تقریباً سات ہزار تک پہنچ چکی ہے۔ ہنوز الحاق کا یہ سلسلہ جاری ہے۔

''وفاق المدارس'' کے اغراض و مقاصد میں اہل علم کے درمیان توافق و رابطہ، نظام تعلیم میں یکسانیت اور امتحانات و نصاب میں یکجہتی کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ ان امتحانات میں ملک بھر کے مختلف مدارس و جامعات کے ہزاروں طلبہ و طالبات شرکت کرتے ہیں۔ انتظامی طور پر یہ ایک مشکل مسئلہ ہے کہ خیبر سے کراچی اور کوئٹہ سے گلگت تک تمام مدارس میں ایک ہی وقت اور ایک ہی دن میں امتحان انعقاد پذیر ہوں۔ چنانچہ حکومت اپنے تمام تر وسائل کے باوجود ہر ڈویژن میں الگ تعلیمی بورڈ قائم کرتی ہے۔ مگر بحمد اللہ ''وفاق المدارس'' اس ذمہ داری سے باحسن وجوہ عہدہ برآ ہو رہا ہے۔ ابتدا میں صرف ''شهادة العالميه'' (دورہ حدیث شریف) کا امتحان ''وفاق المدارس'' کے تحت منعقد ہوتا تھا۔ بعد ازاں تحتانی درجات کے امتحانات بھی ''وفاق المدارس'' نے لینا شروع کر دیے، چناں چہ اب درس نظامی کی تکمیل کرنے والے ہر طالب علم اور طالبہ کے لیے اپنی مدت تعلیم میں ۵، سالانہ امتحانات، ''وفاق المدارس'' کے تحت دینا ضروری ہیں۔ ان میں مزید اضافہ شعبہ حفظ و تجوید کے طلبہ و طالبات کے امتحانات کا ہوا۔

طلبہ و طالبات کی یہ تعداد ہر سال بڑھ رہی ہے، چناں چہ اس سال ۱۴۲۲ھ میں طلباء و طالبات کی مجموعی تعداد چوراسی ہزار (۸۴،۰۰۰) تھی۔ اسی طرح ۱۴۲۱ھ کے سالانہ امتحانات کے مراکز ۲۳۲ سے بڑھ کر ۳۳۸ ہو گئے ہیں، جن میں ۳۳۸ نگران اعلیٰ اور ۱۵۸۵ معاون نگران عملہ نے خدمات انجام دیں، جب کہ ڈھائی ہزار سے زائد مدارس نے سالانہ امتحانات میں شرکت کی۔

۱۴۲۱ھ کے سالانہ امتحانات کا یہ پہلو انتہائی قابل اطمینان اور لائق تشکر ہے کہ اس سال طلباء کی اس قدر کثیر تعداد اور مراکز کی کثرت کے باوجود پورے ملک میں تمام جگہوں پر امتحانات کا نظم نہایت محفوظ و مستحکم اور منظم رہا۔ اور پورے ملک میں کہیں کسی قسم کی بے ضابطگی کی اطلاع یا پرچوں کے بارے میں کوئی شکایت موصول نہیں ہوئی۔ نظم امتحانات کے سلسلے میں ''وفاق المدارس'' کے صرف ہفتہ امتحانات کے اخراجات چالیس لاکھ روپے ہیں۔ امتحانات کے بعد

جوابی کاپیوں کی جانچ پڑتال کا مرحلہ ''وفاق'' کی تمام مساعی اور محنتوں کا ثمر اور خلاصہ ہے۔ اس سلسلے میں انسانی بساط کے مطابق پوری کوشش کی جاتی ہے کہ کسی ایک طالب علم کی بھی حق تلفی نہ ہو اور کوئی ایک طالب علم بھی استحقاق سے زائد نمبر حاصل نہ کرے۔ بحمد اللہ! حسب سابق اس مرتبہ بھی یہ کام نہایت اطمینان وتسلی سے انجام دیا گیا۔ ممتحنین کرام کے ساتھ ممتحنین اعلیٰ نے بھی اپنے فرائض نہایت تندہی سے انجام دیے۔ ان سب حضرات کی سرپرستی، نگرانی اور راہنمائی کے لیے حضرت صدر الوفاق شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خاں دامت برکاتہم پیرانہ سالی اور عوارض کے باوجود بنفس نفیس دس یوم تک مسلسل دفتر ''وفاق'' میں موجود رہے۔ آں موصوف نے چیک کیے ہوئے پرچوں پر خود نظر ثانی اور حسب ضرورت ممتحنین کرام کو وقتاً فوقتاً ہدایات وہنمائی سے نوازا۔ پرچوں کی اس چیکنگ کے مرحلے پر بھی ''وفاق'' کی ایک خطیر رقم صرف ہوئی ہے۔ تاہم بحمد اللہ! یہ اطمینان ہے کہ تمام امور نہایت خوش اسلوبی سے طے ہوئے۔

امتحانی نظام کو مزید محفوظ و مستحکم بنانے کے لیے ارباب وفاق متفکر وکوشاں رہتے ہیں تاکہ بعض انفرادی شکایات بھی پیدا نہ ہوں، چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لیے ''وفاق المدارس'' نے جید علمائے کرام پر مشتمل ایک امتحانی کمیٹی تشکیل دی ہے جو امتحانی امور پر گہری نظر رکھتی ہے۔

''وفاق المدارس'' کے امتحانات میں ناظم ونگران اجنبی اور دیانت دار علماء ہوتے ہیں جن سے کسی قسم کی رعایت یا بے ضابطگی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ طلباء وطالبات صرف اپنی ذاتی استعداد و قابلیت ہی سے پرچہ حل کرتے ہیں۔ نگران حضرات وقت مقررہ کے بعد تمام جوابی کاپیاں بنڈل بنا کر دفتر وفاق کو ارسال کردیتے ہیں۔ جہاں ضروری جانچ پڑتال کے بعد نام اور رول نمبر کی چٹ کاپی سے الگ کرکے فرضی رول نمبر لگادیے جاتے ہیں اور جوابی کاپیوں کو خلط ملط کرکے نئے بنڈل بنادیے جاتے ہیں۔ اس کے بعد دفتر کے ذمہ دار حضرات کے سوا کسی اور شخص کے لیے کسی کاپی کی شناخت ممکن نہیں۔

''وفاق المدارس'' کی امتحانی کمیٹی ہر سال 80-70 ممتحنین پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دیتی ہے۔ ممتحنین حضرات امتحانات ختم ہوتے ہی مرکزی دفتر وفاق المدارس پہنچ کر پرچوں کی جانچ پڑتال شروع کردیتے ہیں اور جب تک تمام کاپیوں پر نمبر لگا کر نتیجہ مکمل نہیں کیا جاتا یہ ممتحنین دفتر وفاق ہی میں قیام فرماتے ہیں۔ اب حال ہی میں چند جامعات کی اعلیٰ علمی شخصیات کو ممتحن اعلیٰ کے طور پر مقرر کیا گیا ہے جو ممتحنین کے چیک کیے ہوئے بعض پرچوں پر نظر ثانی فرماتے ہیں اور

ممتحنین کو مناسب مشورے اور ہدایات دیتے ہیں۔ ممتحنین حضرات تمام جوابی کاپیوں پر طالب علم کی محنت واستعداد کے مطابق نمبر لگاتے ہیں۔ چوں کہ ایک کتاب/مضمون کے نمبر لگانے والا شخص ایک ہی ہوتا ہے، لہٰذا نمبر لگانے کے معیار میں نرمی یا سختی وغیرہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ پرچوں کی مزید جانچ پڑتال اور نمبر لگانے کے معیار کا جائزہ لینے کے لیے صدر اور ناظم اعلیٰ وفاق بھی بعض پرچوں کو دوبارہ چیک کرتے ہیں اور ضروری ہدایات دیتے ہیں۔

ممتحنین حضرات ہر جواب کے نمبر کاپی اور فارم دونوں پر درج کر کے دستخط کرتے ہیں۔ اور ذمہ داران دفتر وفاق کے سپرد کرتے ہیں۔ بعد ازاں نمبروں کے مجموعی اندراج کے بعد نتیجہ کا اعلان کر دیا جاتا ہے۔ ''وفاق المدارس'' کے اس محفوظ اور ہر طرح سے قابل اعتماد نظام امتحانات میں کسی طالب علم یا مدرسہ کے ساتھ رعایت کیے جانے کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا، چنانچہ مشہور معروف مدارس کی بجائے گم نام اور غیر معروف مدارس کے طلبہ وطالبات بھی امتیازی پوزیشن حاصل کرتے رہتے ہیں۔ ''وفاق المدارس'' کے تمام کارکنان، طلبہ ودینی مدارس کی بہتر خدمت کے لیے دن رات مصروف عمل ہیں۔ اگر ناظرین اس سلسلے میں مفید تجاویز اور بہتر مشوروں سے ہماری رہنمائی فرمائیں تو ہم ان کی روشنی میں اپنے فرائض کو زیادہ احسن طریقے سے انجام دے سکیں گے۔

• • •

رجسٹریشن کا ترمیمی آرڈیننس اور گزارشِ احوالِ واقعی

دینی مدارس کی رجسٹریشن لازمی قرار دینے کے حوالے سے ایک آرڈیننس جسے ''سوسائٹیز رجسٹریشن ترمیمی آرڈیننس ۲۰۰۵ء'' کا نام دیا گیا ہے، حال ہی میں جاری کیا گیا ہے، جس میں ۱۸۶۰ء کے سوسائٹی ایکٹ کے سیکشن ۲۰ کے بعد ۲۱واں سیکشن ''دینی مدارس کی رجسٹریشن'' کے حوالے سے شامل کیا گیا۔ اس آرڈیننس کے تحت تمام دینی مدارس رجسٹریشن کے بغیر نہ تو قائم ہوسکتے ہیں اور نہ ہی کام کرسکیں گے۔ ہر دینی مدرسہ اپنی دینی سرگرمیوں اور کارکردگی کی رپورٹ سالانہ بنیاد پر رجسٹرار کے حوالے کرے گا اور ہر دینی مدرسہ پر لازم ہوگا کہ وہ اپنے اصل اخراجات اور رسیدوں کے بارے میں حسابات کا ریکارڈ فراہم کرے۔ ہر مدرسہ اس بات کی ضمانت دے گا کہ وہ عسکریت، فرقہ واریت، یا مذہبی منافرت پر مبنی مواد نہ پڑھائے گا نہ شائع کرے گا۔

اس آرڈیننس کے اجرا کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ قیام پاکستان سے ۱۹۹۴ء تک دینی مدارس کی رجسٹریشن سوسائٹی ایکٹ ۱۸۶۰ء کے تحت ہوتی رہی ہے۔ ۱۹۹۴ء میں بے نظیر حکومت نے رجسٹریشن پر پابندی عائد کردی تھی جس کی وجہ سے غیر رجسٹرڈ مدارس کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ ہم اس دوران وفاق المدارس العربیہ پاکستان اور اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ پاکستان کی طرف سے رجسٹریشن پر سے پابندی اٹھانے کا مطالبہ کرتے رہے، مگر پابندی نہ اٹھائی گئی۔ اس موضوع پر موجودہ حکومت سے ہونے والے مذاکرات کے ضمن میں معلوم ہوا کہ حکومت سوسائٹی ایکٹ ۱۸۶۰ء کی بجائے مدارس کی رجسٹریشن کے لیے نیا قانون لارہی ہے، جس کا مقصد مدارس کی حریت وخود مختاری کو مفلوج کرنا ہے چنانچہ ہم نے حکومت پر واضح کیا کہ ہم ۱۸۶۰ء کے سوسائٹی ایکٹ کے علاوہ کسی اور قانون کے تحت رجسٹریشن قبول نہیں کریں گے، اگر کوئی ترمیم ناگزیر ہے تو حکومت مشاورت کے ساتھ اسی ایکٹ میں ترمیم لائے۔ باہمی اعتماد کے ساتھ کی جانے والی ترمیم قبول کی جائے گی۔

چنانچہ وفاقی وزارتِ مذہبی امور نے مجوزہ ترامیم کا مسودہ ہمیں بھجوایا۔ احقر نے اس مسودہ کے ملنے کے بعد ''اتحاد'' کے رابطہ سیکریٹری کی حیثیت سے اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ کے قائدین حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب، مولانا مفتی منیب الرحمٰن صاحب، مولانا ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی صاحب، مولانا عبدالمالک صاحب اور مولانا حافظ ریاض حسین نجفی صاحب سے فون پر رابطہ کیا اور عرض کیا کہ وہ اس حساس مسئلے پر مشاورت فرما کر اپنے اصولی مؤقف سے مطلع فرمائیں۔ اس کے علاوہ دینی و علمی شخصیت، حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب سے بھی اس مسودہ کو ملاحظہ کرنے کے بعد رہنمائی کی درخواست کی گئی۔

ان تمام حضرات نے مسودہ سے اصولی طور پر اتفاق کیا۔ البتہ مولانا عبدالمالک صاحب (رابطۃ المدارس) نے اسے امتیازی قانون قرار دیتے ہوئے رجسٹریشن کی پابندی قبول نہ کرنے کی رائے دی۔ اسی طرح وفاق المدارس الشیعہ کی طرف سے یہ اشکال کیا گیا کہ تمام مالیات کی سالانہ رپورٹ پیش کرنے کی شرط مناسب نہیں۔ احقر نے اس سلسلے میں وفاقی سیکریٹری مذہبی امور سے بات کی تو انہوں نے بتایا کہ اس سے مراد آڈٹ رپورٹ ہے، جو مدارس بالعموم ہر سال شائع کرتے ہیں۔ اس پر عرض کیا گیا کہ اس کی وضاحت آرڈیننس میں نہیں ہے، جس پر انہوں نے کہا کہ مذکورہ آرڈیننس کے ساتھ اس کی وضاحت کر دی جائے گی۔ ''اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ'' میں شامل کسی اور ''وفاق'' نے اس ترمیمی آرڈیننس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔

علاوہ ازیں اس ترمیمی آرڈیننس پر احقر کی حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب اور قاضی حسین احمد صاحب سے بھی مشاورت ہوئی۔ دونوں قائدین نے اس سے اصولی اتفاق فرمایا، البتہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے شق نمبر ۴ میں جو فرقہ واریت اور مذہبی منافرت کی تعلیم نہ دینے سے متعلق تھی، مزید الفاظ کا اضافہ اور تصحیح فرمائی۔ مولانا کی رائے گرامی کے مطابق شق نمبر ۴ کی بابت یہ تشریح ہونی چاہیے کہ:...... ''نصاب سے متعلق تقابلِ ادیان، ائمہ مجتہدین اور اربابِ علم کی مختلف آراء کا علمی جائزہ نیز ابواب مغازی کے وہ مضامین جو جہاد کی علمی تحقیق سے متعلق ہوں سیکشن نمبر ۲۱ کی شق نمبر ۴ سے مستثنیٰ ہوں گے۔'' باقی ترمیمی آرڈیننس سے مولانا نے مکمل اتفاق فرمایا۔ احقر نے مولانا کی رائے گرامی سے حکومت کو آگاہ کیا اور کہا کہ سب کا متفقہ مؤقف یہ ہے کہ مذکورہ بالا تشریح کو آرڈیننس کا جزو بنایا جائے، مگر جب آرڈیننس جاری کیا گیا تو اس میں یہ تشریح نہ تھی۔ چنانچہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے اس سلسلے میں وفاقی وزیر مذہبی امور

جناب اعجاز الحق صاحب سے بات کی، انہوں نے کہا کہ جب آرڈیننس اسمبلی میں منظوری کے لیے آئے گا، تو ہم یہ تشریح شامل کردیں گے۔ مولانا نے اس پر اطمینان کا اظہار فرمایا۔ اس کے بعد جامعہ اشرفیہ لاہور میں ''اتحاد تنظیمات مدارسِ دینیہ پاکستان'' کا ایک انتہائی اہم اجلاس ہوا، جس کا ایجنڈا یہی مجوزہ ترمیمات تھیں۔ اس اجلاس میں درج ذیل شخصیات نے شرکت کی:

① ...... مولانا فضل الرحیم صاحب، رکن مجلس عاملہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان و نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ، لاہور۔

② ...... مولانا ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی صاحب، ناظم اعلیٰ، تنظیم المدارس پاکستان

③ ...... مولانا محمد عبدالمصطفیٰ ہزاروی صاحب، نائب ناظم اعلیٰ، تنظیم المدارس پاکستان

④ ...... حافظ سید ریاض حسین نجفی صاحب، صدر، وفاق المدارس الشیعہ پاکستان

⑤ ...... مولانا سید نیاز حسین نقوی صاحب، نائب صدر، وفاق المدارس الشیعہ پاکستان

⑥ ...... مولانا سید محمد عباس نقوی صاحب، ناظم اعلیٰ، وفاق المدارس الشیعہ پاکستان

⑦ ...... نصرت علی شہانی صاحب، ناظم، مرکزی دفتر وفاق المدارس الشیعہ پاکستان

⑧ ...... مولانا محمد یٰسین ظفر صاحب، رابطہ سیکریٹری، وفاق المدارس السّلفیہ پاکستان

⑨ ...... حضرت مولانا محمد یونس بٹ صاحب، مدیر، وفاق المدارس السّلفیہ پاکستان

⑩ ...... مولانا فتح محمد صاحب، نائب صدر، رابطۃ المدارس الاسلامیہ منصورہ پاکستان

⑪ ...... مولانا سید قطب صاحب، ناظم، امتحانات رابطۃ المدارس الاسلامیہ منصورہ پاکستان

⑫ ...... حافظ عطاء الرحمٰن مدنی صاحب، مہتمم، جامعہ عربیہ، جی ٹی روڈ گوجرانوالہ

اجلاس میں ان ترامیم پر تفصیلی غور وخوض ہوا۔ ایک ایک شق کے مالہ، وماعلیہ پر طویل بحثیں ہوئیں، لیکن بالآخر متفقہ طور پر ان ترامیم کی اصولی منظوری دی گئی اور بعض جزئیات پر تحفظات سے حکومت کو آگاہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

مذکورہ بالا تفصیل کے بعد یہ بتانے کی ضرورت نہیں رہتی کہ ان ترامیم سے اصولی اتفاق کسی فرد کی ذاتی رائے نہیں، بلکہ ایک اجتماعی فیصلہ ہے، جو حتی الامکان وسیع مشاورت کی روشنی میں کیا گیا ہے۔

ترمیمی آرڈیننس کے اجرا کے بعد ۲۲، اگست ۲۰۰۵ء کو جامعہ محمدیہ اسلام آباد میں جمعیت اہلِ سنت کی دعوت پر علماء کرام کا ایک اجلاس ہوا۔ اس اجلاس میں احقر نے مدارس کی رجسٹریشن اور

ترمیمی آرڈیننس کے اجرا کے تمام مراحل تفصیل سے بیان کیے۔ احقر کی معروضات کے بعد حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے اپنے خطاب میں ترمیمی آرڈیننس کو یکسر مسترد کردینے کا غیر متوقع اعلان فرمایا۔ احقر نے اس کے جواب میں عرض کیا کہ اگر آنجناب کی رائے یہی تھی، تو اس کے اظہار کا موزوں وقت وہ تھا، جب آپ نے صرف شق نمبر۴ سے اختلاف فرماتے ہوئے بقیہ شقوں سے اتفاق فرمایا تھا اور تقریباً ڈھائی گھنٹے موضوع گفتگو یہی مجوزہ آرڈیننس رہا تھا۔ پھر یہ کہ سرحد حکومت نے بھی اس آرڈیننس کو جاری کردیا ہے۔ اگر آپ یکسر اس ترمیمی آرڈیننس کے استرداد کے حق میں ہیں، تو سرحد حکومت کو اس آرڈیننس کے اجرا سے روکنا مناسب تھا۔ شرکاء اجلاس کو ترمیمی آرڈیننس پر جو اعتراضات وتحفظات ہیں وہ درج ذیل ہیں:

تحفظات واعتراضات

1 ...... رجسٹریشن کے قانون پر سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ صرف دینی مدارس کو رجسٹریشن کا پابند بنانا (چاہے وہ کسی بھی ایکٹ کے تحت ہو) غیر منصفانہ ہے۔ اس وقت ملک میں بے شمار تعلیمی ادارے بغیر رجسٹریشن کے کام کررہے ہیں، انہیں کسی قسم کی رجسٹریشن کا پابند نہیں کیا جاتا، جب کہ ان میں اکثر ادارے تعلیم کے نام پر لوٹ کھسوٹ کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔

2 ...... رجسٹریشن کے بارے میں دینی مدارس کا مؤقف یہ ہونا چاہیے کہ ہم ہر اس ملکی قانون کا احترام کرتے ہیں جو:

الف...... شریعت کے کسی اصول کے خلاف نہ ہو۔

ب...... غیر منصفانہ نہ ہو۔

ج...... اس پر عمل کرنے سے دینی مدارس کے بنیادی مقاصد کے حصول میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔

3 ...... شق نمبر۲ میں ذکر کردہ اصولی مؤقف کی روشنی میں رجسٹریشن کے موجودہ ترمیمی آرڈیننس اور سابقہ ایکٹ مجریہ ۱۸۶۰ء پر یہ اعتراض ہے کہ صرف مدارس کو رجسٹریشن کا پابند بنانا غیر منصفانہ قانون ہے۔

4 ...... اس آرڈیننس کی ترمیمی شکل اور سابقہ شکل پر مدارس کو درج ذیل اعتراضات ہیں:

الف...... ان دونوں قوانین (ایکٹ ۱۸۶۰ء اور ۲۰۰۵ء) میں مدارس کو سالانہ آڈٹ رپورٹ کی نقل رجسٹرار کو فراہم کرنے کا پابند بنایا گیا ہے، جب کہ آڈٹ کا معاملہ اتنا گنجلک اور پیچ در پیچ ہے کہ رجسٹرار اس پر معمولی اعتراض لگا کر متعلقہ مدرسہ کی رجسٹریشن منسوخ یا معطل کرسکتا

ہے اور کم از کم مدرسہ کی انتظامیہ کو حسب منشا کام کرنے کا پابند کر سکتا ہے۔

ب......اس معاملے کا سب سے خطرناک رخ یہ ہے کہ مدارس کو آمد و خرچ کی رسیدیں فراہم کرنے کا پابند بنایا گیا ہے۔ جہاں تک خرچ کی رسیدوں کا معاملہ ہے تو وہ تمام مدارس رکھتے ہیں اور آڈٹ بھی کراتے ہیں، لیکن مدارس کو اگر آمدن کی رسیدیں رجسٹرار کے سامنے پیش کرنے کا پابند بنایا گیا تو (اللہ نہ کرے) بہت جلد وہ وقت آجائے گا کہ مدارس کو چندہ دینے والا کوئی نہ ملے گا اور مدارس کے خلاف عالمی ایجنڈے کا یہی بنیادی نکتہ ہے، جس کو اس آرڈیننس کے ذریعے عملی جامہ پہنانے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

5......اس آرڈیننس میں دینی تعلیم کی ہر اس شکل کو مدرسہ قرار دیا گیا ہے جس میں دینی تعلیم دی جارہی ہو، اس طرح دینی تعلیم کی ہر شکل کو چاہے وہ گھر میں بیٹھ کر پڑھنا ہی کیوں نہ ہو، مدرسہ قرار دے کر بند کیا جاسکے گا۔

6......اس آرڈیننس میں دینی تعلیمی اداروں کو ہر اس تعلیم سے روکا گیا ہے، جس سے عسکریت پھیل سکے، یا دیگر فرقوں اور مذاہب کے خلاف نفرت پیدا ہو۔ اسی طرح دینی نصاب میں شامل ان تمام آیات، احادیث اور دیگر نصوص کو خارج از نصاب کرنے کا منصوبہ بنایا گیا ہے، جن میں جہاد کا حکم ہو، یہود و نصاریٰ کی سیاہ کاریوں کا ذکر ہو، یا مختلف فقہی مسالک کا بیان ہو۔

لازمی رجسٹریشن......اس سلسلے میں اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ کا مؤقف یہ ہے کہ رجسٹریشن لازمی ہونے کی صورت میں مدارس کو قانونی تحفظ حاصل ہوگا اور ان کے خلاف بدنیتی پر مبنی کسی قسم کے حکومتی اقدام کو عدالت میں چیلنج کیا جاسکے گا۔ غیر رجسٹرڈ مدرسہ کو یہ رعایت حاصل نہ ہوگی۔

سالانہ کارکردگی کی رپورٹ......ہم نے وفاقی وزارت مذہبی امور سے سالانہ کارکردگی کی رپورٹ پیش کرنے کے متعلق وضاحت طلب کی تو اس کی طرف سے جواب دیا گیا کہ اس سے صرف وہ تعلیمی رپورٹ مراد ہے، جو سال کے اختتام پر دینی مدارس خود جاری کرتے ہیں۔ اس کی ایک نقل رجسٹرار کو بھی ارسال کر دی جائے۔ احقر نے عرض کیا کہ الفاظ میں ابہام ہے۔ رجسٹرار اہلِ مدارس کو اس کی آڑ میں تنگ کر سکتا ہے، لہٰذا اس کی وضاحت ہونی چاہیے۔ وزارت کی طرف سے یقین دلایا گیا کہ ہم ملک بھر کے متعلقہ دفاتر میں ایک خط کے ذریعے وضاحت کر دیں گے، تاہم احقر نے عرض کیا کہ آرڈیننس میں بھی اصلاح ہونی چاہیے، جس پر کہا گیا کہ جب یہ آرڈیننس اسمبلی میں آئے گا، تو قانون میں بھی وضاحت کر دی جائے گی۔

حسابات کی رپورٹ......اس شق کے بارے میں احقر نے وفاقی سیکریٹری وزارت مذہبی امور سے رابطہ کیا اور عرض کیا کہ ہر مدرسہ آمدن وخرچ کی تفصیل اور حساب کتاب رکھتا ہے، مگر اس کی رپورٹ رجسٹرار کو پیش کرنے کی پابندی کیوں عائد کی گئی ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس سے صرف آڈٹ رپورٹ کی نقل مراد ہے۔ میں نے عرض کیا کہ آڈٹ رپورٹ کے الفاظ ترمیمی آرڈیننس میں ہونے چاہئیں۔ انہوں نے اس کا وعدہ کیا، مگر آرڈیننس جاری ہو چکا تھا۔ اب ان کا کہنا ہے کہ اسمبلی سے منظوری کے وقت ان الفاظ کا اضافہ کر دیا جائے گا۔ اس دوران احقر نے سرحد حکومت سے رابطہ کیا، وہاں ابھی تک آرڈیننس جاری نہیں ہوا تھا۔ ان سے آڈٹ رپورٹ کے الفاظ شامل کرنے کے لیے کہا گیا، ساتھ ہی مرکزی حکومت سے رابطہ کر کے نئے الفاظ کی اجازت مانگی گئی۔ اجازت ملنے پر سرحد حکومت نے کہا کہ ''آڈٹ رپورٹ کی کاپی رجسٹرار کو دی جائے'' کے الفاظ کے ساتھ آرڈیننس جاری کر دیا ہے۔ اس بنیاد پر ہم دیگر صوبائی حکومت سے کہہ سکتے ہیں کہ حساب کتاب کی رپورٹ سے آڈٹ رپورٹ مراد ہے۔ نیز جلد ہی اسمبلی میں بل آنے کی صورت میں باقاعدہ وضاحت جاری ہو جائے گی۔

شق نمبر۴ کی وضاحت.....حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے شق نمبر۴ میں لفظ Sectarian کی بجائے Sectarian Hostilities تجویز فرمایا ہے۔ وہ سرحد حکومت کے جاری کردہ آرڈیننس میں شامل کرا دیا گیا ہے اور مرکزی حکومت کو بھی بھیج دیا گیا ہے۔ اس شق کے بارے میں حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی وضاحتی عبارت بھی مرکزی حکومت کو ارسال کر دی گئی ہے۔ وفاقی وزیر مذہبی امور نے اسمبلی کے بل کے ذریعے اسے آرڈیننس کا جزو بنانے کا وعدہ کیا ہے۔

گھروں میں قائم مدارس.....گھروں میں قائم مدارس ان شاء اللہ بند نہیں کیے جاسکیں گے، اس لیے کہ ان پر اصولاً ''مدرسہ'' کی تعریف صادق نہیں آتی۔ تاہم حکومت سے اس سلسلے میں مزید اطمینان حاصل کیا جاسکتا ہے۔

اعلان اسلام آباد کے بعد ہمارا مؤقف:......۲۲، اگست ۲۰۰۵ء کو اسلام آباد میں جمعیۃ اہلِ سنت کے اجتماع میں ترمیمی آرڈیننس کو مکمل طور پر مسترد کیے جانے کے بعد چند حقائق کا پیش نظر رہنا ضروری ہے، تا کہ ہم مدارس اور قوم کے دینی مستقبل کے بارے میں فیصلہ کرتے وقت درست سمت میں قدم اٹھا سکیں۔

اولاً......اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ ۱۸۶۰ء کے سوسائٹی ایکٹ کے تحت مدارس کی رجسٹریشن کے اصولی فیصلہ پر قائم ہے۔ موجودہ حالات میں اسے مدارس کے حق میں بہتر تصور کرتی ہے اور اختلافی امور کو باہمی مشاورت کے ذریعے حل کرنے کی ضرورت پر زور دیتی ہے۔ اہلِ سنت دیو بندی مدارس کا نمائندہ ادارہ ''وفاق المدارس العربیہ پاکستان'' ہے اور تمام مکاتب فکر کا مشترکہ فورم ''اتحاد تنظیمات مدارسِ دینیہ پاکستان'' ہے۔ ''اتحاد'' نے مدارس کے تحفظ واستحکام کے لیے طویل جدوجہد کی ہے۔ اس کی مساعی اور رائے قابل احترام ہے۔

ثانیاً......مدارس کی آزادی وخودمختاری کا تحفظ دیگر علماء کرام کی طرف ہمارا بھی ہدف ہے۔ اس ہدف کو حاصل کرنے اور طریق کار کو متفق علیہ بنانے کے لیے ''وفاق'' کی مجلس عاملہ کا اجلاس عنقریب طلب کیا جارہا ہے۔ مجلس عاملہ کے طے کردہ امور ''اتحاد'' کے اجلاس میں پیش کیے جائیں گے اور ایک متفقہ پالیسی طے کر کے سب ساتھیوں کو ان شاء اللہ ساتھ لے کر چلیں گے۔

ثالثاً......ابھی تک ہماری دیانتدارانہ رائے یہی ہے کہ رجسٹریشن مدارس کے لیے مفید ہے، تاہم ترمیمی آرڈیننس میں ابہامات دور کرانے اور اہلِ مدارس کے تحفظات کی روشنی میں آرڈیننس کی اصلاح کے لیے کی جانے والی ہر کوشش میں ہم علماء کے خادم ورضا کار ہیں اور اس کے لیے کوشاں ہیں کہ اہلِ مدارس کے تحفظات کی روشنی میں آرڈیننس کی اصلاح کے بعد مدارس کی رجسٹریشن کا مسئلہ خوش اسلوبی سے طے ہوجائے۔ البتہ علماء کی جانب سے اٹھنے والی یہ آواز مبنی برحقیقت ہے کہ مدارس کی طرح اسکولز کی رجسٹریشن کے لیے بھی قانون کو حرکت میں لانا چاہیے۔

موجودہ صورت حال میں ''وفاق المدارس العربیہ پاکستان'' کے مؤقف پر ٹھنڈے دل ودماغ کے ساتھ غوروفکر کی ضرورت ہے۔ جذبات اور قوت کے اظہار کے لیے اس نازک وقت کا انتخاب حکمت ودانش کے خلاف ہے۔ اہلِ فکر ونظر کے لیے اسی ایک جملے میں معانی کا جہاں پوشیدہ ہے۔

• • •

دینی مدارس کی اسناد......حقائق یہ ہیں

برصغیر میں دینی مدارس کا قیام ''تحفظ و اشاعت دین'' کی تحریک کے طور پر کیا گیا تھا۔ انگریزوں کو اسلام کے ساتھ دشمنی تھی، اس لیے انہوں نے پرائمری تک اسکول کی تعلیم حاصل کرنے والوں کو تو ''خواندہ'' شمار کیا، لیکن اعلیٰ سے اعلیٰ دینی تعلیمی اداروں کے فضلا کو ''ناخواندہ'' کے خانے میں رکھا۔ بدقسمتی یہ ہوئی کہ قیام پاکستان کے بعد بھی دینی تعلیم حاصل کرنے والوں کے ساتھ افسوسناک امتیازی سلوک کا سلسلہ جاری رہا اور سولہ سال تک دینی مدارس میں صرف، نحو، منطق، فلسفہ، ادب، فقہ، حدیث اور تفسیر کی درجنوں کتابیں پڑھنے پڑھانے والوں کو ''ناخواندہ'' ہی شمار کیا گیا۔ یہ افسوسناک صورتحال ۱۹۶۲ء تک جاری رہی۔

مرحوم صدر جنرل ضیاء الحق کے دور میں بعض علماء کرام نے صدر محترم کی توجہ اس جانب مبذول کروائی کہ دینی مدارس کی سند کو کم از کم، ایم اے عربی، ایم اے اسلامیات کے مساوی قرار دیا جائے، جب کہ اس سے قبل وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ناظم اعلیٰ مفکر اسلام مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ اسی سلسلے میں ''قومی اسمبلی'' میں ایک قرارداد پیش کر چکے تھے، جو بعد میں ہونے والی کارروائی کے لیے بنیادی حیثیت رکھتی تھی۔

صدر جنرل ضیاء الحق نے اس اصولی اور جائز مطالبہ کو فوری طور پر تسلیم کرنے اور شخصی آرڈر جاری کرنے کے بجائے، یہ معاملہ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن آف پاکستان کے سپرد کر دیا۔ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے اس مسئلہ پر غور وخوض کے لیے ملک کی تمام اہم یونیورسٹیوں کے وائس چانسلرز اور وزارت تعلیم کے اعلیٰ حکام کے علاوہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان، تنظیم المدارس الشیعہ پاکستان اور رابطۃ المدارس پاکستان کے عمائدین کو اسلام آباد میں دعوت مشاورت دی، جس میں دینی مدارس کے نصاب تعلیم کا ناقدانہ جائزہ لینے کے بعد تمام ماہرین تعلیم نے متفقہ طور پر مدارس کی سند کو ایم اے عربی، ایم اے اسلامیات کے مساوی قرار دینے کی سفارش کی۔ چنانچہ ۱۷

نومبر ۱۹۸۲ء کو یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے اپنے ایک نوٹیفکیشن نمبر 80918ACAD128 کے تحت وفاق المدارس العربیہ کی شہادۃ العالمیہ کو ایم اے عربی، ایم اے اسلامیات کے مساوی تسلیم کرلیا اور اس کا عملی اطلاق تمام تعلیمی اداروں کے لیے ضروری قرار دے دیا گیا۔

حال ہی میں ایک نئی بحث شروع ہوئی کہ مدارس کی طرف سے جاری کردہ ایم اے کے مساوی یہ سند الیکشن کمیشن کی جانب سے عائد کردہ بی اے کی لازمی شرط کے تقاضوں کو پورا کرتی ہے یا نہیں؟ چیف الیکشن کمشنر سے پوچھا گیا تھا کہ مدارس دینیہ کے ''وفاقوں'' کی جاری کردہ سند کو یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے ایم اے عربی و اسلامیات کے مساوی تسلیم کیا ہے، جب کہ الیکشن میں حصہ لینے والوں کے لیے بی اے کی شرط لازمی قرار دی گئی ہے، تو کیا دینی مدارس کی جاری کردہ یہ سند انتخابی قواعد و ضابط کے تقاضوں پر پورا اترتی ہے؟ چیف الیکشن کمشنر نے اس کا از خود کوئی جواب دینے کے بجائے یہ مسئلہ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن آف پاکستان کی طرف بھجوا دیا۔

یو جی سی نے الیکشن کمیشن کو جواب دیا کہ یہ سند ہمارے ہاں ۱۹۸۲ء سے ایم اے عربی اور ایم اے اسلامیات کے مساوی تسلیم شدہ ہے، لہٰذا اس کے حاملین اس سند کی بنیاد پر الیکشن میں حصہ لے سکتے ہیں۔ اس کے بعد چیف الیکشن کمشنر نے ۲۹ جولائی ۲۰۰۲ء کو دینی مدارس کے فضلا کے لیے ۱۱۴۲، دی گزٹ آف پاکستان دینی ایکٹ کے تحت دینی مدارس کے فضلا کے لیے اس سند کی بنیاد پر الیکشن میں حصہ لینے کا نوٹیفکیشن جاری کیا۔ لیکن انتخابات کے آٹھ ماہ بعد بعض ''فرض شناس'' اور ''محافظین آئین پاکستان'' پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ مجلس عمل کے ٹکٹ پر منتخب ہونے والے حضرات بی اے کی لازمی شرط کو پورا نہیں کرتے۔ اس سلسلے میں جو سب سے بڑی دلیل دی گئی، وہ یہ ہے کہ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے نوٹیفکیشن For Teaching Purposes کے الفاظ ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سند تعلیمی و تدریسی مقاصد کے لیے ایم اے کے برابر ہے، عوامی نمائندگی اور قانون سازی کے لیے نہیں۔

گزارش یہ ہے کہ الیکشن میں بی اے کی شرط کا حاصل یہ تھا کہ ناخواندہ اور انگوٹھا چھاپ قسم کے پیشہ ور سیاستدان اسمبلی میں نہ آئیں، بلکہ یہ ایوان تعلیم یافتہ ارکان پر مشتمل ہو، جو اسمبلی میں قانون سازی کے تقاضوں کو سمجھتے ہوں۔ جب یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے دینی سند کو ایم اے کے مساوی اور اس کے حاملین کو تعلیم یافتہ تسلیم کرلیا تو یہ سوال بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے کہ اس سند کا اجرا کن مقاصد کے لیے کیا گیا۔ نیز اس منطق کو تسلیم کرلیا جائے، تو پھر وکلا اور ایم اے سیاسیات

کرنے والوں کے علاوہ کوئی بھی تعلیم یافتہ شخص اسمبلی کا ممبر بننے کا اہل نہیں رہتا۔

یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ ۱۹۷۳ء میں آئین کے مطابق ''اسلامی نظریاتی کونسل'' کا ادارہ تشکیل دیا گیا تھا، جس کا کام نفاذ اسلام کے لیے سفارشات کی تیاری اور قرآن وسنت کے مطابق قانون سازی میں اسمبلی کی رہنمائی کرنا ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل کے لیے ماہر فن علما کو نامزد کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ریٹائرڈ جج اور سینئر وکلا بھی اس کے ممبر ہوتے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب علما اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر ہونے کی حیثیت سے اسمبلی کی رہنمائی کے اہل ہیں تو ممبر اسمبلی بننے کے لیے کیوں نااہل ہیں۔

1 ...... ملک کے مختلف دینی وفاقوں کی جانب سے جاری کردہ سند یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کی منظور کردہ اور ایم اے عربی، ایم اے اسلامیات کے مساوی ہے۔

2 ...... اس سند کو قابل قبول قرار دیتے ہوئے، الیکشن کمیشن آف پاکستان ایسے تمام امیدواروں کو انتخابات میں حصہ لینے کا اہل قرار دے چکا ہے، جو اس سند کے حامل ہیں۔

3 ...... جو سند تعلیمی وتدریسی مقاصد کے لیے قابل قبول ہے، وہ قانون سازی کے لیے بھی قابل قبول ہے۔

4 ...... پاکستان کے آئین کی بنیاد قرآن وسنت پر ہے، جب کہ صرف اسی سند کے حاملین قرآن وسنت سے واقفیت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔

5 ...... اگر ڈاکٹرز، انجینئرز اور دوسرے پیشہ ورانہ تعلیم کے حاملین اسمبلی کے ممبر بن سکتے ہیں، جن کے پیشوں کا قانون سازی اور عوامی نمائندگی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تو علمائے کرام اسمبلی کے ممبر کیوں نہیں بن سکتے، جن کا قرآن وسنت کے مطابق قانون سازی سے براہ راست تعلق ہے، اس لیے کہ فقہ اسلامی قرآن وسنت کے قانون ہی کا نام ہے اور علمائے کرام کی زندگیاں اسی کی تدریس میں گزرتی ہیں۔

6 ...... ''اسلامی نظریاتی کونسل'' کی سفارشات کا جائزہ لینے کے لیے کتاب وسنت کے ماہرین کا اسمبلی میں ہونا ضروری ہے۔

آخر میں یہ گزارش ہے کہ پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی میں وزیر اعظم لیاقت علی خان اور تحریک پاکستان کے صف اول کے رہنماؤں کی موجودگی میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نے قرارداد مقاصد پیش کر کے اور منظور کروا کر، یہ مسئلہ ہمیشہ کے لیے طے کر دیا کہ پاکستان کا سپریم لاء

قرآن وسنت ہے اور اس کے لیے ماہرین شریعت کی رہنمائی ناگزیر ہے۔(ہماری رائے میں سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے طے شدہ امور کو ملیامیٹ کرنے کی سوچ ملک وملت کے لیے حد درجہ ضرررساں ہوگی، اس لیے حکومت کو چاہیے کہ وہ اپنے سیاسی مخالفین کا مقابلہ کرنے کے لیے کھیل کے اصولوں کی پابندی کرے، فاوَل پلے نہ کرے کہ اس کا نتیجہ خود اس کے حق میں خوش گوار ثابت نہ ہوگا۔(قومی اسمبلی، سینٹ عوامی نمائندگی کے ادارے ہیں نہ کہ سرکاری ملازمت کے)

• • •

ہمارا نظامِ امتحان دیکھیں، سب کو دعوت ہے

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے تحت سالانہ امتحانات ۱۹، اگست بروز ہفتہ کو شروع ہو رہے ہیں۔ ان امتحانات کے لیے ہم نے آزاد کشمیر سمیت چاروں صوبوں میں ۹۰۹ سینٹرز بنائے ہیں ،جن میں سے ۳۵۹ سینٹرز طلباء کے لیے اور ۵۵۰ سینٹرز طالبات کے لیے ہیں۔ ان ۹۰۹ سینٹرز میں امتحان لینے کے لیے ۴ ہزار ۸ سو ۶۶ نگران مقرر کیے گئے ہیں۔ اس سال وفاق کے تحت امتحان دینے والے طلباء اور طالبات کی مجموعی تعداد ایک لاکھ ۶۴ ہزار ۶ سو ۸۴ ہے۔ وفاق کا امتحان ایک ہفتہ مسلسل جاری رہے گا اور اس طرح ۲۴، اگست کو یہ امتحان مکمل ہو جائے گا۔

امتحان کی چند اہم باتیں یہ ہیں: وفاق المدارس العربیہ پاکستان جو دنیا کے دینی مدرسوں کا سب سے بڑا وفاق ہے کا امتحان پورے ملک میں ایک ہی وقت میں ہوتا ہے۔ کراچی سے پشاور اور کوئٹہ سے مظفر آباد تک قائم کیے گئے ۹۰۹ سینٹرز میں انعقاد کوئی معمولی بات نہیں۔ جو لوگ شعبہ تعلیم سے وابستہ ہیں وہ اس بات کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں کہ بغیر حکومتی امداد کے پرائیویٹ سیکٹر کا ایک بورڈ وسائل کی کمی کے باوجود بیک وقت اتنی بڑی تعداد میں نگران عملے کا بندوبست کرنے کے ساتھ ساتھ ملک کے دور دراز علاقوں میں امتحان سے کچھ وقت قبل سوالیہ پرچے بھی پہنچاتا ہے اور پورے ملک میں ہر سینٹر پر ہر پرچہ ایک ہی وقت پر شروع ہوتا ہے۔ یہ مشکل کام ہے، اسے صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں، جو امتحانی نظام سے وابستہ رہے ہیں۔ تاہم الحمد للہ وفاق المدارس برس ہا برس سے اسی طرح امتحان منعقد کروا رہا ہے اور ہر جگہ، چاہے وہ چاغی ہو یا چترال، اسکردو ہو یا قلات، گلگت ہو یا میرپور خاص، وقت مقررہ پر سوالیہ پرچے پہنچانے کا انتظام کرتا ہے۔ کیا یہ حیرت کی بات نہیں کہ جس وقت کوئٹہ میں سوالیہ پرچہ کا بنڈل کھولا جا رہا ہو، عین اسی وقت لاہور، پشاور، مظفر آباد اور کراچی میں بھی یہی عمل ہو رہا ہو۔ اس سارے عمل کے دوران ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ اتنے دور دراز علاقوں میں پرچوں کی ترسیل اور تقسیم کے باوجود کہیں بھی

سوالیہ پرچے لیک آؤٹ نہیں ہوتے۔

اس امتحان کی دوسری اہم بات یہ ہے کہ امتحان کے دوران کسی سینٹر پر بھی پولیس تعینات نہیں کی جاتی اس لیے کہ آج تک اس کی ضرورت ہی نہیں پڑی، طلباء اطمینان اور سکون سے امتحان دیتے ہیں۔ امتحان کے دوران کسی قسم کا شور شرابا، یا ہلڑ بازی نہیں ہوتی اور نہ ہی نقل کا چکر ہوتا ہے۔ نگران عملہ طلباء کے ساتھ شفقت اور محبت سے پیش آتا ہے اور طلباء بھی اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے، نگران عملے کو تنگ نہیں کرتے۔ سوالیہ پرچہ جات کی تیاری ایک اہم کام ہوتا ہے، ہم نے اس کام کے لیے ایک کمیٹی بنائی ہوئی ہے، وہ یہ کام بڑے احسن طریقے سے کرتی ہے۔ الحمدللہ ہم بڑے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ سوالیہ پرچوں کی تیاری کے تمام مراحل میں کہیں بھی سوالیہ پرچہ آؤٹ ہونے کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سوالیہ پرچے بنانے والے، ان کی فوٹو کاپیاں کرنے والے اور ان کی تقسیم کرنے والے وفاق کی طرف سے وضع کردہ نظام کا پورا خیال رکھنے کے علاوہ یہ بھی جانتے ہیں کہ ان کے ہر عمل کو اللہ دیکھ رہا ہے اور کل اس کے سامنے جواب دہ ہونا ہے۔

وفاق کے امتحان کی تیسری خاص بات یہ ہے کہ ان کی مارکنگ ''وفاق المدارس'' کے صدر دفتر ملتان میں ہوتی ہے۔ سینٹرل مارکنگ کا سلسلہ پاکستان میں سب سے پہلے وفاق المدارس نے شروع کیا۔ مارکنگ کے دوران کسی کو بھی یہ معلوم نہیں ہوتا کہ جو پرچہ وہ چیک کر رہا ہے، وہ کس کا ہے۔ اس کی ری چیکنگ بھی ہوتی ہے اور ہیڈ ایگزامینر (Head Examiner) کسی بھی وقت کسی کے چیک شدہ پرچے منگوا کر ان میں سے خود چیک کرتا ہے، تاکہ معلوم ہو سکے، آیا مارکنگ درست ہو رہی ہے یا نہیں۔ الحمدللہ ملک بھر میں منعقدہ اس امتحان کے نتائج کا اعلان ۴۵ دن کے اندر اندر کر دیتے ہیں۔ آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ ہمارے اس نظام میں پورے ملک کے اندر ہر جگہ ایک ہی نصاب پڑھایا جاتا ہے اور پھر ایک ہی طرح کا امتحان لیا جاتا ہے۔ اس طرح شہروں اور دیہات کے طلباء کا براہ راست آپس میں مقابلہ ہوتا ہے۔ ملک کے پسماندہ علاقوں میں قائم مدارس کے طلباء بعض اوقات شہری مدارس کے طلباء کو پیچھے چھوڑ دیتے ہیں۔ ہمارے ہاں پوزیشن کا تعین ملک کی سطح پر ہوتا ہے۔ کیا سرکاری اور پرائیویٹ عصری تعلیمی اداروں میں آج اس طرح کے نظام کا تصور کیا جا سکتا ہے؟

وفاق المدارس میں شعبہ کتب کا امتحان دینے والوں میں بچیوں کی تعداد بچوں سے زیادہ

ہے۔اس سال شعبہ کتب میں امتحان دینے والے طلباء کی تعداد ۵۲ ہزار ۹ سو ۶۵ جبکہ طالبات کی تعداد ۵۶ ہزار ۹ سو ۱۹ ہے۔ اسی وجہ سے طلباء کے سینٹروں کی تعداد ۳۵۹، جبکہ طالبات کے لیے قائم کیے گئے امتحانی سینٹروں کی تعداد ۵۵۰ ہے۔ان اعداد وشمار سے آپ خود ہی اندازہ لگالیں کہ جولوگ یہ کہتے ہیں کہ مدارس والے لڑکوں کی تعلیم کا خیال تو کرتے ہیں، مگر لڑکیوں کی تعلیم کی طرف توجہ نہیں دیتے ان کا یہ کہنا کس حد تک درست ہے۔آپ کو تعجب ہوگا کہ وفاق سے منسلک مدارس میں لڑکیوں کے مدارس کی تعداد لڑکوں کے مدارس کی تعداد سے زیادہ ہے اور اسی طرح تعداد کے لحاظ سے اس وقت بچیوں کی تعداد بچوں سے زیادہ ہے۔ ہاں شعبہ حفظ میں بچوں کی تعداد بچیوں سے زیادہ ہے، اسی وجہ سے امتحان میں شریک طلباء کی تعداد طالبات سے بڑھ جاتی ہے۔ اگر حفظ والوں کو الگ کرلیا جائے تو پھر طالبات کی تعداد زیادہ ہوجاتی ہے۔اس سال وفاق میں حفظ کا امتحان دینے والے طلباء کی تعداد ۴۲ ہزار ۸ سو اور طالبات کی تعداد ۱۲ ہزار ۱ سو ۲۸ ہے۔ اس طرح مجموعی طور پر اس سال ۵۴ ہزار ۹ سو ۲۸ بچے بچیوں نے حفظ مکمل کرلیا ہے۔

میں اپنے ملک کے دانشوروں، صحافیوں، کالم نگاروں، افسروں، ممبران اسمبلی، وزیروں، محکمہ تعلیم کے افسروں، بورڈز کے ذمہ داروں سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ تھوڑا سا وقت نکال کر اپنے شہروں میں ہمارے کسی بھی سینٹر کا وزٹ کریں اور جو کچھ میں نے کہا ہے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ ہم آٹھویں تک جو عصری علوم پڑھاتے ہیں، ان کے سوالیہ پرچوں کا معیار دیکھیں، ہمارے انگلش، ریاضی، سائنس اور مطالعہ پاکستان کے پرچوں کا معیار الحمدللہ اسکولوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ اچھا ہے۔اسی طرح دینی علوم کے پرچوں کے معیار بھی دیگر اداروں کے مقابلے میں کہیں زیادہ بہتر ہیں۔عصری اداروں میں طبقاتی نظامِ تعلیم، بڑی بڑی فیسیں، امیر، غریب اور شہری، دیہاتی میں فرق، یہ سب کچھ دیکھ کر ہمارا دل کڑھتا ہے۔اے کاش! ہمارے حکمران اپنے ملک کے بچے بچیوں کے لیے ایک جیسا نظام تعلیم وضع کریں، جہاں دھوبی اور جنرل کا بیٹا ایک جیسی تعلیم حاصل کرسکے۔آخر میں ایک دفعہ پھر میں ملک کے تمام لوگوں کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ ۱۹، اگست سے ۲۴، اگست تک کسی بھی دن ہمارے کسی امتحانی سینٹر کا دورہ کریں اور ہمارے امتحانی نظام کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔

ہماری منزل ہے پڑھا لکھا، ایماندار، دیانتدار، حق گو، سچا، کھرا اور متحرک مسلمان۔

• • •

مدرسہ رجسٹریشن آرڈیننس
(مدارس کی آزادی پر قدغن لگانے کا پہلا قدم)

الحمد للّٰہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. أما بعد

وفاقی کابینہ نے اپنے ایک اجلاس منعقدہ مورخہ ۱۹ جون ۲۰۰۲ء میں ''مدرسہ رجسٹریشن آرڈیننس'' کی منظوری دی ہے۔ یہ آرڈیننس ابھی تک تفصیلی و مختصر شکل میں تو سامنے نہیں آیا، لیکن وفاقی وزیر اطلاعات نے مرکزی کابینہ کے اجلاس کے بعد پریس کانفرنس میں اس آرڈیننس کے حوالے سے جو کچھ کہا ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ موجودہ حکومت کے ارادے اور عزائم دینی مدارس کے بارے میں نیک نہیں ہیں۔ دینی مدارس کے خلاف حکومت کی اس تازہ ترین مہم کا پس منظر مغربی ممالک کی یہ خواہش ہے کہ دینی مدارس پر حکومت کی حکمرانی ہو اور ترکی، مشرق وسطیٰ اور عرب ممالک کی طرح ان مدارس کو سرکاری حصار میں لے کر حریتِ فکر کی شمع بجھادی جائے۔ اسلام کے ان مضبوط و محفوظ قلعوں میں شگاف ڈالنے کے پسِ پردہ بیرونی ہدایات اور دباؤ ہے۔ اس لحاظ سے حکومت کا یہ تازہ ترین اقدام شدید مذمت کے قابل ہے کہ حکومت مدارس دینیہ کا گلا گھونٹ کر حق گوئی، ایمانی غیرت و حمیت، جذبۂ جہاد، تدین و تقویٰ اور صدائے ''لا الٰہ الا اللہ'' کو کہیں بند تو نہیں کرنا چاہتی۔

''مدرسہ رجسٹریشن آرڈیننس'' کا تفصیلی تجزیہ تو اس کے مکمل طور پر سامنے آنے کے بعد ہی کیا جاسکتا ہے، لیکن اس کے اجمالی اعلان کے بعد قوم بالخصوص دینی حلقوں میں جو اضطراب و بے چینی کی کیفیت ہے اس کے پیشِ نظر چند حقائق، حکومت کے بعض نامناسب اقدامات اور دینی حلقوں کے بعض جائز مطالبات سے قوم کو آگاہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں اولاً یہ حقیقت پیشِ نظر رکھی جائے کہ حکومت، پاکستان کے تمام دینی مدارس و جامعات کی نمائندہ تنظیموں اور وفاقوں پر مشتمل ''اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ پاکستان'' کو اب تک یہ یقین دہانی تسلسل کے ساتھ کراتی رہی ہے کہ رجسٹریشن کے سلسلے میں کوئی بھی فیصلہ مدارس

کو اعتماد میں لیے بغیر نہیں کیا جائے گا، حتیٰ کہ صدر پاکستان جنرل مشرف نے ۲۷ دسمبر ۲۰۰۱ء کو ''اتحاد'' کے وفد کو براہِ راست یہ یقین دہانی کرائی کہ دینی مدارس کی رجسٹریشن سمیت تمام امور اربابِ مدارس کے مشورے سے طے کیے جائیں گے۔ انہیں اعتماد میں لیے بغیر حکومت کوئی قدم نہیں اٹھائے گی۔ مگر اس تازہ ترین آرڈیننس کی کسی شق پر اہلِ مدارس سے کوئی مشاورت نہیں ہوئی۔ اہم امور پر مشاورت قرآن کریم کا حکم اور پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اس حکم کے تقاضے اسی صورت میں پورے ہو سکتے تھے، جب اربابِ اختیار اہل مدارس سے مشاورت کرتے اور ان کی آرا و تجاویز کی روشنی میں آرڈیننس جاری کرتے۔ ممکن ہے اقتدارِ اعلیٰ نے سرکاری محکموں، اداروں اور اسٹیبلشمنٹ سے رائے لی ہو، لیکن ظاہر ہے کہ اس مسئلے میں رائے دینے کی اہلیت و صلاحیت اور استحقاق اہلِ مدارس کا تھا، نہ کہ بیوروکریسی کے کل پُرزوں کا۔ بہر حال ہمیں نہایت افسوس ہے کہ حکومت نے اس سلسلے میں نہ صرف اپنے عہد کا پاس نہیں کیا، بلکہ یک طرفہ و متنازعہ آرڈیننس جاری کر کے دینی حلقوں میں اضطراب پیدا کر دیا ہے اور ستم ظریفی یہ ہے کہ بعض اعلیٰ حکام اور وزراء کرام سرکاری و غیر سرکاری ذرائع ابلاغ پر اب بھی یہ تاثر دینے میں مصروف ہیں کہ اس آرڈیننس کے اجرا سے پہلے اربابِ مدارس کو اعتماد میں لیا گیا ہے۔ اس کے بارے میں نرم سے نرم الفاظ میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

چنانچہ حکومت کی اس عہد شکنی اور مدارس کو سرکاری کنٹرول میں لینے کی اس مہم کی پرزور مذمت کرتے ہوئے ''اتحاد'' کی قیادت نے متفقہ طور پر اس آرڈیننس کو مسترد کر دیا ہے۔

یہ آرڈیننس اس لیے بھی ناقابلِ قبول ہے کہ اسے مدارسِ دینیہ کی آزادی، حریتِ فکر و عمل اور خود مختاری کو محدود بلکہ مسدود کرنے کے لیے جاری کیا گیا ہے۔ اس آرڈیننس کے نفاذ کے بعد تمام مدارس سرکاری ''مدرسہ ایجوکیشن بورڈ'' کے ماتحت ہوں گے۔ سرکاری افسران جب چاہیں معائنہ کے نام پر مدارس میں مداخلت کر سکیں گے۔ اگر کسی مدرسے نے احتجاج کیا تو اس پر فرقہ واریت یا دہشت گردی کا لیبل لگا کر خاموش کرا دیا جائے گا۔ حالانکہ قبل ازیں اس سلسلے میں بھی حکومت متعدد بار یہ اعلان کر چکی ہے کہ نئے قوانین کے اجرا کا مقصد مدارس کو سرکاری کنٹرول میں لینا، یا ان کے نظام میں مداخلت کرنا اور ان کی آزادی و خود مختاری کو سلب کرنا نہیں، مگر موجودہ آرڈیننس حکومت کے ان تمام دعوؤں کی تردید کرتا ہے۔ واضح رہے کہ اہلِ مدارس کی جانب سے

دینی مدارس کی آزادی وخود مختاری کو برقرار رکھنے کا مطالبہ ان ہی مدارس کے تحفظ اور بقاء کی خاطر ہے۔ کیوں کہ ماضی کی تاریخ گواہ ہے کہ جس ادارے میں حکومتی عمل دخل شروع ہوا، وہ بالآخر اس کے حسرت ناک انجام پر منتج ہوا۔

وفاقی وصوبائی حکومتوں کے زیرِ انتظام سرکاری تعلیمی اداروں، اسکولز، کالجز، جامعات، صنعت، تجارت، مواصلات اور ریلوے کا جو کچھ حال ہے وہ کسی سے مخفی نہیں۔ ۱۹۷۳ء میں تعلیمی اداروں کو قومیانے کے بعد پاکستان کا پورا تعلیمی ڈھانچہ زمین بوس ہو چکا ہے۔ سرکاری تعلیمی اداروں میں اساتذہ کو تمام مراعات ملنے کے باوجود طلبِ علم کے دروازے مسلسل بند ہو رہے ہیں۔ بدنظمی وابتری اپنی آخری حدوں کو چھو رہی ہے۔ پھر یہ کہ دینی مدارس کا معاملہ عام اسکولوں کی طرح نہیں۔ یہاں ہزاروں مدارس میں لاکھوں طلبہ کی تعلیم، رہائش اور علاج معالجہ کا انتظام بلا معاوضہ محض اسلامی اور انسانی بنیادوں پر کیا جاتا ہے۔ اگر حکومت نے ان مدارس کو اپنی تحویل میں لینے کی کوشش کی تو اسے شدید سیاسی ومعاشی مسائل سے دوچار ہونا پڑے گا۔ خود صدر پاکستان نے ۱۲ جنوری ۲۰۰۲ء کو قوم سے اپنے خطاب کے دوران یہ اعتراف کیا تھا کہ ''ہم مدارس کو نہیں چلا سکتے۔ مدارس انسانیت کی فلاح و بہبود کا غیر معمولی کام سرانجام دے رہے ہیں اور میرے نزدیک یہ سب سے بڑی این جی اوز ہیں۔ ہم انہیں قومی تحویل میں لے کر تباہ کرنا نہیں چاہتے۔''

مگر موجودہ آرڈیننس صدرِ پاکستان کے اس خطاب سے متصادم ہے اور مدارس کو قومی وسرکاری تحویل میں لینے کے پہلے قدم کے طور پر ان کی آزادی وخود مختاری پر قدغن لگائی جا رہی ہے۔ ''مدرسہ رجسٹریشن آرڈیننس'' کے نفاذ سے مدارس آزادی کے ساتھ علومِ دینیہ کی حفاظت واشاعت کے حق سے محروم ہو جائیں گے اور ہر آنے والی حکومت انہیں اپنی حمایت پر مجبور کرنے کے لیے پابندیوں کا شکنجہ سخت تر کرتی جائے گی۔

''مدرسہ رجسٹریشن آرڈیننس'' اس لیے بھی ناقابلِ قبول ہے کہ یہ ایک طرح سے ''امتیازی قانون'' ہوگا۔ یعنی ملک کے دوسرے فلاحی اور رفاہی اداروں کے لیے اور ضابطے، مگر حقیقی رفاہی وفلاحی ادارے، یعنی مدارس کے لیے اور قانون۔ این جی اوز اور دوسرے فلاحی اداروں پر غیر ملکی عطیات وصول کرنے پر کوئی پابندی نہیں، جب کہ اس آرڈیننس کے تحت مدارسِ دینیہ پر یہ پابندی عائد کی جا رہی ہے کہ وہ غیر ملکی عطیات وصول نہیں کر سکتے۔ حالانکہ پوری قوم اس حقیقت سے باخبر ہے کہ مدارسِ دینیہ میں ان کے عطیات کی ایک ایک پائی نہایت احتیاط سے صحیح مصرف

پر خرچ کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پوری قوم اہلِ مدارس پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے خون پسینے کی کمائی سے لاکھوں کروڑوں روپے امداد کی صورت میں مدارس کو فراہم کرتی ہے۔

جب قوم مدارس پر اعتماد کرتی ہے تو حکومت کو کیوں بداعتمادی ہے؟ نیز غیر ملکی امداد کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی کہ غیر ملکی امداد سے حکومتی امداد مراد ہے، یا کسی تنظیم اور ادارے کی امداد مراد ہے؟ یا کسی غیر ملکی فرد کی امداد مراد ہے اور وہ فرد مسلم ہے، یا غیر مسلم؟ نیز بیرون پاکستان مقیم پاکستانیوں کی امداد بھی ''غیر ملکی'' کی تعریف میں آئے گی، یا نہیں؟ آرڈیننس میں اس کی کوئی وضاحت نہیں۔ بظاہر ابہام اس لیے رکھا گیا ہے کہ حکومت جس وقت چاہے کسی بھی مدرسے کو ''غیر ملکی امداد'' کی مندرجہ بالا شقوں کی خلاف ورزی کا مرتکب قرار دے کر نشانۂ ستم بنا سکے۔

ہماری نظر میں ''غیر ملکی امداد'' کا اطلاق صرف حکومتی امداد پر ہونا چاہیے، لیکن اگر کوئی مسلم تنظیم، یا ادارہ، یا فرد یا بیرون ملک مقیم پاکستانی، پاکستان کے کسی دینی یا فلاحی ادارے کو عطیہ دینا چاہے، یا اپنے صدقات زیادہ مستحق افراد تک پہنچانے کے لیے مدارسِ دینیہ کا انتخاب کرے تو اس پر پابندی کا کیا جواز ہے؟ بلا جواز پابندی اور دینی مدارس کو چندہ دینے والوں کو ہراساں کرنا مدارس کے ساتھ دشمنی کے مترادف ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ صرف مدارس کے لیے اس امتیازی قانون کے پس پردہ کوئی اور عزائم یا عوامل ہیں۔

اس آرڈیننس کے اجرا سے حکومت اور دینی مدارس کے درمیان مفاہمت کی کوششوں کو بھی زبردست دھچکہ لگا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ حکومت میں بعض ایسے عناصر موجود ہیں جو اپنے مخصوص مفادات کے پیشِ نظر حکومت اور دینی طاقتوں میں تصادم و تزاحم کی فضا دیکھنا چاہتے ہیں، جب کہ مدارسِ دینیہ نے اب تک اس سے احتراز کیا ہے۔ ہماری سرحدوں پر دشمن کی مسلح افواج برے عزائم کے ساتھ موجود ہے، داخلی طور پر حکومت کو کئی چیلنجوں کا سامنا ہے، ملک میں امریکہ کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ سے ملک کے متعدد حلقوں میں شدید اضطراب و پریشانی پائی جاتی ہے۔ ان حالات میں ملکی سلامتی اور استحکام کا تقاضا ہے کہ حکومت داخلی طور پر قومی اتحاد کی فضا قائم کرے۔ دینی قوتوں کو اپنا مخالف بنانے کی بجائے اپنا ہم خیال بنائے۔ خانہ جنگی کے امکانات کا سدِ باب کرے اور ایسے عناصر کے مذموم مقاصد کو ناکام بنائے، جو حکومت اور دینی حلقوں کو لڑانا چاہتے ہیں۔ یہاں یہ واضح رہے کہ اربابِ مدارس نے ہمیشہ افہام و تفہیم اور مذاکرات کے ذریعے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی ہے۔ حکومت کی ہر معقول تجویز اور فیصلے کا

خیر مقدم کیا ہے۔نصابِ تعلیم میں مناسب ترمیم، جس سے ہمارے دینی مقاصد متاثر نہ ہوں کو قبول کرنا اس کی واضح دلیل ہے۔

یہ امر قابلِ غور ہے کہ اس وقت پاکستان کے ستر فیصد سے زائد مدارس سوسائٹی ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہیں۔اس ایکٹ کے تحت حکومت کو مدارس سے متعلق تمام ضروری کوائف حاصل ہوجاتے ہیں۔رجسٹریشن کا یہ قانون تمام قانونی تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔اس لیے اربابِ مدارس کا یہ مطالبہ رہا ہے کہ مدارس کی رجسٹریشن اسی سوسائٹی ایکٹ کے تحت کی جائے۔اس کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ پہلے سے ستر فیصد سے زائد رجسٹرڈ مدارس کی از سرِ نو رجسٹریشن کی ضرورت نہیں پڑے گی۔حکومت اور مدارس زائد اور بلا ضرورت بوجھ سے محفوظ رہیں گے۔دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ حکومت اور مدارس کے درمیان تناؤ کی موجودہ کیفیت کافی حد تک کم ہوجائے گی۔

مدارس کے ''اتحاد'' نے ۲۹ جنوری ۲۰۰۲ء کو وفاقی وزیر مذہبی امور سے مذاکرات کے وقت یہی تجویز پیش کی تھی۔وزیر موصوف نے اس سے اتفاق کیا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ وہ اس مؤقف کو حکومت سے منوائیں گے۔اس کے ساتھ ساتھ ''اتحاد'' نے حکومت کو یہ پیشکش بھی کی تھی کہ اگر حکومت سوسائٹی ایکٹ میں کوئی کمی محسوس کرتی ہے تو اس کا باہمی مشاورت سے ازالہ کیا جاسکتا ہے، مگر تمام تر کوششوں اور حکومتی یقین دہانیوں کے برعکس ''مدرسہ رجسٹریشن آرڈیننس'' جاری کرکے مدارس کے لیے مشکلات پیدا کردی گئی ہیں۔

جہاں تک مالی معاملات کا تعلق ہے تو حکومت اور مدارس پر اعتماد کرنے والے اور ان کے خیر خواہ تمام مسلمان اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ تمام دینی مدارس کے حسابات باقاعدہ حکومت کے منظور شدہ آڈیٹرز سے آڈٹ ہوتے ہیں۔مدارس میں ایک ایک پیسہ آخرت کی جواب دہی کے پیشِ نظر احتیاط سے خرچ کیا جاتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ قوم اس مسئلے میں علمائے حق اور اہلِ مدارس پر جو غیر معمولی اعتماد رکھتی ہے اسے ایک لحاظ سے Blind Faith کہا جاسکتا ہے۔

جو لوگ پاکستان میں دینی مدارس کو آزادی کے ساتھ خدمتِ دین کرتے ہوئے برداشت نہیں کرسکتے، وہ یہ شوشہ بھی چھوڑتے ہیں کہ جب کسی اور اسلامی ملک میں مدارس کو اتنی آزادی حاصل نہیں تو پاکستان میں کیوں؟

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اتنی بلکہ اس سے بڑھ کر آزادی بنگلہ دیش اور ہندوستان میں دینی مدارس کو حاصل ہے۔جبکہ ہندوستان اسلامی نہیں سیکولر بلکہ متعصب مذہبی ملک ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ دیگر اسلامی ممالک میں حکومتیں خود دینی علوم کی تعلیم واشاعت کا انتظام کرتی ہیں۔ مشرق وسطیٰ اور سعودی عرب میں تحفیظ اور ابتدائی دینی تعلیم کے تمام مدارس کی سر پرستی حکومت کرتی ہے۔ جب کہ پاکستان میں حکومتی سطح پر آج تک اس طرف توجہ نہیں دی گئی۔ اگر یہ دینی مدارس نہ ہوتے تو خاکم بدہن آج پچپن برس کے بعد پاکستان میں حفاظ، قراء، علماء، خطباء اور مبلغین کو چراغ لے کر ڈھونڈنے کی ضرورت پیش آتی۔

یہ تمام بوجھ مدارس نے اٹھایا اور قوم کو ہزاروں حفاظ وقراء، علماء، خطباء، مبلغین، مفتی، مفکر اور دانش ور دیے۔ ان مدارس کی برکات سے ہی علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ، مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ، مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ، مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ، مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ، مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ، مولانا احمد علی لاہور رحمہ اللہ، مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ، مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ، مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ، پیر قمر الدین سیالوی رحمہ اللہ اور مولانا داؤد غزنوی رحمہ اللہ جیسے جلیل القدر علماء پیدا ہوئے۔

حکومت پاکستان کو تو ان مدارس کا ممنون ہونا چاہیے کہ ان کی بدولت پاکستان کو تمام اسلامی ممالک میں امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، انڈونیشیا، ملائیشیا اور دیگر اسلامی ممالک سے طلباء کا یہاں آنا پاکستان کے لیے ایک اعزاز ہے۔ مدارس دینیہ کی آزادی سلب کرنے کی باتیں کرنے والے پاکستان کو اس اعزاز سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔ پھر یہ بھی واضح رہے کہ سرکاری دستبرداری سے آزادان مدارس نے علم وتحقیق کی نئی دنیا آباد کی۔ مشرق وسطیٰ اور ترکی وغیرہ میں جہاں دینی مدارس سرکاری تحویل میں آئے وہاں اسلام کے حوالے سے علمی تحقیقی کام برائے نام رہ گیا، جس کے نتیجے میں اسلام کی روح بھی ختم ہوگئی۔ آج اگر دنیائے اسلام میں ہندوستان اور بنگلہ دیش علم وتحقیق کے عظیم جزیروں کے طور پر یاد کیے جاتے ہیں، تو یہ ان ہی مدارس کا فیض ہے۔ مدارس کی آزادی چھیننے والے درحقیقت علم کے ان چراغوں کو بجھانا چاہتے ہیں۔

ان معروضات کی روشنی میں پاکستان کے تمام دینی مدارس اور دینی جماعتوں اور حلقوں کا یہ متفقہ مطالبہ ہے کہ حکومت، پاکستان کے دینی مدارس کو سرکاری تحویل میں لینے کی غیر دانش مندانہ پالیسی کو خیر باد کہتے ہوئے ''مدارس رجسٹریشن آرڈیننس'' کو فی الفور واپس لے۔ اگر مدارسِ دینیہ کی آزادی وخود مختاری سلب کرنے کی کوشش کی گئی تو حکومت کو دینی حلقوں کی طرف سے شدید ردِ

عمل اور مزاحمت کا سامنا کرنا پڑے گا اور پاکستان کے معروضی حالات اس قسم کے داخلی انتشار کے متحمل نہیں ہیں۔ ہمیں توقع ہے کہ حکومت نے جس طرح تمام دینی حلقوں کا مطالبہ تسلیم کرتے ہوئے ووٹرز فارم میں ختم نبوت سے متعلق حلف نامہ بحال کر کے دانشمندی کا مظاہرہ کیا تھا، اسی طرح وہ موجودہ آرڈیننس واپس لینے کا اعلان کر کے دینی حلقوں میں پائی جانے والی بے چینی اور اضطراب کا بھی خاتمہ کرے گی۔

واللہ الموفق وعلیٰ کل شئی قدیر.

○ ○ ○

دینی مدارس رجسٹریشن اور ریگولیشن (آرڈیننس 2002ء) کے بارے میں اتحاد مدارس دینیہ پاکستان کا مؤقف

(رجب تا رمضان ۱۴۲۳ھ)

۱۸ جولائی ۲۰۰۲ء کو لاہور میں اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ پاکستان کا ہنگامی اجتماع "دینی مدارس (رجسٹریشن اینڈ ریگولیشن) آرڈیننس ۲۰۰۲ء" کے حوالے سے منعقد ہوا، پانچوں تنظیمات کی مجالس عاملہ کی قراردادیں پڑھ کر سنائی گئیں، جن میں تمام تنظیمات کی مجالس عاملہ نے مجوزہ دینی مدارس رجسٹریشن کو کلی طور پر مسترد کر دیا ہے، تاہم حکومت کے ساتھ مذاکرات، گفت وشنید اور افہام وتفہیم کے ساتھ اس مسئلے کا ایسا حل وضع کرنے کی کوشش جاری رکھنے کا فیصلہ کیا گیا، جو تنظیمات مدارس دینیہ کے لیے قابل قبول اور قابل عمل ہوں۔

تین وفاقی وزراء کے ساتھ چھ جولائی ۲۰۰۲ء کو اسلام آباد میں منعقدہ اجلاس کی متابعت میں متفقہ مؤقف مرتب کیا گیا تھا اس مؤقف کے ساتھ ایک مکتوب بصورت جواب اجلاس منعقدہ ۲۹ جولائی ۲۰۰۲ء کے موقع پر حکومت کو پیش کیا گیا اس مکتوب میں مجوزہ آرڈیننس پر شق وار جامع تبصرہ ہے جس میں ان خطرناک عواقب کی نشاندہی کی گئی ہے جن کا اس آرڈیننس کے ممکنہ نفاذ کی صورت میں دینی مدارس کو سامنا کرنا پڑے گا۔ تمام دینی مدارس کے منتظمین، وابستہ علماء، معاونین اور پاکستان میں دینی علوم اور دینی اقدار کے تحفظ کا درد رکھنے والے اہل فکر ونظر کے مطالعے اور معلومات کے لیے آئندہ سطور میں پہلے حکومتی آرڈیننس کا متن اس کے بعد مدارس کا متفقہ مؤقف پیش کیا جا رہا ہے۔

حکومت کے جاری کردہ مدرسہ آرڈیننس کا متن......جس کے ذریعے دینی مدارس کی رجسٹریشن اور ان کے معاملات میں باقاعدگی پیدا ہو۔ ہرگاہ کہ یہ قرین مصلحت ہے کہ دینی مدارس کی رجسٹریشن اور ان میں باقاعدگی پیدا ہو اور ان سے متعلق معاملات اور ان سے منسلک دیگر امور کو باقاعدہ بنایا جا سکے۔ اور ہرگاہ کہ صدر پاکستان مطمئن ہیں کہ ایسے حالات موجود ہیں جن کے

بموجب یہ ضروری ہے کہ اس کے لیے فوری اقدام کیا جائے۔

لہٰذا 14 اکتوبر کے فرمان ہنگامی حالات اور 1999ء کے عبوری دستوری حکم نمبر 1 مع 1999ء کے عبوری دستوری (ترمیمی) حکم نمبر 9 کی تعمیل میں ان تمام اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے جو اس باب میں صدر پاکستان کو حاصل ہیں، صدر پاکستان مندرجہ ذیل آرڈیننس مرتب کرتے اور نافذ کرتے ہیں۔

1 مختصر نام، وسعت اور آغاز......

1 ......اس آرڈیینس کو دینی مدارس (رجسٹریشن ریگولیشن) آرڈیننس 2002ء کہا جائیگا۔

2 ...... یہ پورے پاکستان میں نافذ العمل ہوگا۔

3 ...... یہ اس تاریخ سے نافذ العمل ہوگا جس کا اعلان وفاقی حکومت سرکاری جریدے میں اعلان کے ذریعے کرے گی۔

2 تعریفات......اس آرڈیننس میں جب تک مضمون یا سیاق وسباق میں کوء چیز مخالف نہ ہو۔

الف......''بورڈ'' سے مراد ''مدرسہ ایجوکیشن بورڈ'' ہے جو صوبائی سطح پر زیر دفعہ 4 قائم کیا جائے گا۔ اور پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ.......................... جو پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ (ماڈل دینی مدارس کا قیام والحاق) آرڈیننس 2001ء کے تحت قائم کیا جائے گا۔

ب......دینی مدرسہ سے مراد وہ مذہبی تعلیمی ادارے ہیں بشمول جامعہ، دارالعلوم، اسکول، کالج یا یونیورسٹی یا کسی بھی نام سے قائم ادارے، جو اساس طر پر اسلامی تعلیم دینے کے لیے قائم ہوئے ہیں۔ چاہے وہ طعام وقیام کی سہولیات فراہم کریں یا نہ کریں۔

ج......وفاقی حکومت سے مراد وزارت مذہبی امور ہے۔

د......مدرسہ سے مراد دینی مدرسہ ہے۔

ھ......''مکتب'' سے مراد ہے غیر رسمی دینی تعلیمی ادارہ یا مرکز، جہاں طلباء کی تعداد پچاس سے کم ہو اور جزوقتی بنیاد پر جہاں دینی تعلیم کا انتظام ہو، چاہے یہ کسی مسجد سے وابستہ ہو یا نہ ہو، اور جہاں قیام وطعام کی سہولت ہو یا نہ ہو۔

و......''رکن'' سے مراد بورڈ کا رکن ہے۔

ز......''مجوزہ'' سے مراد ہے جو اس آرڈیننس کے تحت رولز یا ریگولیشن کے ذریعے تجویز کیا گیا ہو۔

ح......''صوبائی حکومت'' سے مراد شعبہ اوقاف یا کوئی دیگر شعبہ جس کا تعین صوبائی حکومت کرے۔

ط......''رجسٹر'' سے مراد ہے ایک رجسٹر جو اس آرڈیننس کے تحت کھولا گیا ہو۔

ی......''رجسٹریشن اتھارٹی'' سے مراد پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ ہے جن کا تعلق وفاقی حکومت کے براہ راست زیر کنٹرول علاقوں سے متعلقہ امور سے ہوگا اور متعلقہ ''صوبائی مدرسہ ایجوکیشن بورڈ''، جن کا تعلق صوبوں سے متعلق امور سے ہوگا۔

3 دینی مدارس کی رجسٹریشن......تمام دینی مدارس، چاہے وہ کسی بھی نام سے موسوم ہوں، جو اس آرڈیننس کے نفاذ کے وقت قائم ہو چکے ہوں، مندرجہ ذیل طریق کار کے بموجب رجسٹر کرائے جا سکیں گے۔

- ......''پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ'' جو پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ (ماڈل دینی مدارس کا قیام والحاق) آرڈیننس 2001ء کے تحت قائم کیا گیا ہے، اسلام آباد وفاقی دارالخلافہ یا ان تمام علاقوں کے مدارس جو وفاقی حکومت کے براہ راست زیر انتظام ہوں، کی رجسٹریشن کرے گا۔
- ......''صوبائی مدرسہ بورڈ'' یا اس کا کوئی علاقائی دفتر، جو دفعہ 4 کے ذیلی دفعہ (1) کے تحت طریق کار کے مطابق قائم ہو چکا ہو، صوبوں میں قائم دینی مدارس کی رجسریشن کرے گا۔
- ......تمام مدارس جو اس آرڈیننس کے تحت خود کو رجسٹرڈ کرائیں گے، اس عرصہ کے دوران خود کو رجسٹرڈ کروانے کے پابند ہوں گے، جن کا اعلان وفاقی حکومت ایک سرکاری جریدے میں کرے گا۔
- ......تمام ایسے دینی مدارس جو طلباء کو قیام وطعام کی سہولیات فراہم نہ کرتے ہوں اور ایسے تمام مکتب جو کسی مسجد میں قائم ہوں یا نہ ہوں، اپنے قیام، مطالعاتی پروگرام، تعداد طلبہ، ذرائع آمدن یا دوسرے معاملات اطریق کار کے مطابق جس کا تعین ضلعی ناظم کرے گا کے بارے میں ضلعی حکومت کو باخبر رکھیں گے۔

4 بورڈز اور رجسٹریشن دفاتر کا قیام......

- ......ہر صوبائی حکومت صوبائی سطح پر ایک صوبائی مدرسہ ایجوکیشن بورڈ قائم کرے گا جو مندرجہ ذیل ارکان پر مشتمل ہوگا۔

1......چیف ایڈمنسٹریٹر اوقاف، سیکرٹری مذہبی امور (چیئرمین)

2......شعبہ تعلیم کا نمائندہ جو کہ ایڈیشنل سیکرٹری کے عہدے سے کم نہیں ہوگا۔

3 ......صوبائی ہوم ڈپارٹمنٹ کا نمائندہ جو ایڈیشنل سیکرٹری کے عہدے سے کم نہیں ہوگا۔ (رکن)

4 ...... چار مشہور شخصیات جو دینی تعلیم دینے میں مشغول رہے ہوں۔ (اراکین)

5 ...... ڈائریکٹر اوقاف یا شعبہ اوقاف، مذہبی امور میں مساوی گریڈ کا حامل افسر (ممبر، سیکرٹری)

6 ...... وفاقی حکومت یا متعلقہ صوبائی حکومت کی پیشگی منظوری سے، جیسی بھی صورت ہو، بورڈ، جب اور جہاں چاہے، اپنے ماتحت علاقوں میں قائم دینی مدارس کی رجسٹریشن کے لیے یا دوسرے ایسے معاملات کے لیے جو انہیں اس آرڈیننس کے تحت تفویض کیے گئے ہوں، اپنے علاقائی دفاتر قائم کرسکے گا۔

• ...... بورڈ کی اجتماعی متحدہ حیثیت (Incorporation of Board) بورڈ جو ذیلی دفعہ (1) کے تحت قائم کیا گیا ہو، ایک کارپوریٹ ادارہ ہوگا، اس کی الگ مہر ہوگی اور اس کو اختیار ہوگا کہ کوئی جائیداد حاصل کر سکے، رکھ سکے، اس کا معاہدہ کر سکے اور اس نام سے عدالت ہائے قانون میں پیش ہو سکے گا اور اس نام سے اس کے خلاف مقدمہ قائم ہو سکے گا۔

5 بورڈ کے افسران اور ملازمین...... (الف)......اس آرڈیننس کے مقاصد حاصل کرنے کے لیے بورڈ رجسٹرار اور اتنے افسران اور عملہ مقرر کرے گا جتنے وہ ضروری سمجھے۔ (ب)......تمام افسران جن کی تقرری اس آرڈیننس کے تحت کی گئی ہو، مجموعہ تعزیرات پاکستان (ایکٹ ایکس ایل وی۔ 1960ء) کے مطابق پبلک سرونٹس متصور ہوں گے۔

6 بورڈ کی ذمہ داریاں...... 1 پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ دینی مدارس کی رجسٹریشن اور کارگزاری کے لیے پالیسی مرتب کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔ 2 پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ، یا صوبائی مدرسہ ایجوکیشن بورڈ وہ تمام فرائض سرانجام دے گا بشمول دینی مدارس کی رجسٹریشن، نگرانی اور ریگولیشن کے، جن کا تعین اس آرڈیننس میں کر دیا گیا ہے، یا وہ اس آرڈیننس کے مقاصد کے حصول کے لیے ضروری اور لابدی ہیں۔ 3 اس آرڈیننس کے مقاصد کے حصول کے لیے وفاقی سا اور صوبائی سطح پر حکام مجاز بورڈ کی مدد کے ذمہ دار ہوں گے۔

7 بغیر رجسٹریشن دینی مدرسے کا قیام یا جاری رہنے کی ممانعت......اس آرڈیننس کی دفعات کی متابعت کے بغیر کوئی مدرسہ نہ تو قائم ہو سکے گا اور نہ جاری وفعال رہ سکے گا۔

8 بشرط رجسٹریشن مدرسے کا جاری وفعال رہنا...... (الف) اس آرڈیننس کے نفاذ کے بعد سے کسی بھی غیر قائم مدرسے کا قیام عمل میں نہیں لایا جا سکے گا۔ جب تک اس آرڈیننس کے

دفعہ 12 کے تحت اسے رجسٹریشن سرٹیفکیٹ نہ دیا گیا ہو۔(ب) وہ مدرسہ جو پہلے سے قائم ہو اس آرڈیننس کے نفاذ کی تاریخ کے بعد چھ ماہ سے زیادہ عرصہ کے لیے جاری وفعال نہیں رہ سکے گا، جب تک اس تاریخ نفاذ کے 30 دن کے اندر دفعہ 9 کے تحت اس کی رجسٹریشن کے لیے درخواست نہ دی گئی ہو۔(ج) جہاں موجودہ قائم مدرسہ کے بارے میں درخواست دائر کی گئی ہو، اور ایسی درخواست مسترد کی جا چکی ہو، جو چھ ماہ کی مدت کے علی الرغم جو ذیلی دفعہ 2 کے تحت فراہم کی گئی ہے۔

مدرسہ تیس دنوں تک جاری وفعال رہ سکے گا۔ اس تاریخ کے بعد جب اس کی درخواست رد کی گئی ہو، یا دفعہ 14 کے تحت کوئی اپیل دائر کی گئی ہو، حتیٰ کہ ایسی اپیل خارج کر دی گئی ہو۔

9 رجسٹریشن کے لیے درخواست ...... کوئی شخص جو یہ چاہے کہ پہلے سے قائم شدہ مدرسہ جاری رہ سکے یا وہ کوئی نیا مدرسہ قائم کرنے کا ارادہ رکھتا ہو، ایک مجوزہ طے کردہ طریق کار کے مطابق، مقرر کردہ فیس کی ادائیگی پر، متعلقہ بورڈ کو درکواست پیش کرے گا جس کے ساتھ ایک بیان منسلک ہوگا۔ جس میں مندرجہ ذیل معلومات درج ہوں گی۔

الف...... مدرسہ کی تفصیل جو اس کی شناخت کے لیے ضروری ہو۔

ب...... مدرسہ میں رجسٹرڈ طلباء کی تعداد کل وقتی یا جز وقتی بنیاد پر۔

ج...... اساتذہ کے کوائف بشمول تعلیمی کوائف اور تنخواہ جو ان کو دی جا رہی ہو۔

د...... سلیبس کی تفصیل جو مدرسہ میں رائج ہے۔

ہ...... کوئی ٹریننگ، جسمانی یا ٹیکنیکی جو مدرسہ میں دی جاتی ہو۔

و...... مدرسہ سے جاری کردہ آخری سند یا ڈگری۔

ر...... مدرسہ کے ذرائع آمدن۔

ح...... سالانہ اخراجات کا تخمینہ۔

ط...... مدرسہ سے ملحقہ جائیداد کی تفصیل۔

ی...... مدرسہ کے بڑے بڑے اسپانسرز۔

ک...... کسی بھی یونیورسٹی یا بورڈ سے الحاق۔

ل...... آیا مدرسہ میں غیر ملکی طلبہ کو داخلہ دیا جاتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو ان کے مکمل کوائف، بشمول اپنے متعلقہ حکومت سے سند عدم اعتراض (این او سی) اور ویزہ جو پاکستان سفارت خانے

سے جاری ہوا ہو۔

م......آیا مدرسہ میں کسی غیر ملکی اساتذہ کی تقرری کی گئی ہے، اگر ایسا ہے تو ان کے مکمل کوائف بشمول انہیں جاری کردہ ویزہ کی نقول۔

ن......دیگر ایسے امور جن کی نشاندہی ضروری ہے۔

10......نئے مدرسے کے اجراء وقیام کے لیے سند عدم اعتراض (این اوسی) کی بنیادی شرائط اور معیار واصول......کسی نئے مدرسہ کے اجراء وقیام کے لیے دفعہ 9 کے تحت رجسٹریشن کے لیے درخواست دینے سے پہلے ضروری ہوگا کہ متعلقہ ضلعی ناظم سے ایک سند عدم اعتراض (این اوسی) حاصل کیا جائے۔ جس کے لیے وہ مندرجہ ذیل امور کو مدنظر رکھے گا:

1......مدرسہ کے قیام کے لیے مناسب وموزوں جگہ کی دستیابی۔

2......ایک ہیئت حاکمہ (گورننگ باڈی) کی تشکیل، مناسب قوانین اور اصول وضوابط کے ساتھ جو مدرسہ کے قیام کی ذمہ داری لے سکے۔

3......جس زمین یا رقبہ پر مدرسہ بنانا مقصود ہو وہ گورننگ باڈی کے نام منتقل ہو۔

4......مدرسہ کسی فرد خاندان یا قریبی رشتہ داروں کے گروپ کی ملکیت نہ ہو۔

5......بیان حلفی کہ مدرسہ (الف) یہ یقین دہانی کرائے گا کہ وہ پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ یا صوبائی مدرسہ بورڈ کے مقرر کردہ مضامین ایسے زائد مضامین جو وہ مقرر کریں، کی تدریس کا انتظام کرے گا۔ (ب) اپنے متوقع ذرائع آمدن، عطیات یا غیر ملکی مالی امداد کی تفصیل پیش کریگا۔ (ج) یہ حلفیہ بیان دے گا کہ وہ مدرسہ میں ایسے غیر ملکی طلباء کو داخلہ نہیں دے گا جن کی عمر 18 سال سے کم ہوا پنی متعلقہ حکومت سے جاری کردہ سند عدم اعتراض کا حامل نہ ہو، اور اس کے پاس اپنے ملک میں پاکستانی سفارت خانے سے جاری کردہ اسٹوڈنٹ ویزہ نہ ہو۔

6......ادارہ، تنظیم کے عہدیداران جو مدرسہ قائم کرنا چاہتے ہوں ایک بیان حلفی دینے کے پابند ہوں گے، کہ مدرسہ یا کوئی فرد جو کسی بھی حیثیت سے مدرسہ سے وابستہ ہو، دہشت گردی، جنگجویانہ عزائم، انتہا پسندی یا فرقہ وارانہ نفرت کی کسی بھی کارروائی میں ملوث نہ ہوگا اور یہ کہ مدرسہ اسلامی تعلیم، اسلامی اقدار بردباری اور معاشرے میں بھائی چارے اور اخوت کو فروغ دے گا۔

7......درخواست دہندہ جو مدرسہ قائم کرنا چاہتا ہو، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ متعلقہ وفاق، تنظیم یا رابطہ وغیرہ سے تائیدی سفارش حاصل کرے اور اگر مدرسہ کسی بھی ایسے وفاق، تنظیم یا

رابطہ سے منسلک نہ ہو وہ پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ سے سفارش حاصل کرے۔

وضاحت......(الف)''وفاق'' سے مراد ہے۔ 1 وفاق المدارس العربیہ پاکستان (دیوبند)۔ 2 وفاق المدارس السّلفیہ (اہل حدیث)۔ 3 وفاق المدارس الشیعیہ (اہل تشیع)۔ (ب) تنظیم سے مراد ہے: تنظیم المدارس پاکستان (بریلوی)۔ (ج) رابطہ سے مراد ہے: رابطۃ المدارس (جماعت اسلامی)

8 ......ڈسٹرکٹ رابطہ آفیسر سے رپورٹ کہ جگہ جو مدرسہ کے قیام کے لیے مختص کی گئی ہے وہ ایک تعلیمی ادارے کے قیام کے لیے موزوں ہے اور یہ کہ اس مدرسہ کے قیام سے علاقے میں کسی قسم کے بھی فرقہ وارانہ جذبات یا علاقے کے لوگوں کے لیے مسائل اور تکالیف پیدا نہ ہوں گے۔

11 تصدیق کے لیے بنیادی شرائط......بورڈ آرڈیننس کی دفعہ (الف) کے تحت درخواست وصول کرنے کے بعد ایسی تحقیقات کرے گا جو وہ خود کو مطمئن کرنے کے لیے ضروری سمجھے کہ: (ب) وہاں مدرسہ میں عملہ موجود ہے یا وہ پورے طور پر تعلیم یافتہ ہوگا اور اس کو معقول تنخواہ دی جائے گی۔ (ج) مدرسہ کی عمارت اور احاطہ لازماً صحت کے لحاظ سے مناسب سہولیات فراہم کرتی ہے یا فراہم کرے گی۔ (د) مدرسہ مذہبی مخاصمہ جوئی، فرقہ واریت یا بغض بغض ونفرت کے جذبات کی حوصلہ افزائی نہیں کرے گا۔ (ہ) مدرسہ نہ تو کوئی فوجی یا نیم فوجی تربیت فراہم کرے گا اور نہ آلات حرب زیر استعمال میں لائے گا۔ (و) مدرسہ کی انتظامیہ کی نہ تو بچوں کو بھیک یا خیرات مانگنے کی اجازت دے گی اور نہ عطیات جمع کرنے یا کسی بھی صورت میں چندہ وصول کرنے کی اجازت دے گی۔ (ر) انتظامیہ اس بات کو یقینی بنائے گی کہ دینی مدرسہ میں اسلام کے اخلاقی اقدار کو فروغ دیا جائے گا اور ان کی پاسداری کی جائے گی۔

12 رجسٹریشن سرٹیفکیٹ کی عطائیگی...... 1 اگر بورڈ ان تمام معاملات کے بارے میں مطمئن ہے جن کا احاطہ دفعہ 10 اور 11 میں کر دیا گیا ہے، تو وہ مقرر کردہ طریق کار کے مطابق سرٹیفکیٹ جاری کرے گا اور ایک مقرر کردہ طریق سے مدرسے کو رجسٹر کرے گا جس کے بارے میں درخواست دی گئی ہے۔ 2 سرٹیفکیٹ میں خاص طور پر مدرسہ کا رجسٹریشن نمبر درج ہوگا اور ہر مدرسے کی ذمہ داری ہوگی کہ وہ اپنے نام کے ساتھ رجسٹریشن نمبر نمایاں طور پر آویزاں کرے۔

3 جس شخص کے نام بھی سرٹیفکیٹ جاری کیا جائے اس پر اس آرڈیننس کی دفعات پر عمل درآمد کرنے کی پابندی ہوگی یا اس بارے میں بنائے گئے تمام قوانین، اصول وضوابط، قواعد،

احکامات، شرائط اور ہدایات کی پابندی لازم ہوگی۔ 4 سرٹیفکیٹ میں مدرسہ کے بارے میں پوری تفصیل درج ہوگی اور کسی بھی شہری کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ سرٹیفکیٹ یا اس کے محتویات کا معائنہ کر سکے۔

13 رجسٹریشن دینے سے انکار...... بورڈ وہ تمام وجوہات درج کرے گا جن کی بناء پر سرٹیفکیٹ کے اجراء سے انکار کیا گیا ہو۔

14 اپیل...... اگر بورڈ رجسٹریشن کی درخواست کو رد کر دے تو درخواست دہندہ متعلقہ رجسٹریشن کے حکم کے اجراء کی تاریخ سے 30 دن کے اندر اندر وفاقی یا صوبائی حکومت کے سامنے اپیل کرے گا، جیسی بھی صورت ہو اور حکومت کی طرف سے جاری کردہ احکامات حتمی تصور ہوں گے اور متعلقہ بورڈ ان پر عمل درآمد کرنے کا پابند ہوگا۔

15 حسابات کا مناسب اور درست ریکارڈ محفوظ رکھنا......

1 ...... ہر رجسٹرڈ مدرسہ (الف) اپنے حسابات کا مکمل اور درست دستاویزات اس طریق کار کے مطابق محفوظ رکھے گا جیسے متعلقہ بورڈ طے کرے گا اور جس کا آڈٹ، آڈیٹرز یا اکاؤنٹنٹ کے پینل سے کرایا جائے گا جن کی منظوری وفاقی یا صوبائی حکومت دے گی۔

(ب) اپنی سالانہ رپورٹ اور آڈٹ شدہ حسابات متعلقہ بورڈ کو کسی وقت یا طریق کار کے مطابق جن کا تعین کیا جا چکا ہو، پیش کرے گا اور اسے عوام الناس کی اطلاع کے لیے مشتہر کرے گا۔

(ج) وہ تمام رقوم جو اسے حاصل ہوئی ہوں اپنے نام سے ایک علیحدہ اکاؤنٹ کے تحت کسی بھی بینک یا بینکوں میں جسے متعلقہ بورڈ منظور کرے، جمع کرائے گا۔

(د) متعلقہ بورڈ کو حسابات یا دیگر مالی ریکارڈ کے بارے میں ہر قسم کی معلومات فراہم کرے جو بورڈ کو وقتاً فوقتاً ضرورت ہوں۔

2 ...... بورڈ یا کوئی دیگر آفیسر جسے اختیار دیا گیا ہو، مناسب وقت پر دینی مدارس کے حسابات یا دیگر نقدی، سیکورٹی یا جائیداد اور ان کے بارے میں محفوظ کردہ دستاویزات کا معائنہ کرے گا۔

16 گورننگ باڈی کی معطلی یا اس کی تحلیل و تنسیخ......

• ...... اگر بورڈ ایسی تحقیقات کے بعد جسے وہ مناسب سمجھے، مطمئن ہو کہ کوئی مدرسہ اپنے فنڈز میں کسی قسم کی بھی خورد برد یا بے قاعدگی کا ذمہ دار ہے یا اپنے معاملات میں بدانتظامی کا مرتکب ہے یا اس آرڈیننس کی دفعات یا اس کے تحت بنائے گئے قوانین اور اصول وضوابط پر عمل درآمد

میں نا کام ہو چکا ہے تو تحریراً حکم کے تحت وہ ہیئت حاکمہ (گورننگ باڈی) کو معطل کر سکتا ہے جبکہ اسے سماعت کا موقع بھی فراہم کیا جا چکا ہو۔

- ...... جہاں ایک گورننگ باڈی کو ذیلی دفعہ (1) کے تحت معطل کیا گیا ہو، بورڈ ایک ایڈ منسٹریٹر یا محافظ ادارے کا تقرر کرے گا جس کے اراکین کی تعداد پانچ سے زیادہ نہ ہوگی جس کو گورننگ باڈی کے اختیارات حاصل ہوں گے، مدرسہ کے قانون کے تحت۔
- ...... معطلی کا ہر حکم ذیلی دفعہ (1) کے تحت مرکزی یا متعلقہ صوبائی حکومت کے سامنے تیس دن کے اندر قابل اپیل ہوگا جسے یہ اختیار حاصل ہوگا کہ وہ کس گورننگ باڈی کو جیسے وہ مناسب سمجھے یا تو حکماً دوبارہ بحال کرے یا منسوخ کر دے یا از سر نو تشکیل کرے۔

17 سرٹیفکیٹ کی معطلی یا تنسیخ ......

1 ...... بورڈ ایسے سرٹیفکیٹ کو جسے دفعہ ۱۲ کے تحت جاری کیا گیا ہو، یا تو معطل کر دے یا منسوخ کر دے، اگر اس آرڈیننس کی کسی بھی دفعہ یا اس کے تحت بننے والے قوانین اور قواعد وضوابط یا شرائط کی خلاف ورزی پائی گئی ہو۔

2 ...... ذیلی دفعہ (۱) کے تحت کوئی شخص جو کسی حکم سے متاثر ہو چکا ہو، یا شاکی ہو، ایسے حکم کے اجراء سے ایک ماہ کے اندر مرکزی یا صوبائی حکومت کے سامنے اپیل پیش کر سکتا ہے۔ مرکزی یا صوبائی متعلقہ حکومت جیسی بھی صورت ہو، سرٹیفکیٹ کو یا تو بعض مجوزہ شرائط کے تحت بحال کر سکتی ہے یا اسے منسوخ کر سکتی ہے۔

3 ...... ذیلی دفعہ (۲) کے تحت اپیل کے رد کی صورت میں بورڈ کی ہدایات کے تحت مدرسہ کی جائیداد کسی دوسرے مدرسہ یا مدارس کو منتقل کر دی جائے گی۔

18 نصابات اور امتحانات کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے اختیارات ...... ہر وہ مدرسہ جو ایک تعلیمی قابلیت، علمیت واہلیت کے حصول کے لیے تربیت دے یا اسے عطا کرے۔ یعنی ڈپلوما، ڈگری، لائسنس، سند یا کوئی دیگر سرٹیفکیٹ بورڈ کو ایسی معلومات فراہم کرے گا جو بورڈ کو وقتاً فوقتاً درکار ہوں۔ یعنی (الف) ایسی علمیت واہلیت حاصل کرنے کے لیے مجوزہ نصابات اور امتحانات کا انعقاد کم از کم عمر کا تعین جس کے تحت ان نصابات اور امتحانات کے لیے مدرسہ میں داخلہ لینا ہو۔ (ب) ایسی علمیت واہلیت سے قبل امتحانات کا انعقاد اور (ج) عمومی طور پر بنیادی شرائط ایسی علمیت واہلیت کے حصول کے لیے۔

19 امتحانات کا معائنہ

1 ...... بورڈ کسی بھی یا تمام امتحانات میں جو پاکستان میں مدرسہ کے زیر انتظام منعقد ہوئے ہوں اور ان کا مقصد مسلمہ علمی اہلیت دینا ہو، ان کا جائزہ لینے کے لیے انسپکٹر مقرر کرے گا۔

2 ......اس دفعہ کے تحت مقرر ہونے والے انسپکٹرز امتحانات کے انعقاد کے سلسلہ میں کوئی دخل اندازی نہیں کریں گے، بلکہ وہ بورڈ کو امتحانات، نصابات مدرسہ کی طرف سے تدریس کے لیے سہولیات، امتحانات میں پوچھے گئے سوالات یا کسی بھی دیگر معاملات پر جس میں بورڈ کو معولمات درجار ہوں، کے بارے میں رپورٹ پیش کریں گے۔

3 ...... بورڈ اس رپورٹ کی ایک نقل متعلقہ مدرسہ کو ارسال کرے گا اور ساتھ ہی اس کی نقل مدرسہ کے تبصرہ اور اپنی رائے کے ساتھ وفاقی حکومت کو بھی ارسال کرے گا۔

20 رجسٹرز کا اہتمام......

- ...... بورڈ ان رجسٹرڈ مدارس کا ایک رجسٹر محفوظ رکھے گا جو اس آرڈیننس کے مقاصد کے حصول کے لیے دینی تعلیم دیتے ہوں اور ضروری معلومات کا تعین کرے گا جن کا ان رجسٹروں میں اندراج کیا جائے گا۔
- ...... یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کی مشاورت سے بورڈ کو یہ اختیار حاصل ہوگا کہ وہ کسی بھی غیر ملکی تعلیمی قابلیت کو تسلیم کرے اور ان کا معاملہ ان مناسب تعلیمی قابلیتوں یعنی اسناد سے کرے جنہیں ملک کے اندر تسلیم یا عطا کیا جاتا ہو۔
- ...... بورڈ ایک ایسا علیحدہ رجسٹر بھی رکھے گا جس میں مدارس کی طرف سے مقرر کردہ نصابات کی تفصیل ہوگی جو خاص اسناد کے حصول کے لیے مقرر ہوں اور ان میں کتابوں، مصنفین، ذریعہ تعلیم اور عرصہ تدریس نصاب درج ہوگا۔

21 رجسٹرز بحیثیت پبلک دستاویزات......تمام رجسٹر جو اس آرڈیننس کے تحت کھولے گئے ہوں انہیں قانون شہادت 1948ء (پی او نمبر 10 آف 1948) کے معنوں کے تحت ایک عوامی دستاویز تصور کیا جائے گا۔

22 غیر ملکی طلباء کا داخلہ...... 1 کسی غیر ملکی طالب علم کو کسی بھی مدرسہ میں داخلہ نہیں دیا جائیگا تا آنکہ:

(الف)......وہ 18 سال کی عمر کا ہوں۔

(ب)...... پاکستان میں کسی بھی مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے کے لیے اپنے ملک سے این او

سی لے چکا ہو۔

(ج)......اس کے پاس اپنے ملک میں واقع پاکستانی سفارت خانے سے جاری کردہ قانونی ویزہ ہو۔

(د)......یہ بیان حلفی دے کہ اپنی تعلیم کی تکمیل یا ویزہ کی مدت معیاد ختم ہونے پر یا اس کی حکومت کے اسے واپس بلانے پر فوراً اپنے ملک واپس ہوگا، بشرطیکہ ایک غیر ملکی طالب علم جو کسی مدرسے میں باقاعدہ طالب علم ہو، ان شرائط پر پورا اترنے کے لیے 3 مہینوں کے اندر اپنا معاملہ درست کر دے بصورت دیگر اسے ملک بدر کیا جائے گا۔

2 ...... مدرسہ کی انتظامیہ کو شریک جرم سمجھا جائے گا، اگر کوئی غیر ملکی طالب علم کو اپنے مدرسہ میں داخلہ دے گا یا ذیلی دفعہ (الف) کی خلاف ورزی کی صورت میں اس کا داخلہ برقرار رکھے گا۔

23 غیر ملکی اساتذہ کی تقرری اور ملازمت...... کسی بی غیر ملکی کو کسی بھی حیثیت میں کسی مدرسہ میں ملازمت نہیں دی جائے گی جب تک وزارت داخلہ سے اس نے این او سی اور کام کا ویزہ حاصل نہ کیا ہو۔

24 بین الاقوامی امداد......کوئی مدرسہ کسی بھی غیر ملکی ادارے فرد یا بین الاقوامی عطیہ دینے والے سے وفاقی حکومت کی اجازت کے بغیر کوئی عطیہ، گرانٹ یا مالی امداد حاصل نہیں کرے گا۔

25 سزا......

1 ......کوئی بھی جو اس آرڈیننس کی دفعات کی عمداً خلاف ورزی کا مرتکب ہو قید کی سزا کا مستوجب ہوگا جو زیادہ سے زیادہ دو سال تک کے عرصے پر محیط ہوگی یا جرمانہ کی سزا کا جو ۵۰ ہزار روپے ہوگی یا دونوں کا۔

2 ......اس آرڈیننس کے تحت کوئی قابل سزا جرم صرف اس شکایت کی بنا پر قابل دست اندازی تصور ہوگا جو ایک ایسا آفیسر کرے جسے وفاقی حکومت یا متعلقہ صوبائی حکومت نے مجاز قرار دیا ہو۔

26 رولز بنانے کا اختیار......وفاقی حکومت، صوبائی حکومت کے مشورہ سے سرکاری جریدے میں اعلان کے ذریعے ایسے رولز بنائے گی جو اس آرڈیننس کے مقاصد کے حصول کے لیے ممد ہوں۔

27 قواعد بنانے کا اختیار......بورڈ آرڈیننس کے مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے قواعد وضع کرے گا اور اختیارات کو متاثر کیے بغیر ایسے قواعد مندرجہ ذیل امور کے لیے ہوں گے۔

(الف)......بورڈ کی جائیداد کا انتظام و انصرام اور اس کے حسابات کا آڈٹ۔

(ب)...... بورڈ کے اجلاس کا انعقاد، وقت اور جگہ جہاں اجلاس کا انعقاد مقصود ہو اور اس کی کارگزاری وغیرہ۔

(ج)...... بورڈ کے چیئرمین کے اختیارات اور فرائض۔

(د)...... بورڈ کے ملازمین کی ملازمت کے شرائط وضوابط۔

(ہ)...... مسلمہ اداروں سے مختلف تعلیمی قابلیت حاصل کرنے کے لیے تربیتی کورسز کے لیے کم از کم معیار کا تعین۔

(و)...... تربیتی کورسوں کے لیے داخلہ کی شرائط کا تعین۔

(ز)...... مدارس میں تقرری کے لیے اساتذہ کے لیے کم از کم تعلیمی شرائط اور تجربہ کا تعین۔

(ح)...... امتحانات کا معیار مقرر کرنا، امتحانات لینے کا طریق کار اور دیگر لوازمات جو اس آرڈیننس کے تحت تعلیمی اہلیت تسلیم کرنے کے لیے ضروری ہیں۔

(ط)...... مدرسہ کو تسلیم کرنے اور ملکی وغیر ملکی اداروں میں دیئے جانے والے تعلیمی اسناد کے معادلہ کے لیے معیار و اصول مقرر کرنا۔

28 یہ آرڈیننس دوسرے تمام قوانین پر غالب ہوگا......

29 مشکلات کا تدارک...... اس آرڈیننس کی شقوں کے نفاذ کے راستے میں اگر کوئی مشکل پیش آئے تو وفاقی حکومت ایسا حکم جو اس آرڈیننس کی شقوں کے خلاف نہ ہو، جاری کر سکے گی جو وہ اس مشکل کو دور کرنے لیے ضروری ہے۔

○ ○ ○

اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ کا موقف

(رجب تا رمضان ۱۴۲۳ھ)

دینی مدارس کے قیام کا بنیادی مقصد صرف یہ ہے کہ قرآن وسنت کے علوم کی تعلیم ایک ایسی فضاء میں دی جائے جو ہر قسم کی بیرونی مداخلت اور دباؤ سے آزاد ہو، اور جہاں ہ صرف قرآن وسنت کی تعلیم کسی قسم کی آمیزش کے بغیر ٹھیٹھ دینی نقطۂ نظر سے دی جاسکے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اخلاص، للّٰہیت اور اتباع سنت کی عملی تربیت بھی دی جائے۔ الحمدللہ برصغیر میں ''دینی مدارس'' صدیوں سے یہ خدمت کسی نام ونمود کے بغیر انجام دے رہے ہیں، انہوں نے انگریزی استعمار کے دور میں بھی خاموشی کے ساتھ علوم اسلامی کی شمع جلائے رکھی اور دنیا کی ہر چمک دمک کو خیرباد کہہ کر اسلامی علوم کی خدمت انجام دیتے رہے جس کے نتیجے میں ہماری تاریخ کی وہ عظیم جگمگاتی ہوئی شخصیتیں پیدا ہوئیں جن کی کدمات پورے عالم اسلام میں سراہی گئیں۔

ان مدارس کا حقیقی فائدہ اسی صورت میں ظاہر ہوسکتا ہے جب یہ اپنے تعلیمی نظام اور اپنے ماحول کی صورت گری میں مکمل طور پر آزاد اور خودمختار ہوں، اور ان پر کسی قسم کا دباؤ نہ ہو، یہ آزادی اور خود مختاری مدرسے کے ارباب حل وعقد کو اپنے کسی ذاتی مفاد کی خاطر مطلوب نہیں، بلکہ اس کا مقصد اسلامی علوم اور ان کے تحت پیدا ہونے والے مزاج ومذاق کا تحفظ ہے، اور یہ تحفظ اصحاب مدارس کو اتنا عزیز ہے کہ اس کی خاطر انہوں نے بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہیں کیا۔ آج تک کبھی کسی نے نہیں سنا ہوگا کہ ان مدارس نے حکومتوں سے کوئی مالی امداد طلب کی ہو، آج تک کسی نے نہیں سنا ہوگا کہ ان مدارس کے اساتذہ یا منتظمین نے اپنی تنخواہوں کے اضافے یا اپنے مالی مفادات کے لیے کوئی مطالبہ یا کوئی احتجاج کیا ہو، بلکہ انگریزی استعمار کے دور میں، کبھی ان مدارس نے یہ مطالبہ بھی نہیں کیا کہ ان کی جاری کی ہوئی اسناد کو سرکاری طور پر منظور کیا جائے، اور باوجودیکہ انگریز نے معیشت کے دروازے ان لوگوں پر مکمل طور پر بند کردیے تھے، ان اصحاب مدارس نے روکھی سوکھی کھا کر اور موٹا

جھوٹا پہن کر گزارا کیا، لیکن کبھی حکومت سے کوئی مدد مانگی، نہ عہدے اور منصب طلب کیے۔ ان قربانیوں کی وجہ صرف یہ تھی کہ انہوں نے اپنی زندگیاں قرآن وسنت کے تحفظ کے لیے وقف کی تھیں، اور اس کے ٹھیٹھ مزاج ومذاق کو محفوظ رکھنے کی خاطر وہ اپنا ہر مفاد قربان کر سکتے تھے۔

پاکستان کے دینی مدارس بھی بفضلہ تعالیٰ اسی راہ پر گامزن ہیں، البتہ انہوں نے حکومت کے ساتھ تعاون اور اس کے کسی معقول مطالبے سے کبھی انکار نہیں کیا، چنانچہ پچھلے دنوں حکومت کے مختلف نمائندوں کے ساتھ بار بار کے مذاکرات میں یہ بات طے ہوگئی تھی کہ مدارس کو رجسٹریشن پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ چنانچہ بیشتر دینی مدارس پہلے سے سوسائٹیز ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہیں اور جو مدارس ابھی تک رجسٹرڈ نہیں ہیں ان کو بھی سوسائٹیز ایکٹ کے تحت ''رجسٹرڈ'' کرانے سے مدارس کو کوئی انکار نہیں۔ بشرطیکہ اس کے طریق کار میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے جو ان کی آزادی، خودمختاری اور ان کے متوارث طریق کار کے منافی ہو، حکومت کی طرف سے بھی بار بار اس بات کی یقین دہانی کرائی گئی تھی، لیکن زیرنظر مجوزہ آرڈیننس کے بنظر غائر مطالعے کے بعد ہمیں افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ اس آرڈیننس میں ان یقین دہانیوں کا کوئی عکس موجود نہیں ہے، اور اس میں رجسٹریشن کے نام پر دینی مدارس کی آزادی اور خودمختاری کو بالکلیہ سلب کرنے کی تجویز دی گئی ہے۔ آرڈیننس کی خاص خاص باتیں مندرجہ ذیل ہیں۔

مدرسہ ایجوکیشن بورڈ...... اس مجوزہ آرڈیننس کا ناقابل قبول پہلو یہ ہے کہ اس میں ملک کے تمام دینی مدارس کو ''پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ'' اور ''صوبائی مدرسہ ایجوکیشن بورڈ'' کے ماتحت بنا کر ان کی آزادی اور خودمختاری کا بالکلیہ خاتمہ کر دیا ہے۔ جہاں تک ''پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ'' کا تعلق ہے خود اسی مجوزہ آرڈیننس کی رو سے اس سے مراد وہ ''پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ'' ہے جو ماڈل دینی مدارس بورڈ آرڈیننس 2001ء کے تحت قائم ہو۔

ماڈل دینی مدارس کے آرڈیننس کے اجراء کے وقت حکومت کی طرف سے بار بار یہ یقین دہانی کرائی گئی تھی کہ اس بورڈ کا مقصد مجوزہ ماڈل دینی مدارس کا انتظام ہوا، اور اس کا ان مدارس سے کوئی تعلق نہیں ہوگا جو اس بورڈ سے الحاق کرنا نہ چاہیں، چنانچہ وزارت مذہبی امور کی طرف سے ''ماڈل دینی مدارس: ضرورت، آرڈیننس، نصاب'' کے نام سے جو کتابچہ شائع کیا گیا ہے، اس کے مقدمے میں وفاقی وزیر مذہبی امور جناب ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب نے صراحۃً لکھا ہے کہ: ''اس آرڈیننس کا مقصد نہ تو دینی مدارس کی خودمختاری اور آزادی کو ختم کرنا ہے، نہ ہی کسی

مدرسہ یا دارالعلوم پر مجوزہ نصاب مسلط کرنا ہے، اور نہ کسی ادارے کو مدرسہ بورڈ کے ساتھ الحاق کرنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے'' (ماڈل دینی مدارس، صفحہ: ح)

لیکن اب ان واضح یقین دہانیوں کے برعکس اسلام آباد کے وفاقی علاقے کے دینی مدارس کو بورڈ سے رجسٹریشن کا پابند بنایا جا رہا ہے، بلکہ دفعہ 6 کے تحت، اسے تمام دینی مدارس کے رجسٹریشن اور ان کی کارگزاری (Operation) کے لیے اصل پالیسی ساز ادارہ قرار دے دیا گیا ہے۔ جسکا واضح مطلب یہ ہے کہ دینی مدارس اپنے فرائض کی انجام دہی (Operation) کے لیے خود پالیسی وضع کرنے کے بجائے اس ''پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ'' کی بنائی ہوئی پالیسیوں کے تابع ہونگے۔

''صوبائی مدرسہ ایجوکیشن بورڈ'' ایک نیا بورڈ ہوگا جو ہر صوبے میں الگ الگ قائم کیا جائے گا۔ مجوزہ آرڈیننس کی دفعہ 4 کی رو سے اس کا چیئرمین چیف ایڈمنسٹریٹر اوقات یا سیکرٹری وزارت مذہبی امور ہوگا، نیز وزارت تعلیم اور وزارت داخلہ کا ایک ایک افسر جو ایڈیشنل سیکرٹری کے رتبے سے کم نہ ہو، اس کے ممبر ہونگے، اور ڈائریکٹر اوقاف اس کا ممبر سیکرٹری ہوا، اور چار ایسے نمایاں اشخاص اس کے ارکان ہونگے جو مذہبی تعلیم دینے سے متعلق رہے ہوں، اس ہیئت ترکیبی سے صاف واضح ہے کہ اس بورڈ کا سربراہ اور تین ارکان سرکاری افسران ہونگے، اور چار افراد ایسے لیے جائیں گے جو مذہبی تعلیم دینے سے متعلق (Involue) رہے ہوں، یعنی ان کا باقاعدہ عالم دین ہونا بھی ضروری نہیں، اتنا کافی ہے کہ وہ کسی حیثیت سے مذہبی تعلیمسے متعلق رہے ہوں۔ یہ ''صوبائی مدرسہ ایجوکیشن بورڈ'' صوبے کے تمام دینی مدارس کی نہ صرف جرسٹریشن کرے گا۔ بلکہ ان کی نگرانی اور ان کے لیے قواعد وضوابط بھی وجع کرے گا۔ چنانچہ دفعہ 6 کی شق 2 میں کہا گیا ہے کہ: ''پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ'' اور ''صوبائی مدرسہ ایجوکیشن بورڈ'' تمام کام انجام دیں گے جن میں دینی مدارس کی رجسٹریشن، ان کی نگرانی اور ان کے قواعد وضوابط بنانا بھی شامل ہیں، اور اس کے علاوہ وہ تمام کام جو اس آرڈیننس کے مقاصد حاصل کرنے کے لیے ضروری ہوں''

دفعہ 10 ...... کی شق 5(A) میں کہا گیا ہے کہ دینی مدرسے کو رجسٹریشن کی درخواست کا این او سی لینے کے لیے یہ ضمانت لینی ہوگی کہ پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ یا صوبائی مدرسہ ایجوکیشنبورڈ انہیں جو اضافی مضامین پڑھانے کے لیے کہے، وہ دینی مدرسہ انہیں پڑھانے کو یقینی بنائے گا۔

نیز دفعہ 16......میں کہا گیا ہے کہ پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ اور صوبائی مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کو یہ اختیار حاصل ہوگا کہ اگر وہ کسی دینی مدرسے کے بارے میں اس بات پر مطمئن ن ہوں کہ اس میں کوئی بدنظمی، مالی معاملات میں بے قاعدگی یا آرڈیننس کے احکام یا اس کے تحت بنے ہوئے قواعد وضوابط کی خلاف ورزی پائی جارہی ہے تو وہ اس مدرسے کی انتظامیہ کو معطل کر کے مدرسہ پر کوئی ایڈمنسٹریٹر یا نگران انتظامیہ مقرر کر دے۔

دفعہ 17......میں پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ اور صوبائی مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کو یہ اختیار بھی دیا گیا ہے کہ اگر ان کی رائے میں کسی مدرسے میں اس آرڈیننس کے احکام یا اس کے تحت بنائے ہوئے قواعد وضوابط کی خلاف ورزی پائی جائے تو وہ اس دینی مدرسے کہا رجسٹریشن سر ٹیفکیٹ معطل یا منسوخ کر دیں۔

دفعہ 27......میں دونوں قسم کے بورڈز کو یہ ضوابط بنانے کے بھی اختیارات دیے گئے ہیں کہ وہ مختلف سندات کے لیے کم سے کم کورس معیار متعین کریں، مختلف کورسز کے دورانیہ کا تعین کریں، تربیتی کورسز میں داخلے کی شرائط طے کریں، مدارس میں اساتذہ کے تقرر کے لیے کم سے کم تعلیمی معیار اور تجربہ کی مقدار مقرر کریں، امتحانات کا معیار اور امتحان کا طریق کار وغیرہ متعین کریں۔

مجوزہ آرڈیننس کے ان تمام احکام کو مدنظر رکھتے ہوئے جو صورت واضح طور پر سامنے آتی ہے وہ یہ کہ دینی مدارس کلی طور پر ان سرکاری بورڈز کے تابع ہونگے دینی مدارس کی پالیسیاں وضع کرنے سے لے کر نصاب کا تعین، امتحانات کے طریق کار، اساتذہ کا تقرر اور مدارس کا نظم ونسق چلانے تک ہر چیز ان بورڈز کے ماتحت ہوگی، اور دینی مدارس کی انتظامیہ کا کام صرف یہ ہوگا کہ وہ مدارس چلانے کے لیے مالی وسائل صرف اپنے بل بوتے پر اکھٹے کرے، (کیونکہ یہی ایک شعبہ ہے جس میں بورڈز نے اپنے سر کوئی ذمہ داری لینی مناسب نہیں سمجھی) اور ہر وقت اس کے سر پر یہ تلوار لٹکتی رہے کہ کسی بھی وقت بورڈز کے اہلکار اس پر بدعنوانی یا بے قاعدگی کا الزام عائد کر کے چاہیں تو انتظامیہ کو معطل کریں اور چاہیں تو مدرسے کا رجسٹریشن منسوک کر کے اس کے تمام اثاثے دفعہ 17 شق 3 کے تحت کسی اور من پسند مدرسے کو دیدیں۔'' صدر جنرل پرویز مشرف صاحب نے اپنے 21 جنوری 2002ء کے خطاب میں کہا تھا کہ:

اس مدرسہ Stragegy کا کوئی مقصد نہیں ہے کہ مدرسوں کو خواہ مخواہ گورنمنٹ کے کنٹرول میں لیں، اور جو ان کی اتنی بہترین اچھائیاں ہیں ان کو ہم حکومت کے کنٹرول میں لے کر خواب

کریں'' (نوائے وقت لاہور 13 جنوری 2002ء صفحہ 8) نیز وفاقی وزیر مذہبی امور نے ''ماڈل دینی مدارس آرڈیننس کے بارے میں کہا تھا کہ ''مقصد نہ تو دینی مدارس کی خودمختاری اور آزادی کو ختم کرنا ہے نہ ہی کسی مدرسہ یا دارالعلوم پر مجوزہ نصاب مسلط کرنا ہے، اور نہ ہی کسی ادارہ کو مدرسہ بورڈ کے ساتھ الحاق کرنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے'' (ماڈل دینی مدارس صفحہ ح) صدر پاکستان سے لے کر وزیر مذہبی امور تک جس بات کی یقین دہانی کراتے رہے ہیں، مجوزہ آرڈیننس نے اس کے بالکل برعکس دینی مدارس کی خودمختاری اور آزادی کو مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کے ذریعے بالکلیہ ختم کر کے تمام دینی مدارس کو بیوروکریسی کے رحم وکرم پر چھوڑ دینے کا پروگرام بنایا ہے۔ ان وجوہ سے مجوزہ آرڈیننس میں صوبائی مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کا قیام اور دینی مدارس کی رجسٹریشن اور نگرانی کا کام اس کے اور پاکستان مدرسہ ایجوکیشن کے سپرد کرنا دینی مدارس کے لیے قطعی ناقابل قبول ہے۔ سرکاری سطح پر اس قسم کا بورڈ قائم کرنے کی نہ کوئی ضرورت ہے، نہ دینی مدارس کی رجسٹریشن سے اس کا کوئی تعلق ہے۔ چونکہ آرڈیننس کا سارا ڈھانچہ بورڈز پر قائم ہے جو اصولاً ہ قابل قبول نہیں، اس لیے جزوی ترمیمات سے آرڈیننس کی اصلاح ممکن نہیں ہے۔ تاہم بورڈز کے قیام کے علاوہ مجوزہ آرڈیننس میں جو باتیں مزید قابل اعتراض اور ناقابل قبول ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

دفعہ 3 شق 4...... جن دینی مدارس میں طلبہ کی رہائش کا انتظام نہیں ہے، ان کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ ضلع ناظم کے وضع کردہ طریق کار کے مطابق ضلعی حکومت کو مدرسے کے بارے میں مکمل معلومات فراہم کریں جن میں ان کے ذرائع آمدنی بھی داخل ہیں۔ ایسے مدارس جن میں طلبہ کی رہائش کا انتظام نہیں ہوتا عموماً چھوٹے مدارس اور مکتب ہوتے ہیں جو نہایت قلیل وسائل سے آبادی کی تعلیمی خدمت انجام دیتے ہیں۔ ضلعی انتظامیہ کو معلومات فراہم کرتے رہنا ان چھوٹے مدارس کو انتظامیہ کی طرف سے ہراساں کرتے رہنے کا سبب بنے گا۔

دفعہ 7...... اس دفعہ میں نئے مجوزہ طریق کار کے مطابق ہر دینی مدرسے کو رجسٹریشن کا پابند بنایا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو مدارس پہلے سے رجسٹرڈ ہیں ان کی رجسٹریشن کالعدم قرار دیدی گئی ہے جس کا کوئی جواز نہیں۔

دفعہ 9...... اس دفعہ میں رجسٹریشن کی درخواست کے ساتھ مدرسہ کے ذرائع آمدنی (g) اور مدرسہ کے اہم معاونین (k) کی تفصیلات داخل کرنے کے لیے کہا گیا ہے۔ دینی مدارس کے اکثر معاونین وہ ہوتے ہیں جو اخلاص کے ساتھ دین کی خدمت کے لیے مدارس کو چندے دیتے ہیں،

ان میں سے بہت سے وہ ہیں جو اپنے نام کا اعلان نہیں چاہتے یہ پابندی ان کے لیے ناقابل قبول ہوگی، نیز بہت سے چندہ دینے والے اس اعلان کے نتیجے میں سرکاری اہلکاروں کی طرف سے ہراساں کیے جانے کا خطرہ محسوس کریں گے، اور نتیجتاً مدارس کے چندے میں کمی واقع ہوگی، عجیب بات ہے کہ آج تک کسی انجمن، کسی جماعت یا کسی این جی اوز کو اس بات کا پابند نہیں کیا گیا کہ وہ اپنے چندہ دینے والوں کی فہرست حکومت کو مہیا کرے لیکن سارے معاشرے میں اس کام کے لیے صرف دینی مدارس کو منتخب کیا جارہا ہے کہ وہ اپنے معاونین کی فہرست حکومت کو فراہم کریں۔

دفعہ 10......اس دفعہ میں بورڈ کو رجسٹریشن کی درخواست دینے سے پہلے ہر دینی مدارسے کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ پہلے ضلع ناظم سے این او سی حاصل کرے۔ ضلع ناظم کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ این او سی جاری کرنے سے پہلے بہت سی باتوں کا اطمینان کرے، اور مدرسہ کے ذمہ داران سے متعدد ضمانتیں لے جن میں بورڈ کے تجویز کردہ اضافی نصاب کو اختیار کرنے کا عہد، متوقع ذرائع آمدنی اور چندوں کا اندازہ اور 18 سال سے کم عمر غیر ملکی طلبہ کو داخلہ نہ دینے کا عہد بھی شامل ہے۔ اسی دفعہ کی شق 3,4 میں یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ مدرسہ کی زمین مدرسے کی گورننگ باڈی کے نام منتقل ہو، کسی فرد یا خاندان کے نام نہ ہو۔ اس کا بظاہر تقاضا یہ ہے کہ کوئی مدرسہ کسی کرایہ کی جگہ پر قائم نہ ہو سکے۔ نیز دینی مدارس میں بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کوئی فرد یا خاندان اپنی مملوکہ زمین میں دینی تعلیم کے لیے کوئی ادارہ قائم کر دیتا ہے۔ بالخصوص مدارس کے آغاز قیام میں اس طرح کی صورتیں بکثرت پیش آتی رہتی ہیں۔ اور انہیں روکنے کی کوئی معقول وجہ موجود نہیں ہے۔

نیز اس دفعہ کی شق (vi) میں مدرسے کے عہدیداروں یا انتظامیہ سے یہ بیان حلفی لینے کو کہا گیا ہے کہ مدرسہ یا مدرسہ سے تعلق رکھنے والا کوئی شخص کسی بھی حیثیت میں کسی دہشت گردی، جنگجوئی، انتہا پسندی یا فرقہ وارانہ منافرت میں ملوث نہیں ہوگا۔ ملک کے تمام دوسرے اداروں، جماعتوں اور انجمنوں کو چھوڑ کر صرف دینی مدارس کے ذمہ داروں سے یہ بیان حلفی لینے کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہے کہ ملک بھر میں دہشت گردی کے سب سے بڑے مجرم، نہ نسلی اور لسانی منافرت پھیلانے والے گروہ اور جماعتیں ہیں، نہ دوسرے تخریب پسند، بلکہ اس جرم کے سب سے بڑے مرتکب دینی مدارس ہیں، پھر نہ دہشت گردی کی کوئی تعریف قانون میں دی گئی ہے، نہ جنگجوئی، انتہا پسندی یا فرقہ وارانہ منافرت کی، جس کا مطلب یہ ہے کہ جو سرکاری اہل کار جس مدرسے پر چاہے من مانی تعریف کی بنیاد پر ان جرائم کا الزام لگادے، اور اسے حلف نامے کی خلاف ورزی کے جرم میں بند کر دیا

جائے۔اسی دفعہ کی شق (viii) میں ضلع ناظم کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ ڈسٹرکٹ کوآرڈی نیشن آفیسر سے رپورٹ حاصل کرے کہ مجوزہ جگہ پر مدرسے کے قیام سے فرقہ وارانہ جذبات پیدا نہیں ہونگے۔نہ آبادی کو بے آرامی کا خطرہ ہوگا۔یہ ساری مجمل باتیں بھی سرکاری اہل کاروں کے ہاتھ میں ایک ہتھیار ہوگا کہ وہ جس مدرسے کا قیام مرضی کے خلاف پائیں،اسے یہ کہہ کر روک دیں کہ فرقہ وارانہ جذبات پیدا ہونے کا یا آبادی کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

دفعہ 11......ضلع ناظم سے این او سی حاصل ہونے کے بعد درخواست بورڈ کو پیش کی جائے گی،اور وہ رجسٹریشن سے پہلے یہ اطمینان کرے گا کہ اسٹاف تعلیمی قابلیت کا حامل ہے۔یہ معاملہ بھی بورڈ کی صوابدیدی پر چھوڑا گیا ہے۔نیز بورڈ اس بات کا بھی اطمینان کرے گا کہ مدرسے کا قیام مذہبی تنازعات،فرقہ واریت،تفرقہ بازی یا منافرت کی فضا پیدا نہیں کرے گا۔یہ سب باتیں چونکہ مستقبل کے خدشات سے متعلق ہیں،لہٰذا کسی بھی مدرسے کا رجسٹریشن ان میں سے کوئی بھی خدشہ ظاہر کر کے روکا جاسکتا ہے۔اگر واقعۃً فرقہ وارانہ منافرت کا دروازہ بند کرنا ہے تو اس کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ سرکاری اہل کاروں کو یہ اختیار دیدیا جائے ہ وہ جس مدرسے کو چاہیں،اس بنیاد پر بند کردیں۔ بلکہ اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ فرقہ وارانہ منافرت کے اسباب مثلاً ایک دوسرے کے اکابر اور قابل احترام شخصیتوں کی توہین وغیرہ کا واضح تعین کر کے ہر اس شخص کو بذریعہ عدالت مستوجب سزا قرار دیا جائے جو ان اسباب کا مرتکب ہو۔

دفعہ 12......اس دفعہ کی شق 3 میں رجسٹریشن سرٹیفکیٹ کے حامل کو اس بات کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے کہ وہ نہ صرف مجوزہ آرڈیننس، بلکہ اس کے تحت جاری ہونے والے تمام قواعد،ضوابط، احکام،شرائط اور ہدایات کی پابندی کرے،اس کا مطلب یہ ہے کہ بات صرف رجسٹریشن کرانے کی حد تک محدود نہیں ہے بلکہ بورڈ کی لگائی ہوئی تمام شرائط،اس کے جاری کئے ہوئے تمام احکام اور ہدایات ہر مدرسے کے لیے واجب التعمیل ہیں جن کی خلاف ورزی پر مدرسہ بند کیا جاسکتا ہے۔دینی مدارس کو ان احکام و ہدایات میں اس طرح سے جکڑنے کے باوجود کیا یہ کہنے کا کوئی جواز ہے کہ دینی مدارس کو حکومت اپنے کنٹرول میں لے کر خراب کرنا نہیں چاہتی؟

دفعہ 15......اس دفعہ (شق سی) کے تحت دینی مدرسہ کے اکاؤنٹ صرف بورڈ کے منظور کردہ بینک میں کھولے جاسکتے ہیں،اور حسابات کا آڈٹ صرف وفاقی وزارت مذہبی امور یا صوبائی محکمۂ اوقاف کے منظور کردہ آڈیٹرز سے کرایا جاسکتا ہے۔(اصل دفعہ میں وفاقی یا صوبائی حکومت

لکھا ہے، مگر تعریفات میں'' وفاقی حکومت'' سے مراد وفاقی وزارت مذہبی امور اور'' صوبائی حکومت'' سے مراد محکمۂ اوقاف یا صوبائی حکومت کا متعین کردہ کوئی اور ادارہ ہے۔) دینی مدارس کو اس حد تک پابند کرنا کہ وہ اپنی پسند کے بینک میں خود نہ اکاؤنٹ کھول سکیں اور نہ آڈیٹر کا تعین کر سکیں، ایک ایسی پابندی ہے جس کی نظیر دوسرے اداروں میں ملنی مشکل ہے۔

دفعہ 22......اٹھارہ سال سے کم عمر کے کسی غیر ملکی طالب علم کے داخلے پر پابندی لگادی گئی ہے دینی مدارس میں چونکہ حفظ و ناظرہ اور ابتدائی دینی تعلیم چھوٹے بچوں کو دی جاتی ہے جس کا بہت سے دوسرے ملکوں میں انتظام نہیں ہے، اس لیے بہت سے غیر ملکی بچوں کو ان کے والدین کسی سرپرست کے ہمراہ تعلیم کیلئے پاکستان بھیجتے ہیں یہ سرپرست بعض اوقات ان کا بڑا بھائی یا کوئی اور رشتہ دار ہی ہوتا ہے جو اوپر کے درجات میں زیر تعلیم ہوتا ہے، اور بعض اوقات والدین خود پڑھائی کی غرض سے اپنے بچے کے ساتھ پاکستان آجاتے ہیں۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ ایسے بچوں کو تعلیم سے محروم رکھا جائے۔

دفعہ 24......اس دفعہ میں وفاقی حکومت کی اجازت کے بغیر ہر قسم کی غیر ملکی امداد لینے پر پابندی عائد کی گئی ہے۔ اگر کوئی مدرسہ کسی بیرونی حکومت سے امداد لینا چاہے تو اس کے لیے یہ پابندی حق بجانب ہوسکتی ہے، لیکن اس دفعہ میں غیر ملکی پرائیویٹ اداروں بلکہ غیر ملکی افراد تک سے کوئی چندہ وصول کرنے پر پابندی عائد کردی گئی ہے۔ بہت سے اہل خیر دوسرے ملکوں سے چھوٹی چھوٹی رقمیں بذریعہ چیک مدرسوں میں چندے کے طور پر بھیجتے ہیں، ان سینکڑوں اشخاص کی چھوٹی چھوٹی رقمیں وصول کرنے کے لیے وفاقی وزارت مذہبی امور سے اجازت حاصل کرنے کی پابندی سراسر بے جواز، غیر منصفانہ اور مشکلات پیدا کرنے کے مترادف ہے۔ ان تمام دفعات کا جائزہ لینے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ چونکہ مجوزہ آرڈیننس کا پورا ڈھانچہ غلط اور ناقابل عمل تصورات پر مبنی ہے اس لیے اس میں جزوی ترمیمات کرکے اس کی اصلاح نہیں ہوسکتی اور اسے کلی طور پر مسترد کیے بغیر چارہ نہیں ہے۔ ہم ایک بار پھر واضح کرنا چاہتے ہیں کہ دینی مدارس نے حکومت کے کسی معقول مطالبے سے انکار نہیں کیا۔ چنانچہ رجسٹریشن کا جو طریقہ اب تک چلا آرہا ہے، اس کے تحت جو مدارس رجسٹرڈ نہیں ہیں ان کا رجسٹریشن کرالیا جائے۔ حکومت کو مدارس کے جو کوائف مطلوب ہوں مدارس نے کبھی انہیں دینے سے انکار نہیں کیا۔ نیز اگر کسی مدرسے میں کوئی خلاف قانون بات نظر آئے تو اس کے خلاف قانونی کارروائی کا راستہ اب بھی کھلا ہوا ہے۔ اس کے لیے کسی نئے قانون کی ہرگز ضرورت نہیں ہے۔

مجوزہ ''دینی مدارس (رجسٹریشن اور ریگولیشن) آرڈیننس 2002ء'' کے بارے میں اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ پاکستان کا مؤقف

(محرم، صفر، ربیع الاول ۱۴۲۳ھ)

ملک میں دینی جماعتوں، دینی اداروں اور مدارس و جامعات کے بارے میں حکومتی اعلانات واقدامات سے اضطراب و بے چینی کی فضا اور پروپیگنڈے کے گرد وغبار سے متاثر ہونا فطری ہے۔ اس کا ثبوت احقر کو موصول ہونے والے وہ بے شمار فون اور پیغامات ہیں جو ملک کے اطراف واکناف سے روزانہ ملتے ہیں اور جن کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ ان تمام استفسارات میں قدرِ مشترک مدارس کے مستقبل کے بارے میں اظہار تشویش، حکومتی عزائم کے بارے میں فکرمندی اور اس سلسلہ میں ''وفاق المدارس العربیہ پاکستان'' کے لائحہ عمل اور اقدام کا انتظار ہے۔ ان تمام حضرات کو انفرادی طور پر مطمئن کرنے کے علاوہ احقر نے اخبارات، ذاتی رابطوں اور فون کے ذریعے اہم امور اور تازہ صورت حال سے اہل مدارس کو باخبر رکھنے کی پوری کوشش کی۔ لیکن تفصیلی طور پر تمام حالات اور ''وفاق'' کی پالیسی سے، اسفار اور مشاغل کی وجہ سے آگاہ نہ کرسکا۔ اس لیے چند گزارشات قدرے تفصیل سے کے ساتھ عرض کی جارہی ہیں۔ امید ہے ان شاء اللہ شافی ہوں گی۔

اربابِ ''وفاق'' کی مساعی اور فرض شناسی...... جب سے مدارس وجامعات کے خلاف معاندانہ پروپیگنڈے کا آغاز ہوا بالخصوص ۱۵ رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ سے ۲۰۰۲ء سے اس میں شدت آجانے کے بعد ''وفاق'' کی قیادت نے مدارس دینیہ کے تحفظ میں کسی قسم کے تساہل اور غفلت سے کام نہیں لیا۔ ہمارے اکابر ضعف ونقاہت، علالت اور تدریسی وانتظامی مصروفیات کے باوجود اس فریضہ کو جس خوش اسلوبی سے نباہ رہے ہیں اس پر وہ تمام اہل علم کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔ تمام حضرات اس وقت اپنے تمام مشاغل اور مصروفیات سے صرف نظر کرتے ہوئے شب وروز مدارس کے تحفظ وبقاء، خودمختاری وآزادی کے لیے کوشاں ہیں۔ آپ

نے ان حضرات سے جو توقعات وابستہ کی ہیں اور جس اعتماد کا اظہار کیا ہے مجھے حق تعالیٰ شانہ کے فضل سے پوری امید ہے کہ وہ اس کے اہل بھی ہیں اور ان شاء اللہ آزمائش کی اس گھڑی میں ان توقعات اور اعتماد پر پورا بھی اُتریں گے۔

مشترکہ مقاصد کے لیے مشترکہ جدوجہد..... موجودہ دور میں مشترکہ مقاصد کے لیے اجتماعی جدوجہد اور زیادہ سے زیادہ افرادی قوت کا اظہار ناگزیر ہے۔ چنانچہ ''وفاق المدارس'' نے تمام مکاتب فکر کے وفاقوں اور تنظیموں کو ایک متحدہ محاذ میں تبدیل کرنے کے لیے انتہائی مخلصانہ مساعی انجام دیں، جن کی بدولت دو سال قبل ''اتحاد تنظیمات مدارس پاکستان'' کا وجود عمل میں آیا، جو بحمداللہ اب ایک مضبوط، فعال، متحرک اور مستحکم مگر غیر سیاسی تنظیم کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ اس اتحاد کے قیام واستحکام کے لیے تمام مکاتب فکر کی مساعی مشکور ہیں، مگر ''وفاق'' کا کردار اس سلسلہ میں نہایت قابل قدر، اساسی اور لائق تحسین ہے۔ اس اتحاد کو مزید مؤثر اور ہمہ جہت بنانے کے لیے اسے مرکز سے صوبوں، اضلاع اور تحصیل کی سطح تک وسعت دی جا رہی ہے۔

مدارس کی آزادی وتحفظ، بقاء اور خودمختاری کے سلسلہ میں تمام مکاتب فکر متحد ومتفق ہیں اور در پیش تمام مسائل کو باہمی مشاورت اور اتفاق سے حل کرنے کے اصول پر قائم ہیں۔ آپ حضرات بھی موجودہ حالات میں مقامی سطح پر اس اتحاد کو مضبوط ومؤثر اور مستحکم بنانے میں اپنا کردار ضرور ادا کریں اور تمام مکاتب فکر کے علماء کو اپنے ساتھ لے کر چلیں۔ دینی حلقوں کے اتحاد کو مزید مؤثر بنانے کے لیے ''وفاق'' نے ملک کی دینی جماعتوں اور ممتاز مذہبی وعلمی شخصیات سے بھی رابطہ کیا ہے، بحمداللہ! ہمیں ان دینی جماعتوں اور شخصیات کی بھرپور حمایت حاصل ہے جس پر ہم اُن کے شکرگزار ہیں۔

حکمت وتدبر اور استقامت..... پورے ملک میں مدارس ومکاتب اور جامعات کا وسیع سلسلہ ایک غیر متزلزل قوت ہے، جس کے استعمال کے لیے انتہائی دور اندیشی، دانش مندی اور حکمت عملی کی ضرورت ہے۔ تصادم وتزاحم کی پالیسی نقصان دہ ہوسکتی ہے، اس لیے ''وفاق'' کی قیادت نے تمام معروضی حالات کو سامنے رکھتے ہوئے افہام وتفہیم اور حکمت وتدبر کا راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس طرز عمل اور فیصلہ کی وجہ کسی قسم کی کمزوری یا خدانخواستہ مداہنت نہیں بلکہ ہمیں اپنے مؤقف کی صداقت وحقانیت پر یقین اور حق تعالیٰ کی امداد پر توکل واعتماد ہے۔ بحمداللہ ہم اپنا مؤقف دلائل وبراہین سے ثابت کر سکتے ہیں اور مدارس پر لگائے جانے والے الزامات کا لغو

بے بنیاد ہونا ہر عدالت میں ثابت کر سکتے ہیں۔ اس لیے مستقبل میں بھی ''وفاق'' پُرامن جدوجہد کے ساتھ مدارس وجامعات کے تحفظ کا فریضہ انجام دینے کی پالیسی پر گامزن رہے گا، لیکن اگر حکومت نے ہمیں کوئی دوسرا راستہ اختیار کرنے پر مجبور کیا تو ان شاء اللہ ان دینی مراکز کے وجود و بقاء اور تحفظ کے لیے ہماری جانیں بھی حاضر ہیں۔

یہ قلعے اِن شاء اللہ باقی رہیں گے...... ''وفاق المدارس العربیہ پاکستان'' کو اس وقت جس چیلنج کا سامنا ہے اس کا بنیادی ہدف مدارس کی شکل میں موجود ان دینی قلعوں کی حفاظت اور ان کی آزادی وخودمختاری کا تحفظ ہے۔ اکابر امت سے ملنے والی یہ میراث ہمیں اپنی جانوں سے زیادہ عزیز ہے۔ مدارس کی تعلیمی، انتظامی اور مالیاتی خودمختاری پر کسی قسم کا سمجھوتہ ان قلعوں میں شگاف ڈالنے کے مترادف ہے، جسے کسی صورت میں برداشت نہیں کیا جائے گا۔ مدارس دینیہ کی آزادی اور دینی تشخص کے تحفظ و بقاء کی قیمت پر کوئی بھی حکومتی پیشکش کسی صورت میں قبول نہیں کی جائے گی۔ یہ عزم بالجزم اپنی ذات، مفادات، حتیٰ کہ مدارس وجامعات کی عمارات کے تحفظ کے لیے بھی نہیں بلکہ صرف اور صرف دین کے تحفظ، اسلام کی اشاعت و بقاء اور آنے والی نسلوں تک اکابر کی امانت کو بحفاظت پہنچانے کے لیے ضروری ہے۔

یہ مؤقف صرف ''وفاق'' کا نہیں، بلکہ بحمداللہ ''وفاق'' کی مساعی اور کوششوں کی بدولت تمام مکاتب فکر کا مشترکہ ومتفقہ اٹل، بے لچک اور غیر مبہم مؤقف ہے۔ ہم نے بحمداللہ اپنا یہ مؤقف ارباب حکومت پر دوٹوک الفاظ میں واضح کر دیا ہے اور یہاں تک کہہ دیا ہے کہ ہم اپنی اسناد کا حکومتی اسناد کے ساتھ ''معادلہ'' تک قربان کر دیں گے، مگر مدارس دینیہ کے آزادانہ کردار اور خود مختاری پر کسی قسم کی سودے بازی نہیں کریں گے۔

آزمائش کی اس طرح کی گھڑیاں ہمارے اکابر پر بھی آئیں، مگر بحمداللہ! ان کے پائے استقلال میں ذرہ برابر لغزش اور مؤمنانہ جرات میں معمولی سی کمزوری بھی نہیں آئی۔ ان کا غیر متزلزل اور جرات مندانہ مؤقف ہم سب کے لیے اُسوہ اور مشعل راہ ہے۔ اسی طرح کے پُر آشوب حالات میں مفکرِ اسلام حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ نے فرمایا تھا کہ ''مدرسہ عمارت کا نام نہیں بلکہ استاذ، شاگرد اور کتاب کے تعلق اور رشتہ کا نام ہے۔ اگر حکومت نے گارے اور مٹی کی بنی ہوئی ان عمارتوں پر قبضہ کر لیا تو ہم درختوں کے سائے میں طلبہ کو قرآن وحدیث کی تعلیم دینا شروع کر دیں گے۔''

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کی اس قلندرانہ جرات اور مومنانہ شجاعت نے فراعنۂ وقت کو اپنی پالیسی بدلنے پر مجبور کر دیا۔

محدث وقت حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ سے جب پوچھا گیا کہ اگر حکومت نے آپ سے مدارس چھین لیے تو آپ کیا کریں گے؟ تو انہوں نے بغیر کسی تامل کے فرمایا کہ ''میں کسی گاؤں میں جا کر کسی بند اور ویران مسجد کو کھولوں گا، جھاڑو دوں گا، اذان اور نماز باجماعت کا اہتمام کروں گا اور اہلِ علاقہ سے درخواست کروں گا کہ وہ اپنے بچوں کو پڑھنے کے لیے بھیجیں۔ اس طرح جو بچے آئیں گے ان تک دین کی اس امانت کو پہنچائیں گے۔''

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے مجوز ومؤسس (بانی) اور اس احقر کے جدامجد عارف باللہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمہ اللہ نے اپنی مجالس میں کئی مرتبہ یہ ایمان افروز حقیقت ذہن نشین کرائی کہ یہ ''مدارس اور ان کی عمارتیں مقصود نہیں، بلکہ مقصود کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔ اصل مقصود ومطلوب رضائے الٰہی اور مرادِ خداوندی کو معلوم کر کے اس پر عمل کرنا ہے۔ اس کی تعلیم وتدریس کچے مکان اور جھونپڑی میں بھی دی جا سکتی ہے۔''

ہم علم وعمل میں ہزار درجے کوتاہ سہی لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم انہی اکابر کے اخلاف اور خوشہ چین ہیں، انہی کا نقش قدم ہمارے لیے جادۂ راہ ہے۔ ہم ان شاء اللہ! مقدور بھر ان مدارس اور عمارات کا بھی تحفظ کریں گے کہ یہ بھی قوم کی امانت ہیں۔ قرآن وحدیث کے یہ بلند وبالا مراکز کسی حکومت کی عنایات کے رہینِ منت نہیں بلکہ علماء اور مخلص مسلمانوں کے باہمی اعتماد وتعاون کا مظہر ہیں، لیکن اگر بالفرض حکومت ان عمارتوں کو اپنی تحویل میں لے کر بزعم خویش مدارس دینیہ کی آزادی وخودمختاری کو سلب کرنے کی کوشش کرتی ہے تو ہمیں علم دین کی اشاعت وتبلیغ اور درس وتدریس کے اس سلسلے کو قائم وجاری رکھنے کے لیے عزمِ محمود، استقامتِ یوسف اور تلقینِ خیر کا فیصلہ اور ارادہ ابھی سے کر لینا چاہیے۔

اس ضروری تمہید کے بعد موجودہ صورت حال اور مدارس کو درپیش مسائل اور اُن کے حل کے لیے کی گئی مساعی اور پیش رفت کا خلاصہ عرض کرتا ہوں۔ واضح رہے کہ اس ضمن میں تقریباً تین ماہ سے صدر پاکستان، وزیر داخلہ، وزیر مذہبی امور، صوبوں کے گورنرز اور دیگر اعلیٰ فوجی وسول شخصیات سے ''وفاق المدارس العربیہ پاکستان'' کے رہنماؤں کی ملاقاتوں کا سلسلہ جاری ہے۔ اب تک زیر بحث آنے والے امور درج ذیل ہیں:

1 فرقہ وارانہ دہشت گردی اور مدارس......

حکومتی مؤقف......ملک میں ہونے والی دہشت گردی میں بعض دینی مدارس بھی ملوث ہیں۔

''وفاق'' کی جانب سے اظہار حقیقت......مدارس دینیہ کے ذمہ داران نے فرقہ وارانہ دہشت گردی کی ہمیشہ مذمت کی ہے، وہ دہشت گردی کو خواہ وہ مذہبی ہو یا لسانی اور علاقائی، ملک کی یک جہتی، امن وسکون اور معاشی ترقی اور خوش حالی کے لیے زہرِ قاتل سمجھتے ہیں۔ پاکستان میں فرقہ واریت کو ہوا دینے میں اہل مذہب سے زیادہ بیرونی تخریبی عناصر اور ایجنسیوں کا کردار رہا ہے۔ پاکستان میں عدم برداشت کی یہ فضا دس بارہ سال سے پیدا ہوئی ہے، مدارس دینیہ ڈیڑھ سو سال سے قائم ہیں، فرقہ واریت کو مدارس کی پیداوار کہنا سراسر خلاف واقع ہے۔ ''وفاق'' کی طرف سے بارہا یہ پیشکش دہرائی جاچکی ہے کہ اگر حکومت کسی مدرسہ کو دہشت گردی میں ملوث سمجھتی ہے تو ٹھوس ثبوت کے ساتھ اسے منظر عام پر لائے۔ ہم حکومتی کارروائی سے پہلے اس کے خلاف سخت تادیبی کارروائی کریں گے۔ مگر ابھی تک حکومت کسی دینی ادارے کے خلاف کوئی ثبوت فراہم نہیں کرسکی، جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ مدارس دینیہ کا دامن ہر قسم کی دہشت گردی سے پاک ہے۔

بحمداللہ! حکومت نے ہماری اس وضاحت کو تسلیم کیا اور ۲۷ دسمبر ۲۰۰۱ء کو صدر پاکستان نے وفاقوں کے قائدین کو یقین دہانی کرائی کہ ہم کسی مدرسہ کے خلاف ٹھوس ثبوت اور اس کے متعلقہ وفاق کو اعتماد میں لیے بغیر کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔ اگر صدر پاکستان اس وعدے کا پاس کرتے ہیں تو ہمیں کامل یقین ہے کہ انہیں دہشت گردی میں ملوث کوئی ایک دینی ادارہ بھی نہیں ملے گا۔

2 رجسٹریشن......

حکومتی مؤقف......مدارس کی رجسٹریشن نئے قانون یا پرائیویٹ تعلیمی اداروں کے قواعد وضوابط کے مطابق کی جائے گی اور ۲۳ مارچ ۲۰۰۲ء تک تمام مدارس کے لیے رجسٹریشن لازمی ہوگی۔

''وفاق'' کا مؤقف......ہمیں مدارس کی رجسٹریشن اور یکسانیت پر کوئی اعتراض نہیں مگر عوامی عطیات سے چلنے والے تعلیمی ورفاہی اداروں کو پرائیویٹ اسکولز اور کمرشل اداروں کی صف اور قانون بندی میں جکڑنا نامناسب ہے۔ اسکولوں کے قواعد وضوابط کے اطلاق یا کسی نئے قانون کے تحت رجسٹریشن سے مدارس کی آزادی وخود مختاری کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔ حکومت اور مدارس کے درمیان اعتماد ومفاہمت کی فضا بھی متاثر ہوگی، اس لیے زیادہ بہتر یہ ہے کہ حکومت رجسٹریشن

کے سابقہ قانون ''سوسائٹی ایکٹ مجریہ ۱۸۶۰ء'' کے تحت مدارس کو رجسٹرڈ کرے۔ اس قانون کے تحت ۱۹۹۴ء سے حکومت نے رجسٹریشن پر پابندی عائد کر رکھی تھی، لیکن اکتوبر ۲۰۰۱ء سے مساجد کی رجسٹریشن اسی ایکٹ کے تحت ہو رہی ہے، مناسب ہوگا کہ مدارس کی رجسٹریشن بھی اسی قانون کے تحت کی جائے۔ اس طرح جو مدارس پہلے سے رجسٹرڈ ہیں ان کی نئی رجسٹریشن کی ضرورت نہ ہوگی، نیز ہر سال رجسٹریشن کی تجدید کی شرط غیر ضروری ہے۔ ۲۳ مارچ کی تاریخ میں بھی توسیع کی ضرورت ہے۔

تازہ صورت حال...... ۲۷ دسمبر ۲۰۰۱ء کو صدر پاکستان نے ہمارے اس مؤقف کو توجہ سے سنا اور غور کا وعدہ فرمایا۔ ۲۹ جنوری ۲۰۰۲ء کو وفاقی وزیر مذہبی اُمور ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب سے اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو ہوئی، الحمد للہ! اُنہوں نے ہمارے مؤقف کو درست تسلیم کیا اور وعدہ کیا کہ وہ صدر پاکستان کو مدارس کا یہ مؤقف اپنی مکمل تائید و سفارش کے ساتھ پیش کریں گے۔ اس لیے اہل مدارس فی الحال رجسٹریشن کے قانون کا انتظار فرمائیں، حکومت کے ساتھ اس سلسلہ میں مسلسل رابطہ ہے، جونہی کوئی صورت حال واضح ہوئی، تمام مدارس کو بذریعہ خط اور اخبارات اس سے مطلع کر دیا جائے گا۔ واضح رہے کہ جو کوائف محکمہ اوقاف مدارس سے طلب کر رہا ہے اُن کا رجسٹریشن سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہمیں اہل مدارس کی پریشانی کا پوری طرح احساس ہے اور ہم بحمد اللہ اپنے فرائض اپنی بساط کے مطابق پوری تندہی سے انجام دے رہے ہیں۔

3 نئی مساجد و مدارس کے لیے این او سی کی پابندی......

حکومتی مؤقف...... بعض مساجد و مدارس سرکاری املاک یا نجی املاک پر بلا اجازت تعمیر کی گئی ہیں۔ انہدام کی صورت میں امن وامان کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے، لہٰذا آئندہ کوئی مسجد یا مدرسہ این او سی کے بغیر تعمیر نہیں ہو سکے گا اور این او سی حکومت جاری کرے گی۔

''وفاق'' کا مؤقف...... سرکاری یا نجی املاک پر قبضہ کرنا قانون شکنی ہے، خواہ وہ مسجد اور مدرسہ ہی کے لیے کیوں نہ ہو، ہم اس کی بالکل حمایت نہیں کرتے، لیکن یہ مساجد اور مدارس راتوں رات ہی تعمیر نہیں ہوئے۔ زمانہ تعمیر میں متعلقہ افراد کو کھلی چھٹی دینا انتظامیہ کی غفلت اور نااہلی ہے۔ نیز بے شمار سرکاری املاک پر پرائیویٹ اسکولز، پلازے، کوٹھیاں، دکانیں غیر قانونی طور پر موجود ہیں، لیکن اس کی بناء پر کسی شخص کو اپنی جائز قانونی ملکیت میں اسکول یا دکان بنانے کے لیے کسی این او سی کا پابند نہیں کیا گیا۔ یہ پابندی صرف مساجد و مدارس پر کیوں لگائی جا رہی ہے؟

کہیں اس کا اصل مقصد مساجد اور مدارس کی تعمیر کی حوصلہ شکنی تو نہیں؟

تاہم اصولی طور پر ہم اس بات سے متفق ہیں کہ کسی دوسرے کی مملوکہ جگہ پر مسجد یا مدرسہ تعمیر کرنا ناجائز ہے، آیندہ کے لیے اس کے تدارک کی بہتر صورت یہ ہے کہ سرکاری اداروں کی بجائے ''متعلقہ وفاق'' این او سی جاری کرے۔ متعلقہ وفاق سرکاری اداروں سے زیادہ بہتر تحقیق کرسکتا ہے کہ مسجد یا مدرسہ کی تعمیر کے لیے حاصل کردہ زمین قانونی ہے یا نہیں۔ مساجد عبادت گاہیں ہیں، سرکاری این او سی لازمی قرار دینے کی صورت میں ان میں نہ صرف حکومتی مداخلت کا امکان ہے، بلکہ سیاسی اور مسلکی اختلاف نئی مساجد و مدارس کے قیام میں رکاوٹ بن سکتا ہے۔

پاکستان کے بہت سے علاقوں میں جاگیردار طبقہ نے اپنی گرفت مضبوط رکھنے کے لیے اسکول تک نہیں بننے دیئے، اگر مدارس کے قیام کے لیے بھی سرکاری اجازت لازمی قرار دی گئی تو اندیشہ ہے کہ یہ جاگیردار اپنے علاقوں میں مدارس قائم کرنے کی اجازت بھی نہیں دیں گے۔

تازہ صورت حال:...... ۲۹ جنوری ۲۰۰۲ء کو وفاقی وزیر مذہبی اُمور نے ہمارے مؤقف سے اتفاق کیا اور ارباب حکومت سے اس سلسلہ میں مزید بات چیت کا وعدہ کیا۔

4 مدارس کے نصاب تعلیم میں عصری مضامین کا اضافہ......

حکومتی مؤقف...... دینی مدارس اپنے نصاب میں چار عصری مضامین انگلش، جنرل سائنس، ریاضی اور مطالعہ پاکستان شامل کریں تاکہ علماء دینی علوم کے ساتھ ساتھ عصری علوم کی تعلیم سے بھی باخبر ہوں اور دوسرے شعبوں میں بھی ملازمت حاصل کرسکیں۔

وفاق کا مؤقف...... دینی مدارس کا بنیادی مقصد روزگار کے مواقع حاصل کرنا اور ملازمتیں نہیں، بلکہ قرآن وحدیث اور علوم دینیہ کی تدریس واشاعت اور تحفظ ہے۔ اسپیشلائزیشن کے اس دور میں ایک عالم دین کے لیے ایسے فنون کی تعلیم لازمی قرار دینا جن کا اس کے دائرۂ تخصص کے ساتھ کوئی تعلق نہیں غیر معقول ہے۔ تاہم ابتدائی طور پر مدارس دینیہ میں انگریزی، اردو، جنرل سائنس، معاشرتی علوم اور مطالعہ پاکستان کی تعلیم دی جارہی ہے اور یہ مضامین ''وفاق'' کے نصاب میں پہلے سے شامل ہیں۔ بعض مدارس میں ٹیکنالوجی اور کمپیوٹر کی تعلیم بھی ہورہی ہے۔ دینی مدارس اپنی اور عصرِ حاضر کی ضروریات سے آگاہ ہیں اور اُن کے متعلقہ وفاق اپنے اپنے نصاب ہائے تعلیم میں وقتاً فوقتاً اضافہ وترمیم کرتے رہتے ہیں۔ اگر پاکستان میں لاکھوں پرائیویٹ اسکولوں کو اپنا نصاب تعلیم خود طے کرنے کا حق حاصل ہے تو دینی مدارس سے یہ حق کس

قانون اور ضابطے کے تحت چھینا جا رہا ہے۔ ہمارا یہ مؤقف دوٹوک ہے کہ اگر حکومت نے دینی مدارس کے وفاقوں کو اعتماد میں لیے بغیر اپنی طرف سے طے کردہ کوئی نصاب مدارس پر لازم کیا تو ''وفاق'' کے مدارس اسے قبول نہیں کریں گے۔

کسی حکومتی مداخلت کے بغیر ثانویہ عامہ (میٹرک) تک ہم عصری علوم کی تدریس مدارس دینیہ میں دینے کے لیے تیار ہیں، جبکہ حکومت کو یہ تعاون کرنا چاہیے کہ وہ ہماری جاری کردہ ''شهادة الثانوية العامه'' کو میٹرک کے مساوی قرار دے اور ''شهادة الثانويه الخاصه'' (ایف۔اے) اور شهادة العاليه کو (بی اے) کا معادلہ قرار دے۔

تازہ صورت حال...... ۲۹ جنوری ۲۰۰۲ء کو وفاقی اُمور نے ہمارے اس مؤقف سے اتفاق کیا اور وعدہ کیا کہ میٹرک تک کے لازمی مضامین جن مدارس میں پڑھائے جائیں گے اُن کے متعلقہ ''وفاق'' کی سند کے معادلہ کی پوری کوشش کی جائے گی اور باقی اسناد کا معادلہ بھی منظور کرایا جائے گا۔

غیر ملکی طلبہ کے داخلہ کا مسئلہ......

حکومتی مؤقف...... غیر ملکی طلبہ کو تعلیمی ویزے کے بغیر داخلہ نہ دیا جائے، اس طرح کے زیر تعلیم طلبہ کو ویزے کے حصول کے لئے واپس بھیجا جائے۔ متعدد ممالک نے ہم سے اس بناء پر احتجاج کیا ہے کہ آپ کے تعلیمی اداروں میں ہمارے باشندوں کو غیر قانونی طور پر داخلے کیوں دیئے جاتے ہیں۔

''وفاق'' کا مؤقف...... (الف) ہم قانونی دستاویزات کے بغیر کسی بھی غیر ملکی طالب علم کے تعلیمی داخلے کے قائل نہیں ہیں، البتہ علوم دینیہ کے خواہشمند یہ حضرات پاکستان جیسی نظریاتی و اسلامی مملکت کی جانب سے اس سلسلہ میں ہر قسم کے تعاون و خیر خواہی کے مستحق ہیں۔ غیر ملکی طلبہ کے لیے ویزے اور این او سی کا موجودہ طریق کار پیچیدہ اور مشکل ہے، اسے سہل بنانے کی ضرورت ہے، ایسے طلبہ کو کئی وزارتوں سے اجازت لینے کے علاوہ بہت سا وقت بھی ضائع کرنا پڑتا ہے۔ ضرورت ہے کہ ون ونڈو آپریشن ہو، مدت کی تحدید کی جائے اور پاکستانی سفارت خانوں کو ہدایت کی جائے کہ وہ متعینہ مدت میں امیدوار کی درخواست پر فیصلہ کر کے اطلاع دیں۔

(ب)...... جو طلبہ غیر تعلیمی ویزے پر پاکستان آئے، مگر پھر دینی ذوق کی بناء پر کسی مدرسہ میں پڑھنے لگے تو ایسے طلبہ کے ویزے متعلقہ ادارے یا ''وفاق'' کی تصدیق و سفارش پر تبدیل کر کے تعلیمی ویزوں میں بدل دیئے جائیں۔

تازہ صورت حال......صدر مملکت نے ۲۷ دسمبر کی ملاقات میں اس مطالبہ سے اتفاق کیا، چنانچہ ۱۲ جنوری کے خطاب میں انہوں نے اعلان کیا کہ متعلقہ ملک کے این او سی کے بعد غیر ملکی طلبہ کو تعلیمی ویزہ جاری کر دیا جائے گا، ایسے طلبہ کو واپس اپنے ملک جانے کی ضرورت نہیں۔ البتہ ویزے کے حصول کو آسان بنانے کا مطالبہ ہنوز تشنہ تکمیل ہے۔ واضح رہے کہ تمام وفاقوں نے اپنے ملحقہ مدارس کو ہدایات دی ہیں کہ کسی بھی غیر ملکی طالب علم کو قانونی دستاویزات کے بغیر ہرگز داخلہ نہ دیا جائے۔

5 دینی مدارس آرڈیننس......

چند ماہ قبل حکومت نے ایک ''دینی مدارس آرڈیننس'' جاری کیا تھا اور اعلان کیا تھا کہ اس کا تعلق صرف ان مدارس سے ہوگا جو ماڈل دینی مدارس اور دارالعلوم، حکومت خود قائم کرے گی، یا جو مدارس رضا کارانہ طور پر اس بورڈ سے الحاق کریں گے، حکومتی حلقوں کی طرف سے یہ یقین دہانی کروائی گئی کہ اس آرڈیننس سے آزاد دینی مدارس کی خودمختاری پر کوئی آنچ نہیں آئے گی۔

صحیح صورت حال......اس آرڈیننس کے بغور مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں ایسے الفاظ شامل ہیں کہ اس آرڈیننس کے تحت قائم ہونے والے بورڈ کا دائرہ کار غیر ملحق دینی مدارس و جامعات تک وسیع ہوسکتا ہے، چنانچہ ۲۷ دسمبر کو صدر پاکستان سے ملاقات کے دوران ہم نے اس خدشہ کا اظہار کیا اور اُن پر واضح کیا کہ ہم دینی مدارس کے نظام تعلیم و تربیت، نصاب تعلیم، امتحانات اور اندرونی اُمور میں حکومتی مداخلت کو ضرر رساں سمجھتے ہیں۔ دنیا کے بیشتر ممالک میں ممتاز یونیورسٹیاں اپنے معاملات میں سرکاری مداخلت سے مکمل طور پر آزاد ہوتی ہیں، لہٰذا دینی مدارس کو بھی حکومتی مداخلت سے آزاد رہنے دیا جائے اور اس آرڈیننس میں مناسب ضروری اصلاح کی جائے۔ نیز اس آرڈیننس کی اصلاح کے لیے ایک تین رکنی کمیٹی تشکیل دی جائے۔ اس کمیٹی کے لیے مولانا مفتی منیب الرحمٰن صاحب (نائب صدر تنظیم المدارس پاکستان) راقم الحروف محمد حنیف جالندھری (ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان) اور جسٹس (ر) امجد علی (ممبر اسلامی نظریاتی کونسل) کے نام پیش کیے گئے۔

صدر پاکستان نے اس مطالبہ کو تسلیم کرتے ہوئے اس آرڈیننس کی اصلاح کے لیے مذکورہ بالا سہ رکنی کمیٹی کی منظوری دے دی ہے اور عنقریب وزارت مذہبی اُمور اس کا اجلاس طلب کر رہی ہے۔

6 مختلف حکومتی اداروں کی طرف سے مدارس کو موصول ہونے والے فارم......

کچھ عرصہ سے حکومت کے مختلف محکموں اور ایجنسیوں کی طرف سے دینی مدارس کے کوائف طلب کیے جا رہے ہیں۔ اگرچہ ان میں زیادہ تر وہی کوائف پوچھے گئے ہیں جن کی تشہیر عام طور پر اہل مدارس کرتے رہتے ہیں اور انہیں فراہم کرنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن اس کے لیے جو طریق کار اختیار کیا گیا ہے وہ خاصا پریشان کن اور تکلیف دہ ہے۔ یہ معلومات پہلے وزارت تعلیم، پھر وزارت مذہبی اُمور اور اب محکمہ اوقاف نے طلب کی ہیں جو دراصل ''وفاق'' کے فارم الحاق کی نقل ہیں۔

ہم اس سلسلہ میں حکومت کو متعدد بار کہہ چکے ہیں کہ آپ کو مدارس کے جو کوائف بھی مطلوب ہوں وہ متعلقہ وفاقوں کے مرکزی دفاتر سے حاصل کیے جا سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں اہل مدارس کو پریشان نہ کیا جائے۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ بعض سرکاری اہل کار اہل مدارس سے توہین آمیز رویہ اختیار کرتے ہیں اور غیر متعلقہ سوالات کرتے ہیں۔ اس نامناسب طرز عمل کے باعث مدارس میں کافی اضطراب پایا جاتا ہے۔ مدارس میں بے پناہ مصروفیات اور ملازمین محدود ہوتے ہیں، ایک ہی نوعیت کے مختلف محکموں سے موصول ہونے والے یہ فارم ان کے لیے تضیع اوقات کا سبب بنتے ہیں، جب ایک محکمہ یہ کوائف حاصل کر چکا ہے تو باقی محکموں کو اُسی سے رجوع کرنا چاہیے۔ ارباب حکومت ہمارے اس مؤقف سے زبانی طور پر تو اتفاق کرتے ہیں، لیکن تا حال ان کا عمل اس کے خلاف ہے۔

بہرحال ان فارموں کو پُر کر دینے میں کوئی حرج نہیں، لیکن اگر کوئی مدرسہ یہ سمجھتا ہے کہ کوئی سوال ایسا ہے جس کا جواب عام مصلحت کے خلاف ہے تو وہ اسے ''وفاق'' کی طرف محول کرے۔ خود مختار بورڈ، عصری علوم کی تعلیم اور اس سلسلہ میں مشکلات، مسائل اور تجاویز وغیرہ کے جواب میں یہ لکھا جائے کہ ہمارا الحاق ''وفاق المدارس'' سے ہے، اس سلسلہ میں ہم ''وفاق'' کے فیصلے اور پالیسی کے پابند ہیں۔

7 مدارس اور علمائے کرام کے خلاف حالیہ حکومتی اقدامات......

حکومت کے اعلان اور یقین دہانیوں کے برعکس بعض مقامات پر مدارس کے دفاتر کو سیل اور مہتمم حضرات، اساتذہ کرام اور طلبہ کو گرفتار کیا گیا ہے، یہ کارروائی بلا جواز اور غیر قانونی ہے، یہ تمام حضرات صرف درس و تدریس کا مقدس فریضہ انجام دینے والے ہیں۔ ہم اپنی بساط کے مطابق بھرپور کوشش کر رہے ہیں کہ گرفتار شدگان کی جلد از جلد رہائی عمل میں آ سکے اور دفاتر کھل سکیں۔ ارباب مدارس سے بھی درخواست ہے کہ وہ اس طرح کی صورت حال میں مقامی سطح پر

اہل مدارس اور علماء کے مشترکہ اجلاس بلوائیں، تمام مکاتبِ فکر سے رابطہ کریں، ضلعی ناظمین اور انتظامیہ سے مشترکہ وفود کی صورت میں ملیں۔ اگر ضرورت ہو تو احقر سے بھی رابطہ کریں۔ نیز گرفتار شدہ علماء اور مدارس کے خلاف ہونے والی کارروائی سے احقر کو بھی مطلع فرمادیں۔

آخری گزارش!...... سہ ماہی ''وفاق'' کے شمارہ نمبر ''۵'' اور ''۶'' کا مکمل مطالعہ فرمالیا جائے، ان میں تمام ضروری تفاصیل موجود ہیں۔ آئندہ ہر شمارے کے مطالعہ کا اہتمام فرمائیں تو آپ کو تقریباً تمام سوالات کے جوابات حاصل ہوسکتے ہیں۔ علاوہ ازیں اپنے وسائل کے مطابق رائے عامہ کو مدارس کے حق میں ہموار کریں، تمام طبقات حکام، وکلاء، علماء، تاجر، صنعت کار، اخبار نویس، کالم نویس، دانشوروں، سیاست دانوں اور سول وفوجی افسران سے ملاقاتیں کرکے انہیں دینی مدارس کی خدمات سے آگاہ کریں اور مدارس کے خلاف جھوٹے پروپیگنڈے کی حقیقت بیان کریں۔ ''وفاق المدارس'' اور ''اتحاد تنظیمات مدارس پاکستان'' کو مضبوط بنائیں اور مرکز سے رابطہ رکھیں۔

بنظرِ حالات حاضرہ آپ کی آراء وتجاویز ہمارے لیے رہنما ہوں گی، مدارس کے تحفظ کے لیے ہمیں مزید کیا اقدام اُٹھانے چاہئیں؟ اپنی رائے گرامی سے ضرور مطلع فرمائیں۔

راقم الحروف نے اپنی یہ معروضات قدرے تفصیل کے ساتھ آپ کی خدمت میں پیش کردی ہیں، تاکہ تمام دینی حلقوں اور وفاقوں کے مشترکہ مؤقف کے علاوہ تاحال کی جانے والی کارگزاری بھی آنجناب کے علم میں آسکے۔ تاہم یہ سب ظاہری اسباب ووسائل ہیں اور اپنی تاثیر میں مؤثر حقیقی اور مسبب الاسباب کے محتاج ہیں، اس لیے مدارس دینیہ، مساجد اور دینی مکاتب کے تحفظ وبقاء اور آزادی وخود مختاری کے لیے خصوصی دعاؤں کی ازحد ضرورت ہے، اسے فراموش نہ فرمایا جائے۔ بلکہ جو لوگ مساجد ومدارس کے بارے میں نیک عزائم نہیں رکھتے اُن سے نجات کے لیے بھی دعاؤں کا اہتمام کیا جائے۔ یہ مدارس جس طرح ماضی میں انتہائی کٹھن حالات کے باوجود اپنے مشن پر کاربند رہے ہیں، ان شاء اللہ! آئندہ بھی رہیں گے۔

واللہ المستعان وعلیہ التکلان.

• • •

ترجمہ قرآن کریم پڑھانے والے اساتذہ کرام کی خدمت میں

(ربیع الثانی، جمادی الاولیٰ، والثانیہ،۱۴۲۳ھ)

اس وقت بحمد اللہ ''وفاق المدارس العربیہ پاکستان'' کے مربوط نظم کے باعث پورے پاکستان میں ہزارہا دینی مدارس میں قرآن کریم کا مکمل ترجمہ اور ضروری تشریح نہایت اہتمام کے ساتھ درس نظامی کی زینت ہے۔ تاہم ایک وقت تھا کہ بعض بڑے مدارس و جامعات کو چھوڑ کر عام مدارس میں ''ترجمہ قرآن کریم'' کا چنداں اہتمام نہ تھا۔ اگرچہ درس نظامی کو بالاستیعاب پڑھنے والا قرآن کریم کا ترجمہ بلا تکلف کرسکتا ہے مگر جو برکات اساتذہ کرام سے پڑھنے اور جو رموز ونکات اوّل تا آخر سبقاً سبقاً قرآن کریم سیکھنے سے حاصل ہوتے ہیں، اُن سے بہر حال محرومی رہتی ہے۔ حضرات اساتذہ کرام طلبہ کو ترجمہ قرآن کریم پڑھاتے وقت عام طور پر کسی ایک ترجمہ کو مدار بنالیتے ہیں، استمداداً دیگر تفاسیر اور شروح بھی زیر مطالعہ رہتی ہیں، مگر مرکزی حیثیت ایک ہی ترجمہ کی ہوتی ہے۔ ان مشہور تراجم میں مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی رحمہ اللہ، مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی رحمہ اللہ، شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمہ اللہ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ، مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ اور مولانا عبدالماجد دریا آبادی رحمہ اللہ کے تراجم شامل ہیں۔ مؤخر الذکر دو مترجمین کے تراجم پر حضرات علمائے کرام نے ناقدانہ تبصرے اور علمی گرفت بھی فرمائی ہے، تاہم فی الجملہ ان تراجم کی افادیت کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

یہ تمام تراجم اسلاف کی محنتوں کا ثمر اور بے شمار محاسن و ممیّزات کا نمونہ ہیں، مگر ان میں علم کے ساتھ ساتھ الہامی شان رکھنے والا وہ ترجمہ ہے جو حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی قدس سرہ نے ''موضح قرآن'' کے تاریخی نام سے تحریر فرمایا۔ ''موضح قرآن'' سے ۱۲۰۵ کا عدد نکلتا ہے اور ۱۲۰۵ھ ہی تکمیلِ ترجمہ کا سال تھا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کو قرآن سے قلبی لگاؤ تھا، اُنہوں نے برسہا برس اعتکاف کرکے قرآن کا مطالعہ کیا، قرآن میں غور وخوض کیا، دہلی کی مسجد

اکبرآبادی میں بارہ سال تک معتکف رہے۔ اس عرصہ میں صرف قرآن کریم پڑھتے پڑھاتے اور اس پر غور وخوض فرماتے تھے۔ اُنہوں نے اپنے اس مطالعہ اور فکر کا عطر ''موضح قرآن'' کی صورت میں دنیا کے سامنے پیش کیا۔ ترجمہ وتفسیر ''موضح قرآن'' مکمل کرنے کے بعد خود فرماتے تھے:

روز قیامت ہر کسے باخویش دارد نامہ
من نیز حاضر میشوم تفسیر قرآن در بغل

یعنی قیامت کے دن ہر شخص اپنا نامہ اعمال اور عمر بھر کی کارگزاری لیے حاضر ہوگا، میں بھی قرآن کریم کی تفسیر اُٹھائے بارگاہِ قدس میں حاضر ہوں گا۔

شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ اور برادرِ بزرگ حضرت شاہ عبدالعزیز، مؤلف ترجمہ وتفسیر ''فتح العزیز'' سے حاصل کی۔ قرآن، حدیث، تفسیر اور فقہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے، اردو زبان وادب میں خواجہ میر درد سے استفادہ کیا۔ قناعت اور توکل کا یہ عالم تھا کہ اپنی زندگی میں ہی اپنی ساری جائیداد اپنے بھائیوں، اپنی بیٹی اور اپنی نواسی کے شوہر، جواُن کے شاگرد تھے، مولانا اسماعیل شہید رحمہ اللہ کے نام کردی۔

تری خاک میں ہے اگر شرر تو خیالِ فقر وغنا نہ کر
کہ جہاں میں نانِ شعیر پر ہے مدارِ قوتِ حیدری

حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ کو فلسفہ، منطق اور معقولات سے کوئی دلچسپی نہ تھی، متکلمین کے مسائل سے بھی کوئی لگاؤ نہ تھا۔ اس سے بعض اصحاب نے یہ اندازہ لگایا کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ کو معقولات میں کوئی دسترس نہیں ہے، لہٰذا ان کا امتحان لینے کی کوشش کی، جب بحث شروع ہوئی تو شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ نے فلسفہ ومنطق کے وہ جوہر دکھائے کہ امتحان لینے والے شرمندہ ہوگئے۔ مولانا رحمہ اللہ معاملہ پہلے ہی بھانپ گئے تھے۔ جب انہیں شکست ہوگئی تو فرمایا: ''تم یہ نہ سمجھو کہ ہم کو معقول نہیں آتی، بلکہ ہم نے ان کو ناقص اور واہیات سمجھ کر چھوڑ دیا ہے۔''

آپ رحمہ اللہ کے مخصوص تلامذہ میں شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ، شیخ عبدالحیٔ بڈھانوی رحمہ اللہ، شیخ فضل حق خیرآبادی رحمہ اللہ، شاہ محمد اسحٰق رحمہ اللہ اور شاہ احمد سعید رحمہ اللہ کے نام نمایاں ہیں۔ آپ کے ترجمہ وتفسیر قرآن ''موضح قرآن'' کو سامنے رکھ کر سینکڑوں علمائے خلف نے قرآن کے ترجمے کیے، ان کے بعد شاید ہی کوئی مترجم ہوگا جو ان کے ترجمہ قرآن کا مرہونِ منت نہ ہو۔ آپ رحمہ اللہ نے یہ ترجمہ کرکے اسلامی ادب اور اردو ادب پر احسان عظیم کیا ہے۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ کا یہ ترجمہ اردو کا قدیم بہترین نثری نمونہ ہے جس پر جتنا غور کیا جائے اس کی لطافتیں واضح ہوتی چلی جاتی ہیں اور خوبی یہ ہے کہ اردو کے محاورے کے موافق بالجملہ الفاظ ومعانی دونوں کے متعلق بوجوہ متعدد بہت غور اور رعایت سے کام لیا گیا ہے اور مطالب ومقاصد کی تسہیل اور توضیح میں پورے حزم اور احتیاط کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے اس الہامی ترجمہ کے بعض الفاظ اور محاورے متروک ہو جانے کے باعث شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہٗ نے اس پر نظر ثانی فرمائی اور متروک الفاظ اور محاوروں کی جگہ الفاظ مستعملہ رکھ دیئے۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں:

"ہماری سعی کا لب لباب دراصل ترجمہ مؤصوف کی خدمت گزاری ہے وبس۔ چونکہ بعض بعض مقامات پر کچھ کچھ ترمیم کرنے سے حقیقت میں یہ دوسرا ترجمہ نہیں ہو گیا، اس لیے اس کا کوئی نام مستقل مقرر کرنا بھی ٹھیک نہیں تھا۔"

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی روحانی برکات وفیوض اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے اخلاص و بے نفسی کی برکت سے حق تعالیٰ شانہ، نے اس ترجمہ کو عوام وخواص میں وہ مقبولیت عطا فرمائی جس کی عصرِ حاضر میں کوئی اور نظیر نہیں ہے۔ اس الہامی اور مقبولِ خواص وعوام ترجمہ کی چند امتیازات دورانِ مطالعہ ملحوظ رہیں:

① ...... ترجمہ سلیس، مطلب خیز اور با محاورہ ہے۔ ② ...... خللِ لفظی اور معنوی سے محفوظ ہے۔ ③ ...... مشہور اور مستعمل الفاظ کا خاص طور پر لحاظ فرمایا ہے۔ ④ ...... ان اغلاط سے مبّرا ہے جو آزادی پسند لوگوں کے ترجمہ سے عوام میں پھیل گئے ہیں۔ ⑤ ...... ترجمہ میں محاورے کا اہتمام فرماتے ہوئے محاورات کو ترجمہ کے تابع فرمایا، نہ یہ کہ ترجمہ کو محاورات کے تابع کر کے خواہ مخواہ محاورات کا اضافہ کیا ہو۔ ⑥ ...... باوجود اہتمامِ محاورہ کے، ترتیب قرآنی کی بقاء کا حتی الوسع اہتمام فرمایا ہے۔ ⑦ ...... حواشی پر شاہ صاحب رحمہ اللہ کے حواشی "موضح قرآن" کی تفصیل کی گئی ہے۔ ⑧ ...... حواشی پر مختصر اختلافِ علماء کی ابتدائی درجات کے طلبہ کو قرآن مجید کا ترجمہ یاد کرانے کے لیے احقر کی رائے میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے ترجمہ سے بہتر اور کوئی ترجمہ نہیں۔ حضرات اساتذہ کرام اس کے ساتھ تفسیر عثمانی رحمہ اللہ اور بیان القرآن، مؤلفہ حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ کا بالالتزام مطالعہ فرمائیں۔ "بیان القرآن" اپنی افادیت، جامعیت اور مقبولیت میں عدیم المثال ہے۔ حضرت مولانا محمد ادریس

کاندھلوی قدس سرہٗ کی رائے کے مطابق تفسیری حیثیت سے مطالب قرآنیہ کی بالاستیعاب توضیح اور مسلسل تشریح اور ربط آیات اور حل مشکلات اور بیان معانی میں جونرالی شان ''بیان القرآن'' کو حاصل ہوئی وہ اُردو زبان میں کسی اور تفسیر کو حاصل نہیں ہوئی، واللہ یختص برحمۃ من یشاء۔

عدیم الفرصت حضرات اساتذہ کرام کے لیے تو اِن شاء اللہ العزیز! ترجمہ قرآن کریم کی تدریس کے لیے ''تفسیر عثمانی'' اور ''بیان القرآن'' کا مطالعہ کافی ووافی ہے، لیکن جن حضرات کے پاس فرصت ہو وہ عربی تفاسیر میں سے تفسیر قرطبی رحمہ اللہ، امام رازی رحمہ اللہ کی تفسیر کبیر، علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ کی تفسیر ''روح المعانی''، امام بغوی رحمہ اللہ کی ''معالم التنزیل'' اور امام ابن جریر رحمہ اللہ کی ''تفسیر طبری'' اور امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ کی ''احکام القرآن'' کو زیر مطالعہ رکھیں۔ خیال رہے کہ جہاں مسائل کی بحث آئے وہاں متقدمین میں سے امام ابوبکر جصاص رازی رحمہ اللہ کی ''احکام القرآن'' کو اور متاخرین میں سے علامہ محمود آلوسی رحمہ اللہ کی ''روح المعانی'' کو مدار بنایا جائے۔ یہ دونوں مفسر حنفی المسلک ہیں اور تفسیر قرآن کریم میں سند ہیں۔

دعا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ، علومِ دینیہ کی تدریس کو ہم سب کے لیے زادِ معاد، توشۂ آخرت، خیر جاری اور سرمایۂ سعادت بنائیں۔ (آمین ثم آمین)

• • •

دینی مدارس کی سند شہادۃ العالمیہ

(ربیع الثانی، جمادی الاولیٰ، جمادی الثانیہ ۱۴۲۴ھ)

علم کا اصل مقصد خود شناسی اور خدا شناسی ہے۔ ''علم شریعت'' سے انسان کو حق تعالیٰ شانہ کے احکام اور مخلوق کے حقوق کا پتہ چلتا ہے، اپنے فرائض سے آ گاہی حاصل ہوتی ہے، عمل کا جذبہ بیدار ہوتا ہے۔ برصغیر میں دینی مدارس کا قیام ''تحفظِ واشاعتِ دین'' کی تحریک کے طور پر کیا گیا تھا۔ چونکہ انگریزوں کو اسلام کے ساتھ دشمنی تھی اس لیے انہوں نے پرائمری تک اسکول کی تعلیم حاصل کرنے والوں کو تو ''خواندہ'' شمار کیا لیکن اعلیٰ سے اعلیٰ دینی تعلیمی اداروں کے فضلاء کو ''ناخواندہ'' کی صف میں رکھا اور اس طرح سے ان پر سرکاری ملازمتوں اور مراعات کے دروازے بند کر کے دینی تعلیم حاصل کرنے والوں کی حوصلہ شکنی کی گئی۔ انگریزوں کا یہ رویہ اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے تھا، مسلمانوں کے ساتھ انگریزوں کی دشمنی ویسے بھی ڈھکی چھپی نہ تھی اور وہ مسلمانوں کے ساتھ ان کے دین کو بھی مٹانا چاہتے تھے لیکن قیام پاکستان کے بعد بھی دینی تعلیم حاصل کرنے والوں کے ساتھ اس افسوسناک امتیازی سلوک کا سلسلہ جاری رہا اور سولہ سال تک دینی مدارس میں صرف ونحو، منطق، فلسفہ، ادب، فقہ، حدیث اور تفسیر کی درجنوں کتابیں پڑھنے پڑھانے والوں کو ''ناخواندہ'' ہی شمار کیا گیا جن میں بلاشبہ کئی کتابیں ایسی ہوں گی کہ کالج اور یونیورسٹیوں کے فضلاء صحیح تلفظ کے ساتھ ان کا نام پڑھنے کی صلاحیت سے بھی شاید عاری ہوں۔

یہ افسوس ناک صورتحال ۱۹۸۲ء تک جاری رہی۔ مرحوم صدر جنرل ضیاء الحق کے دور میں بعض علمائے کرام نے صدر محترم کی توجہ اس جانب مبذول کروائی کہ مدارس دینیہ کے فضلاء کے ساتھ یہ امتیازی سلوک سراسر زیادتی، علوم دینیہ کی توہین اور دینی علوم سے رغبت رکھنے والوں کی قطعی حوصلہ شکنی ہے، اس کا تدارک کیا جانا ضروری ہے۔ اگرچہ سرکاری تعلیمی اداروں سے ایم اے عربی یا اسلامیات بلکہ پی ایچ ڈی کرنے والوں کا دینی اداروں کے فضلاء سے موازنہ ہی سرے

سے غلط ہے کیونکہ عصری تعلیمی اداروں کے فارغ التحصیل علوم دینیہ میں مہارت اور تبحر تو کجا قرآن کریم اور احادیث شریفہ کا سادہ ترجمہ اور مطلب بھی بیان کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، لیکن چونکہ یہ ان کی اعلیٰ اسناد شمار ہوتی ہیں اس لیے دینی مدارس کی سند کو کم از کم ایم اے عربی، ایم اے اسلامیات کے مساوی قرار دیا جائے، جب کہ اس سے قبل وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ناظم اعلیٰ مفکر اسلام مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ اسی سلسلے میں ''قومی اسمبلی'' میں ایک قرارداد پیش کر چکے تھے جو بعد کی کارروائی کے لیے بنیادی حیثیت رکھتی تھی۔

صدر جنرل ضیاء الحق مرحوم نے اس اصولی اور جائز مطالبے کو فوری طور پر تسلیم کرنے اور شخصی آرڈر جاری کرنے کی بجائے یہ معاملہ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن آف پاکستان کے سپرد کر دیا۔ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے اس مسئلے پر غور وخوض کے لیے ملک کی تمام اہم یونیورسٹیوں کے وائس چانسلرز اور وزارت تعلیم کے اعلیٰ حکام کے علاوہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان، تنظیم المدارس پاکستان، وفاق المدارس السّلفیہ پاکستان، وفاق المدارس الشیعیہ پاکستان اور رابطہ المدارس العربیہ پاکستان کے عمائدین کو اسلام آباد میں دعوتِ مشاورت دی جس میں دینی مدارس کے نصاب تعلیم کا ناقدانہ جائزہ لینے کے بعد تمام ماہرین تعلیم نے متفقہ طور پر مدارس کی سند کو ایم اے عربی، ایم اے اسلامیات کے مساوی قرار دینے کی سفارش کی۔ چنانچہ ۱۷ نومبر ۱۹۸۲ء کو یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے اپنے ایک نوٹیفکیشن نمبر 80918ACAD128 کے تحت وفاق المدارس العربیہ کی شہادۃ العالمیہ کو ایم اے عربی، ایم اے اسلامیات کے مساوی تسلیم کر لیا اور اس کا عملی اطلاق تمام تعلیمی اداروں کے لیے ضروری قرار دیا گیا۔

حاصل یہ کہ دینی مدارس کی سند کو ایم اے عربی و اسلامیات کے مساوی قرار دینا کسی کی عنایات خسروانہ کا ثمر نہیں بلکہ نصاب تعلیم کی بنیاد پر اسے تسلیم کیا گیا ہے اور وہ نصاب تعلیم وزارت تعلیم حکومت پاکستان کا منظور کردہ ہے۔ حال ہی میں ایک نئی بحث شروع ہوئی ہے کہ مدارس کی طرف سے جاری کردہ ایم اے کے مساوی یہ سند الیکشن کمیشن کی جانب سے عائد کردہ بی اے کی لازمی شرط کے تقاضوں کو پورا کرتی ہے یا نہیں؟ اگرچہ اس سوال کا جواب واضح ہے کہ جس کے پاس ایم اے کے مساوی ڈگری اور تعلیمی قابلیت موجود ہے، اس سے یہ پوچھنا کہ آپ بی اے بھی ہیں یا نہیں؟ بے محل سوال ہے۔ تاہم یہ نکتہ الیکشن سے قبل اٹھایا گیا اور ہم سمجھتے ہیں کہ وہی اس کا صحیح وقت تھا۔ چیف الیکشن کمشنر سے پوچھا گیا کہ مدارس دینیہ کے ''وفاقوں'' کی جاری کردہ

سند کو یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے ایم اے عربی و اسلامیات کے مساوی تسلیم کیا ہے جب کہ الیکشن میں حصہ لینے والوں کے لیے بی اے کی شرط لازمی قرار دی گئی ہے تو کیا دینی مدارس کی جاری کردہ یہ سند انتخابی قواعد وضوابط کے تقاضوں پر پورا اترتی ہے؟ چیف الیکشن کمشنر نے اس کا از خود کوئی جواب دینے کی بجائے یہ مسئلہ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن آف پاکستان کی طرف بھجوا دیا کہ یو جی سی کو اس سند کی حیثیت پر کوئی اعتراض تو نہیں؟ یو جی سی نے الیکشن کمیشن کو جواب دیا کہ یہ سند ہمارے ہاں ۱۹۸۲ء سے ایم اے عربی و ایم اے اسلامیات کے مساوی تسلیم شدہ ہے لہٰذا اس کے حاملین اس سند کی بنیاد پر الیکشن میں حصہ لے سکتے ہیں۔ اس کے بعد چیف الیکشن کمشنر نے چاروں صوبوں کے ہائی کورٹس کے جسٹس حضرات سے جو صوبائی الیکشن کمشنر کے طور پر کام کر رہے تھے رائے طلب کی۔

ہائی کورٹس کے ان ججز نے یو جی سی کے نوٹیفکیشن کی بنیاد پر متفقہ رائے دی کہ دینی اسناد کے حاملین الیکشن میں حصہ لینے کے اہل ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد چیف الیکشن کمشنر نے ۲۹ جولائی ۲۰۰۲ء کو دینی مدارس کے فضلاء کے لیے ۱۱۴۲ دی گزٹ آف پاکستان دینی ایکٹ کے تحت دینی مدارس کے فضلاء کے لیے سند کی بنیاد پر الیکشن میں حصہ لینے کا نوٹیفکیشن جاری کیا۔ واضح رہے کہ موجودہ چیف الیکشن کمشنر سابق چیف جسٹس آف پاکستان ہیں، گویا عدلیہ سے تعلق رکھنے والی ایک اعلیٰ ترین شخصیت نے یہ نوٹیفکیشن جاری کیا۔

الیکشن کمیشن اور یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کی طرف سے ان واضح اور غیر مبہم نوٹیفکیشن کے اجراء کے بعد اس مسئلہ میں کوئی ابہام نہ رہا کہ دینی مدارس کے فضلاء الیکشن میں حصہ لینے کے اہل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس وقت اس نوٹیفکیشن کے خلاف کسی شخص نے عدالت سے رجوع نہیں کیا، لیکن الیکشن کے سات آٹھ ماہ گزر جانے کے بعد یکایک بعض ''فرض شناس'' اور ''محافظین آئین پاکستان'' پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ مجلس عمل کے ٹکٹ پر منتخب ہونے والے حضرات بی اے کی لازمی شرط کو پورا نہیں کرتے۔

کشف حقائق یا چودہ طبق روشن ہونے کی اصل وجہ یہ بنی کہ دینی قوتوں کے خلاف پروپیگنڈے کی فضا میں کسی کے حاشیہ خیال میں بھی یہ نہ تھا کہ کبھی بھی تین فیصد سے زیادہ سیٹیں نہ لینے والی دینی جماعتیں ملکی سیاست کا رخ بدل کر رکھ دیں گی۔ چنانچہ اب دینی جماعتوں کا یہ مضبوط اتحاد دین دشمن حلقوں کی نظر میں خار کی طرح کھٹک رہا ہے اور وہ دینی جماعتوں کے اس

اتحاد کو کمزور اور بے اثر کرنے کے درپے ہیں۔ اس سلسلہ میں جو سب سے بڑی دلیل دی گئی وہ یہ ہے کہ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے نوٹیفکیشن میں Purposes for Teaching کے الفاظ ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ سند تعلیمی و تدریسی مقاصد کے لیے ایم اے کے برابر ہے، عوامی نمائندگی اور قانون سازی کے لیے نہیں۔

اس ضمن میں سب سے پہلی گزارش یہ ہے کہ الیکشن میں بی اے کی شرط کا حاصل یہ تھا کہ ناخواندہ اور انگوٹھا چھاپ قسم کے پیشہ ور سیاستدان اسمبلی میں نہ آئیں بلکہ یہ ایوان تعلیم یافتہ ارکان پر مشتمل ہو جو اسمبلی میں قانون سازی کے تقاضوں کو سمجھتے ہوں۔ جب یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے دینی مدارس کی سند کو ایم اے کے مساوی اور اس کے حاملین کو تعلیم یافتہ تسلیم کر لیا تو یہ سوال بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے کہ اس سند کا اجراء کس مقصد کے لیے کیا گیا ہے؟ نیز اس منطق کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر وکلاء اور ایم اے سیاسیات کرنے والوں کے علاوہ کوئی بھی تعلیم یافتہ شخص اسمبلی کا ممبر بننے کا اہل نہیں رہتا۔ کون نہیں جانتا کہ ایم بی بی ایس کی ڈگری قانون سازی کے لیے نہیں پیشہ طب میں ابتدائی مہارت رکھنے پر دی جاتی ہے، انجینئرنگ میں ایم ایس سی کرنے والا دستور اور قانون کی پیچیدگیوں سے یکسر بے خبر ہوتا ہے۔ پھر یہ بھی سوال ہے کہ محض بی اے کرنے والے نے قانون سازی کی کون سی تعلیم حاصل کی ہے کہ اسے اس کا اہل قرار دیا جائے؟ اگر ڈاکٹر، انجینئر اور عام گریجویٹ قانون سازی کی تعلیم و تدریس سے لاتعلق ہونے کے باوجود صرف اس لیے اسمبلی کا ممبر بن سکتا ہے کہ وہ "تعلیم یافتہ" ہے تو علمائے دین آپ ہی کے اداروں کی مسلمہ سند رکھنے کے باوجود "تعلیم یافتہ" شمار ہونے کی صف سے کیسے نکل گئے؟ بلکہ اگر غور کیا جائے تو ارکان اسمبلی کے لیے دنیاوی تعلیم یافتہ ہونے کی بجائے دینی طور پر تعلیم یافتہ ہونا زیادہ ضروری ہے۔ اس لیے کہ دستور پاکستان میں یہ صراحت موجود ہے کہ کوئی قانون سازی قرآن و سنت کے خلاف نہیں کی جاسکے گی۔

اس کا ضروری تقاضا ہے کہ تمام ارکان اسمبلی نہ صرف ضروریاتِ دین سے باخبر ہوں بلکہ قرآن و سنت کا ماہرانہ مطالعہ رکھتے ہوں تاکہ کوئی قانون سازی کتاب و سنت کے خلاف نہ ہو، بلکہ تعصب سے بالاتر ہو کر دیکھا جائے تو آئین کی اس شق کے تحت صرف علمائے کرام ہی اسمبلی کی رکنیت کے اہل قرار پاتے ہیں۔ اس لیے جو رکن اسمبلی بی اے ہو مگر قرآن مجید ناظرہ پڑھنے کی صلاحیت نہ رکھتا ہو وہ قرآن و سنت کے تقاضوں کو کب سمجھے گا اور کیا قانون سازی کرے گا؟

پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ جب ایک شخص کو عالم، فاضل، ماہر اور علم کی ایک شاخ کا ماسٹر تسلیم کر لیا گیا اور اسے تعلیمی اداروں، اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تدریس کا اہل قرار دے دیا گیا تو اسمبلی کی رکنیت کے لیے وہ کیونکر نااہل ہے؟ دیکھیے! کوئی گریجویٹ کالج یا یونیورسٹی میں تدریس کا اہل نہیں جب کہ وہ اسمبلی کا ممبر بن سکتا ہے، اس گریجویٹ کو تعلیم دینے والے اساتذہ ''وفاق'' کے سند یافتہ ہو سکتے ہیں، تو یہ کس قدر غیر منطقی بات ہے کہ بی اے پاس شاگرد تو اسمبلی کی رکنیت کا اہل ہو مگر ایم اے پاس استاذ اہل نہ ہو۔ کیا یہ رائے واضح طور پر عصبیت اور جانبداری کی غماز نہیں؟

یہ پہلو بھی قابل غور ہے کہ ۱۹۷۳ء میں آئین کے مطابق ''اسلامی نظریاتی کونسل'' کا ادارہ تشکیل دیا گیا تھا جس کا کام نفاذ اسلام کے لیے سفارشات کی تیاری اور قرآن وسنت کے مطابق قانون سازی میں اسمبلی کی رہنمائی کرنا ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل کے لیے زیادہ تر متبحر اور ماہر فن علماء کو نامزد کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ریٹائرڈ جج اور سینئر وکلاء بھی اس کے ممبر ہوتے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب علماء اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر ہونے کی حیثیت سے اسمبلی کی رہنمائی کے اہل ہیں تو ممبر اسمبلی بننے کے لیے کیوں نااہل ہیں؟ بلکہ اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کو قانونی شکل دینے سے پہلے ایسے افراد کا غور وفکر اور مشاورت ضروری ہے جو کتاب وسنت کے ماہر ہوں تاکہ قانون سازی صحیح خطوط پر ہو سکے۔ قرآن وسنت سے ناواقف ارکان اسمبلی پر ''سفارشات کے ناقدانہ جائزہ کا بوجھ ڈالنا'' ''تکلیف مالایطاق'' ہے اور اگر یہ بوجھ زبردستی ان پر ڈال دیا گیا تو اسلامائزیشن سے متعلق سفارشات کا جو حشر ہوگا وہ بھی چنداں پوشیدہ نہیں۔

معروضات کا حاصل یہ ہے کہ:

1 ...... ملک کے مختلف دینی وفاقوں کی جانب سے جاری کردہ سند یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کی منظور کردہ اور ایم اے عربی، ایم اے اسلامیات کے مساوی ہے۔

2 ...... اس سند کو قابل قبول قرار دیتے ہوئے الیکشن کمیشن آف پاکستان ایسے تمام امیدواروں کو انتخاب میں حصہ لینے کا اہل قرار دے چکا ہے جو اس سند کے حامل ہیں۔

3 ...... جو سند تعلیمی وتدریسی مقاصد کے لیے قابل قبول ہے وہ قانون سازی کے لیے بھی قابل قبول ہے۔

4 ...... پاکستان کے آئین کی بنیاد قرآن وسنت پر ہے جب کہ صرف اسی سند کے حاملین

قرآن وسنت سے واقفیت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہیں۔

5 ......اگر ڈاکٹرز، انجینئرز اور دوسری پیشہ ورانہ تعلیم کے حاملین اسمبلی کے ممبر بن سکتے ہیں جن کے پیشوں کا قانون سازی اور عوامی نمائندگی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تو علمائے کرام اسمبلی کے ممبر کیوں نہیں بن سکتے، جن کا قرآن وسنت کے مطابق قانون سازی سے براہ راست تعلق ہے، اس لیے کہ فقہ اسلامی قرآن وسنت کے قانون ہی کا نام ہے اور علمائے کرام کی زندگیاں اسی کی تدریس میں گزرتی ہیں۔

6 ......''اسلامی نظریاتی کونسل'' کی سفارشات کا جائزہ لینے کے لیے کتاب وسنت کے ماہرین کا اسمبلی میں ہونا ضروری ہے۔

آخر میں یہ گزارش بھی ملحوظ رہے کہ پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی میں وزیر اعظم لیاقت علی خان اور تحریک پاکستان کے صف اول کے رہنماؤں کی موجودگی میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے قرارداد مقاصد پیش کر کے اور منظور کروا کر یہ مسئلہ ہمیشہ کے لیے طے کر دیا کہ پاکستان کا سپریم لاء قرآن وسنت ہے اور اس کے لیے ماہرین شریعت کی رہنمائی ناگزیر ہے۔ ہماری رائے میں سیاسی مقاصد کے حصول کے لیے طے شدہ امور کو ملیا میٹ کرنے کی سوچ ملک وملت کے لیے حد درجہ ضرر رساں ہوگی، اس لیے حکومت کو چاہیے کہ وہ اپنے سیاسی مخالفین کا مقابلہ کرنے کے لیے کھیل کے اصولوں کی پابندی کرے۔ فاؤل پلے نہ کرے کہ اس کا نتیجہ خود اس کے حق میں خوشگوار ثابت نہ ہوگا۔

⊙ ⊙ ⊙

نصاب میں جزوی ترمیم

(محرم الحرام۔۱۴۲۵ھ)

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ ایک عرصہ سے نصاب میں بعض جزوی ترامیم چاہ رہی تھی، نصاب تعلیم کا معاملہ بڑا احساس ہے، اسے ایسا منجمد بھی نہیں ہونا چاہیے کہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی اور ترمیم کی ضرورت ہی کا انکار کیا جائے، جدید حالات اور نئے تقاضوں کے رجحانات کو یکسر نظر انداز کر کے اسے ایک ایسا حرف آخر قرار دینا درست نہیں جس میں کسی نقطے اور شوشے کے ردو بدل کو جرم تصور کر لیا جائے، تاہم اس میں بلاضرورت تبدیلی و ترمیم بھی انتہائی مضر اور اس کے نافع ثمرات کو ختم کر دینے کے مترادف ہے۔

وفاق المدارس سے وابستہ علماء الحمد للہ! ارباب فکر وبصیرت ہیں، وفاق کی مجلس عاملہ ملک کے ممتاز اور جید علمائے کرام پر مشتمل ہے، عہد جدید کے تقاضوں اور نئے زمانے کے رجحانات پر ان کی گہری نظر ہے، نصاب میں بعض جزوی ترامیم کی آواز ایک عرصہ سے اُٹھ رہی تھی، اس کے لیے اولاً ملک کے ماہر علماء پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی، اس کمیٹی نے کئی مختلف طویل اجلاسوں میں نصاب کا جائزہ لیا اور پھر سفارشات وتجاویز مرتب کر کے مجلس عاملہ کو پیش کیں۔ ان سفارشات کو سامنے رکھ کر گذشتہ تعلیمی سال کے دوران مجلس عاملہ نے مختلف مجلسوں میں نصاب کا ایک بار پھر جائزہ لیا اور چند جزوی ترامیم کی گئیں، جو شعبان ۱۴۲۴ھ میں مجلس شوریٰ کی اتفاق رائے سے منظور کر لی گئیں۔

ترمیم شدہ نصاب اور مجلس شوریٰ اور مجلس عاملہ کے اجلاسات کی تفصیلات وفاق المدارس العربیہ کے ترجمان ماہنامہ ''وفاق المدارس'' کے شوال کے شمارے میں شائع کر دی گئی ہیں، اس سلسلے میں ارباب مدارس کی خدمت میں چند گذارشات پیش کی جاتی ہیں:

1 ...... نصاب میں جو جزوی ترامیم کی گئی ہیں، یہ ارباب فکر وبصیرت علماء کے طویل غور وفکر

اور مشاورت کے بعد ہی کی گئی ہیں، ان میں وہ ترامیم جو وفاقی درجات میں کی گئی ہیں، انہیں تو تمام مدارس نے اپنے نصاب میں بلا شبہ جگہ دیدی ہے، کیونکہ ان کتابوں کا سالانہ امتحان وفاق المدارس کے تحت ہوتا ہے، اس لیے انہیں داخل نصاب کرنا ضروری سمجھا گیا، البتہ غیر وفاقی درجات میں جو ترامیم کی گئی ہیں، بعض مدارس کے بارے میں معلوم ہوا کہ ان کے ہاں انہیں داخل نصاب نہیں کیا گیا، اگرچہ غیر وفاقی درجات میں مدارس اپنی مرضی سے اپنے ماحول اور وسائل کے مطابق کتابوں میں کچھ کمی بیشی کرتے ہیں لیکن طویل غور وفکر کے بعد کی گئی ان ترامیم کو غیر وفاقی درجات میں بھی تمام مدارس جزو نصاب بنادیں تو ان شاءاللہ بہت مفید رہے گا۔

2 ...... عربی زبان وادب کے لیے مقرر کردہ نصاب انتہائی جامع، مفید اور کامل ہے، اس میں قدیم نثر اور قدیم ادب کے ساتھ ساتھ جدید نثر وادب کی بھی پوری رعایت رکھی گئی ہے، اس نصاب کو اگر توجہ اور محنت سے پڑھا، پڑھایا جائے تو طالب علم، عربی زبان بولنے، لکھنے، پڑھنے اور سمجھنے کی اچھی استعداد حاصل کرسکتا ہے۔ عربی کی تحریری مشق وتمرین کے لیے تقریباً نصف درجن کتابیں رکھی گئی ہیں، جدید وقدیم ادبی نثر کی کتابیں ان کے علاوہ ہیں لیکن اس کے باوجود عام طلبہ عربی زبان کے تکلم اور تحریر میں نسبتاً کمزور ہوتے ہیں، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں انشائے عربی کی کتابوں کو اساتذہ اور طلبہ وہ اہمیت نہیں دیتے جن کی وہ مستحق ہیں "**معلم الإنشاء**" کی تین الگ الگ کتابیں ثانویہ عامہ اور ثانویہ خاصہ میں رکھی گئی ہیں، ان میں عربی سے اردو اور اردو سے عربی کے تدریجی ارتقاء کے اصول کو پیش نظر رکھ کر بہت عمدہ مشقیں اور تمارین مرتب کی گئی ہیں، لیکن افسوس! ان کتابوں کو اس قدر وقت نہیں دیا جاتا جس کی وہ متقاضی ہیں، عموماً سال کے آخر میں جلدی جلدی یہ مشقیں سرسری انداز سے گذار دی جاتی ہیں، ظاہر ہے اس سے وہ نتیجہ سامنے نہیں آسکتا جس کے لیے یہ کتابیں رکھی گئی ہیں۔

اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ طلبہ میں عربی زبان کی تحریر وتکلم کا ذوق پیدا کیا جائے اور مدرسہ کی مجموعی فضاء کو اس کے لیے ساز گار بنایا جائے، ہمارے علماء نے اردو زبان کو اسلامی علوم سے مالا مال کیا ہے اور مختلف فنون وعلوم میں سینکڑوں کتابیں تصنیف فرمائی ہیں، اس ذخیرے کو عربی زبان کے جدید اسلوب میں منتقل کرنے کی ضرورت ہے۔ عالم عرب سے رابطے کے لیے بھی جدید عربی زبان پر عبور ضروری ہے، اس لیے اس حوالے سے ہمارے ہاں جو کمزوری پائی جاتی ہے اسے پوری سنجیدگی اور اہمیت کے ساتھ دور کرنا وقت کا اہم تقاضا ہے۔ صرف ونحو کے

قواعد اور صرفی تعلیلات کو از بر کرنے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا، تحریر و تکلم کی صورت میں گرامر کا عملی اجراء اصل چیز ہے، اس کے لیے نصاب میں بہت کچھ ہے بس توجہ اور اہتمام اگر ہو جائے تو اس کے مفید آثار بہت جلد ظاہر ہونا شروع ہو جائیں گے۔

3 ...... متوسطہ کے نصاب میں کئی سالوں سے میٹرک کے معیار تک عصری علوم سائنس، ریاضی، انگلش وغیرہ رکھے گئے ہیں، شہری مدارس میں ان علوم کو عموماً توجہ ہی سے پڑھایا جاتا ہے، البتہ بعض دیہی مدارس میں اہتمام و توجہ کی کمی کی شکایت ہے۔ پہلے انگلش کا پرچہ اختیاری تھا لیکن اب لازم کر دیا گیا ہے۔ یہ حقیقت ملحوظ رہے کہ اس طرح کی ترمیم و تبدیلی کے فیصلے کسی دباؤ کے تحت نہیں بلکہ اہل بصیرت اور دینی مدارس سے وابستہ علماء کے طویل غور و فکر کے نتیجے میں کیے گئے ہیں، مقصد یہی ہے کہ دینی مدارس سے دستار فضیلت حاصل کرنے والے ایک عالم دین کو اسلامی علوم میں پختگی کے ساتھ ساتھ عصری علوم سے بھی بقدر ضرورت واقفیت حاصل ہو، اس لیے نصاب کے پہلے مرحلہ ''متوسطہ'' میں میٹرک تک کئی سالوں سے عصری علوم رکھے گئے ہیں اور وہ وفاق المدارس سے ملحق مدارس میں پڑھائے بھی جاتے ہیں، البتہ بعض مدارس میں اس مرحلہ میں جس قدر محنت اور اس کی طرف جتنی توجہ ہونی چاہیے، وہ مفقود ہے، اس کی اصلاح کرنی چاہیے۔

4 ...... وفاق المدارس کی مجلس عاملہ اور شوریٰ نے ایک سہ سالہ نصاب بھی ترتیب دیا ہے، جن خواتین و حضرات کے پاس مکمل درس نظامی پڑھنے کے لیے فرصت نہیں، یہ نصاب ان کے لیے مرتب کیا گیا ہے، اس میں قرآن کریم کا مکمل ترجمہ، احادیث کا ایک جامع منتخب ذخیرہ، ضروری فقہی مسائل اور نحو و صرف کے بنیادی قواعد پر مشتمل کتب رکھی گئی ہیں، یہ نصاب قرآن و حدیث کو سمجھنے کے لیے ان شاء اللہ بنیادی استعداد پیدا کرے گا، کئی مدارس میں اسے جاری کر دیا گیا ہے، اگر ائمہ حضرات اپنی مساجد میں تعلیم بالغان کے نصاب کے طور پر اسے جاری کر دیں تو امید ہے کہ یہ بڑا مفید رہے گا۔

5 ...... اور آخری گذارش یہ کرنی ہے کہ بہتر سے بہترین نصاب کے مفید اور بار آور نتائج اسی وقت سامنے آسکتے ہیں جب اساتذہ کا معیار تدریس اور طریقہ تعلیم بھی بہتر اور عمدہ ہو، ورنہ اچھے سے اچھا نصاب بھی کام کا نہیں رہتا، حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ نے اپنے ایک انٹرویو میں طریقہ تعلیم و تدریس کے بارے میں فرمایا:

''قدیم زمانہ کے حضرات اساتذہ، ایجاز و اختصار کے ساتھ نفس مطلب، عبارت پر

منطبق کر کے دلوں میں ایسا ڈال دیتے تھے کہ کتاب ذہن نشین ہو جاتی تھی اور جب طالب علم نے کتاب دیکھی، مطلب سامنے آ گیا، اب لوگ لمبی لمبی تقریریں کرتے ہیں جن سے استعداد خراب ہو رہی ہے...... وہ جو قلبی کیفیت ہے، وہ شامل نہیں ہوتی......''

اس لیے طریقۂ تدریس کا معیار عمدہ اور اچھا ہونا چاہیے، اس میں غیر متعلقہ معلومات کی بجائے نفس کتاب کا حل ہو، روایت کے بجائے قلب کی حرارت ہو، اور اسلوب بیان شائستہ ہو، تب ہی بہتر نصاب کے بہتر فوائد نکل سکتے ہیں!

• • •

دینی مدارس پر فرقہ واریت کا الزام

(صفر ۱۴۲۵ھ)

دین سے بیزار طبقہ جب مل کر بیٹھتا ہے تو دینی مدارس میں شر کے پہلو کی تلاش میں سرگرم ہو جاتا ہے، مدارس دینیہ پر سو اعتراضات میں ایک یہ ہے کہ ان مدارس میں فرقہ واریت کی تعلیم دی جاتی ہے، یہاں مختلف فرقوں کے نہج پر طلبہ کی ذہن سازی کی جاتی ہے جس کے نتیجے میں فرقہ وارانہ دہشت گردی وجود مین آتی ہے اور بدامنی عام ہوتی ہے۔

یہ گھسا پٹا اعتراض اس قدر عام کر دیا گیا ہے کہ اچھے خاصے سنجیدہ، پڑھے لکھے اور حالات کی حقیقت سے بخوبی آگاہ بہت سارے لوگ بھی اس سے متاثر ہو گئے اور ''صدائے عام'' میں ان کی آواز بھی شامل ہو گئی ہے۔

اگر نگاہِ حقیقت سے دیکھا جائے تو پاکستان میں ''فرقہ واریت'' کا عفریت صرف مذہب کی بنیاد پر وجود میں نہیں آیا بلکہ یہاں زندگی کے مختلف شعبوں میں فرقوں کی بہتات ہے، صرف اقتدار اور سیاست کے شعبے کو دیکھا جائے تو اس میں فرقوں اور جماعتوں کا ایک جنگل نظر آتا ہے اور ہماری اسمبلیاں اس جنگل کے خس و خاشاک سے آزردہ رنگ ہیں، سیاسی فرقہ واریت کے نتیجے میں جو دہشت گردی ہوتی ہے اور اس سے وطن عزیز کو جس قدر نقصان پہنچا ہے، مذہبی فرقہ واریت کے نقصانات اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔

سیاست کے بعد پاکستان میں دوسرے نمبر پر سب سے زیادہ نقصان دہ عصبی فرقہ واریت ہے، عصبیت کی جڑوں سے نکلنے والی فرقہ واریت کی مختلف شاخیں ہیں، صوبائی عصبیت، علاقائی عصبیت، قومی عصبیت اور لسانی عصبیت...... عصبی فرقہ واریت ہی کی وجہ سے پاکستان دولخت ہوا، قومی یکجہتی کا شیرازہ بکھرا اور ملی وجود پر ناقابل تلافی نقصان پہنچانے والی ضربیں پڑیں۔

پاکستان میں مذہبی فرقہ واریت کے وجود سے انکار نہیں کیا جاسکتا، بلاشبہ مذہب کی بنیاد پر

وطن عزیز میں کئی بار فسادات ہوئے اور امن وامان کا مسئلہ پیدا ہوا لیکن پاکستان کی تاریخ سے ادنیٰ واقفیت رکھنے والا شخص بھی اس بات کا اعتراف کرے گا کہ پہلے دو کے مقابلے میں مذہبی فرقہ واریت کی تاریخ اس قدر بھیانک نہیں جیسا کہ پروپیگنڈہ کیا گیا اور کیا جا رہا ہے۔

مذہبی فرقہ واریت کے بھی کئی اسباب اور وجوہ ہیں، پاکستان میں مختلف مذہبی فرقوں اور جماعتوں سے تعلق رکھنے والے لوگ آباد ہیں، ظاہر ہے جب کسی جماعت کی طرف سے اپنے نظریات وعقائد اور اپنے افکار وخیالات کی ترویج واشاعت میں ایسی بے اعتدالی ظہور پذیر ہوگی جس سے دوسری جماعت کے نظریات وعقائد متاثر ہوتے ہوں تو یقیناً مذہبی تصادم کا خطرہ پیدا ہوگا۔

لیکن اس مذہبی فرقہ واریت کو دینی مدارس کے ساتھ نتھی کرنا اور مدارس دینیہ کو اس کی آماج گاہ قرار دینا کسی بھی طرح قرین انصاف نہیں، دینی مدارس کے مجموعی ماحول میں الحمدللہ! اصلاح وارشاد کا غلبہ رہتا ہے، مثلاً یہاں مختلف فقہاء کی فقہ پڑھائی جاتی ہے، فقہ حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی...... چاروں فقہائے کرام کی فقہ بطور خاص پڑھائی جاتی ہے، لیکن آپ آکر یہاں کے اساتذہ کا درس سنیں اور یہاں کے طلبہ سے کبھی گفتگو کرلیں آپ کو اندازہ ہوجائے گا کہ کس قدر عقیدت واحترام کے ساتھ دوسرے ائمہ اور فقہاء کا نام لیا جاتا ہے، اگرچہ یہاں کے مدارس میں اکثریت فقہ حنفی کی مقلد ہے لیکن دوسرے ائمہ کا نام جب بھی لیا جاتا ہے اور ان کا مسلک ذکر کیا جاتا ہے تو ان کا پورا پورا احترام ملحوظ رہتا ہے۔ یہاں اساتذہ کو تو چھوڑیں، طلبہ کو بھی آپ کبھی ''مالک''، ''شافعی'' کہتے نہیں سنیں گے بلکہ جب بھی وہ ان کا نام لیں گے تو ''امام مالک رحمہ اللہ''، ''امام شافعی رحمہ اللہ'' کہیں گے...... ظاہر ہے جہاں اس طرح کی تربیت کا ماحول ہو، وہاں فرقہ وارانہ دہشت گردی کیسے پروان چڑھ سکتی ہے؟

کسی مسئلہ کی تشریح میں نقطۂ نظر کا اختلاف کوئی آج یا ان مدارس کی بات نہیں، تاریخ اسلام کے صدر اول کے زرّین دور سے لے کر ہمارے اس عہد تک نقطۂ نظر کا یہ اختلاف جو کہیں بالکل جزوی اور فروعی اور کہیں کہیں ذرا وسیع ہے، امت کے جلیل القدر علماء میں ہمیشہ رہا ہے اور رہے گا، کیا نقطۂ نظر کے اس اختلاف کو بنیاد بنا کر تاریخ کا یہ سب سے بڑا جھوٹ بولا جاسکتا ہے کہ ''اسلام ایک فرقہ وارانہ مذہب ہے'' کیونکہ اسلامی تعلیمات کے بعض مسائل میں مسلمان علماء کا نقطۂ نظر ایک دوسرے سے مختلف ہے؟ یقیناً مخالفین نے یہ جھوٹ بھی بڑے زور وشور سے عام کیا، لیکن کیا حقیقت سے اس کا دور کا بھی تعلق ہے؟

پھر برصغیر پاک و ہند کے دینی مدارس کی پوری تاریخ اس حقیقت پر گواہ ہے کہ مختلف مکاتب فکر کے ان مدارس کے درمیان کبھی بھی اس طرح کی صورت حال پیش نہیں آئی جس نے عام معاشرے یا حکومت کے لیے اختلاف وانتشار کے مسائل پیدا کیے ہوں، بلاشبہ ہر مکتب فکر میں کچھ لوگ اپنے نظریات میں پختہ، بعض متعصب اور بعض حدود سے تجاوز کرنے والے بھی ہوتے ہیں جن کی وجہ سے افتراق کے چند جزوی واقعات بھی پیش آتے رہتے ہیں تاہم مجموعی طور پر مسلمان معاشرہ میں اسلامی تعلیمات کے فروغ، نئی نسل کو دین سے روشناس کرانے اور دین اسلام کی سربلندی کا مؤثر ذریعہ دینی مدارس کے علاوہ اور کونسے اداروں کو قرار دیا جاسکتا ہے، جہاں سے نکلنے والوں نے کبھی کوئی فتنہ برپا نہیں کیا، جہاں اسکولوں اور کالجوں کی طرح کسی طالب علم کو فائرنگ کر کے ہلاک کرنے کی خبر کبھی نہیں آئی، جہاں کی رہائش گاہوں سے کالج کے ہاسٹلوں کی طرح کوئی حکومت کوشش کے باوجود بھی کلاشنکوف یا اسلحہ برآمد نہیں کرسکی؟ ایسے مدارس کو ”فرقہ واریت کے اڈے“ قرار دینا کتنی بے حقیقت بات ہے۔

ستم ظریفی دیکھیے! عصری علوم کی درسگاہیں جہاں آئے دن طلبہ کے درمیان مقابلے ہوتے ہیں، سیاسی فرقہ واریت نے جہاں ہاسٹلوں کو دہشت گردی کی آماجگاہ بنادیا ہے، جہاں کئی طلبہ فائرنگ اور مسلح مقابلوں کی بھینٹ چڑھ کر جاں بحق ہوتے ہیں، جہاں سے بڑی تعداد میں اسلحہ پکڑے جانے کی خبر کوئی غیر معمولی خبر نہیں اور جہاں سے فارغ ہونے والوں کی اکثریت اخلاقی اور فکری ہر پہلو سے اسلام اور پاکستان کے لیے ایک ناسور بن رہی ہے، عصری علوم کے اس بھیانک نظام تعلیم کی اصلاح کی فکر حکمران ٹولہ کو کیوں نہیں جو فتنہ فساد کا اصل منبع ہے اور دہشت گرد گروپوں کی حقیقی تربیت گاہ ہے۔

ارباب مدارس ایک بار نہیں، بارہا حکومت وقت اور دینی مدارس کے خلاف پروپیگنڈہ مہم میں شریک انتظامیہ سے کہہ چکے ہیں کہ اگر کوئی مدرسہ فرقہ وارانہ سرگرمیوں کا اڈہ ہے، یا وہ دہشت گردوں کی تربیت گاہ ہے، یا وہاں خلاف قانون اسلحہ پایا جاتا ہے اور حکومت کے پاس اس کے ٹھوس اور ناقابل تردید شواہد موجود ہیں تو ارباب مدارس اس مدرسہ کے خلاف حکومتی کارروائی کی نہ صرف حمایت کریں گے، بلکہ اگر حکومت اس سلسلہ میں ان سے تعاون چاہے تو وہ تعاون کے لیے بھی تیار ہیں۔ لیکن مختلف حکومتیں آئیں اور گئیں تاہم کوئی حکومت اس طرح کے ٹھوس شواہد پیش نہیں کرسکی۔

پاکستان میں فرقہ واریت اور فرقہ وارانہ دہشت گردی کے خاتمے کے لیے حکومت اگر واقعتاً سنجیدہ ہے تو وہ سیاسی، عصبی اور مذہبی فرقہ واریت کے اسباب ووجوہ کا بغور جائزہ لے اور پھر اس کے سدباب کے لیے ٹھوس اقدامات کرے، فقط الزام تراشی اور رٹی رٹائی باتیں دہرانے سے ظاہر ہے کہ مسئلہ حل نہیں ہوگا۔

اللہ ہمارے حکمرانوں کو فہم وبصیرت عطا فرمائے اور مدارس دینیہ کی حفاظت فرمائے۔ آمین!

• • •

عصری تعلیمی نصاب میں تبدیلیاں لانے کی تجویز

(جمادی الاولیٰ ۱۴۲۵ھ)

تعلیم کی افادیت واہمیت سے کوئی باشعور شخص انکار نہیں کرسکتا۔ آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تعلیم وتربیت کا کرشمہ تھا کہ صحرائے عرب کے جو وحشی علم ومعرفت اور تہذیب وتمدن سے کورے تھے وہ پوری دنیا میں علم وحکمت اور تہذیب وشائستگی کے چراغ روشن کرنے لگے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہی تھی کہ تیئس (۲۳) سالہ مختصر دور میں نہ صرف پورے جزیرہ عرب کی کایا پلٹ دی بلکہ پوری دنیا کے لیے رشد وہدایت کی وہ ابدی قندیلیں روشن کردیں جو رہتی دنیا تک انسانیت کو عدل وانصاف اور عافیت اور اطمینان کی راہ دکھاتی رہیں گی اور اُن ہی تعلیمات کی بدولت مسلمان ایران ورُوم کی عظیم سلطنتوں کے وارث بن گئے۔

قوموں کے عروج وزوال پر اثر انداز ہونے والے عوامل میں سے ایک بنیادی عامل نظام تعلیم ہے، آج کے ترقی یافتہ دور میں اگر کہیں کوئی ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہے تو وہاں دیگر شعبوں کے علاوہ ان کے تعلیم کا شعبہ سب سے مستحکم، توانا اور انقلابی اقدامات کا حامل نظر آئے گا۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان اس وقت صرف ہمارا نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کی امیدوں کا مرکز ومحور ہے، اسے مضبوط کرنا اور ہر ممکن خطرے سے بچانا ہماری منزل اور مقصد ہونا چاہیے، اس کے نظریات اور اساسی ساکھ کو مضبوط سے مضبوط تر بنانا ہماری ذمہ داری اور ہدف ہونا چاہیے، لیکن بد قسمتی سے ہم جس قدر دیگر شعبوں میں اپنے ملک کی بنیادیں کھوکھلی کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور جس طرح ہماری سیاست سے لے کر تہذیبی، اخلاقی اور معاشی ڈھانچے تک سب کچھ فرسودگی کی علامت بن چکا ہے، بالکل اسی طرح ہمارا نظام تعلیم بھی منصوبہ بندی کے فقدان کا عکاس اور اضطرابی کیفیت سے دوچار ہے، تاریخ پاکستان پر نظر ڈال کر دیکھیں، اس نصف صدی میں تعلیم ہی وہ شعبہ نظر آتا ہے جس میں اسلامائزیشن کی کچھ رمق باقی ہے لیکن آج ہمارا نظام تعلیم اپنے

مقصد سے لے کر نصاب کی تبدیلی تک عدم تحفظ کا شکار ہے اور اس حوالے سے پورا ملک ایک سخت تشویش میں مبتلا ہے۔

سیاست، معیشت اور معاشرت کی طرح شعبہ نظام تعلیم کو بھی مغربی رنگ میں رنگنے اور اس خطے میں اسلامی اقدار و روایات اور اسلامی تعلیمات کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکنے کے لیے ہمہ گیر حربے بڑی سرعت کے ساتھ جاری و ساری ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ اس سارے عمل میں ہمارے ہی اقتدار کے مسند نشین شامل ہیں، مغربی ذہنیت رکھنے والے نام نہاد دانشور اور بیرونی دباؤ سے مرعوب و مغلوب بیورو کریسی ایک دوسرے سے پہل کر رہی ہے۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ پاکستان قائم ہونے کے بعد اس ملک کا سارا نظام اُسی بیوروکریسی کے ہاتھ آ گیا جو استعماری دور کے نظام تعلیم کا پروردہ تھی اور جن کے دل و دماغ میں اسلامی تعلیمات اور مشرقی روایات سے نفرت وعداوت کے جراثیم پوری طرح رچے بسے ہیں، انگریزوں کے نت نئے ایجادات پر حیرت زدہ اس طبقے کو اگر اپنی اور اسلامی تاریخ سے آگہی ہوتی تو ان پر واضح ہو جاتا کہ جس مغرب کی غلامی پر وہ فخر محسوس کرتا ہے، یہی مغرب ایک طویل عرصے تک مسلمانوں کے زیر تسلط رہا ہے، تاریخ میں جھانکنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے عروج کے زمانے کی ترقی کی اصل وجہ اس وقت کے حکمرانوں کا قرآن و سنت سے مضبوط گہرا تعلق تھا جس کی وجہ سے ایک ترقی یافتہ قوم کی حیثیت سے ہم نے دنیا پر حکومت کی، لیکن آج کا مغرب پرور طبقہ نہ اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر تیار ہے اور نہ ہی اسلام کا نام لینا برداشت کرتا ہے۔ لارڈ میکالے نے ایسے ہی لوگوں کو اپنا جانشین قرار دیتے ہوئے کہا تھا کہ:

> ''ہمیں اس وقت ایک ایسا طبقہ پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جو ہمارے اور ان کروڑوں انسانوں کے مابین ترجمانی کے فرائض سرانجام دے سکے جن پر ہم اس وقت حکمرانی کر رہے ہیں... ایک ایسا طبقہ جو نسل اور رنگ کے اعتبار سے ہندوستانی ہو مگر ذوق، طرزِ فکر، اخلاق اور فہم و فراست کے نقطہ نظر سے انگریز ہوں۔''

اسی وجہ سے ان کے دلوں پر مغرب کی ہمہ جہت بالادستی کا سکّہ جما ہوا ہے اور نئی نسل کو بھی اس بات پر مجبور کرنا چاہتے ہیں کہ دنیا میں ترقی سربلندی اسی میں ہے کہ اپنے فلسفۂ حیات، فکر، تہذیب و ثقافت اور اسلامی اقدار سمیت اپنے چودہ سو سالہ ماضی پر حقارت بھری نگاہ ڈالی جائے اور انگریز کے پیچھے پیچھے چل کر اپنا ہر انفرادی و اجتماعی عمل ان کے نقش قدم پر استوار کر لیں۔

امریکہ اس وقت دہشت گردی کو بنیاد بنا کر مسلم ممالک کے وسائل پر قبضہ جمانے کے فلسفے پر عمل پیرا ہے، اس سلسلے میں ایک محاذ پر وہ بزور طاقت اسلامی ممالک پر اپنا تسلط قائم کر رہا ہے تو دوسرے محاذ پر وہ ''نصاب تعلیم کو ماڈریٹ'' بنانے کے مکروہ نعرے کی آڑ میں باقی اسلامی ممالک کو زیر تسلط لانا چاہتا ہے کیوں کہ انہیں اس بات کا بخوبی اندازہ ہے کہ جب تک ہم ''کسی ملک کے عوام کو تبدیل کرنا ہو تو اس کے نصاب کو تبدیل کیا جائے'' کے فلسفے پر عمل پیرا نہیں ہوں گے، اس وقت تک ہمارے لیے ان ممالک پر قبضہ کرنا آسان نہ ہوگا، جب عوام اور افراد کے ذہنوں کو تبدیل کر کے اپنی تہذیب کے موافق بنایا جائے تو پھر اس زمین پر کنٹرول بھی آسان ہو جاتا ہے۔ دنیا سے دہشت گردی ختم کرنے کے عمل میں پاکستان امریکہ کے قریب ترین دوستوں میں سے ایک ہے جس نے ہر وقت ہر محاذ پر اپنی وفاداری دکھائی ہے، لیکن ایک مسلم ملک ہونے کے ناتے اب اس کے گرد گھیرا تنگ کیا جا رہا ہے اور اس کے لیے مختلف حربے استعمال میں لائے جا رہے ہیں۔ چنانچہ جب یہ بات ثابت ہے کہ قوموں کے مجموعی مزاج کی تیاری، مکمل سوچ و فکر اور نظریاتی ہم آہنگی کے لیے مضبوط بنیاد ''نصابِ تعلیم'' ہی فراہم کرتا ہے تو امریکہ نے بھی نظام تعلیم کے شعبے کا انتخاب کر کے نصاب تعلیم پر وار کرنا شروع کر دیا ہے۔

ابتدا میں امریکہ نے اس کے لیے دو راستوں کا چناؤ کیا ہے: ایک راستے پر غیر محسوس طریقے سے ایک اقلیتی مذہب کے ادارے آغا خان فاؤنڈیشن کے ذریعے پاکستان کے تعلیمی اور امتحانی نظام کو خرید کر آغا خان یونیورسٹی بورڈ کے ساتھ منسلک کیا جس کا عمل بتدریج جاری ہے، اس سلسلے میں امریکی سفیر نینسی پاؤل اور آغا خان فاؤنڈیشن کے شمس الحق لاکھانی کے درمیان باقاعدہ تحریری معاہدہ ہوا ہے جس پر پاکستانی وزیر تعلیم محترمہ زبیدہ جلال نے بھی دستخط کیے ہیں۔ امریکی سفیر نے اس بات پر زور دیا ہے کہ تعلیمی نظام کو بتدریج جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کیا جائے گا جس کے لیے ساڑھے چار سو لاکھ ڈالرز دینے کے معاہدے پر دستخط ہوئے۔ زبیدہ جلال صاحبہ کے دستخط اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ حکومت پاکستان نے بھی اس معاہدے کو تسلیم کر لیا ہے۔

دوسرے راستے سے امریکہ نے براہ راست شعبہ تعلیم کی اصلاحات کے لیے پاکستان کو دس کروڑ ڈالرز کی خطیر رقم جاری کی ہے اور اسی مقصد کے لیے ہالینڈ نے بھی سسٹینیبل ڈویلپمنٹ انسٹیٹیوٹ (SDP) کو ایک کثیر رقم دی ہے جس کا مقصد نصاب تعلیم میں اصلاحات لانا ہیں۔

یہ دو نکات اس بات کو تقویت دینے کے لیے کافی تھے کہ ملک میں موجودہ نصابی تبدیلیاں اُن

سیکولر اور لادین عناصر کے ایماء پر کی گئی ہیں جو ہمارے ملک سے اسلام کی رہی سہی کسر نکالنے کے درپے ہیں اور یہاں کے اخلاقی ،تہذیبی ، اسلامی اور معاشرتی روایات کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔

ساتھ یہ بھی واضح ہو کہ ۱۸ اپریل ۲۰۰۴ء کو امریکہ کی سلامتی کونسل کی مشیر لیز ارائس کا گیارہ ستمبر کے واقعے کی تحقیقات کے لیے قائم کردہ کمیشن کے سامنے دیا جانے والا بیان بھی ریکارڈ پر موجود ہے جس میں اُنہوں نے کہا تھا کہ:

> ''مسلم ممالک میں امریکہ کے خلاف پائی جانے والی نفرت کو دور کرنے کے لیے بش انتظامیہ کام کر رہی ہے، اس سلسلے میں مشرق وسطٰی کے ممالک میں جمہوریت لانے کی کوششوں کے علاوہ تعلیمی اصلاحات بھی لائی جارہی ہیں، اسلامی ممالک میں تعلیمی اصلاحات لانا ہماری پالیسی کا حصہ ہے اور پاکستانی خاتون وزیر تعلیم اس سلسلے میں امریکہ سے تعاون کر رہی ہے۔''

اُنہوں نے مزید بتایا کہ:

> ''گزشتہ سال جب پاکستان کی وزیر تعلیم امریکہ آئی تھیں تو اُنہوں نے اس معاملے میں اُن سے بات کی تھی۔ پاکستانی وزیر تعلیم ایک حیرت انگیز زبردست (ونڈر فل) خاتون ہے۔''

چنانچہ امریکی ایجنڈے کو عملی جامہ پہناتے ہوئے پنجاب کے تعلیمی بورڈ نے ایسی تبدیلیاں عمل میں لائیں جس سے امریکہ اور مغرب کو کسی قسم کی کوئی شکایت نہ ہو، ان شرمناک تبدیلیوں میں دسویں کی اردو میں صفحہ نمبر چار باب زندہ دلی میں ''بہار اردو'' کے مضمون کے ذیل میں لکھا گیا ہے کہ ''نعوذ باللہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ گانا سنتے تھے۔'' انگریزی کی کتاب سے طارق بن زیاد، فیصل مسجد اور عظیم قربانی کے اسباق نکال کر اور چھٹی جماعت کی انگریزی میں چھ کونوں والے فریم میں بڑھیا، کبوتر اور سورج کو بند کر کے غیر محسوس طریقے سے اسرائیل کے چھ کونوں والے ستارے کو ظاہر کیا گیا ہے۔

یہاں سب سے مذموم کوشش یہ کی گئی ہے کہ ''پاکستان اور اسلامی دنیا'' ''پاکستان اور عالمی امور'' کے اسباق کو نکالا گیا ہے جس کی وجہ سے مسئلہ کشمیر، فلسطین، قبرص اور عرب دنیا سے پاکستان کے تعلقات، عالم اسلام کے استحکام و سربلندی کے لیے پاکستان کی کوششیں اور اسلامی سربراہی تنظیم کے اجلاس کی تفصیلات جو پڑھائی جاتی تھیں از خود ختم ہو جاتی ہیں۔ جب کہ سندھ کے تعلیمی

بورڈ نے اردو کی کتاب سے غزوہ احد کے متعلق سبق نکال دیا ہے۔اسی کتاب میں آگے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت کو "قتل" سے تعبیر کیا گیا ہے اور حضرت سید احمد شہید رحمہ اللہ اور شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی تحریکوں کا تذکرہ حذف کر دیا ہے۔اسی کتاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم، دیگر انبیاء علیہم السلام اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا و فاطمہ رضی اللہ عنہا کے متعلق اسباق بھی نکال دیے گئے ہیں اور ان کی جگہ سماجی خاتون بلقیس ایدھی کو شامل کیا گیا ہے۔ان کے علاوہ بھی کئی تبدیلیاں کی گئی ہیں۔

نویں اور دسویں جماعت کی کتابوں سے سورۃ توبہ کا اخراج کر کے زبیدہ جلال کا یہ استدلال پیش کرنا کہ چونکہ میٹرک تک پڑھنے والے بچے چھوٹے ہوتے ہیں اور وہ قرآنی آیات کو نہ سمجھ سکتے ہیں اور نہ یاد کر سکتے ہیں، اُن کو دقت پیش آتی ہے، اس لیے ان کو بارہویں اور چودھویں جماعت میں شامل کر دیا ہے۔یہ استدلال بہت کمزور اور قوم کو بے وقوف بنانے کا خطرناک حربہ ہے۔نویں اور دسویں جماعت کے طلباء قرآنی آیات سمجھنے سے تو قاصر ہیں لیکن ان سے دو سال چھوٹے طلباء کے لیے آٹھویں میں نظریئے اور فلسفے کی ایک ایسی مشکل بحث داخل نصاب کی گئی ہے جسے یونیورسٹی لیول کے طلبا بھی بآسانی نہیں سمجھتے اور ان سے چار سال چھوٹے طلباء کے لیے چھٹی جماعت میں "عوام خاندانی منصوبہ بندی کے اسکیموں سے غافل ہیں"، "آبادی میں اضافہ کیوں" اور "لڑکیاں لڑکوں سے زیادہ جذباتی ہوتی ہیں" جیسے مضامین شامل کر کے انہیں بآسانی سمجھ سکتے ہیں، اگر نہیں سمجھ سکتے یا دقت پیش آتی ہے تو صرف کلام اللہ اور سورۃ توبہ میں، افسوس! کہ چھوٹے بچوں کے ذہنوں کو پراگندہ کرنے کے لیے یہ حربے استعمال کر کے آپ پاکستان کی نئی نسل کا اسلامی تہذیب اور روایات سے جڑا ہوا وہ رشتہ جو پہلے سے ہی برائے نام رہ گیا ہے کاٹ کر مغربی تہذیب کا دلدادہ بنانا چاہتے ہیں۔

امریکی سلامتی کونسل کی مشیر کا یہ کہنا کہ "مسلم ممالک میں تعلیمی اصلاحات" ہماری پالیسی کا حصہ ہے اور پاکستانی وزیر تعلیم ہمارے ساتھ "تعاون" کر رہی ہے۔اس واضح اور دوٹوک اقرار کے بعد کوئی سوال باقی نہیں رہتا کہ ملک میں حالیہ نصابی تبدیلیاں کون کرا رہا ہے اور کس مقصد کے لیے؟ یہ تبدیلیاں اپنے آپ کو یہ کہہ کر بری کر دیا کہ وزارتِ تعلیم ان اصلاحات سے بالکل بے خبر ہے اور یہ اصلاحات پنجاب اور سندھ ٹیکسٹ بورڈز نے ازخود کیے ہیں اور ہمیں اعتماد میں نہیں لیا گیا۔اس اثناء میں خونریزی کا ایک سلسلہ شروع ہوا اور کراچی میں ایک مہینے کے اندر ستر سے زائد افراد جان سے ہاتھ دھو بیٹھے، تاحال یہ سلسلہ جاری ہے، لوگوں کی توجہ ان اہم اُمور سے ہٹا کر کراچی کی جانب

کردی گئی اور یہاں بھی ایک سازش کے تحت باقاعدہ خاموشی اختیار کر لی گئی۔

ابھی حال ہی میں جب راقم الحروف امریکہ کے دورے پر گیا اور وہاں محکمہ خارجہ، دفاع، داخلہ اور محکمہ تعلیم کے علاوہ یونیورسٹیوں کے پروفیسرز سے ملا، وہاں کے مقتدر حلقوں سے ملاقاتیں کیں، میڈیا اور دیگر شعبوں سے تعلق رکھنے والوں سے ملاقاتیں ہوئیں، ان کے خیالات اور نظریات جان کر ان سے تعلیمی نصاب میں تبدیلی کے حوالے سے گفتگو کیں، طویل نشستیں ہوئیں، اس سے پہلے یہ بات صرف میری معلومات کی حد تک تھی اور میں نے سنا تھا کہ نصاب میں تبدیلی امریکی ایماء پر کی جارہی ہے لیکن وہاں ان کے مقتدر حلقوں کو ہمارے نصاب تعلیم میں اتنی بڑھتی ہوئی دلچسپی اور ہمارے لیے اتنی فکر مندی دیکھ کر میرا علم الیقین، عین الیقین میں تبدیل ہو گیا کہ ہمارے نصاب میں لائی جانے والی تبدیلیوں کے پیچھے امریکی اور مغربی لابی ہی سرگرم ہے اور ہماری وزارت تعلیم آلۂ کار بن کر ان کے مذموم منصوبے کو عملی جامہ پہنانے میں مصروف ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سرفروشی اور جانبازی کے جذبات، حق و باطل کے معرکوں کا ذکر اور جذبہ جہاد، امریکہ اور مغرب کی نظر میں دہشت گردی ہے اور ''سب سے پہلے پاکستان'' اور ''روشن خیالی واعتدال پسندی'' کا ڈھنڈورا پیٹنے والے حکمران نظریہ پاکستان، اپنی تاریخ سے آگہی، ہندو سے نفرت اور اسلامی تعلیمات سے بھری کتابوں کو انتہا پسندی، تنگ نظری اور دہشت گردی کا سبب قرار دے رہے ہیں، اسی لیے مغربی آقاؤں اور ان کے جانشینوں نے تعلیمی نصاب پر حملہ کر کے اس کا ایسا حلیہ بگاڑ دیا کہ کچھ عرصہ بعد آنے والی نسلیں نہ صرف اپنی تاریخ سے نابلد ہوں گی بلکہ دین و ایمان سے بھی کورے ہوں گے اور پھر ہندو، عیسائی، یہودی اور مسلمان بچے میں کوئی فرق بھی نہ ہوگا۔

نصاب میں تبدیلی اور تعلیمی بورڈ کو آغا خان فاؤنڈیشن بورڈ کی تحویل میں دینا ایک ایسے خطرناک کھیل کا حصہ ہے جس کے لیے یہودی اور اسرائیلی لابی روز اول سے ہی ہاتھ پاؤں مار رہے تھے، ان کا منصوبہ یہی ہے کہ:

> ''جب تک مسلمانوں کا نصاب تعلیم نہیں بدلا جائے گا تب تک وہ اپنی اسلامائزیشن سے باز نہیں آئیں گے اور جب تک دنیا میں اسلامائزیشن ختم نہ ہوگی تب تک دنیا میں ان کی بادشاہی اور حکمرانی قائم نہ ہوگی''

امریکی مشینری پر تو یہودیوں کا قبضہ پہلے سے ہی ہے اور وہاں کوئی حکمران یہودیوں کی مرضی

کے بغیر نہیں رہ سکتا، لیکن مسلم ممالک میں اپنے کارندوں کے ذریعے اپنے مذموم مقاصد کا آغاز وہ ابھی کر رہے ہیں۔ ۱۱ ستمبر کے بعد جب سے ہم نے اپنی پالیسیاں بدلنا شروع کی ہیں اس وقت سے نظریات وعقائد کے درمیان ایک سنگین صورت جنم لے چکی ہے۔ ذہنوں میں سخت ٹکراؤ ہے، ملک افراتفری کا شکار ہے اور یہ وقت کسی بھی معاشرے کے لیے خطرناک ہوتا ہے۔ اربابِ اقتدار اس بات کو ضرور پیش نظر رکھیں کہ ۱۹۷۳ء کے آئین کی طرح نصاب بھی طالب علم کے حال اور مستقبل کے درمیان ایک عہد و پیمان ہوتا ہے۔

نصاب کی تبدیلی ایک ایسا نظریاتی مسئلہ ہے جس پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا جا سکتا۔ سیکولر ذہن رکھنے والے لادین عناصر اپنے مذموم مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے کیوں کہ نظریے کی بنیاد پر وجود میں آنے والے لوگ اگر اپنے تشخص اور نظریے سے تہی دامن کر لیے جائیں تو وہ ختم ہو کر رہ جاتے ہیں۔ جب امریکہ سمیت ہر ملک اپنے نصاب بنانے میں خود مختار ہے تو پاکستان سے یہ آزادی کیوں چھین لی جاتی ہے۔ تعلیمی نصاب میں کی گئی تبدیلیوں کے اس بھیانک جرم کے مرتکبین کو انصاف کے کٹہرے میں لا کر قرار واقعی سزا دی جائے اور قومی مشاورت کے ساتھ ایک ایسا نصاب وضع کیا جائے جو ہماری اسلامی و تاریخی روایات سے ہم آہنگ ہو، ہماری تہذیبی و ثقافتی اقدار کے امین ہونے کے ساتھ ساتھ علوم اسلامیہ کے ہم قدم ہو اور عصری تقاضوں کو مد نظر رکھ کر ملت کے ہر فرد کے مزاج کے مطابق ہو، اس کے خلاف کوئی بھی متبادل نصاب قوم کے کسی فرد کو قبول نہ ہوگا اور نہ قبول ہونا چاہیے۔

• • •

علمائے کرام پر عیسائیت کے خفیہ معاہدہ کا الزام

(شوال ۱۴۲۵ھ)

اس وقت پوری دنیا امن وعافیت سے محروم اور تشدد، انتہا پسندی اور ظلم وسفاکیت سے دوچار ہے، طاقتور ممالک اپنے جاہ واقتدار اور ملکی عصبیت اور مخصوص مقاصد کے حصول کے لیے کمزور قوموں اور ممالک کو کچلنے کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں، پوری دنیا میں اقلیتوں کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھا جارہا ہے، بالخصوص مسلمان اس ظلم وبربریت کا زیادہ شکار ہیں۔ اسلامی نقطہ نظر سے حالت جنگ کے احکام ومسائل دوسرے ہیں، لیکن امن کی حالت میں کسی فرد کا خون بہانا یا اس کے مال عزت وآبرو کے در پے ہونا سخت ترین جرم اور گناہ ہے۔ اسلام انتقام ونفرت نہیں عفو ومحبت کا دین ہے، مگر بدقسمتی سے کچھ عرصہ سے اسلام کے خلاف منفی پروپیگنڈہ کی ایک معاندانہ مہم چلائی جارہی ہے اس کے ساتھ ساتھ فلسطین، عراق، کشمیر، افغانستان اور چیچنیا میں مسلمانوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹا جارہا ہے۔ ان حالات میں مذہب سے محبت اور انسانیت کا درد رکھنے والے ہر شخص کی یہ دلی خواہش ہوگی کہ دنیا سے ظلم وجارحیت کا خاتمہ ہو، دہشت گردی، ناانصافی اور انتہا پسندی کا قلع قمع ہو، اقلیتوں پر ڈھائے جانے والے ناجائز مظالم کا سلسلہ بند ہو اور تمام آسمانی مذاہب کی تعلیمات کے مطابق عفو و درگزر، عدل وانصاف اور اخوت ومحبت کی عالمی فضا قائم ہو۔

جون ۲۰۰۴ء میں ناروے حکومت کی دعوت پر مدارس کے مثبت تعارف اور غلط فہمیوں کے ازالہ کے سلسلہ میں علمائے کرام کا ایک وفد ناروے گیا۔ انہی دنوں پاکستان کے عیسائیوں کا دورکنی وفد بھی ناروے میں ایک نجی ادارے کی دعوت پر تھا۔ دونوں وفود کی باہمی ملاقات میں امن عالم اور انسانیت کو درپیش جنگ اور دہشت گردی کے مسائل زیر بحث آئے اور امن عالم کے لیے باہمی اشتراک پر بات ہوئی، جس کے نتیجے میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے نمائندوں نے

ایک مشترکہ لائحہ عمل پر اتفاق کیا، جس کا حاصل جنگ وجدل اور دہشت گردی کے باعث پیدا ہونے والے مسائل ومصائب کے ازالہ کے لیے مذہبی رہنمائی کی ضرورت اور تمام آسمانی مذاہب کے درمیان مذہبی رواداری، باہمی عزت واحترام، مذہب پر عمل اور امن کی فضا پیدا کرنے کی پرزور سفارش کی گئی تھی۔ چنانچہ اسی غرض کے لیے ۱۶ ستمبر ۲۰۰۴ء کو نیشنل لائبریری اسلام آباد میں بین المذاہب عالمی کانفرنس زیراہتمام ورلڈ کونسل آف ریلیجنز برائے عالمی امن وعدل اجتماعی منعقد کی گئی، جس کی صدارت صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف نے کی۔ اس کانفرنس میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے مذہبی رہنماؤں نے رواداری اور باہمی مکالمہ (ڈائیلاگ) کی ضرورت پر زور دیا۔ صدر پاکستان نے اپنے خطاب میں دہشت گردی کی مذمت کی، لیکن مدارس کے کردار کو سراہا اور ان کی خدمات پر انہیں خراج تحسین پیش کیا۔

اس کانفرنس کی کامیابی کے بعد بعض پردہ نشینوں یا لبادہ پوشوں نے عامۃ الناس کو علمائے اہل حق سے متنفر کرنے کے لیے انجمن تحفظ مدارس دینیہ پنجاب کے فرضی نام سے ایک اشتہار روزنامہ ''نوائے وقت'' میں بعنوان ''ناروے میں علماء کا عیسائیت سے معاہدہ'' شائع کرایا، جس میں ارادتاً عام لوگوں کو گمراہ کرنے اور غلط فہمیاں پھیلانے کی کوشش کی گئی۔ عوام الناس میں اشتہار کی وجہ سے پیدا ہونے والی غلط فہمیوں کا ازالہ ضروری تھا، اس لیے پوری ذمہ داری کے ساتھ چند وضاحتیں کی جارہی ہیں:

1 ......ناروے میں ہونے والے ایک معاہدہ پر علمائے کرام نے مذہبی رہنماؤں کی حیثیت سے دستخط کیے تھے، دینی تنظیموں کے عہدیداران کی حیثیت سے نہیں، لہٰذا یہ اعتراض لغو ہے کہ انہوں نے اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ یا وفاق یا تنظیم یا رابطہ کے نام کو استعمال کیا جس کا انہیں اختیار نہ تھا جس کا واضح قرینہ یہ ہے کہ معاہدہ اوسلو پر دستخط کرنے والی کسی شخصیت کے نام کے ساتھ اس کے منصب یا عہدے کا تذکرہ نہیں۔ اسی طرح ۱۶ ستمبر ۲۰۰۴ء کو منعقدہ بین المذاہب عالمی کانفرنس بھی ورلڈ کونسل آف ریلیجنز فار جسٹس اینڈ پیس کے زیراہتمام منعقد کی گئی، وفاق یا اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ کا اس سے کوئی تعلق نہ تھا۔ کانفرنس کے دعوت نامہ میں بھی اتحاد تنظیمات یا وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا وقطعاً کوئی ذکر نہیں ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ مدارس دینیہ کا تحفظ اور دفاع ہم نے ہر محاذ اور فورم پر بفضلہٖ تعالیٰ کامیابی کے ساتھ کیا اور دینی مدارس کی آزادی، خودمختاری اور حریت فکر وعمل کو بہرصورت برقرار رکھنے کی بھرپور کوشش کی ہے،

اس سلسلہ میں ہماری گزشتہ دس سال کی شبانہ روز مساعی کی شہادت الیکٹرانک و پرنٹ میڈیا اور وزارت مذہبی امور، وزارت تعلیم اور وزارت داخلہ کے ریکارڈ سے لی جاسکتی ہے، ہم نے بحمد اللہ! اپنے فرض سے کبھی کوتاہی یا غفلت نہیں برتی۔

2 ...... معاہدے میں مذہب وعقیدے پر عمل کی آزادی کی بات کی گئی ہے، یہ اس تناظر میں ہے کہ خود اسلام نے اقلیتوں کو اپنے اپنے مذاہب پر عمل کا حق دیا ہے، اکراہ وجبر سے روکا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح ارشادات اور خلفائے راشدین کا عمل اس پر شاہد ہے، نیز پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کی منظور کردہ قرارداد مقاصد اور تمام مکاتب فکر کے نمائندہ علمائے کرام کے مرتب کردہ ۲۲ نکات میں بھی مذہبی آزادی کا ذکر صراحتاً ملتا ہے اور خود اس معاہدے میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ ''ہر فرد کا یہ حق تسلیم کیا جائے کہ وہ پوری آزادی سے اپنے عقیدہ، اپنے مذہب اور اپنے مذہبی احکام پر عمل کر سکے اور دوسرے مذاہب وعقائد کی دل شکنی نہ ہو''۔ ان الفاظ میں قادیانیوں کے لیے کسی قسم کی رعایت کا کوئی پہلو نہیں نکلتا، اس لیے کہ اولاً معاہدہ میں اپنے عقیدے اور مذہب پر عمل کی بات کی گئی ہے، دوسرے کے مذہب کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ ثانیاً یہ الفاظ پاکستان کے مخصوص حالات کی بجائے عالمی تناظر کو سامنے رکھتے ہوئے تحریر کیے گئے ہیں، تاکہ جن مغربی ممالک میں حجاب ودیگر شعائر اسلام پر پابندیاں عائد کی جارہی ہیں ان ممالک کو یہ احساس ہو کہ ان کے اپنے مذہبی رہنماؤں کے نزدیک بھی یہ عمل درست نہیں۔ ثالثاً اگر قادیانی ان الفاظ سے کوئی مفاد اٹھانا چاہیں گے تو اس کی بھرپور مزاحمت کی جائے گی اور قادیانیوں کو شعائر اسلام استعمال کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دی جائے گی، قادیانیوں کو کسی چور دروازے سے تحفظ دینے کی بات حاشیہ خیال میں بھی نہیں۔ قادیانیوں کو شعائر اسلام کے استعمال کی اجازت نہ پہلے تھی نہ آئندہ دی جاسکتی ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ مذہبی آزادی کے لفظ سے قادیانی فائدہ اٹھائیں گے بالکل غلط ہے۔

3 ...... عیسائیوں سے مذاکرات یا مکالمہ شرعاً ممنوع نہیں بلکہ سنت نبوی سے اس کا ثبوت ملتا ہے، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب کے ساتھ مکالمات ومعاہدات فرمائے۔ سورۃ آل عمران کی ابتدائی تراسی (۸۳) آیات کا شان نزول اور تشریح وتفسیر کے بعد کسی اہل علم کو اعتراض کی گنجائش نہیں رہتی۔ اس وقت پوری دنیا میں مسلمانوں کا خون بہہ رہا ہے۔ ان حالات میں اگر عیسائی ہمارے ساتھ مل کر افغانستان، عراق اور فلسطین سے غیر ملکی فوجوں کے انخلاء کا

مطالبہ کریں، یا بالفاظ دیگر اپنے ہم مذہبوں کی خونریزی اور ظالمانہ اقدامات کی مذمت کریں تو اس میں شرعاً کیا قباحت ہے؟ اور یہ کس کے حق میں ہے؟ یہ واضح رہے کہ عالمی حالات کے پیشِ نظر مشاورت و مراجعت کی گئی تھی، ان حضرات نے مکالمہ بین المذاہب کو مسلمانوں کے مفاد میں وقت کی ضرورت قرار دیا۔ نیز یہ بھی ملحوظ رہے کہ معاہدہ اوسلو مسلمانوں کے ان مخلص مذہبی رہنماؤں کی کوششوں کے تسلسل کا نتیجہ ہے جو انہوں نے اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں عالمی سطح پر پائی جانے والی غلط فہمیوں کے تدارک کے لیے کی ہیں۔ ہم نے یہ معاہدہ مسلمانوں کو ابتلاء سے نکالنے، اسلام اور مسلمانوں پر لگائے گئے الزامات کو دھونے اور مدارس وعلماء کے بارے میں منفی پروپیگنڈہ کے سدباب کے لیے کیا ہے، نیتوں کا علم علاّم الغیوب کو ہے، شرعاً اس پر کوئی اعتراض وارد نہیں کیا جاسکتا۔

4 ......ناروے کے دورے اور بین المذاہب عالمی کانفرنس کے اخراجات مسلمانوں اور عیسائیوں نے مشترکہ طور پر برداشت کیے، اس سلسلے میں مالی مفادات حاصل کرنے کا الزام بے بنیاد ہے۔

5 ......صدر پاکستان نے بین المذاہب کانفرنس میں خطاب کرتے ہوئے اقلیتوں کے متعلق امریکی رپورٹ کو مسترد کرتے ہوئے کہا تھا کہ

> ''پاکستان میں اقلیتیں مکمل طور پر محفوظ ہیں اور انہیں مثالی حقوق حاصل ہیں۔ البتہ ہمیں مغرب کو یہ یقین دہانی کرانا ہوگی کہ تحفظ ناموس رسالت ایکٹ اقلیتوں کے خلاف نہیں بنایا گیا، اس کی وجہ سے انہیں اپنے آپ کو غیر محفوظ نہیں سمجھنا چاہیے۔''

ان کی یہ تقریر ریکارڈ پر ہے جسے کسی وقت بھی سنا جاسکتا ہے۔ جہاں تک تحفظ ناموس رسالت قانون میں ترمیم کا تعلق ہے صدر پاکستان نے اس سلسلہ میں کوئی بات نہیں کی، ناروے میں بھی تحفظ ناموس رسالت ایکٹ کے بارے میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کو ہم نے بحمداللہ! دینی حمیت کے ساتھ مسترد کیا اور واضح کیا کہ کوئی مسلمان توہین رسالت کو کسی صورت میں برداشت نہیں کرسکتا، اگر اس قانون کو منسوخ یا اس میں ترمیم کی گئی تو مسلمان توہین رسالت کے مرتکب فرد کو خود کیفر کردار تک پہنچائیں گے، جس میں یہ احتمال ہے کہ کسی فرد کے ساتھ زیادتی ہوجائے، اس لیے اقلیتوں کا فائدہ اسی میں ہے کہ یہ معاملہ عدالت کے دائرۂ اختیار میں رہے۔

ہم نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ یہ قانون صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموس کے تحفظ

کے لیے نہیں، بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سمیت تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی ناموس کے تحفظ کے لیے بھی ہے اور اس طرح کے قوانین مغرب میں بھی موجود ہیں۔ بحمد اللہ! ہماری ان توضیحات کو تسلیم کیا گیا اور عیسائی رہنماؤں نے تحفظ ناموس رسالت ایکٹ کو بھی درست تسلیم کیا، اسے منسوخ کرنے یا اس میں ترمیم کرنے کی کوشش کی گئی تو ہم مکمل مزاحمت اور بھرپور احتجاج کریں گے اور حکمرانوں کو اپنا ارادہ بدلنے پر مجبور کردیں گے۔

امید ہے کہ ان توضیحات کے بعد بعض عناصر کی طرف سے پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں کا تدارک ہو جائے گا۔

إی وربی إنه لحق وفیه کفایة لمن کانت له درایة

○ ○ ○

دینی مدارس کا نصاب تعلیم اور تجاویز

(ذیقعدہ ۱۴۲۵ھ)

1 ......ایک اچھا نصاب تعلیم جس میں حقیقی اسلامی علوم اور عصری دینی ضروریات کا لحاظ رکھا گیا ہو اور جسے مخلص وذی استعداد اساتذہ پڑھانے والے ہوں، اسی نظام اور نصاب سے اچھے اور معیاری افراد تیار ہونے کی توقع کی جاسکتی ہے اس حوالے سے دینی اور عصری مدارس کے نصاب ہائے تعلیم کا ہمیشہ اصلاحی وتنقیدی جائزہ لیتے رہنا ضروری ہے، ارباب مدارس نے اس ضرورت کا کم وبیش لحاظ رکھا ہے تاہم مزید اصلاحات کی گنجائش ہے۔

2 ......نصاب تعلیم کی تعیین یا اس میں تبدیلی کا مدار ان اہداف ومقاصد پر ہے جو ہم تعلیم سے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر ہم نظریہ پاکستان کے مطابق اسلام کے عادلانہ سماجی ومعاشی نظام کا نفاذ اور پاکیزہ روحانی زندگی چاہتے ہیں تو اس کے لیے ضروری ہے کہ ہمارے نصاب تعلیم کے اصل مأخذ قرآن وسنت اور فقہ اسلامی ہوں۔ شریعت اسلامیہ میں جدید علوم کی تحصیل سائنس اور سماجی علوم کے مطالعہ پر کوئی قدغن نہیں، تاہم نصاب کی تعیین گہرے غور وفکر اور اہل علم وفضل کی اجتماعی شورائیت کے بعد کی جانی چاہیے۔ مقاصد، اہداف اور ضروریات کی تعیین کے بعد نہ یہ ضروری ہے کہ ماضی کی تمام کتابیں رکھی جائیں اور نہ یہ ضروری ہے کہ سب کو بلا وجہ خارج کر دیا جائے، ہاں! یہ ملحوظ رہے کہ اسلاف امت، تحقیق، مطالعہ، تعمق وتبحر اور وسعت نظر میں ہم سے بہت بلند تھے اس لیے دورِ حاضر کے مصنفین کے مقابلہ میں ان کی تالیفات قابل ترجیح ہیں۔

3 ......مدارس دینیہ کا نصاب تعلیم جامد اور غیر متبدل نہیں، حالات کے مطابق اس میں تبدیلیاں ہوتی رہیں، ان کا سلسلہ اب بھی جاری ہے لیکن ارباب مدارس نے یہ تبدیلیاں کسی خارجی محرک یا دباؤ کے باعث نہیں کیں بلکہ خالصتاً اپنے اہداف ومقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے کیں اور آئندہ بھی ان سے یہی توقع رکھنی چاہیے۔

4 ...... دینی مدارس میں تفسیر و حدیث، فقہ و اصول فقہ اور عربی ادب کے مضامین اہمیت سے پڑھائے جاتے ہیں، اس سلسلہ میں بہتری کے لیے اجمالی تجاویز درج ذیل ہیں:

(الف)...... قرآن مجید اصل الاصول اور امت مسلمہ کا دستور العمل ہے، قرآن فہمی کا ذوق پیدا کرنے کے لیے اس کے ترجمہ و تفسیر پر خاص توجہ کی ضرورت ہے۔ تفسیر جلالین اور بیضاوی شریف کی صرف زیارت کافی نہیں، طلبہ میں قرآن کریم کی سیرت سازی اور داعیانہ پہلو کو اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔

(ب)...... حدیث شریف کی تعلیم میں محض روایتِ حدیث اور بیان مذاہب کافی نہیں، بلکہ طلبہ میں ایسی صلاحیت کا پیدا کرنا ضروری ہے جس کے ذریعہ سے وہ حدیث شریف میں مذکورہ ہدایات و تعلیمات کا انطباق عصر حاضر کی ضروریات پر کر سکیں، اس کے لیے سیرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سیرت خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا مطالعہ ضروری ہے۔

(ج)...... دینی مدارس میں فقہ یا اسلامی قانون بڑی اہمیت سے پڑھایا جاتا ہے، مگر یہ حقیقت ہے کہ حالات اور زمان و مکان کے ظروف بدل جانے سے بہت سے مسائل ایسے پیدا ہو گئے جن کا واضح حل فقہ کی قدیم کتب میں موجود نہیں، اس کے لیے طلبہ کو ائمہ مجتہدین کے طریق استنباط کے علاوہ عصری مسائل کے حل کے لیے قرآن و سنت سے رہنمائی کا طریقہ سکھانے کی ضرورت ہے۔

(د)...... عربی ادب اور اس کے متعلقہ فنون مثلاً نحو و صرف اور علم بلاغت وغیرہ مدارس میں اہمیت کے ساتھ پڑھائے جاتے ہیں مگر انہیں پڑھ کر طلبہ میں تحریر یا تقریر کی وہ صلاحیتیں پیدا نہیں ہوتی جو قارئین یا سامعین کو عقلی و منطقی طور پر مطمئن کر سکیں۔ اس سلسلہ میں عربی کے قدیم اثاثے سے استفادہ کے علاوہ اردو زبان و ادب کے صاف ستھرے لٹریچر کا مطالعہ ضروری ہے جو اساتذہ کرام کی نگرانی میں کرایا جائے۔ نیز فضلائے مدارس کو انگریزی پر کم از کم دسترس ضرور ہونی چاہیے کہ وہ عام انگریزی میں لکھی ہوئی کتاب بآسانی پڑھ سکیں اور اسے سمجھ کر اپنی زبان میں مطلب بیان کر سکیں۔

(ہ)...... جدید سائنسی علوم خاص طور پر حیاتیات (بیالوجی)، طبعیات (فزکس)، کیمیا (کیمسٹری) اور فلکیات کے بارے میں دینی مدارس کے طلبہ کا مطالعہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ مدارس دینیہ کے طلبہ کا ان سے بقدر ضرورت باخبر ہونا ضروری ہے۔ اس سے ایمان میں پختگی اور کائنات پر غور و فکر اور جستجو کی صلاحیتیں ابھرتی ہیں۔

• • •

جامعہ خیر المدارس کی دینی اور عالمی خدمات

(ربیع الاول ۱۴۲۶ھ)

الحمدللہ! وطن عزیز میں اس وقت قرآن وحدیث کی تعلیم کے بے شمار مراکز قائم ہیں جن سے کتاب وسنت کے ماہر اصحاب علم وفضل اور علوم شرعیہ اسلامیہ میں کامل دسترس رکھنے والے سینکڑوں فضلاء ہر سال فارغ التحصیل ہوتے ہیں۔ ان مدارس کا مقصدِ اولین تحفظِ دین ہے اور یہ دین کے تحفظ کی ایک تحریک ہے جو تقریباً ڈیڑھ صدی سے جاری ہے، جب متحدہ ہندوستان میں تعلیمی کمیٹی کے صدر لارڈ میکالے نے مارچ ۱۸۳۵ء کو اپنے خطبہ صدارت میں یہ کہا:

”ہمیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہیے جو ہم میں اور ہماری کروڑوں رعایا کے درمیان نہ صرف مترجم ہو بلکہ ایک ایسی جماعت ہو جو خون اور رنگ کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہو مگر مذاق ورائے اور الفاظ اور سمجھ کے اعتبار سے انگریز ہو۔“

تو چند روشن ضمیر اصحاب بصیرت نے ان الفاظ میں پنہاں اسلام دشمنی اور استیصاب دین کے ناپاک عزم کو محسوس کر لیا کہ انگریز سلطنت چھیننے کے بعد اب سب سے بڑا کاری حملہ اسلامی نظامِ تعلیم پر کرنا چاہتا ہے تا کہ قرآن وسنت اور علوم اسلامیہ پر مشتمل نصاب تعلیم سے جو اخلاق فاضلہ، اولوالعزمی، بلند کرداری اور اخلاقی تعمیر ہوتی ہے اور اس سے حسن سیرت، ذہانت وعمل، ایثار وخدمت، دینی اخوت، مذہبی لگاؤ، جذبہ واستقامت، حبِ دین اور علمی ترقی کے جو چشمے پھوٹتے ہیں انہیں خشک کیا جائے وگرنہ ایک وقت میں یہی چشمے سیلاب کی شکل اختیار کر کے سلطنت برطانیہ کو غرق کر دیں گے۔ اس کے بعد جو نصاب تعلیم سامنے آیا اس میں بلی اور کتے کی کہانیاں اور تصویریں تو تھیں لیکن خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، طارق بن زیاد رحمہ اللہ، صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ، سلطان التمش رحمہ اللہ، سلطان فیروز تغلق رحمہ اللہ، سلطان سکندر لودھی رحمہ اللہ، سلطان اورنگزیب عالمگیر رحمہ اللہ اور سلطان ٹیپو شہید رحمہ اللہ جیسے قابل فخر فرزندانِ اسلام کے تصور اور

خا کے معصوم ذہنوں سے مٹا دیئے گئے۔

انگریز نے صرف نظام تعلیم ہی نہیں بدلا بلکہ مسلمانوں پر ملازمت کے دروازے بند کر کے عیسائیت قبول کرنے والوں پر سرکاری ملازمت کے دروازے کھول دیئے۔ عیسائی پادریوں کو ان کے مذہب کی اشاعت و تبلیغ کے لیے ہمہ قسم کی مراعات دیں۔ ملک کے معززین اور سرکاری ملازمین کو عیسائیت کی دعوت دینے کے لیے باقاعدہ سرکلر جاری کیے گئے اور اس تبلیغ کو زیادہ موثر اور کامیاب بنانے کے لیے ایک قانون بنایا گیا کہ عیسائیت اختیار کرنے والا وراثت سے محروم نہ ہو گا جب کہ شرعاً ''مرتد'' اس کا حق دار نہیں، غلبۂ کفر کے لیے ان مذموم مساعی کا اگر کوئی خاطر خواہ اور موثر مقابلہ نہ کیا جاتا تو عیسائیت کے اس بڑھتے سیلاب میں ہر مسلمان کا ایمان بہہ جاتا۔

اس نازک موقع پر علمائے ربانی عامۃ المسلمین کے ایمان کو بچانے کے لیے میدان عمل میں آئے اور انہوں نے دار و رسن کی پرواہ کیے بغیر تبلیغِ دین اور اشاعتِ اسلام کا بیڑا اٹھایا، ملک تو ہاتھ سے نکل چکا تھا دین بھی جا رہا تھا اگر یہ حضرات حق کی حمایت، ملت اسلامیہ کی سربلندی اور شریعت مطہرہ کے تحفظ کے لیے سربکف میدان میں نہ آتے۔ انہوں نے اپنی جان و مال، عزت و آبرو اور وجاہت و راحت کی پروانہ کرتے ہوئے پادریوں سے مناظرے کیے اور انہیں شکست فاش دے کر مسلمانوں کو بے دین ہونے سے بچایا۔ اس سلسلے میں فاتح عیسائیت حضرت مولانا علامہ رحمت اللہ کیرانوی رحمہ اللہ اور حضرت علامہ سید حسین احمد مدنی آل حسن رحمہ اللہ، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ کے پادریوں کے ساتھ مناظرے معروف و محفوظ ہیں۔ جس مسلمان کے دل میں متاعِ ایمان کی کچھ قدر و قیمت ہے وہ علمائے کرام کے اس احسان کو فراموش نہیں کر سکتا۔

تاہم مدافعتِ دین کا یہ انتظام عارضی تھا اس کو مستقل شکل دینے کے لیے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے اپنے معاصر علماء اور اصحاب بصیرت کے مشورہ سے ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء کو انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں چھتہ کی تاریخی مسجد کے کھلے صحن میں ''دارالعلوم دیوبند'' کی بنیاد رکھی اور یوں تو کلاً علی اللہ تعلیم و تبلیغ دین کا نبوی نظام پھر سے قائم کر دیا۔ یہ درس گاہ اگرچہ ظاہری اسباب و وسائل سے محروم تھی، لیکن اس کی بنیاد کچھ ایسے خلوص وللّٰہیت پر قائم تھی کہ دیکھتے ہی دیکھتے زمین کے فرش اور آسمان کی چھت والا یہ مدرسہ آسمان شہرت کی بلندیوں کو چھونے لگا اور اس سے فارغ التحصیل ہونے والے حضرات مہر و ماہ کی طرح چمکنے لگے، انہی میں

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تھے۔ جامعہ خیر المدارس بھی دار العلوم دیو بند کی نظر فیض کا ثمر ہے جس کا سنگ بنیاد دار العلوم کے مایہ ناز فرزند حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے ایماء اور مشورہ پر رکھا گیا اور اسے انہی کا تجویز فرمودہ نام دیا گیا۔

اہم اغراض ومقاصد......

①......مسلمانوں میں علوم دینیہ یعنی قرآن وحدیث، عقائد اہل سنت والجماعت، فقہ حنفی اور متعلقہ علوم کی ترویج اشاعت کرنا۔

②......قرآن، حدیث، عقائد، فقہ کی ایسی مکمل اور محققانہ تعلیم کا انتظام، جس میں ضروریات دین اور عصری تقاضوں کا خاطر خواہ لحاظ ہو اور جس سے تحقیقی بصیرت رکھنے والے شریعت کے ماہرین پیدا ہو سکیں۔

③......علوم دینیہ کی عمومی تکمیل کے ساتھ ساتھ خصوصی شعبوں میں ایسے متخصصین تیار کرنا جو علوم دین کے اہم شعبوں میں مہارت تامہ حاصل کر کے کسی خاص گوشہ میں امتیازی خدمات مثلاً قضاء، افتاء، تبلیغ ومناظرہ، تحریر وتقریر اور تصنیف کا کام انجام دینے کے اہل بن سکیں۔

شعبہ ہائے خیر المدارس......شعبۂ درس نظامی، شعبۂ حفظ تجوید اور قرات، شعبۂ دار الافتاء، کتب خانہ، شعبۂ تعلیم النساء، درجہ حفظ قرآن پاک، اردو، دینیات، ناظرہ، درجہ عربی، فارسی، نشرو اشاعت، شعبۂ تصنیف وتالیف۔

دینی خدمات عالمی سطح پر......جامعہ خیر المدارس نے اپنے بانی کی جدوجہد، اخلاص، حسن تدبیر اور حسن سلیقہ کی بدولت پاکستان ہی نہیں عالمی سطح پر بھی معروف مقام حاصل کیا ہے۔ اس وقت بیرونی ممالک، ایران، افغانستان، برما، بنگلہ دیش، سری لنکا اور بھارت وغیرہ سے تشنگانِ علوم اپنی پیاس بجھانے کے لیے یہاں آتے ہیں اور پھر اپنے ممالک اور دیگر اسلامی ممالک کو اس چشمۂ صافی کے علوم وفنون سے سیراب کرتے ہیں۔ اس وقت بھی برما، ہندوستان، بنگلہ دیش اور برطانیہ کے علاوہ حرمین شریفین میں جامعہ کے فضلاء اور قراء خدمت دین انجام دے رہے ہیں۔

سیاسی خدمات......بانیٔ جامعہ حضرت مولانا خیر محمد قدس سرہ اگرچہ جامعہ میں کسی قسم کی سیاسی تحریکات کو پسند نہ فرماتے تھے، لیکن حدود کی رعایت کے ساتھ ساتھ اس کام کو بھی دین کی خدمت تصور فرماتے تھے اور اگر کوئی شخص دونوں کی رعایت نہ کر سکتا ہو تو اس کے لیے سیاست کو شجرہ ممنوعہ گردانتے تھے۔ خود آپ رحمہ اللہ نے بھی ضرورت کے وقت عملی سیاست میں حصہ لے کر گراں

قدر خدمات انجام دیں۔ حضرت والا رحمہ اللہ کی سیاسی خدمات کے بارے میں منشی عبدالرحمٰن خاں رقم طراز ہیں:

''۱۹۲۴ء سے ۱۹۳۶ء تک کا زمانہ مسلمانوں کے سخت ذہنی خلفشار کا دور تھا، مسلمانوں کی نہ تو کوئی منظم سیاسی جماعت تھی جسے مسلمانوں کی غالب اکثریت کا پورا اعتماد حاصل ہو اور نہ کوئی واضح اور معین سیاسی نصب العین سامنے تھا۔ دوسری طرف گاندھی جی سوراج وغیرہ جیسے مبہم الفاظ میں مطالبات مرتب کر کے مکمل آزادی کے مطالبہ کی تجویز کو ناکام کرا دینا چاہتے تھے۔ ہندوؤں کا مقصد انگریزوں کو مستقبل قریب سے نکالنا نہیں تھا بلکہ ان کو سنگینوں کے سائے میں مسلمانوں کو بے اثر اور مضمحل کر کے ان کے قومی وجود کو فنا کرنا تھا۔ اسی اثنا میں محمد علی جناح نے واپس ہندوستان آ کر مسلم لیگ کی تنظیم نو کا آغاز کر دیا تھا۔ اس زمانہ میں جب کہ جمعیت علمائے ہند مسلم لیگ کی ہمنوا نہ تھی، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اور مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے اس رائے سے اختلاف کیا، اس طرح علمائے دیوبند میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ اور ان کے معتقدین ومتوسلین جو ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں لاکھوں کی تعداد میں پھیلے ہوئے تھے کانگریس کی پالیسی کے علی الاعلان مخالف اور مسلم لیگ کے مؤید ہو گئے۔

۱۹۴۰ء میں جب مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے مسلمانوں کی ایک علیحدہ حکومت کا تصور ایک باضابطہ قرارداد کی شکل میں سامنے آیا تو مسلمانوں نے محسوس کیا کہ ان کی ساری آرزوئیں اور تمنائیں اس قرارداد میں سمٹ کر آ گئی ہیں، چنانچہ اکتوبر ۱۹۴۵ء کو کلکتہ میں جمعیت علمائے اسلام قائم ہوئی۔ ۲۶، ۲۷، اکتوبر ۱۹۴۵ء کو محمد علی پارک کلکتہ میں علماء کانفرنس منعقد ہوئی جس میں برصغیر کے مختلف صوبوں سے پانچ سو سے زائد علماء اور مشائخ نے شرکت کی۔ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نے ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت میں بھی اہم خدمات سرانجام دیں۔ دنیا میں ہزاروں ایسی شخصیات پیدا ہوئیں جنہوں نے دین کی روشنی پھیلا کر انسانیت کو چار چاند لگائے اور آنے والی نسلوں کے لیے ایسے زریں نقوش چھوڑ گئے جن کی روشنی میں جادۂ مستقیم نظر آتا ہے جو خیر کا مبلغ ہوتے ہیں، جن کی زندگیاں اصلاح اخلاق

اور وقف انسانیت ہوتی ہیں اور جو اپنی سیرت کی روشنی میں طالبان حق کو درس عمل دیتے ہیں۔مولانا خیر محمد رحمہ اللہ کا شمار بھی ایسے نفوس قدسیہ میں ہوتا تھا جن کی تعلیمات کو آج بھی جامعہ خیر المدارس پھیلا رہا ہے اور جو ان کا ایک صدقہ جاریہ ہے۔اللہ تعالیٰ اس ادارے کو مزید ترقیاں عطا فرمائے۔''

• • •

دینی مدارس کی رجسٹریشن اور اسناد

(شعبان ۱۴۲۶ھ)

رجسٹریشن اور اسناد کے حوالے سے تازہ ترین صورت حال پر چند گزارشات پیش کرنا چاہتا ہوں تاکہ پاکستان کے تمام مکاتب فکر کے دینی مدارس و جامعات کی تنظیمات اور وفاقوں پر مشتمل ''اتحاد تنظیمات مدارس پاکستان'' کا موقف اور پالیسی عوام کے سامنے آ سکے۔ جہاں تک رجسٹریشن کا تعلق ہے، دینی مدارس کو اس سے کبھی انکار نہیں رہا اور اس وقت بھی ہزاروں مدارس ۱۸۶۰ء کے سوسائٹی ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہیں، جن میں سے بعض مدارس کی رجسٹریشن کی مدت نصف صدی سے بھی متجاوز ہے، جب کہ گزشتہ ۱۱ برس یعنی ۱۹۹۴ء سے حکومت نے نئے مدارس کی رجسٹریشن پر پابندی لگا رکھی تھی، جس کی وجہ سے مدارس کی رجسٹریشن کا کام ایک عرصے سے معطل تھا۔ اس کی وجہ دینی مدارس کی طرف سے رجسٹریشن سے انکار نہیں بلکہ حکومت کی عائد کردہ پابندی تھی، جس کے باعث ہزاروں دینی مدارس کی رجسٹریشن اور تجدید کی درخواستیں سوسائٹی ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ کرنے والے دفاتر میں فیصلوں کے انتظار میں سرخ فیتے کا شکار چلی آ رہی تھیں۔

اس دوران حکومت نے متعدد بار اس بات کی کوشش کی کہ سرکاری طور پر کوئی ''بورڈ'' قائم کر کے دینی مدارس کو اس کے ساتھ الحاق پر آمادہ کیا جائے اور اس کے لیے مسلسل دباؤ کی پالیسی اختیار کی گئی مگر دینی مدارس کے تمام وفاقوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ان کا یہ مطالبہ رہا کہ کسی بورڈ کے ساتھ الحاق پر مجبور کرنے کی بجائے حکومت ۱۸۶۰ء کے سوسائٹی ایکٹ کے تحت دینی مدارس کی رجسٹریشن پر عائد کی جانے والی پابندی اٹھانے کا اعلان کرے اور اس کے تحت مدارس کی رجسٹریشن کا کام مکمل کیا جائے۔

اس سلسلے میں دینی مدارس کے وفاقوں کی طرف سے یہ پیش کش بھی کی گئی کہ اگر حکومت

سوسائٹی ایکٹ میں کوئی ضروری ترمیم کرنا چاہتی ہے تو ''اتحاد تنظیمات مدارس پاکستان'' کی قیادت کو اعتماد میں لے کر ترمیم بھی کی جا سکتی ہے، مگر بات صرف رجسٹریشن اور ڈاکومینٹیشن (Documintaion) کی حد تک ہو، کیونکہ دینی مدارس کی آزادی اور خود مختاری کے خلاف کوئی بات قبول نہیں کی جا سکتی۔ اس پر حکومت کے ساتھ مسلسل مذاکرات جاری رہے جو بحمد اللہ تعالیٰ! گزشتہ دنوں اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ دینی مدارس کی رجسٹریشن حسب سابق سوسائٹی ایکٹ کے تحت ہوگی، البتہ اس میں ایک نئی شق یعنی سیکشن نمبر ۲۱ کے تحت مندرجہ ذیل امور کا اضافہ کر دیا گیا ہے:

① ...... ہر دینی مدرسہ کے لیے رجسٹریشن کو لازمی کر دیا ہے۔

② ...... مذہبی تعلیم کے لیے قائم کیے جانے والے ہر ادارے کو خواہ وہ کسی بھی نام سے ہو، دینی مدرسہ قرار دے دیا گیا ہے۔

③ ...... دینی مدارس کے لیے لازم کر دیا گیا ہے کہ وہ اپنی سالانہ رپورٹ اور آڈٹ شدہ حسابات کی کاپی رجسٹریشن آفس میں جمع کرائیں۔

④ ...... مدارس میں فرقہ وارانہ مذہبی منافرت پر مبنی تعلیم نہیں دی جائے گی۔

اس سلسلے میں گزارش ہے کہ جہاں تک رجسٹریشن کو لازمی کرنے کا تعلق ہے، یہ بات خود دینی مدارس کے مفاد میں ہے اور ہمارا ایک عرصہ سے مطالبہ چلا آ رہا ہے کہ مدارس کی رجسٹریشن پر پابندی ختم کی جائے، اس لیے ہم اسے اپنے ایک اہم مطالبے کی تکمیل سمجھتے ہوئے اس کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ مدارس کی کارکردگی اور حسابات کے بارے میں عرض ہے کہ مدارس کی ایک بڑی تعداد اپنی سالانہ رپورٹ شائع کرتی ہے اور اپنے حسابات باقاعدہ آڈٹ کراتی ہے، اس لیے ہمیں اس کی کاپی رجسٹریشن آفس کو فراہم کرنے میں بھی کوئی اشکال نہیں ہے اور اس شق کا اضافہ ہمارے مشورہ کے ساتھ ہمیں اعتماد میں لے کر کیا گیا ہے۔

تاہم فرقہ وارانہ منافرت پر مبنی تعلیم کے حوالے سے یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ مدارس دینیہ میں فرقہ وارانہ اور مذہبی منافرت کی تعلیم نہ پہلے کبھی تھی نہ اب ہے اور نہ آئندہ ہوگی۔ تاہم مختلف مذاہب اور فرقوں کے درمیان علمی بحث ومباحثہ اور مسائل واحکام کی تعیین وتشریح میں دلائل کے ساتھ علمی اختلاف کو اس کا مصداق قرار دینے سے علمی تحقیق کا راستہ رک جائے گا اور یہ پابندی فرقہ واریت پر نہیں بلکہ علم وتحقیق پر سمجھی جائے گی۔ اس لیے اس شق کے ساتھ یہ وضاحت انتہائی

ضروری ہے کہ اس کا اطلاق صرف ایک دوسرے کے خلاف نفرت پھیلانے اور امن عامہ کو خراب کرنے والے سرگرمیوں پر ہوگا اور علمی و تحقیقی سرگرمیاں اس سے مستثنیٰ ہوں گی۔

اس کے ساتھ ہی ہم نے حکومت سے یہ مطالبہ بھی کیا تھا کہ جب سوسائٹی ایکٹ کے تحت دینی مدارس کی رجسٹریشن کا اصول تسلیم کرلیا گیا ہے اور رجسٹریشن پر پابندی ہٹائی جارہی ہے تو جو مدارس اس سے قبل رجسٹرڈ چلے آرہے ہیں ان کی سابقہ رجسٹریشن کو بحال رکھا جائے، کیوں کہ یہ مدارس ''سوسائٹی ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ'' ہیں۔ اگر رجسٹریشن کا کوئی نیا قانون بنتا تو انہیں جدید رجسٹریشن کی ضرورت تھی، البتہ نئے قواعد کا ان پر اطلاق کردیا جائے۔ حکومت نے اس مطالبہ کو تسلیم کرتے ہوئے فیصلہ کیا ہے کہ ''رجسٹرڈ'' مدارس کو ''رجسٹرڈ'' ہی تصور کیا جائے گا۔ نیز حکومت سے ہمارا مطالبہ ہے کہ متعلقہ افسران اور دفاتر کو ہدایت کی جائے کہ وہ مدارس کی رجسٹریشن کے لیے مدارس کے ساتھ تعاون اور ہمدردی کا طرزِ عمل اختیار کریں اور روایتی طریق کار کی بجائے ''ون ونڈ آپریشن'' (One Wind Operation) کے ذریعے جلد سے جلد اس کام کو نمٹائیں اور متعلقہ دفتر درخواست موصول ہونے کے بعد، ایک ہفتہ کے اندر اندر مدارس کو رجسٹریشن سرٹیفکیٹ (Certificate) جاری کرے۔ چنانچہ حکومت نے وفاقی وزارت مذہبی امور اسلام آباد اور محکمہ اوقاف کے چاروں صوبائی دفاتر میں رجسٹریشن سَیل قائم کردیئے ہیں جو رجسٹریشن میں دینی مدارس سے تعاون کریں گے اور ہمارے مطالبے پر ''رجسٹریشن'' کی نگرانی وفاقی وزارت مذہبی امور کرے گی۔

باقی رہی بات دینی مدارس کی اسناد کی تو سپریم کورٹ کے تازہ ترین فیصلہ سے اس سلسلے میں جو الجھاؤ پیدا ہوا ہے، ہم اس کا سنجیدگی سے جائزہ لے رہے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ گزشتہ الیکشن میں چیف الیکشن کمشنر نے یونیورسٹی گرانٹس کمیشن سے رابطہ کرنے اور ان سے استفسار کے بعد جو فیصلہ کیا تھا، اس کے بعد اسے دوبارہ ''ری اوپن'' (Re-Open) کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ بالخصوص اس صورت حال میں کہ دینی مدارس نے انگلش، مطالعہ پاکستان اور اردو کے مضامین کو میٹرک تک اپنے نصاب میں شامل کرلیا ہے اور دینی مدارس کے جن طلباء نے اس سے قبل ان مضامین کا امتحان نہیں دیا، وہ بھی صلاحیت و استعداد اور معیار کے حوالے سے اس کمی کو بہت حد تک پورا کرتے ہیں۔

ہمارا خیال ہے کہ اگر سپریم کورٹ دینی مدارس میں پڑھائے جانے والے نصاب کا گہرائی

سے جائزہ لے تو اسے اس کمی کی شکایت نہیں رہے گی۔ چنانچہ ہم تفصیلی فیصلے کا انتظار کر رہے ہیں اور فیصلے پر نظرثانی کے لیے سپریم کورٹ میں جانے کا حق محفوظ رکھتے ہیں اور اس مقصد کے لیے قانونی ماہرین سے صلاح مشورہ جاری ہے، البتہ اس سلسلے میں سپریم کورٹ سے اتنی گزارش ضرور ہے کہ الیکشن سے صرف ایک دن قبل سنائے جانے والے اس فیصلے سے جو لوگ متاثر ہوئے ہیں، انہیں فوری ریلیف دینے کی کوئی صورت نکالی جائے تاکہ وہ الیکشن لڑ سکیں، بعد میں اپیل کے فیصلے پر جو صورتحال بھی ہوگی اس کا ان پر بھی اطلاق ہو جائے گا۔ نیز واضح رہے کہ سپریم کورٹ آف پاکستان کے فیصلے سے فوری طور پر وہی افراد متاثر ہوں گے جو اس رٹ پٹیشن میں فریق تھے، قانونی طور پر باقی امیدوار اس الیکشن میں حصہ لے سکتے ہیں۔

• • •

غیر ملکی طلبہ کے اخراج کا فیصلہ

موجودہ ملکی وغیر ملکی حالات کے تناظر اور دینی مدارس کے خلاف ہونے والے پروپیگنڈے سے متاثر ہوکر سرکاری حلقوں کی طرف سے جو غیر دانشمندانہ فیصلے سامنے آئے ہیں، ان میں سے ایک فیصلہ غیر ملکی طلبہ کی ملک بدری کا ہے کہ وہ طلبہ جو پاکستانی شہر کے حامل نہیں بلکہ پاکستان میں ان کا قیام صرف اور صرف دینی تعلیم کی تحصیل کی غرض سے ہے، انہیں واپس بھیج دیا جائے اور پاکستان کے دینی مدارس آئندہ کسی بھی غیر ملکی طالب علم کو داخلہ نہ دیں۔

یقیناً اس دور میں جب کہ پوری دنیا میں یہ بات ایک مسلّم اصول بن چکی ہے کہ ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ "وہ مکمل زندگی آزادی اور خود مختاری سے گزارے اور کسی بھی شخص کو خواہ وہ کتنا ہی بالاتر و با اختیار ہو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ کسی کے معاشی، معاشرتی، تہذیبی، تعلیمی یا مذہبی حق کو غصب کرے" ہماری حکومت کا یہ فیصلہ کوئی دانشمندانہ اور قابل ستائش فیصلہ نہیں، اگر ضد و عناد کی عینک اتار کر سنجیدگی سے اس فیصلے کے مضمرات اور نتائج کی طرف نظر کی جائے تو اس فیصلے کی حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو کر سامنے آجاتی ہے اور عقلِ سلیم رکھنے والے کسی بھی فرد کے لیے اس فیصلے کی اچھائی و برائی جاننا کوئی مشکل نہیں رہتا۔ سرکاری حلقوں اور ارباب مدارس کے درمیان اس معاملہ پر ہونے والی گفتگو ابھی تک کسی فیصلہ کن مرحلے میں داخل نہیں ہوئی جس کی بنیادی وجہ ارباب اقتدار کی طرف سے ہونے والی ٹال مٹول اور حیلے بہانے ہیں، حالانکہ فریقین کے باہمی تعاون کے بعد اس مسئلے کا حل ہونا کوئی مشکل نہیں۔

آئندہ سطور میں ہم اس فیصلے کی قانونی، اخلاقی اور شرعی حیثیت اور اس پر مرتب ہونے والے عواقب و نتائج، بین الاقوامی برادری میں پاکستان کے بارے میں پیدا ہونے والا تاثر اور حریف ملک بھارت کو حاصل ہونے والے فوائد و ثمرات کا مختصر ذکر کریں گے۔

جہاں تک اس فیصلے کے قانونی پہلو کا حوالہ ہے تو قانونی رو سے قطعاً یہ اجازت نہیں دی

جاسکتی کہ کسی شخص کو صرف پروپیگنڈے یا کسی طاقت کو خوش کرنے کی وجہ سے اس کے بنیادی حق یعنی تعلیم سے محروم کر دیا جائے اور ایسے اقدامات کیے جائیں جن سے اس کے لیے تعلیم حاصل کرنے کے راستے مسدود ہو جائیں اور وہ چاہتے ہوئے بھی اپنے آپ کو زیور تعلیم سے آراستہ نہ کر سکے۔ حالانکہ اس وقت بین الاقوامی مسائل میں سے ایک مسئلہ ''ناخواندگی'' بھی ہے اور اس سے نمٹنے کے لیے پوری دنیا میں زبردست اقدامات کیے جارہے ہیں، لوگوں کو تعلیم کی طرف متوجہ کرنے اور بچوں کو پڑھانے کے سلسلے میں مختلف پروگرام تشکیل دیئے جارہے ہیں، حکومتیں مفت تعلیم کے پروگرام چلا رہی ہیں اور گھر گھر جا کر والدین کو اس بات پر راضی کیا جارہا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو بجائے کام کاج میں لگانے کے اسکولوں میں بھیجیں، اس کے لیے مختلف ترغیبات دی جارہی ہیں اور پوری دنیا کی جامعات اور یونیورسٹیاں طلبہ کو باقاعدہ وظائف اور دیگر سہولیات دے کر پڑھا رہی ہیں۔ ہر ملک کی یونیورسٹیاں دوسرے ممالک کے لیے نشستیں مخصوص کرتی ہیں اور ان ممالک کے طلبہ کو دعوت دیتی ہیں کہ وہ ان کے یہاں آ کر مختلف شعبوں میں تعلیم حاصل کریں۔ ایسے میں ہماری حکومت کا یہ فیصلہ کہ ''غیر ملکی طلبہ کو ملک بدر کیا جائے'' ایک ایسا فیصلہ ہے جس کی اجازت کوئی ضابطۂ اخلاق اور قانون نہیں دیتا، چاہے وہ قانون پاکستانی ہو یا کوئی اور، ملکی سطح کا قانون ہو یا بین الاقوامی سطح کا۔ شرعی نقطۂ نظر سے بھی یہ فیصلہ بے جا اور غیر ذمہ دارانہ ہے۔ شریعت اسلامی کہ جس کی وحی کی ابتداء ہی ''پڑھ! اپنے رب کے نام سے'' ہوتی ہے کیسے کسی کو یہ اختیار دے سکتی ہے کہ وہ کسی کو زیورِ تعلیم سے محروم کرے، یہ ملک اسلام کے نام پر بنا اور اس کا نام ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' ہے، دینی علوم کے حصول کے لیے آنے والے طلبہ کو ملک بدر کرنا، وطن عزیز کی نظریاتی اساس کے بالکل خلاف ہے۔

پاکستان کے لیے یہ بات ایک اعزاز کی حیثیت رکھتی ہے کہ پوری دنیا کے مختلف خطوں سے لوگ دین کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے یہاں آتے ہیں، اسلامی علوم میں پاکستان پوری دنیا میں ایک مرکزی اور ممتاز حیثیت رکھتا ہے، اسی بناء پر دنیا بھر کے طلبہ اسلامی تعلیم کے حصول کے لیے یہاں کا رُخ کرتے ہیں اس کے برعکس اگر پاکستان میں کسی فرد کو دنیاوی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنی ہو تو وہ اس کی اعلیٰ تعلیم کے لیے باہر کے ممالک کا رخ کرتا ہے، اب تعلیم یا تو دینی ہے یا دنیاوی اگر پاکستان میں دنیاوی تعلیم کا ایسا انتظام نہیں کہ اُسی کے باشندے باہر نہ جا سکیں تو کم از کم پاکستان کو یہ اعزاز تو حاصل ہے کہ دین کی اعلیٰ تعلیم کے لیے دیگر ممالک سے لوگ ہمارے

پاس آتے ہیں اس شعبے میں ہم لینے کی بجائے دے رہے ہیں، درآمد کرنے کے بجائے برآمد کر رہے ہیں۔ یقیناً یہ ایک ایسا اعزاز ہے کہ جس پر بجا طور پر فخر کیا جاسکتا ہے، مگر افسوس صد افسوس! آج ہم اس قابل قدر فخر، رتبے اور مقام سے دستبردار ہو رہے ہیں۔

اگر خود ملکی مفاد کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ یہاں سے پڑھ کر جانے والے غیر ملکی طلبہ دراصل وہاں پر پاکستان کے غیر رسمی مخلص سفیر کا کردار ادا کرتے ہیں جو اپنے اپنے ممالک میں جا کر پاکستان کے مفادات کی حفاظت کرتے ہیں اور اپنے معاشرے میں پاکستان کو بحیثیت ایک انسان دوست اور صلح جو ملک کے طور پر متعارف کرواتے ہیں، ان کی خدمات دیکھ کر وہاں کے لوگوں کے دلوں میں پاکستان کی محبت اور اس کی عزت مزید بڑھ جاتی ہے، وہاں کے باشندے پاکستان کو بحیثیت ایک محسن کے دیکھنے لگتے ہیں اور وہی مقام واحترام پاکستان کو دیتے ہیں جو ایک محسن کو دیا جاسکتا ہے۔ اس وقت کتنے علماء یورپ، امریکہ، افریقہ اور دنیا کے دیگر خطوں میں پھیلے ہوئے ہیں جن کی مادر علمی پاکستان ہے اور وہ ان علاقوں میں قابل فخر خدمات انجام دے رہے ہیں۔ پاکستان سے تعلیم حاصل کر کے جانے والے کتنے ہی علماء ہیں جو دنیا کے مختلف ممالک بالخصوص مغرب میں اسلامک سینٹرز چلا رہے ہیں، اسلام کے بارے میں پیدا ہونے والی غلط فہمیاں دور کر کے دنیا کو اسلام کی حقیقی تصویر دکھا رہے ہیں، ایک بڑی تعداد ایسے علماء کی بھی ہے جو اخبارات، رسائل، ریڈیو اور دیگر ذرائع ابلاغ کے ذریعے پوری دنیا میں اسلامی تعلیمات کو روشناس کرا رہے ہیں، یقیناً ان کے ان تمام کارناموں کا حقیقی کریڈٹ پاکستان کو جاتا ہے۔ اس لیے صدر پاکستان کا یہ فیصلہ کہ ''غیر ملکی طلبہ کو دینی مدارس سے بے دخل کر دیا جائے'' حالانکہ ان طلبہ کے پاس پاکستان میں رہ کر تعلیم حاصل کرنے کا مکمل قانونی جواز موجود ہے اور وہ باقاعدہ تعلیمی ویزہ کی بنیاد پر یہاں زیر تعلیم ہیں، یہ فیصلہ عقل، قانون، اخلاق اور شریعت کے بالکل منافی ہے۔

بالفرض والمحال اگر ارباب مدارس یہ مطالبہ مان لیں اور غیر ملکی طلبہ کو مدارس سے نکال دیں تو ایک صاحب عقل وشعور کے لیے اسی فیصلے کے مضر اثرات کو جاننا کوئی مشکل نہیں، اول تو یہ کہ تعلیمی اداروں سے ان کا اخراج ہی ایسا اقدام ہے کہ جس کی وجہ سے عالمی برادری میں پاکستان کی ساکھ کو سخت دھچکا لگے گا۔ کیونکہ یہ طلبہ پاکستان اور اپنے ملک کے قوانین وضوابط کے مطابق مکمل قانونی اجازت سے یہاں مقیم ہیں اور ان کے پاس وہ تمام دستاویزات موجود ہیں جو کسی بھی طالب علم کے لیے بیرون ملک تعلیم حاصل کرنے کے لیے ضروری ہوتے ہیں، اس لیے ان طلبہ کا

اخراج یقیناً ایک کھلی قانون شکنی ہے جس سے کسی بھی ملک کا وقار بحال نہیں رہ سکتا۔

نیز وہ مسلم ممالک جہاں سے یہ طلبہ تعلیم کی غرض سے آئے ہیں اور وہاں کے معاشرے میں پاکستان اور پاکستانیوں کے لیے ایک نرم گوشہ اور ہمدردی اور محبت کے جذبات پائے جاتے ہیں یہ بات ان پر غلط اثر ڈالے گی اور جہاں ان معاشروں میں پاکستان کے لیے ایک گونہ سختی وشدت پیدا ہوگی وہاں بین الاقوامی سفارتکاری اور عالمی معاملات میں پاکستان کے ہمدرد عناصر میں یقیناً کمی واقع ہوگی۔ اس کے برخلاف ہمارے حریف اس فیصلے سے خوب فائدہ اٹھائیں گے جن میں سرفہرست بھارت کا نام ہے، جس دن ہمارے سرکاری حلقوں کی طرف سے یہ اعلان ہوا کہ غیر ملکی طلبہ پاکستان چھوڑ دیں اسی دن سے بھارت نے یہ اعلان کر دیا ہے کہ وہ طلبہ جن کے پاکستان میں تعلیم حاصل کرنے پر پابندی لگی ہے ہمارے دروازے ان کے لیے کھلے ہیں اور ہم بارڈر اور ایئرپورٹ پر ہی ان کو ویزے جاری کر دیں گے۔ ان اعلانات کی وجہ سے بین الاقوامی سطح پر دونوں ملکوں کے بارے میں جو تصور پیدا ہوا ہے وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ بھارت باوجود جمہوریت کا گلا گھونٹنے کے جمہوری کہلایا اور ہماری حکومت ایک آمرانہ اور متشدد حکومت کے طور پر منظر عام پر آئی، اس لیے ہم ارباب اقتدار کو خلوص دل سے یہ مشورہ دیتے ہیں کہ وہ اس بارے میں کسی کے بھی دباؤ میں نہ آئیں بلکہ انتہائی ہوشمندی اور سنجیدگی کے ساتھ ارباب مدارس سے مذاکرات کر کے جلد از جلد اپنے اس فیصلہ سے دستبردار ہوکر بالغ نظری کا ثبوت دیں۔

حاصل یہ کہ ہر وہ طالب علم جو باقاعدہ قانونی تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے یہاں زیر تعلیم ہے عقلاً، قانوناً، اخلاقاً اور شرعاً ان کو مدارس سے بے دخل کرنا ٹھیک نہیں، یہ فیصلہ یکسر ملکی مفاد کے خلاف ہے، کیونکہ پاکستان میں دین کی اعلیٰ تعلیم کا بندوبست خود پاکستان کے لیے باعث فخر اور اعزاز کی بات ہے اور ان طلبہ کا پاکستان سے اخراج عالمی اور مسلم برادری میں پاکستان کی سبکی اور اس کے غیر متوازن ہونے کا بین ثبوت ہے، جس کی وجہ سے ہم مختلف معاشی وسیاسی مسائل کا شکار ہوں گے اور ہمارا دیرینہ حریف اس سے بھرپور فائدہ وثمرات حاصل کرے گا۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ارباب حل وعقد اس مسئلہ کی نوعیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کریں گے اور پاکستان میں دینی علوم کے حصول کے لیے رخ کرنے والے غیر ملکی طلبہ کو وہ تمام سہولیات فراہم کریں گے جو اس وقت پڑوسی ملک بھارت فراہم کر رہا ہے۔ (وما علینا الا البلاغ)

• • •

دینی مدارس کے غیر ملکی طلبہ کے لیے ویزا پالیسی

(رجب المرجب ۱۴۲۷ھ)

۳۰ جون کو وفاقی وزیر داخلہ نے حکومتی ویزا پالیسی کا اعلان کیا جس میں بیرون ملک سے دینی تعلیم کے حصول کی غرض سے پاکستان آنے والے طلبہ کے لیے ویزوں کے حصول پر پابندی کو بدستور برقرار رکھا گیا ہے۔ غیر ملکی طلباء کے ویزوں کے مسئلے کے بارے میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ایک وفد نے ۲۵ فروری کو صدرِ مملکت سے ملاقات کر کے انہیں ساری صورت حال سے آگاہ کیا جس کے بارے میں جناب صدر نے اسی وقت متعلقہ حکام کو ہدایت جاری فرمائی تھی کہ فی الوقت پاکستانی مدارس میں جتنے بھی غیر ملکی طلبہ تعلیم حاصل کرنے میں مصروف ہیں وہ اپنے اپنے سفارت خانوں سے این او سی حاصل کر لیں اور اپنے مدارس کی وساطت سے متعلقہ وزارت کو بھیجیں، ان کے ویزوں کی میعاد میں تکمیلِ تعلیم تک توسیع کر دی جائے اور مدارس، تکمیلِ تعلیم کے بعد، حکومت کو ان کے اپنے اپنے ممالک کو واپس جانے سے باخبر بھی کریں گے۔ چنانچہ اس سلسلے میں وزارت مذہبی امور کی طرف سے پاکستانی مدارس میں زیر تعلیم غیر ملکی طلبہ کے این او سی فراہم کرنے کے لیے وفاق المدارس کو ایک فہرست موصول ہوئی ہے جو متعلقہ وزارت کو جلد ہی مہیا کر دی جائے گی اور یوں امید ہے کہ یہ مسئلہ خوش اسلوبی کے ساتھ حل ہو جائے گا۔

ملاقات میں دوسرا مسئلہ یہ بھی زیر بحث آیا تھا کہ حکومت آئندہ حصولِ تعلیم کے لیے پاکستان آنے والے طلبہ کی راہ میں کوئی رکاوٹ کھڑی نہیں کرے گی اور یہ کہ انہیں باقاعدہ ویزوں کا اجراء کیا جائے گا۔ چنانچہ صدر صاحب نے اس سے اتفاق کرتے ہوئے اس بارے میں بھی وفد کو یقین دہانی کرائی تھی اور ہدایات جاری کی تھیں کہ ایوان صدر اور متعلقہ وزارتیں آپس میں اکٹھے ہو کر اس سلسلے میں باقاعدہ طریقۂ کار ایک ماہ کے اندر اندر طے کر لیں، لیکن افسوس کہ وزارت

داخلہ کا حالیہ بیان نہ صرف صدر صاحب کی واضح ہدایت کی صریح خلاف ورزی پر مبنی ہے بلکہ مذکورہ حکومتی پالیسی سے اس کے دوغلے پن اور عدم اخلاص کا مظاہرہ بھی ہورہا ہے۔

غیر ملکی طلبہ کے لیے موجودہ حکومتی ویزا پالیسی اس لیے بھی سمجھ سے بالاتر ہے کہ پوری دنیا میں اس طرح کی سیاہ ترین اور شرمناک مثال کہیں بھی نہیں ملتی کہ جنہوں نے اغیار کی خوشنودی کی خاطر دوسرے ممالک کے طلبہ پر اپنے ملک میں تعلیم کے حصول پر پابندی عائد کی ہو، حتیٰ کہ ۱۱ ستمبر کو امریکا اور پھر ۷ جولائی کو برطانیہ میں ہونے والے بم دھماکوں، جن کو بنیاد بناتے ہوئے مدارس کے خلاف کارروائی کی جارہی ہے، کے نتیجے میں ان ممالک نے بھی ان طلبہ پر اپنے ہاں کوئی پابندی عائد نہیں کی جو ان کی تحقیقات کے مطابق ان حادثات میں ملوث رہے ہیں اور پاکستان میں متعین امریکی سفیر کا یہ بیان تو پاکستانی حکومت کے منہ پر ایک طمانچہ ہے کہ

> ''پاکستانی طلبہ پر امریکا میں تعلیم حاصل کرنے پر کوئی پابندی نہیں، حتیٰ کہ دینی مدارس کے طلبہ بھی وہاں تعلیم حاصل کررہے ہیں۔''

سچ تو یہ ہے کہ زندہ اور آزاد قومیں ایسا کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتیں، چہ جائیکہ اس کو ملکی پالیسی کا حصہ بنایا جائے اور یہ اس لیے کہ تعلیم کے حصول پر کوئی جغرافیائی حدود مانع نہیں ہوا کرتیں، اس پر بلاتفریق سب کا حق مساوی تسلیم کیا جاتا ہے لیکن حکومت پاکستان مدارس کے طلبہ کو یہ حق دینے پر آمادہ نہیں۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ حکومت نے دینی مدارس میں پڑھائی کے لیے آنے والے طلبہ پر تو اپنے ملک کے دروازے بند کردیے ہیں جو کہ ہمیشہ اپنے اپنے ممالک میں جاکر پاکستانی سفارت کاری کا کام مفت سرانجام دیتے ہیں اور بیرون ملک وطن عزیز کے مفادات کا ہر طرح سے خیال رکھتے ہیں لیکن پڑوسی ملک کے تاجروں حتیٰ کہ اداکاروں اور فنکاروں تک کو آمدورفت کی کھلی اجازت دی ہے جو ہمیشہ پاکستان کے اندر مختلف قسم کی سرگرمیوں کی آڑ میں تخریب کاری اور اس کے مفادات کو نقصان پہنچانے والے کاموں میں ملوث رہے ہیں، جس کی سینکڑوں مثالیں ریکارڈ پر ہیں۔ علاوہ ازیں عدل کا تقاضا تو یہ ہے کہ جس طرح عصری تعلیمی اداروں میں بیرونی طلبہ کی تعلیم پر کوئی روک ٹوک نہیں اسی طرح مدارس پر بھی ایسی کوئی پابندی نہیں ہونی چاہیے، تاکہ حکومت کی نیک نامی پر کسی قسم کا شک نہ کیا جائے۔

دوسری جانب طرفہ تماشہ یہ کہ حکومت ایک طرف مدارس کو قومی دھارے میں لانے کی بات کرتی ہے اور دوسری جانب وہاں کے طلبہ کے لیے حصولِ تعلیم کے دروازے بند کیے جارہے

ہیں۔ کیا مدارس کے بارے میں ایسا معاندانہ اور امتیازی سلوک روا رکھنا حکومت کے وقار اور اس کے ''قومی دھارے'' والی پالیسی کے خلاف نہیں؟ اور اس کے دوغلے پن کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے؟ وزیر داخلہ کا کہنا ہے کہ ''اس سے بیرون ملک پاکستان کا امیج بہتر ہوگا'' اگر ان کی مراد بیرون ملک سے صرف غیر اسلامی ممالک ہیں تو پھر تو درست ہے کہ وہ بھی یہی چاہتے ہیں، لیکن اگر ان کی مراد اسلامی ممالک بھی ہے تو پھر یہ دعویٰ کسی طور پر درست نہیں، اس لیے کہ مذکورہ پالیسی کی وجہ سے وطن عزیز برادر اسلامی ممالک سے کٹ کر رہ گیا ہے اور وہاں کی عوام اسے اپنی توہین اور ہتک محسوس کرتے ہیں کہ پاکستان کے اندر ان پر حصولِ تعلیم پر پابندی لگائی گئی ہے۔ یہ صورت حال بالکل اسی طرح ہے جیسا کہ حال ہی میں سعودی حکومت نے چالیس سال سے کم عمر پاکستانی زائرین کو بغیر خاندان کے عمرے کے ویزے فراہم کرنے سے انکار کردیا ہے جس سے پاکستانی عوام کے اندر ان کے خلاف شدید غم وغصے کے جذبات پائے جا رہے ہیں۔

حکومت کی مذکورہ پالیسی سے بین الاقوامی دنیا میں پائے جانے والے اس تاثر کو تقویت ملتی ہے کہ پاکستانی مدارس دہشت گردی کی تعلیم و تربیت میں ملوث ہیں، حالانکہ یہ تاثر بالکل غلط اور غیر حقیقت پسندانہ ہے کیونکہ مدارس خالصتاً تعلیمی ادارے ہیں جن کا مقصد طلبہ کو دینی تعلیمات اور احکامات سے روشناس کروانا ہے، اور کسی قسم کی دہشت گردی سے ان کا دور کا واسطہ اور تعلق نہیں ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ ہم نے بار بار حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ ایسے کسی بھی مدرسے کے بارے میں نشاندہی کرے ہم حکومت سے ہر ممکن تعاون کریں گے اور حکومت کی ان کے خلاف کسی بھی کارروائی کی حمایت کریں گے، لیکن حکومت آج تک ایسا کوئی بھی ثبوت پیش نہیں کرسکی، بلکہ اس کے برعکس مختلف فورموں پر مدارس کے کردار کو نہ صرف تسلیم کیا گیا، بلکہ ان کو خراج تحسین بھی پیش کیا گیا جن میں حکومت خود بھی شامل ہے، لیکن اس سب کے باوجود بھی حکومت دینی مدارس کو ہراساں کرنے اور انہیں مختلف مسائل سے دوچار کرنے پر کیوں کمر کسے ہوئے ہے؟ آیئے ذرا اس پر غور کرتے ہیں:

بنیادی سوال پر غور وفکر کرنے سے پہلے ہمیں ذرا اس معاملے کے پسِ منظر میں جانا پڑے گا۔ اگر ہم دیکھیں تو مدارس کے خلاف حکومت کا معاندانہ اور غیر منصفانہ رویہ ۱۱ ستمبر کے سانحے کے رونما ہونے کے بعد ابھر کر سامنے آیا اور پھر ۷ جولائی ۲۰۰۵ء کے حادثے کے بعد بیرونی دباؤ کے نتیجے میں حکومتی رویے میں مزید درشتی اور بے رحمانہ پن در آیا اور پھر ایک سوچی سمجھی سازش کے

تحت اس حادثے کے تانے بانے مدارس سے ملا کر ان کے خلاف کارروائی کا جواز پیدا کیا گیا، حالانکہ اس کارروائی میں مدارس یا اہل مدارس قطعاً نہ تو ملوث تھے اور نہ ہی اس میں ان کا کوئی کردار تھا اور اسی طرح نہ ہی مدارس میں کسی حکومت کے خلاف باغیانہ روش کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔

اس پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے اگر ہم غور وفکر کریں تو بالکل واضح ہو جائے گا کہ ''مدارس اور ان میں زیر تعلیم غیر ملکی طلبہ'' جیسے کم اہمیت کے حامل مسائل کو ہوا دینے کی ڈوری کہیں دوسری جگہ ملتی ہوئی نظر آتی ہے اور ان کا مقصد بالکل ظاہر ہے کہ وہ اپنی لولی لنگڑی تہذیب کو اسلامی دنیا پر مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ چونکہ مدارس دینیہ ان کے بالمقابل تہذیب اسلامی کے علم بردار ہیں، اس لیے یہ ان کے سامنے واحد ایسی رکاوٹ ہے جسے پھلانگنا یا عبور کرنا ان کے بس کی بات نہیں، چنانچہ عیار دشمن مختلف اسلامی ممالک میں اپنے مقامی ایجنٹوں کے ذریعے اس کام کی تکمیل چاہتا ہے۔ اس ضمن میں وہ وہاں کے مقامی مدارس کو غیر مستحکم کرنے، انہیں عالمی سطح پر بدنام کرنے اور بالآخر ان کے وجود کو مٹانے کی پالیسی پر عمل پیرا ہیں۔

ہمارے اس دعوے کی تائید حال ہی میں امریکا کے ایک مشہور پالیسی ساز ادارے ''رینڈ کارپوریشن'' (Raind Corporation) کی جانب سے ''مسلم معاشرے کے خلاف امریکی حکمت عملی'' کے حوالے سے شائع کردہ ایک رپورٹ سے بھی ہوتی ہے، جس میں مسلم معاشرے کو واضح طور پر چار گروہوں ''انتہا پسند، قدامت پسند، جدیدیت پسند اور سیکولر'' میں تقسیم کیا گیا ہے اور پھر ہر ایک کے لیے الگ الگ حکمت عملی تجویز کی گئی ہے کہ ان سے کس طرح نمٹنا ہے۔ اس رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسلام اور مسلم دشمنی میں کتنا آگے جا چکے ہیں اور یہ کہ وہ ایسے اداروں کو پنپنے کا موقع دینے کے قطعاً روادار نہیں جو حقیقی اسلامی تعلیمات سے مسلم نوجوانوں کو بہرور کرنے کا فریضہ سرانجام دے رہے ہوں۔ اس رپورٹ کے بعد مسلم ممالک کے حکمرانوں کے ہوش ٹھکانے آجانے چاہئیں اور ان کو یہ بات محسوس کر لینی چاہیے کہ مسلم معاشرے کے خلاف مجموعی طور پر ان کے عزائم وارادے کیا ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہمارے حکمران بدقسمتی سے ذہنی پسماندگی اور احساس کمتری کا شکار ہونے کی وجہ سے اپنے وجود اور اقتدار کو مغربی ممالک کے مرہون منت سمجھتے ہیں اور ان سے ہر وقت مرعوب رہتے ہیں، چنانچہ انہیں خوش اور راضی رکھنے کیلئے ان کو طرح طرح کے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ اس

طرح وہ دانستہ یا نادانستہ اغیار کے ہاتھوں کا کھلونا بن کر رہ جاتے ہیں اور ان کے جائز و ناجائز ہر قسم کے مطالبات کو پورا کرنا اپنا فرض منصبی سمجھنے لگ جاتے ہیں۔

آخر میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ حکومت کا مذکورہ فیصلہ نہ ان کے مفاد میں ہے اور نہ مدارس کے۔اس پالیسی سے حکومت کو اسلامی دنیا میں بدنامی اور رسوائی کے سوا کچھ نہیں ملے گا، اس لیے حکومت سنجیدگی سے اپنے مذکورہ فیصلے پر نظر ثانی کرے اور اسے فوراً واپس لے تا کہ اس سلسلے میں مدارس کے اندر پائی جانے والی بے چینی اور حکومت کے خلاف غم و غصہ فرو ہو سکے۔

• • •

لندن دھماکے اور دینی مدارس کا مؤقف

لندن میں خودکش دھماکوں کے ذریعے جو جانیں ضائع ہوئی ہیں اور خوف وہراس کی کیفیت پیدا ہوئی ہے اس سے دنیا کا ہر باشعور شخص پریشان ہے اور دنیا بھر کے امن پسند لوگ اس دہشت گردی کی مذمت کرتے ہوئے اس کا شکار ہونے والے افراد اور خاندانوں کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کر رہے ہیں۔ پاکستان میں دینی مدارس کا سب سے بڑا فورم ''وفاق المدارس العربیہ پاکستان'' بھی اس تشویش واضطراب میں دنیا کے امن پسند افراد اور حلقوں کے ساتھ شریک ہے اور پرامن شہریوں کے خلاف کی جانے والی اس کارروائی کی شدید مذمت کرتے ہوئے متاثرہ افراد، خاندانوں اور پوری برطانوی قوم کے ساتھ ہمدردی اور یکجہتی کا اظہار کرتا ہے۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے مرکزی قائدین شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان، مولانا محمد حسن جان، مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر نے لندن بم دھماکوں کی پرزور مذمت کی ہے اور انہیں عالمی امن کے لیے انتہائی خطرناک قرار دیا ہے۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حالتِ جنگ میں بھی بچوں، بوڑھوں، عورتوں اور جنگ سے لاتعلق افراد کو قتل کرنے سے منع کیا چہ جائیکہ حالت امن میں بے گنا شہریوں کا اس طرح خون بہایا جائے اور خوف ودہشت کی کیفیت پیدا کی جائے، اس لیے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ لندن میں گزشتہ دنوں کیے جانے والے بم دھماکے، جن کے نتیجے میں پچاس سے زائد افراد جان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور سینکڑوں زخمی ہوئے ہیں، امن کو سبوتاژ کرنے کی مذموم حرکت کے مترادف ہیں اور اس کی مذمت ہر ذی ہوش انسان کر رہا ہے۔

اس کے ساتھ ہی وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی قیادت دو اہم امور کی طرف عالمی رائے عامہ اور بین الاقوامی حلقوں کو متوجہ کرنا ضروری سمجھتی ہے۔ ایک یہ کہ دہشت گردوں کے خلاف موجودہ عالمی جنگ کا ٹھنڈے دل ودماغ کے ساتھ از سر نو جائزہ لینے کی ضرورت ہے، کیونکہ عالمی سطح پر دہشت گردی کی کوئی تعریف طے کیے بغیر کسی بھی گروہ کو یکطرفہ طور پر دہشت گرد قرار دے

کر اس کے خلاف کی جانے والی کارروائی انصاف کے تقاضوں پر پوری نہیں اترتی اور اس سے شکوک وشبہات کم ہونے کی بجائے ان میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ دوسری بات یہ کہ ان اسباب وعوامل کو نظر انداز کر دینا بھی اس مبینہ دہشت گردی کے خاتمہ کی بجائے اس کے مزید فروغ کا باعث بن رہا ہے، جن اسباب وعوامل کے نتیجے میں اس مبینہ دہشت گردی نے جنم لیا ہے اور جن کی طرف عالمی طاقتوں کے سنجیدگی کے ساتھ متوجہ نہ ہونے کی وجہ سے تشدد کی کارروائیوں کی حمایت کا دائرہ وسیع ہوتا جا رہا ہے۔

اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی محل نظر ہے کہ لندن کے مذکورہ بم دھماکوں کی ذمہ داری کے حوالے سے پاکستان کے دینی مدارس کو عالمی میڈیا کے ذریعے بلاوجہ طعن تشنیع کا نشانہ بنایا جا رہا ہے، حالانکہ یہ بات ایک سے زائد بار دلائل وشواہد کے ساتھ واضح ہو چکی ہے کہ پاکستان کا کوئی مدرسہ بھی کسی قسم کی دہشت گردی میں ملوث نہیں، پاکستان کے سابق وزیر داخلہ چودھری شجاعت حسین نے صاف لفظوں میں اعلان کیا کہ انہوں نے اپنے دور میں پورے ملک کے مدارس کی چھان بین کرائی مگر کوئی مدرسہ بھی دہشت گردی کی تربیت میں ملوث نہیں پایا گیا۔ نیز گزشتہ دو سالوں کے درمیان ملک کے درجنوں دینی مدارس پر چھاپے مارے گئے ہیں اور اچانک آپریشن کیا گیا ہے، لیکن کہیں بھی کوئی ہتھیار یا ٹریننگ کے آلات موجود نہیں پائے گئے حتیٰ کہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان نے حکومت کے ساتھ مذاکرات اور کھلے اعلانات کے ذریعے متعدد بار اعلان کیا ہے کہ ملک کے کسی بھی دینی مدرسہ کے بارے میں یہ شکایت پائی جائے کہ اس میں اسلحہ کے استعمال کی ٹریننگ دی جا رہی ہے تو اس کی نشاندہی کی جائے، اگر اس کا ثبوت فراہم ہو گیا تو اس مدرسے کے خلاف کارروائی میں خود وفاق بھی حکومت کے ساتھ شریک ہوگا، مگر اس کے باوجود دینی مدارس کو مسلسل ہدف تنقید بنایا جا رہا ہے اور ان کی کردار کشی کی جا رہی ہے۔

اس لیے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی ہائی کمان اس امر کا ایک بار پھر اعلان ضروری سمجھتی ہے کہ پاکستان کے دینی مدارس میں صرف اور صرف تعلیم دی جاتی ہے اور قرآن وسنت کے علوم سے نئی نسل کو آراستہ کیا جاتا ہے۔ تعلیم اور دینی تربیت کے سوا ان مدارس کی سرگرمیوں میں اور کوئی بات شامل نہیں ہے اور قرآن وسنت اور ان کے متعلقہ علوم کی تعلیم اور ان کے مطابق نئی نسل کی دینی تربیت کے مشن سے وفاق المدارس سرمو انحراف کے لیے تیار نہیں اور اس سلسلے میں کسی سطح پر کوئی دباؤ قبول نہیں کیا جائے گا۔ البتہ عسکری ٹریننگ اور دوسرے مذاہب کے خلاف

عسکری محاذ آرائی کی فکری تربیت نہ ان مدارس میں دی جاتی ہے اور نہ ہی کسی مرحلے میں اس کا پروگرام مدارس کے اہداف میں شامل ہے اور اس حوالے سے وفاق المدارس کی ہائی کمان پاکستان کی حکومت اور بین الاقوامی حلقوں کو ہر قسم کی ضمانت دینے کے لیے ہر وقت تیار ہے۔

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ لندن کے خودکش دھماکوں میں مبینہ طور پر ملوث افراد کے بارے میں کہا جارہا ہے کہ انہوں نے پاکستان کے بعض دینی مدارس میں تعلیم پائی ہے، اس لیے دینی مدارس اس مبینہ دہشت گردی میں ملوث ہیں۔ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ قطعی طور پر غیر منطقی اور غیر حقیقی بات ہے۔اولاً تو اس لیے کہ اس کا کوئی ثبوت موجود نہیں کہ خودکش دھماکوں میں کون لوگ ملوث ہیں۔دوسرے یہ بھی کسی طریقے سے ثابت نہیں کہ ان دہشت گردوں نے پاکستان کے دینی مدارس میں تعلیم حاصل کی ہے۔جب وہ لوگ ہی معلوم نہیں تو ان کی تعلیم گاہ کیسے معلوم ہوگئی اور اگر بالفرض یہ بات ثابت بھی ہو جائے کہ ان افراد نے کسی وقت پاکستان کے کسی دینی مدرسہ میں تعلیم پائی ہے تو اسے ان کی کارروائی میں مدارس کی شمولیت کی دلیل نہیں بنایا جاسکتا، اس لیے کہ دنیا بھر میں مختلف حوالوں سے دہشت گردی، قتل وغارت، ڈکیتی اور سنگین جرائم میں ملوث افراد نے کہیں نہ کہیں ضرور تعلیم حاصل کی ہے اور ان میں ہارورڈ، آکسفورڈ اور کیمبرج یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ حضرات کی بھی ایک اچھی خاصی تعداد مل جائے گی، لیکن کسی ڈاکو اور قاتل نے آکسفورڈ میں تعلیم پائی ہے، تو اس کے لیے یہ نہیں کہا جاتا اور نہ کہا جاسکتا ہے کہ آکسفورڈ یونیورسٹی میں ڈاکے کی تعلیم دی جاتی ہے اور اگر کسی فوج سے بھاگے ہوئے افراد مجرموں کا گروہ بنالیں تو ان کے لیے بھی اس فوج کو ذمہ دار قرار نہیں دیا جاتا۔اس لیے چند افراد کی کارروائی کو دینی مدارس کے کھاتے میں ڈال کر دینی مدارس کے پورے نظام کو بدنام کرنے کی مہم حقائق کا منہ چڑانے کے مترادف ہے۔خاص طور پر اس پس منظر میں کہ یہ بات طے ہے کہ دینی مدارس میں کسی قسم کی دہشت گردی کی تربیت نہیں دی جاتی اور ایسی کارروائی کرنے والوں نے یہ تربیت بہرحال کہیں اور سے حاصل کی ہے اور دہشت گردی کی تربیت کے اصل سرچشموں کا بہرحال سراغ لگانے کی ضرورت ہے۔

اس لیے ہم دنیا بھر کے انصاف پسند حلقوں اور افراد سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ دینی مدارس کے خلاف عالمی حلقوں اور میڈیا کے اس یکطرفہ پروپیگنڈے کا نوٹس لیں اور پرامن ماحول میں اسلامی تعلیمات سے نئی نسل کو روشناس کرانے والے اداروں کو اس جارحانہ اور معاندانہ پروپیگنڈے سے بچانے کے لیے کردار ادا کریں۔

مدارس دینیہ قوم کی ضرورت ہیں

بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے قیامِ پاکستان کے بعد کراچی اور ڈھاکہ میں پاکستان کی پہلی پرچم کشائی شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی اور محدثِ جلیل حضرت مولانا ظفر احمد صاحب قدس سرہما کے مبارک ہاتھوں سے کروائی، جو درحقیقت قائداعظم کی طرف سے دونوں جلیل القدر ہستیوں کو ان کی خدمات پر خراجِ تحسین پیش کرنا ہے۔ یہ دونوں حضرات کسی یونیورسٹی یا کالج کے سند یافتہ نہیں تھے، بلکہ ان ہی بوریہ نشینوں کے طبقے سے اٹھے تھے، جنہیں قوم ''اہلِ مدارس'' کے عنوان سے پہچانتی ہے اور آج جن کی ضرورت واہمیت کا احساس ختم کرنے کے لیے ایک ہمہ گیر مہم چلائی جارہی ہے۔

عالمی سطح پر اس وقت امریکہ دینی مدارس اور جہادی تحریکوں کے خلاف پیش پیش ہے اور اس کی مخالفت میں دن بہ دن اضافہ ہورہا ہے۔ پاکستان کی موجودہ حکومت عالمی استعمار اور امریکہ کی ہدایات کے مطابق جہاں اور بہت سے امور تیزی سے نمٹارہی ہے، وہاں دینی مدارس کے خلاف بھی مختلف اقدامات کا اعلان کرچکی ہے۔ کبھی امریکہ کی پیروی میں انہیں دہشت گرد کہا جاتا ہے، کبھی تنگ نظری اور فرقہ واریت کا الزام لگایا جاتا ہے، کبھی دینی مدارس کے نصاب میں تبدیلیاں لانے کی ضرورت کا اظہار کیا جاتا ہے، کبھی مدارس کے مالی وانتظامی امور میں مداخلت کا عندیہ دیا جاتا ہے، کبھی ان کی ثقافت تبدیل کرنے کی نوید سنائی جاتی ہے اور کبھی انہیں جدید ایجوکیشن سینٹرز میں تبدیل کرنے کا اعلان کیا جاتا ہے۔ اس تمام تر تگ ودو اور پیچ وتاب کے پس پردہ امریکہ کی یہ مکروہ خواہش ہے کہ ایشیا میں مدارس ومساجد کے اس نظام کو مفلوج کردیا جائے، جس کی بدولت اسلامی اقدار، عقائد اور دین کے بنیادی سرچشمے تازہ وتوانا اور رواں دواں ہیں اور اس خطہ کے عوام کی غالب اکثریت آج بھی نہ صرف اسلام سے وابستگی پر فخر کرتی ہے، بلکہ اس کے عملی نفاذ کی آرزومند ہے۔ مغرب اور خصوصاً امریکہ کو سب سے زیادہ خطرہ مدارس ومساجد کے اس

آزادانہ نظام تعلیم سے لاحق ہے، جو کسی حکومتی مداخلت اور دباؤ سے بے نیاز اور صلہ وستائش کی پروا کیے بغیر جاری وساری ہے۔ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ جو امریکہ مدارس دینیہ میں زیر تعلیم نہتے اور بے سروسامان طلباء پر دہشت گردی کا الزام عائد کرتا ہے، اس کا اپنا دامن ستر لاکھ ریڈ انڈین، تیس لاکھ عراقیوں اور ویت نام سے لے کر فلسطین، سرائیوو سوا اور چیچنیا تک اسّی لاکھ (۸۰،۰۰۰۰۰) انسانوں کے خون سے آلودہ ہے:

دامن کو ذرا دیکھ......

مدارس دینیہ کے طلباء پر تنگ نظری، عدم برداشت اور شر پسندی کے الزامات لگانے والوں نے کبھی سرکاری تعلیم گاہوں میں پروان چڑھنے والی نسل کے حالات معلوم کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی، ورنہ انہیں معلوم ہوتا کہ تنگ نظری، عصبیت، جاہلیت اور ضد کے مراکز مدارسِ دینیہ ہیں، یا عصری علوم کی درس گاہیں اور مدارس کا نصاب تبدیل کرنے کی ضرورت ہے یا اسکولوں، کالجوں اور سرکاری جامعات کا، جہاں اس ملک کی نام نہاد مذہب ووسیع النظر اور روشن خیال نسل تعلیم پارہی ہے۔ ملک کی اعلیٰ ترین تعلیم گاہوں، یعنی یونیورسٹیوں کا حال یہ ہے کہ مغربی تعلیم حاصل کرنے والے ''مہذب فرزندوں'' نے جامعہ کراچی کے باون (۵۲) طلبہ کو قتل کیا، جبکہ پورے ملک کے تعلیمی اداروں میں طلبہ کے جھگڑوں میں قتل ہونے والوں کی تعداد کئی سو سے زیادہ ہے۔تقریباً ہر یونیورسٹی میں پولیس، رینجرز اور فوج کے جوان پہرہ دے رہے ہیں۔مگر پاکستان کے کسی مدرسے میں آج تک کہیں طلباء کے باہمی تصادم کو روکنے کے لیے فوج اور پولیس کو مداخلت نہیں کرنا پڑی، کبھی یہاں ہڑتال نہیں ہوئی، کبھی اساتذہ کی طلباء کے ہاتھوں بے عزتی ہونے کا شرم ناک واقعہ پیش نہیں آیا۔

دینی مدارس امن کا گہوارہ ہیں، جہاں نہ صرف سندھی، بلوچ، پٹھان، اور پنجابی حقیقی بھائیوں کی طرح شیر وشکر رہتے ہیں، بلکہ غیر ملکی طلباء بھی ان مدارس کو اپنے ملک کی سرکاری تعلیم گاہوں سے زیادہ محفوظ، پُر امن اور لائق رشک پاتے ہیں۔ان مدارس میں کبھی ہنگاموں کے باعث تعطیلات نہیں ہوئیں۔اخبارات میں ان مدارس کے غبن کی کوئی خبر آج تک شائع نہیں ہوئی۔ سرکاری امداد کے بغیر یہ تمام مدارس، اس ملک کی سرکاری جامعات اور تعلیم گاہوں سے ہزار درجے بہتر چل رہے ہیں۔عصر حاضر کے تمام شر اور فساد مغربی تعلیمی اداروں میں پرورش پا کر جوان ہو رہے ہیں، مگر ہمارے دانشمند حکمرانوں کو اصلاح کے لیے مدارس یاد آرہے ہیں۔جن

دینی مدارس کو ہمارے حکمران شرپسندی کا مرکز قرار دے رہے ہیں، ان مدارس کے طلباء نے آج تک نہ سڑکیں بند کیں، نہ سرکاری املاک کو نقصان پہنچایا، نہ سڑکوں پر جلوس نکال کر حکمرانوں سے روزگار کا مطالبہ کیا، نہ یہ طلباء آج تک کسی دہشت گردی میں ملوث ہوئے۔ یہ تمام امتیازات و اعزازات جدید تعلیم کے حامل مہذب انگریزی خوانوں کو حاصل ہیں۔

مدارسِ دینیہ سے ہماری ملی و دینی زندگی وابستہ ہے۔ مدارس و مساجد ہمارے روحانی، ایمانی اور نورانی مراکز ہیں۔ ان کی آزادی کا تحفظ ہر قیمت پر کیا جائے گا۔ (ان شاء اللہ)

• • •

غلبہ دین کی تحریک میں طلبہ کا کردار

زمانۂ شباب میں انسان کی زندگی کی تمام صلاحیتیں اور قوتیں عروج پر ہوتی ہیں۔ زمانۂ شباب میں یہ صلاحیتیں، اگر خدانخواستہ منفی زاویوں کی طرف پھر جائیں تو دنیا و آخرت کا عظیم نقصان ہے، لیکن اگر عالم شباب میں عقیدہ و عمل کی صحت کے ساتھ انابت و اطاعت کی توفیق نصیب ہو جائے، تو ایسا نوجوان میدان اطاعت میں بازی لے جاتا ہے۔ جس نوجوان نے اپنی جوانی کی حفاظت کرتے ہوئے احکام خداوندی کے مطابق زندگی گزاری حدیث شریف کے مطابق یہ نوجوان قیامت کے دن حق تعالیٰ شانہ کے خصوصی سایہ رحمت میں جگہ پائے گا۔

"شاب نشأفي عبادة الله" یعنی ایسا نوجوان جسکی جوانی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں صرف ہوئی۔

ایک اور حدیث شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ قیامت کے دن کسی شخص کو اپنی جگہ سے ہلنے نہیں دیا جائے گا، جب تک اس سے پانچ سوالات نہ کر لیے جائیں گے:

① ...... زندگی کہاں خرچ کی؟ ② ...... جوانی کیسے گزاری؟
③ ...... مال کیسے حاصل کیا؟ ④ ...... خرچ کس جگہ پر کیا؟
⑤ ...... علم کے مطابق کیا عمل کیا؟

یہ امر قابل غور ہے کہ زندگی کے بارے میں سوال کے باوجود "جوانی" کے بارے میں مستقل الگ سوال کیا جائے گا، جو اس کی اہمیت و قیمت کی نشاندہی کرتا ہے۔ بلاشبہ جوانی کی عبادت و ریاضت اور اطاعت و انابت کا درجہ حق تعالیٰ شانہ کے نزدیک بڑھاپے کی توبہ سے کئی گنا بڑھ کر ہے۔

در جوانی توبہ کردن شیوهٔ پیغمبری وقت پیری گرگِ ظالم می شود پرہیز گار

حقیقت یہ ہے کہ نوجوان ہی اس کے اہل ہیں کہ وہ خیر کی اشاعت کے لیے آگے بڑھیں اور اپنے جوان خون سے غلبہ دین کی تحریک کو جوانی عطا کریں۔

اسلام کی اشاعت کے اولین دور میں جیسے بڑی عمر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قربانیاں

دیں، اسی طرح نوجوان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی جاں نثاری کی درخشاں مثالیں قائم کیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت معوذ رضی اللہ عنہ نے اپنے جوان جذبوں سے تحریک اسلامی کی آبیاری کی۔ نوجوان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا نام بھی نمایاں ہے، جنہوں نے تفسیر وحدیث اور دیگر دینی علوم میں اس قدر محنت کی کہ بڑی عمر والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بازی لے گئے، اور ''حبرُ الامۃ''، ''ترجمان القرآن'' اور ''رئیس المفسرین'' کہلائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی بالغ نہ ہوئے تھے کہ انہیں اسلام کے دامن سے وابستگی نصیب ہوئی۔ اسی طرح ان کی جوانی حق تعالیٰ شانہ کی اطاعت اور دین کی سربلندی میں صرف ہوئی۔ فارسی میں کہا جاتا ہے:

بزرگی بہ عقل است نہ بہ سال

یعنی ''انسان کو بلندی اور مرتبہ عقل وفراست کے باعث حاصل ہوتا ہے نہ کہ محض عمر ہونے سے۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حیات طیبہ کے آخری دور میں غالباً اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے حضرت اسامہ بن زیدؓ جیسے نوجوان کو ایک ایسے لشکر کا سپہ سالار مقرر فرمایا، جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے بزرگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے۔ آج نوجوانوں بالخصوص طلبہ عزیز کے لیے میری یہ نصیحت ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنی تعلیم کی تکمیل کریں، اپنے آپ کو علم وعمل سے آراستہ کریں، اس کے ساتھ ساتھ اخلاق وکردار کی اپنے اندر اعلیٰ صفات پیدا کرنے کے لیے اپنے بزرگوں اور اہل اللہ سے تعلق رکھیں۔

تعلیم اور اخلاص کی تکمیل کے بعد اہل اللہ کی کسی جماعت سے وابستگی اختیار کریں، اس طرح انسان کو اپنی صلاحیتیں اجاگر کرنے کے زیادہ مواقع ملتے ہیں۔ انفرادی طور پر کام کرنے کی صورت میں عموماً کام کی رفتار بہت کم رہتی ہے۔ علومِ نبوۃ کے طالبین وحاملین کو اس کا اہتمام بھی ہونا چاہیے کہ ان کا علم صرف ''دانستن'' کی حد تک نہ رہے، بلکہ قال ان کا حال بن جائے، پوری زندگی علم کے رنگ میں ڈھل جائے۔ انشاء اللہ اس کے بعد وہ جس تحریک یا اجتماع کام کے لیے قدم اٹھائیں گے، کامیابی وکامرانی سے ہمکنار ہوں گے۔ حق تعالیٰ شانہ ہم سب کو اپنی رضا کے مطابق اعمال کی توفیق نصیب فرمائیں۔ آمین!

• • •

دینی مدارس کے ماحول پر ایک نظر

(شوال، ذیقعدہ، ذوالحجہ ۱۴۲۱)

یہ مضمون 3 اگست 2000ء کو اسلام آباد میں انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹیڈیز کے زیرِ اہتمام ''دینی مدارس'' کے بارے میں منعقد ہونیوالی مجلس مذاکرہ میں پڑھا گیا۔

الحمد للّٰہ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. أما بعد! فأعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم ﴿ وما کان المؤمنون لینفروا کافۃ. فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم إذا رجعوا إلیھم لعلھم یحذرون ﴾

حاضرین محترم! سب سے پہلے میں ''انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹیڈیز اسلام آباد'' کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے ایک ایسے موقع پر جب کہ مدارس دینیہ کے خلاف بے دین وملحد طبقوں کی طرف سے پروپیگنڈہ اپنے عروج پر ہے، ایک مجلس مذاکرہ کا اہتمام کیا تاکہ مختلف مکاتب فکر کے اہل علم حضرات اس منفی پروپیگنڈہ کے سدّ باب کے لیے غور وفکر کر سکیں۔

''دینی مدارس کے ماحول پر ایک نظر'' کے عنوان کے تحت اپنی معروضات سے قبل احقر تلاوت کردہ آیت کے چند نکات کی وضاحت ضروری سمجھتا ہے:

سب سے پہلی گزارش یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں حق تعالیٰ شانہ نے تقسیم کار کی تعلیم دی ہے کہ تمام لوگ صرف ایک ہی کام کی طرف متوجہ نہ ہوں۔ کچھ لوگ جہاد میں جائیں یا علمِ دین حاصل کریں تو بعض دوسرے دیگر امور کو سنبھالیں تاکہ اجتماعی زندگی میں کسی قسم کا تعطل پیدا نہ ہو۔ جمہور مفسرین کے نزدیک اس آیت کا تعلق تعلیم دین سے ہے۔ جس طرح جہاد کے دو حصے ہیں: فرض عین، فرض کفایہ، اسی طرح حصول علمِ دین بھی دو حصوں میں منقسم ہو جاتا ہے۔ علم کا بعض حصہ فرض عین ہے اور بعض حصہ فرض کفایہ ہے۔ فرض عین وہ حصہ ہے جو ہر مرد وعورت کے لیے

حاصل کرنا لازم ہے۔ بیہقی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة"۔ "ہر مسلمان مرد و عورت پر علم کا حصول فرض ہے"۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس میں عقیدے کی درستگی، توحید کا جاننا، شرک کا پہچاننا، رسالت پر ایمان اور قیامت پر ایمان شامل ہے۔ اسی طرح فرض عبادات کا علم حاصل کرنا فرض عین ہے۔ حلال، حرام کی تمیز، سود اور تجارت میں امتیاز کرنا اور حقوق العباد کا علم ہونا بھی سب کے لیے ضروری ہے۔ جو شخص لاعلمی کی بنا پر فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کرے گا یا کوئی غلط کام کرے گا وہ مجرم ہوگا۔

علمِ دین کا دوسرا حصہ اسلام کی جزئیات پر مشتمل ہے، اس کا حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔ آیت کریمہ میں علمِ دین کے لیے سفر کی ترغیب دی جا رہی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی شہر یا بستی کے سارے لوگ تو حصولِ علم کے لیے ہجرت نہیں کر سکتے، بلکہ نظامِ زندگی چلانے کے لیے مزدوری، کھیتی باڑی، تجارت، صنعت بھی ضروری ہے، لیکن فرمایا: ﴿فلو لا نفر من کل فرقة منھم طائفة﴾ کہ ہر فرقے اور ہر جماعت سے ایک گروہ حصول علم کے لیے جائے، باقی لوگ زندگی کے بقیہ امور انجام دیں اور ان نکلنے والوں کا مقصد ﴿لیتفقھوا فی الدین﴾ ہو یعنی یہ لوگ دین میں سمجھ پیدا کریں۔ اور دوسرا بڑا مقصد یہ ہو کہ ﴿ولینذروا قومھم اذا رجعوا إلیھم﴾ کہ جب وہ اپنی قوم کی طرف واپس لوٹیں تو ان کو علم کی روشنی میں نیکی بدی کی تمیز کرائیں اور ہر برے عمل کے نتائج سے آگاہ کریں جس سے وہ ڈر جائیں اور برائی کو چھوڑ کر نیکی کی طرف راغب ہو جائیں۔ علم کا حصول کوئی معمولی کام نہیں اس کے لیے سفر اور محنت لازمی جزو ہیں۔ امام بخاری فرماتے ہیں: "إنما العلم بالتعلم" یعنی علم سیکھنے سے حاصل ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ فقہ سے جہاں فہم، فقاہت اور سمجھ مراد ہے وہاں اس سے اسلامی قانون بھی مراد ہے جسے ائمہ مجتہدین نے قرآن و سنت سے اخذ کر کے آسان شکل میں امت کے سامنے پیش کیا ہے۔ علم کے حصول کے لیے مال، وقت اور توانائی خرچ کرنا پڑتی ہے۔ محض اخبارات و رسائل پڑھ کر کوئی شخص مجتہد نہیں بن سکتا۔ صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح قرار دینا علم نہیں بلکہ حماقت ہے۔ آج بھی آپ کو علم کے یہ آثار مدارس دینیہ ہی میں نظر آئیں گے اور اس ارشادِ ربانی پر عمل کرنے والے بھی ان ہی مدارس کے اساتذہ و طلباء ہی قرار پائیں گے۔

حصولِ علم دین کی اس ضرورت کے بعد ہم جائزہ لیتے ہیں ان درس گاہوں اور اداروں کا جہاں اس مقدس فرض کی تکمیل ہوتی ہے اور جہاں مال، جان اور وقت کی قربانی کے ساتھ علمِ دین

کو حاصل کیا جاتا ہے۔

مدرسہ کیا ہے؟ اور مدرسہ کا مقام و منصب کیا ہے؟ درحقیقت مدرسہ وہ کارگاہِ حیات ہے جہاں مردم سازی کا کام ہوتا ہے، جہاں قلب و نظر کی اصلاح کی جاتی ہے، جہاں سے کائنات کو حیات نو کا سبق ملتا ہے۔ اس کے لیے ہماری نظریں مدینہ منورہ میں قائم ہونے والے سب سے پہلے مدرسے پر پڑتی ہیں، جس کے معلم سید الاولین والآخرین، امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور جن کے تلامذہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہ نظر آتے ہیں۔ اس مدرسے کے طلباء نے مدرسے سے کیا حاصل کیا، یقین واخلاص ایمان واحتساب، تعلق مع اللہ، خشوع وخضوع، دعا وابتھال، استغنا وتوکل، اعتماد علی اللہ، درد ومحبت، خود شکنی وخوداری۔ ﴿ھو الذی بعث فی الأمیین رسولاً منھم یتلوا علیھم آیتہ ویز کیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ﴾

اس پہلے مدرسۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں صرف علوم واحکام کی تعلیم نہ تھی بلکہ تطہیر وتزکیہ نفس بھی ساتھ تھا۔ بحمد اللہ! آج بھی مدارس دینیہ کیفیات واوصاف کے لحاظ سے بہت کم سہی، بلکہ میں کہتا ہوں ''چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک'' مگر پھر بھی مدارس کے طلباء ان دونوں چیزوں کے امین ہیں۔ ان کے پاس علم بھی ہے اور عمل بھی، تلاوت بھی ہے اور تزکیہ بھی۔ اور آج کے دور سے ذرا اوپر چلیں تو آپ کو ہمارے اسلاف ان دونوں خصوصیتوں کے جامع نظر آئیں گے۔ آج عصری علوم کی درس گاہیں اس جامعیت سے خالی ہیں، ممکن ہے وہاں خانہ پُری کے لیے کچھ حصہ ترجمہ قرآن کریم اور چند احادیث پڑھائی جاتی ہوں، مگر عمل اور تزکیہ کے بغیر علم کی حیثیت کاغذی پھولوں جیسی ہے جن میں نہ خوشبو ہوتی ہے نہ تازگی۔ آج دنیا کے بازار میں کاغذی اور ولایتی پھولوں کی کمی نہیں، لیکن مدارسِ دینیہ میں آپ کو باغِ نبوت کے شاداب پھول نظر آئیں گے۔

مدارس دینیہ نے انقلاب انگیز شخصیات پیدا کیں...... یہ درست ہے کہ کچھ عرصے سے ہمارے مدارس بھی ان شاداب پھولوں سے خالی ہوتے جا رہے ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ کبھی انہی صفوں سے خواجہ معین الدین اجمیری رحمہ اللہ اٹھتے ہیں اور پورے کے پورے ملک کو اپنے قلب کی حرارت اور ایمان کے نور سے بھر دیتے ہیں۔ کبھی حضرت سید علی ہجویری آتے ہیں اور کروڑوں انسانوں کی زندگیاں بدل دیتے ہیں۔ کبھی حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کھڑے

ہوتے ہیں اور حکومت مغلیہ میں انقلاب برپا کر دیتے ہیں۔ کبھی حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ بڑھتے ہیں اور اس طویل وعریض ملک کا رجحان بدل دیتے ہیں اور پورے نظامِ فکر اور نظامِ تعلیم پر گہرے اثرات ڈالتے ہیں۔

مدارسِ دینیہ کے علماء وطلباء خود شناس وخوددار ہیں...... آج کے یہ دینی مدارس اسی ''صفہ'' کے مدرسے سے نسبت رکھتے ہیں۔ ان کا سلسلہ اصحابِ صفہ'' سے ملتا ہے۔ آج بھی ان سادہ کپڑوں، سادہ جسموں اور خالی جیب ودامن والوں کے ''سینے علومِ نبوت'' سے منور ہیں۔ ان کے پاس وہ حقائق ہیں جو دنیا سے گم ہو چکے ہیں اور جن کے گم ہونے سے آج دنیا میں اندھیرا ہے، اضطراب وانتشار ہے، شر وفساد ہے۔ آج آپ کو عصری علوم کی بڑی بڑی درس گاہیں استاذ کے ادب واحترام سے خالی اور اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے بے بہرہ نظر آئیں گی، مگر بحمد اللہ! ادب واحترام اور اخلاق کے بچے کھچے کچھ آثار اگر آپ کو نظر آئیں گے تو انہی کچے مدرسوں اور ٹوٹی ہوئی صفوں پر جہاں اب بھی قال اللہ وقال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ آج عصرِ حاضر کی درس گاہوں میں اساتذہ اور طلباء کو ہر قسم کی سہولتیں حاصل ہیں، بلند وبالا عمارتیں، جدید آلات، وسیع لائبریریاں، پرکشش تنخواہیں، مگر آپ کو قناعت کی دولت صرف مدارس کے طلباء اور اساتذہ ہی میں نظر آئے گی جو معمولی اور ناقابل یقین مشاہروں پر اپنی ساری زندگی گزار دیتے ہیں اور پھر یہ کہ تعلیم وتربیت کی یہ ذمہ داری چھ یا آٹھ گھنٹوں تک محدود نہیں بلا مبالغہ سولہ (۱۶) اور بیس گھنٹوں تک وسیع ہے۔ بلاشبہ مدارس کے ان سادہ اور قناعت پسند اساتذہ میں ایسے لوگ بھی گزرے ہیں جن کو سلطنتیں نہیں خرید سکیں، انہوں نے دنیا والوں کی بڑی سے بڑی پیشکش سن کر ہمیشہ زیرِ لب مسکرا کر کہا:

برو ایں دام برمرغ دگر نہ　　　　که عنقارا بلند است آشیانه

انہی خود آشنا اور خدا شناس انسانوں کے دم سے انسانیت کا سر بلند ہے۔ آج بھی آپ کو ان مدارس کے کسی نہ کسی گوشے سے یہ صدا سنائی دے گی: ﴿لا أسئلكم عليه أجرا. إن أجري إلا على الله﴾ اور ﴿أتمدو ننی بمال فما آتانی الله خير مما آتا کم بل أنتم بهديتكم تفرحون﴾

جس روز یہ صدا بالکل بند ہو جائے گی اور انسان جمادات وحیوانات کی طرح ارزاں اور گراں بکنے لگیں گے، اس دن یہ دنیا رہنے کے قابل نہ رہے گی اور انسانیت اپنی آب وتاب کھو دے

گی۔آج کے اس گئے گزرے دور میں بھی آپ کو مدارس کے اساتذہ وطلباء میں ایثار وقناعت، جدوجہد، جفاکشی اور بلند ہمتی کے آثار نظر آئیں گے۔ مدارس کی دنیا معاشی حوصلہ مندیوں اور دنیاوی سربلندیوں کی دنیا نہیں ہے، لیکن ان بوسیدہ پوشاک درویشوں نے ہر دور میں زمانے کے چیلنجوں کا مقابلہ کیا۔ جب کہیں اسلام پر حملہ ہوا، یا نئے فتنوں نے سر اٹھایا تو اس کا دفاع یا جواب کالج اور یونیورسٹیوں میں پڑھانے والوں نے نہیں بلکہ بوریا نشین علماء نے دیا۔

ماضی قریب میں کتنے ہی فتنوں نے سر اٹھایا، مگر ہر فتنے کی سرکوبی کے لیے علمائے دین اور مدارس سے تعلق رکھنے والے ہی میدان میں آئے۔ قادیانیت، فتنہ انکارِ حدیث، فتنہ انکارِ ناموس ومقام صحابہ رضی اللہ عنہم، غرضیکہ الحاد کے تمام سیلابوں کے مقابلے کے لیے اہلِ مدارس ہی کام آئے۔

۱۸۵۷ء میں انگریزی حکومت کے تسلط سے نئے نئے فتنوں نے سر اٹھایا۔ عیسائی مبلغین نے اسلام پر علانیہ حملے شروع کر دیے اور علمائے اسلام کو دعوت مقابلہ دی تو اس موقع پر طبقۂ علماء ہی کے ایک فرد مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمہ اللہ میدان میں آئے اور انہوں نے ''اظہار الحق'' اور ''ازالۃ الاوھام'' جیسی کتابیں لکھ کر مسیحیت کی اشاعت کا دروازہ بند کر دیا۔ یہ کتابیں ہندو پاک سے لے کر مصر وترکی تک اپنے موضوع پر بے نظیر سمجھی جاتی ہیں اور ابھی تک لاجواب ہیں۔

قادیانیت جو نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایک سوچی سمجھی سازش تھی اور اسلام کے پورے اعتقادی اور علمی وفکری نظام کو ڈائنا میٹ کرنے اور خدانخواستہ اس کے ملبے پر ایک نئی نبوت اور امامت کی تعمیر کی کوشش تھی اس کے مقابلے میں چند مخلص اور بالغ نظر علماء میدان میں آئے، جن میں مولانا سید محمد علی مونگیری رحمہ اللہ اور مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کا نام اور کام سب سے زیادہ روشن ہے۔

کچھ لوگ مدارسِ دینیہ اور اہلِ مدارس پر کوتاہ بینی اور جمود کا الزام عائد کرتے ہیں اور ان کے نصابِ تعلیم کو عصرِ حاضر کے تقاضوں سے بے گانہ قرار دیتے ہیں۔ ان حضرات کی اطلاع کے لیے میں عرض کر دوں کہ علمائے اسلام نے کسی ضرورت کے تسلیم کرنے اور کسی مفید وناگزیر چیز کو قبول کرنے میں کبھی پس وپیش سے کام نہیں لیا۔ مدارس دینیہ میں رائج نصاب عہد بہ عہد تبدیلیوں اور مختلف علمی وعقلی رجحانات کا نمائندہ ہے۔ اس میں ہر دور میں اضافہ وترمیم ہوتی رہی ہے۔ مدارس کے نصاب کو جامد کہنے والے (میں معذرت سے کہوں گا) حقیقت حال سے بے خبر ہیں۔ البتہ ہمارے اس نصاب کے کچھ مقاصد اور اہداف ہیں جو ایک خاص طرح کے نصاب ہی

سے حاصل کیے جاسکتے ہیں۔اس لیے ہم درسِ نظامی کے نصاب میں کسی ایسی تبدیلی کے حق میں نہیں جس سے قلبِ موضوع ہو جائے اور مدارس کے مقاصد اور اہداف ہی بدل جائیں۔

مدارس کا ہدف......اس علمی مجلس اور مختلف طبقات کے اہل علم ونظر کی مجلس میں واشگاف الفاظ میں اس حقیقت کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ ان مدارس کا مقصدِ وحید اسوۂ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی کو پھیلانا ہے۔ یہ عصرِ حاضر کی اندھیری رات میں روشنی کا چراغ ہیں جو انسانیت کی رہنمائی کے لیے جلائے گئے ہیں۔ ہمارا یہ یقین ہے کہ اس طوفانِ نوح میں سفینۂ نوح صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت وامامت ہے۔اور ہم تعلیماتِ نبوت کے مقابلے میں تمام دنیا کے فلسفہ الٰہیات اور فلسفہ مابعد الطبیعیات اور قیاسات وروایات کو افسانہ وخرافات سے زیادہ وقعت دینے کو تیار نہیں، ہمارے نزدیک خیر الهدی هدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے،لہٰذا ہم کسی ایسے نصاب کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں جو اعتقادی، ذہنی،فکری، قلبی، ذوقی اور عملی حیثیت سے تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم آہنگ نہ ہو،ان ہی الفاظ پر میں اپنی معروضات کا اختتام کرتا ہوں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین.

• • •

پاکستان میں مثالی نظام تعلیم کی تشکیل

(تعلیمات نبویہ کی روشنی میں)

(جمادی الثانیہ ۱۴۲۵ء)

﴿اقرأ باسم ربک الذی خلق. خلق الإنسان من علق﴾

اسلام میں علم کی اہمیت کا اندازہ اس حقیقت سے کیا جا سکتا ہے کہ سب سے پہلی وحی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اس میں پڑھنے کی تلقین کی گئی، پھر فرمایا گیا کہ انسان کو علم، قلم کے ذریعے سکھایا گیا۔ ﴿الذی علّم بالقلم﴾ گویا پڑھنا اور لکھنا یعنی ریڈنگ (Reading) اور رائٹنگ (Writing) دونوں علم کے اجزا ہیں۔ پڑھنا اس لیے کہ اس کے بغیر علم بے معنی ہے اور لکھنا اس لیے کہ آئندہ نسلوں کے لیے علمی سرمایہ جمع ہوتا رہے اور اشاعتِ علم کا مقصد پورا ہوتا رہے۔ قلم کے ذریعے علم سکھانے کا مطلب لکھنا سکھانا ہے۔ میرے نزدیک پاکستان میں مثالی نظام تعلیم کی تشکیل کا مطلب بالفاظِ دیگر اسلامی نظام تعلیم کی تشکیل ہے۔ اس لیے کہ صحیح اسلامی نظامِ تعلیم ایک ایسا جامع نظام تعلیم ہی ہوسکتا ہے جس میں علم کو دین اور دنیا کے دائروں میں تقسیم نہ کیا گیا ہو ایک ایسا وحدانی نظامِ تعلیم جس سے فراغت پانے والا مبلغ، مدرّس اور فقیہ بھی ہو اور ضرورت کے وقت مجاہد، منتظم اور منصف بھی ہو، یعنی علم کے بارے میں اسلام کا نقطۂ نظر انتہائی وسیع، ہمہ گیر اور جامع ہے۔

علم دنیا کے لیے بھی ضروری ہے اور دین کے لیے بھی۔ علم انفرادی عزت وعظمت کے لیے بھی ضروری ہے اور اجتماعی عزت وعظمت کے لیے بھی، علم صحیح عقائد، عبادات اور معاملات کے لیے بھی ضروری ہے اور حقوق وفرائض اور اخلاق کے لیے بھی، علم خدا پرستی اور اطاعت شعاری بھی سکھاتا ہے اور مختلف انسانی صلاحیتوں کو جلا بھی بخشتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں علم کی کیا عظمت ہے اور اسلام کی نظر میں علم کا کیا مقام ہے، اس کا اندازہ اس حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے لگایا جا سکتا ہے، ارشاد فرمایا کہ:

''جو شخص طلبِ علم کے راستہ پر چلتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بدلے اسے جنت کے راستوں میں سے ایک راستہ پر چلاتا ہے اور بلاشبہ فرشتے طالب علم کی رضا کے لیے پَر بچھاتے ہیں اور آسمان وزمین کی ہر چیز حتیٰ کہ پانی میں مچھلیاں بھی عالم کے لیے استغفار کرتی ہیں اور بلاشبہ ایک عالم کو ایک عابد پر ایسی ہی فضیلت ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کو تمام ستاروں پر'' (مشکوۃ، کتاب العلم)

1 ......تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں ایک مثالی نظام تعلیم کا پہلا لازمی جزو، یہ ہے کہ معلّم اور متعلّم اس تعلیم پر عامل ہو، ورنہ یہی علم خدا کی ناراضگی اور عذاب کا سبب بن جائے گا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:''**أشد الناس عذاباً یوم القیمٰة عالم لم ینفعه اللّٰه بعلمه**''. ''قیامت کے دن لوگوں میں سب سے زیادہ عذاب اس عالم پر ہوگا جس کا علم اس کے لیے نفع کا ذریعہ نہ بنا ہو''۔(مشکوٰہ)

2 ......تحصیلِ علم، صحیح نیت کے ساتھ ہو۔طمع یا دیگر دنیاوی اغراض کے لیے نہ ہو، ورنہ وہ دنیا اور آخرت میں وبال بن جائے گا۔ہمارے تعلیمی اداروں میں کتنے ڈاکٹر، کتنے وکلاء اس نیت سے علم حاصل کررہے ہیں کہ اُن کا مقصد انسانیت کی خدمت اور خلق خدا کی بھلائی ہے۔یہ ہم سب کے لیے لمحۂ فکریہ ہے، جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

''جس شخص نے علم اس غرض سے حاصل کیا کہ اُس کے ذریعے سے علماء پر اپنا رعب جمائے، یا بیوقوفوں سے جھگڑے، یا اُس کے ذریعے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرے، اللہ تعالیٰ اُسے جہنم کی آگ میں داخل کریں گے۔'' (مشکوٰۃ)

دنیاوی علوم اگر تحصیل رزق حلال کے لیے سیکھے اور انہیں حاصل کرنے کے بعد انہیں ذریعہ معاش بنائے تو جائز ہے۔

3 ......مثالی نظام تعلیم کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ خود سیکھنے کے بعد خود سکھانے کا عمل بھی ہو، تاکہ معاشرے میں علم کی روشنی پھیلے اور جہالت کی تاریکیاں دور ہوں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:''**تعلّموا العلم وعلّموهُ الناس**''. ''خود علم سیکھو اور دوسرے لوگوں کو بھی سکھاؤ''۔(مشکوٰۃ)

ایک دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا:''**مثل علم لا ینتفع به کمثل کنز لا ینفق منه فی سبیل اللّٰه**''. ''ایسے علم کی مثال جس سے نفع نہ اُٹھایا جائے، نہ دوسروں کو اس کی تعلیم دی

جائے اور نہ اس علم کے مطابق انسان کا عمل ہو ایسے خزانے کی طرح کی ہے جس سے خدا کی راہ میں کچھ خرچ نہ کیا جائے"۔ (مشکوٰۃ)

4 ......تعلیم وتدریس میں یہ نکتہ پیشِ نظر رکھنا بھی ایک مثالی نظامِ تعلیم کا حصہ ہے کہ علمی گفتگو کے وقت طلبہ کی ذہنی صلاحیت واستعداد کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا جائے، اُن کے فہم سے بالاتر علمی نکات اُن کے سامنے بیان نہ کرے تاکہ علم کی بے قدری نہ ہو، علمی گفتگو اتنی طویل نہ ہو کہ شاگرد گھبرا جائیں اور جن کے مزاج میں سطحیت ہو اور وہ علم کا ذوق نہ رکھتے ہوں اُن کے سامنے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علمی نکات بیان کرنے سے منع فرمایا ہے، ارشادِ نبوی ہے:"واضع العلم عند غير أهله كمقلّد الخنازير الجوهر واللؤلؤ والذهب". "نااہل اور بد مذاق کو علم سکھانا ایسا ہے جیسے کسی نے خنزیر کے گلے میں جواہرات، موتیوں اور سونے کا ہار ڈال دینا۔"

5 ......مثالی اور اسلامی نظام تعلیم کا ایک لازمی جزو یہ ہے کہ معلّم اور متعلّم دونوں حتی الامکان گناہوں سے کنارہ کش رہیں، معصیت سے اجتناب کریں، اسلام نے علم کی حقیقت کو ایسا نور بتایا ہے جس سے غفلت وتاریکی دور ہوتی ہے اور شرف وفضل حاصل ہوتا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کا ارشاد ہے:"ليس العلم بكثرة الروايات، إنما العلم نور يجعله الله في القلب". "علم کثرتِ روایات کا نام نہیں، علم تو ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ قلب میں پیدا فرما دیتے ہیں۔"

امام شافعی رحمہ اللہ کے یہ مشہور اشعار اسی حقیقت کو بیان فرما رہے ہیں:

شكوت إلى وكيع سوء حفظي فأوصاني إلى ترك المعاصي

فإن العلم نور من إله ونور الله لا يعطى لعاصي

میں نے اپنے استاذ حضرت وکیع رحمہ اللہ سے حافظے کی کمزوری کی شکایت کی تو انہوں نے مجھے ترکِ معصیت کی نصیحت کی اور فرمایا کہ علم تو اللہ کا نور ہے اور اللہ کا نور ایک عاصی اور گنہگار کو نہیں دیا جاتا۔

6 ......اسلام کے مثالی نظامِ تعلیم کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ علم کو دیگر تمام نعمتوں پر فائق قرار دیتا ہے، علم مال سے بہتر ہے، حکومت مل جانے سے بہتر ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں:"العلم خير من المال، العلم يحرسك، وأنت تحرس المال، والعلم حاكم والمال محكوم عليه، والمال تنقصه النفقة والعلم يزكو بالإنفاق".

''علم مال سے بہتر ہے، علم تیری حفاظت کرتا ہے جب کہ تجھے مال کی حفاظت کرنا پڑتی ہے۔ علم حکومت کرتا ہے، جب کہ مال پر حکم چلایا جاتا ہے۔ مال خرچ کرنے سے کم ہوتا ہے جب کہ علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔''

ایک اور موقع پر آپ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: '' العالم أفضل من الصائم المجاهد وإذامات العالم ثلم في الإسلام ثلمة لا يسدها اخلف منه''. ''عالم، روزہ دار شب بیدار مجاہد سے افضل ہے۔ جب ایک عالم دنیا سے اُٹھ جاتا ہے تو اسلام میں ایسا رخنہ پڑ جاتا ہے جسے اس کے نائب کے علاوہ کوئی پُر نہیں کرتا''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں:

''خيّر سليمان بن داؤد عليهما السلام بين العلم والمال والملک، فاختار العلم، فأعطى المال والملک معهٗ'' (احیاء العلوم)

''حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کو علم، مال اور حکومت میں اختیار دیا گیا کہ کسی ایک کو اپنے لیے پسند کرلیں تو اُنہوں نے علم کو پسند کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں علم کے ساتھ مال اور حکومت بھی دے دی۔''

واضح رہے کہ علم سے متعلق جو چیز اسلامی نقطۂ نظر کو ایک امتیازی شان عطا کرتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلیمی انقلاب کا ایک اہم حصہ ہے وہ تصورِ علم کی ہمہ گیری اور جامعیت ہے۔ اسلام صرف دینی تعلیم اور دینی علوم کی اشاعت ہی پر زور نہیں دیتا، دنیاوی علوم کی تحصیل کا بھی حامی ہے۔ مسلم معاشرے کا ارتقاء اور اسلامی مملکت کا استحکام اُسی صورت میں ممکن ہے جب ہمہ گیر ترقی ہو صنعت وحرفت کی بھی، معیشت وتجارت کی بھی، دفاع وسیاست کی بھی اور اخلاق واعمال کی بھی۔ ایک اسلامی مملکت میں تعلیم ایسی ہو جو ان تمام تقاضوں کو پورا کرے۔ ایسے ہی نظامِ تعلیم کی اس وقت ہمیں ضرورت ہے اور یہی نظامِ تعلیم تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں ایک مثالی نظامِ تعلیم کہلانے کا مستحق ہے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العٰلمين

• • •

دینی مدارس کا نصاب تعلیم
ایک جائزہ اور بہتری کے لیے تجاویز

(شعبان المعظم ۱۴۲۵ھ)

مدارس دینیہ کی خدمات...... برصغیر میں اسلامی علوم و روایات کے تحفظ اور معاشرہ میں دینی حمیت کو زندہ رکھنے کے لیے مدارس دینیہ نے جو کردار ادا کیا ہے، اس کا اعتراف نہ کرنا بے انصافی ہے۔ دینی مدارس نے علم کی روشنی پھیلانے، جہالت کی تاریکی دور کرنے، ملک میں ناخواندگی کم کرنے، شرح خواندگی بڑھانے، اسلامی تعلیمات، معلومات اور روایات کو اُجاگر کرنے کی اہم ذمہ داری کو باحسنِ وجوہ پورا کیا۔ قوم کو عالم دین، فقیہ، مفتی، قاضی، محدث، مفسر، حافظ، مفکر، مبلغ، مصنف اور مُصلح دیئے۔ نادار اور بے سہارا بچوں اور بچیوں کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری قبول کر کے نہ صرف ان کی کفالت کی بلکہ ان کو زیور تعلیم سے آراستہ و فیض یاب کیا۔

مدارسِ دینیہ کی ضرورت و اہمیت...... اس وقت دینی مدارس کا وجود مسلمانوں کے لیے بہت بڑی نعمت ہے، دنیا میں اسلام کی بقاء اور اشاعت کا اہم ترین کام انہی مدارس سے وابستہ ہے۔ یہ مدارس اسلام اور علومِ دینیہ کے ایسے قلعے ہیں جن کی وجہ سے آج تک دین محفوظ چلا آ رہا ہے۔ دینی تعلیم کی اہمیت و ضرورت اس لحاظ سے بھی ہے کہ جب بھی انسان علمِ دین اور حکمت کی دولت سے تہی دامن ہوا تو مذموم خصائل کا حامل بنا اور حق تعالیٰ شانہٗ اور مخلوق کے حقوق سے بے خبر و بے فکر ہو کر حرص، لالچ، طمع، قتل و قتال، باہمی عداوت اور ظلم و ستم جیسے جذبات فاسدہ کا شکار ہوا۔ یہ مدارس انسانیت کو اخلاقی پستی سے نکال کر عمدہ اخلاق سے آراستہ کرنے، دنیا میں امن و امان، ایثار و قربانی اور نجات اُخروی کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔

مدارس کی تاریخ...... ان مدارس کی نسبت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ اس پہلے دینی مدرسہ کے ساتھ ہے جو ایک چبوترے پر قائم کیا گیا تھا، جس کو ''صفہ'' کہا جاتا تھا، اس میں پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم میں بیان فرمودہ ''فرائض نبوۃ'' کی تعلیم و تکمیل فرماتے تھے،

یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآن وسنت کی تعلیم دینے کے علاوہ اُن کا تزکیۂ نفوس فرماتے تھے۔اس مدرسہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت انس رضی اللہ عنہ، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ جیسے ستر طالب علم رضی اللہ عنہم تھے جو''اصحابِ صفہ'' کے نام سے مشہور ہیں۔اس مدرسۂ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم میں عوام وخواص، عرب وغیر عرب، آزاد اور غلام، کسی امتیاز کے بغیر حصولِ علم میں مصروف رہتے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ آیات سناتے:﴿قل هل يستوي الذين يعلمون والذين لايعلمون﴾(سورۃ زمر:۹)(کیا علم جاننے والے اور جاہل بھی یکساں ہو سکتے ہیں)﴿يرفع الله الذين امنوا منكم والذين أوتوا العلم درجت﴾(المجادلہ:۱۱)(تم میں سے جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں اور جن کو علم بخشا گیا ہے، اللہ ان کو بلند درجے عطا فرمائے گا۔)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن، حدیث اور فقہ کے ساتھ حسب ضرورت ریاضی، طب، علم انساب، دفاعی تعلیم اور دوسری زبانیں سیکھنے کا بھی حکم دیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں حضرت زید بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ نے فارسی، سریانی اور حبشی زبانیں سیکھیں۔ یہ دنیوی تعلیم کا حصہ ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ورزش، تیراکی اور تیر اندازی سیکھنے کا حکم دیا۔ یہ جسمانی اور دفاعی تعلیم ہے۔(دینی مدارس کی روایات:ص۱۴)

مدارس اپنی ابتدائی شکل میں......باقاعدہ مدارس کی ابتداء سے پہلے مساجد، علوم کی درسگاہ کی حیثیت رکھتی تھیں، جن میں اُستاذ، معلّم، محدث اور مفسر کے گرد طلباء کے حلقے قائم ہوتے تھے۔ سلطنت عباسیہ(۷۵۰۔۹۴۵ء)میں یہ مدرسے مساجد ہی میں کام کرتے تھے۔پھر جب بحث و مباحثہ اور سوال وجواب کا سلسلہ بڑھا تو مساجد میں عبادت گزاروں نے خلل محسوس کیا تو مساجد کے ساتھ عمارات تعمیر کر کے باقاعدہ مدارس کھولے گئے۔مسلم دورِ حکومت میں جو نظامِ تعلیم اُبھرا وہ اپنے زمانے کا جدید ترین نظام تعلیم تھا۔خاص طور پر مسلم اسپین کی عظیم درسگاہیں دینی ودنیوی تعلیم کا حسین امتزاج تھیں۔مسلم سلطنت میں ایک طاقت ور سلجوقی وزیر خواجہ نظام الملک طوسی(۱۰۹۲ء)نے ریاستی معاونت کے ذریعے تعلیم کو وسعت اور مضبوطی عطا کرنے کے لیے ٹھوس اقدامات کیے۔اُنہوں نے ۱۰۶۵ء میں مدرسہ نظامیہ بغداد میں قائم کیا اور امام غزالی رحمہ اللہ کو اس مدرسہ کا صدر مدرّس مقرر کیا۔ان درسگاہوں سے علومِ دینیہ کے حامل یکتائے روزگار افراد کے علاوہ نامور مسلمان سائنس دان پیدا ہوئے۔اہلِ مغرب نے دانستہ طور پر سائنس کی

تاریخ سے مسلمان سائنس دانوں کے نام تبدیل کردیئے۔ اس طرح دنیا کو یہ باور کرایا گیا کہ سائنس کی ترقی اور فروغ میں مسلمانوں کا کوئی حصہ نہیں۔ (ہندوستان کی درس گاہیں، از: ڈاکٹر قمر الدین، ص:۱۳۳)

جنوبی ایشیاء میں مدارس کا آغاز......جنوبی ایشیا میں مسلمانوں کے باقاعدہ تعلیمی نظام اور مدارس کی ابتداء قطب الدین ایبک (۱۲۱۰ء) کے عہد میں ہوئی۔ اس دور میں سینکڑوں مساجد تعلیم وتدریس کا مرکز تھیں، جن میں دینی علوم کے علاوہ دنیوی علوم کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ مساجد کے علاوہ امراء کی حویلیوں، چوپالوں اور خانقاہوں میں بھی درس وتدریس کا سلسلہ جاری تھا۔ سلطان ایبک کی طرف سے علماء کی سرپرستی ضرب المثل تھی۔ پھر سلطان شمس الدین التمش (۱۲۳۶ء) نے کئی مدارس قائم کیے، وہ اہلِ علم کا زبردست قدردان تھا۔ فیروز شاہ تغلق (۱۳۸۸ء) نے تیس اعلیٰ تعلیمی ادارے قائم کیے اور پہلے سے قائم مدارس کی مرمت اور روزمرہ اخراجات کے لیے فنڈز مختص کیے۔ خلجی سلاطین کا زمانہ حکومت (۱۴۳۶ء تا ۱۵۳۱ء) اسلامی تعلیم وتدریس اور علم پروری کے حوالے سے خصوصی شہرت رکھتا ہے۔

اسی طرح سلطان سکندر لودھی کا عہد (۱۴۸۹ء تا ۱۵۱۰ء) اسلامی تعلیم وتدریس کی سرپرستی کے حوالے سے قابلِ ذکر ہے۔ مغلیہ دور کے تمام سلاطین اور مغل امراء کی علم دوستی کے نقوش تاریخ کی کتابوں میں جگمگا رہے ہیں۔ جلال الدین اکبر (۱۶۰۵ء) نے اَن پڑھ ہونے کے باوجود نہ صرف متعدد مدرسے قائم کیے، بلکہ کتب خانوں کی بنیاد بھی ڈالی۔

شہنشاہ جہانگیر (۱۶۲۸ء) نے دینی مدارس قائم کرنے کے علاوہ انہیں ترقی دینے اور آمدن کے مستقل ذرائع برقرار رکھنے کے لیے یہ فرمان جاری کیا کہ:

"اگر کوئی امیر یا بیرونی تاجر لاوارث مرجائے تو اس کا مال ودولت بنام سلطنت منتقل ہو کر مدرسوں پر خرچ کیا جائے۔"

اورنگ زیب عالم گیر (۱۷۰۷ء) بذاتِ خود عالم تھا، اس نے متعدد مدارس قائم کیے، وہ تعلیم وتدریس کے باب میں وسیع نقطۂ نظر رکھتا تھا۔ اس نے مدارس کی خودمختاری میں براہِ راست مداخلت کیے بغیر عصری علوم کے اضافے سے اہم تبدیلیاں کرائیں اور طالب علموں کے لیے وظائف جاری کیے۔ اس عظیم علم دوست حکمران نے لکھنؤ میں ایک ڈچ تاجر کی کوٹھی "فرنگی محل" خرید کر ایک مدرسے کی بنیاد رکھی اور ملا نظام الدین سہالوی رحمہ اللہ (۱۷۴۸ء) کو استاذ مقرر کیا،

جنہوں نے ہندوستان میں مروّجہ درس نظامی کی تدوین کی۔ درسِ نظامی کا یہ نصاب مختلف تبدیلیوں کے ساتھ آج بھی رائج ہے، جس میں اسلامی علوم کی بنیادی کتب کے ساتھ اُس دور کے علوم وفنون کی معیاری کتب شامل تھیں۔

ملا نظام الدین سہالوی رحمہ اللہ کے مجوزہ نصاب میں صرف، نحو، منطق، حکمت، ریاضی، بلاغت، فقہ، اصولِ فقہ، کلام، تفسیر اور حدیث کے علوم وفنون شامل تھے۔ البتہ اس نصاب میں حدیث کی تعلیم صرف ''مشکوٰۃ المصابیح'' تک تھی۔ ''صحاحِ ستہ'' کو درسِ نظامی کا حصہ بعد میں بنایا گیا۔ اورنگ زیب رحمہ اللہ کے زمانے میں مدارس کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ مشہور انگریز ہملٹن نے لکھا ہے کہ ''صرف ٹھٹھہ شہر میں ۴۰۰ مدارس تھے'' اگرچہ اورنگ زیب رحمہ اللہ کے زمانے سے مغلیہ اقتدار کو زوال شروع ہو چکا تھا، تاہم مدارس کے قیام کا سلسلہ آخری مغل حکمران بہادر شاہ ظفر (۱۸۶۲ء) کے عہد تک جاری رہا۔

اس زمانے میں جتنے علوم ہندوستان میں مروّج تھے وہ اس نصاب میں شامل تھے۔ کوشش یہ کی جاتی تھی کہ اس نصاب کا فارغ کسی رائج الوقت علم سے بالکل ناواقف نہ رہے۔ اس زمانے کی سائنس، میڈکل سائنس، انجینئرنگ، اقلیدس، الجبرا، جیومیٹری اور ریاضی اس نصاب کا حصہ تھے۔ آزاد معاش کا طریقہ اختیار کرنے میں مدد دینے کے لیے طب (میڈیکل سائنس) بھی شاملِ نصاب تھی۔ اسی وجہ سے اس درس کے پڑھے ہوئے بے شمار لوگ طبیب، انجینئر، منتظم اور معمار ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ جس ماہر تعمیرات نے تاج محل تعمیر کیا تھا، یعنی اُستاذ احمد معمار لاہوری (۱۶۴۹ء) وہ اسی درسِ نظامی کا پڑھا ہوا تھا۔ معماری کا یہ فن اس نے مدرسے ہی میں بیٹھ کر سیکھا تھا۔ اتنی بڑی سلطنت کا نظام حکومت اور نظامِ عدالت چلانے والے یہی درس پڑھ کر تیار ہوتے تھے۔ گویا کہ یہ درس اُس زمانے میں ایک اَپ ٹو ڈیٹ معاشرے کو چلانے کے لیے ہر لحاظ سے مکمل نظامِ تعلیم تھا۔ (اکیسویں صدی، پاکستان کے تعلیمی تقاضے، مصنف: ڈاکٹر محمود احمد غازی، ص: ۱۰۸)

دینی مدارس کا نصابِ تعلیم ...... دینی مدارس کے موجودہ نصابِ تعلیم کی بنیاد اور اصل الاصول تو ملا نظام الدین رحمہ اللہ کا مجوزہ نصابِ تعلیم ہی ہے، مگر انگریزوں کی آمد اور سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء مطابق ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ کو دیو بند میں ایک مکتب کی بنیاد رکھ گئی، جس نے آگے چل کر ایک جامعہ کی شکل اختیار کی اور اسی کے نظام و نصاب تعلیم کے تحت برصغیر میں ہزاروں مکاتب و مدارس قائم ہوئے، تو اس مکتب کے بانیان نے فرنگی محلی علماء کے تشکیل کردہ نصاب میں

بعض تبدیلیاں کیں۔ فرنگی محلی نصاب میں علومِ اسلامیہ (یعنی قرآن وحدیث اور سنت) پر زور کم اور معقولات پر توجہ زیادہ تھی، لیکن جب دارالعلوم دیو بند کے بانیان نے اس مروّج درس نظامی کو اختیار کیا تو اس میں صحاحِ ستہ کو بھی شامل کیا اور فقہ، اصولِ فقہ کے نصاب میں بھی وسعت کی۔ اس کے علاوہ عقائد، ادب، علم عروض، فن مناظرہ، طب اور تاریخ کا اضافہ کیا۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے ملحق ملک بھر کے مدارس وجامعات میں وہی ''نصابِ تعلیم'' رائج ہے۔

تنقیدی جائزہ...... دینی مدارس میں رائج نصاب تعلیم پر گفتگو یا اُسے زیر بحث لانا شجر ممنوعہ نہیں، اہلِ مدارس نے اس سلسلہ میں مخلصین کی طرف سے آنے والی آراء اور تنقید کا ہمیشہ خیر مقدم کیا ہے، اسے بہ نظر استحسان دیکھا ہے اور مفید مشوروں اور آراء پر عمل بھی کیا ہے۔ تاہم درسِ نظامی پر ناقدانہ نظر سے پہلے یہ معلوم کر لینا ضروری ہے کہ دینی مدارس اس نصاب کے ذریعے کن اہداف کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تاکہ ہماری تنقید بے جا تنقیص نہ بنا جائے۔

اس سلسلہ میں گزارش ہے کہ مدارس دینیہ میں رائج نصابِ تعلیم میں دو باتوں کو بنیادی اہمیت حاصل ہے:

1 ...... مدارس کے قیام وو جود کا سب سے اہم مقصد معاشرہ میں مسجد و مدرسہ کے ادارہ کو قائم رکھنا اور اسے رجالِ کار فراہم کرتے رہنا ہے، اس لیے وہ اپنے نصاب کو اسی دائرہ میں محدود رکھنا چاہتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ عام مسلمان کا تعلق دین کے ساتھ قائم رکھنے کے لیے مسجد اور مدرسہ کے لیے رجالِ کار کی فراہمی از حد ضروری ہے۔ اگر مدارس سے بھی بکثرت ایسے افراد نکلنے شروع ہو گئے جن کا رُخ مدارس ومساجد کے بجائے اسکولز، کالجز، یونی ورسٹیوں اور حکومتی ملازمتوں کی طرف ہوا تو اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ مسجد و مدرسہ کا بنیادی ادارہ افراد کی کمی کے باعث تعطل کا شکار ہو جائے۔

2 ...... اربابِ مدارس میں سے اکثر کا یہ کہنا ہے کہ وہ ان دینی مدارس کے لیے عشر، زکوٰۃ اور دیگر عطیات علومِ دینہ کی اشاعت وترویج کے لیے حاصل کرتے ہیں، اُنہیں عصری علوم کی تحصیل پر خرچ کر دینا یا تنا صحیح نہیں۔

مذکورہ بالا دونوں اشکالات ایک حد تک درست ہیں، تاہم پہلے اشکال کا جواب یہ ہے کہ ہم طلبہ کی صحیح دینی تربیت اور ان کے دلوں میں تعلیم واشاعت دین کی اہمیت کو اُجاگر کر کے اس کا تدارک کر سکتے ہیں۔ ویسے بھی طلبہ پر پابندی کی بجائے انہیں آزادی دی جائے، وہ فکر وشعور کی

روشنی میں یہ فیصلہ کرسکیں کہ ان کے لیے دین کی خدمت اور اصلاح معاشرہ کا فریضہ زیادہ اہم ہے یا کسی قسم کی سرکاری نوکری۔ یہ ایک بے جا قسم کا خوف ہے کہ اگر ان طلباء کو انگریزی میں شد بد ہوگئی تو یہ دین کا راستہ چھوڑ کر دنیا کی منڈی میں غائب ہو جائیں گے، زبردستی کسی کو روکا اور باندھا نہیں جا سکتا، اس لیے کھلے دل کے ساتھ اس چیلنج کو قبول کرنا چاہیے۔ موجودہ نصاب میں عصری علوم شامل کیے جانے کے باوجود اگر طلبہ ذہنی طور پر پختہ اور باشعور ہوں تو ان شاء اللہ! وہ صرف معاشی مفادات کی خاطر مساجد و مدارس سے بے وفائی نہیں کریں گے۔

دوسرے اشکال کا جواب یہ ہے کہ اگر مدارسِ دینیہ چندہ دہندگان پر یہ واضح کر دیں کہ موجودہ دور میں اسلام کی دعوت و تبلیغ کا کام عصری علوم حاصل کیے بغیر ممکن نہیں، لہٰذا ان کے عطیات علوم عالیہ اور علوم آلیہ جدیدہ دونوں پر صرف کیے جائیں گے تو اُمید ہے کہ تمام معطی حضرات، اسے بخوشی قبول کرلیں گے۔ اس سلسلہ میں علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ (۱۹۲۳ء) کی آخری عمر کی یہ وصیت پیشِ نظر رہنی چاہیے:

> ''اگر اسلام کی دعوت و تبلیغ کا کام صحیح طریقے سے کرنا چاہتے ہو تو اس کے لیے انگریزی سیکھنا ضروری ہے'' (بحوالہ دینی مدارس میں تعلیم، مؤلفہ: سلیم منصور خالد، ص: ۲۱۰)

ان معروضات کا حاصل یہ ہے کہ ہمیں دینی مدارس کے نظامِ تعلیم میں اصلاح اور نصاب میں ترامیم کی تجاویز سے پہلے اربابِ مدارس کے ذہنوں میں موجود خطرات و خدشات کو بھی پوری طرح ملحوظ رکھنا ہوگا اور اسی تناظر میں مدارس کے نظام و نصاب میں اصلاحات، ترامیم اور اضافوں کی بات کرنی ہوگی۔

میری حیثیت اس علمی مجلس میں مدارس دینیہ کے نمائندہ کی ہے۔ تاہم، ہم کھلے دل سے اپنے نصاب تعلیم کو زیر بحث لا کر اصلاح طلب پہلوؤں کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ اُمید ہے کہ عصری علوم کی درس گاہوں کے نمائندہ حضرات بھی اپنی درس گاہوں سے فارغ ہونے والے افراد کی علمی اور اخلاقی حالت کا غیر جانب دارانہ جائزہ لیں گے اور یہ بتائیں گے کہ علوم عصریہ کی تحصیل کے بعد اُن کے اندر اخلاص و ایثار، دیانت و امانت، بے نفسی و قربانی، شرافت و پاک دامنی، دین و وطن سے محبت اور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات پر عمل کا جذبہ کس قدر پایا جاتا ہے۔ اگر عصری علوم میں مہارت کے باوجود وہ ان اخلاق فاضلہ سے محروم یا کالمحروم ہیں تو جدید درس گاہوں کے اربابِ بست و کشاد کو بھی اپنی بے بصری و بے عملی کے تدارک کے لیے سوچنا چاہیے۔

بہتری کے لیے تجاویز

1 مافی الضمیر کی ادائیگی پر قدرت...... دینی مدارس میں موجودہ زمانے کی زندہ زبانوں پر اس درجہ عبور کی طرف توجہ نہیں دی جاتی کہ ایک فارغ التحصیل عالم دین کسی مسئلہ پر اپنا مافی الضمیر انگلش، عربی یا کم از کم اُردو میں شستہ زبان میں قلم بند کر سکے اور زبانی طور پر کسی علمی محفل میں سلیقے کے ساتھ اظہار کر سکے، اس لیے دینی مدارس میں ایسا نظام قائم کرنا انتہائی ضروری ہے کہ اُردو، عربی دونوں زبانوں میں تحریری اور تقریری طور پر مافی الضمیر کے اظہار پر فاضلین کو دسترس حاصل ہو اور انگریزی میں بھی کم از کم اس درجہ میں لازم ہے کہ وہ انگریزی میں لکھی ہوئی چیز کو پڑھ کر اور سمجھ کر اس کے بارے میں اظہارِ خیال کر سکیں۔ انگریزی زبان کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے مفکرِ اسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہٗ نے لکھا ہے کہ:

> ''جدید مغربی تعلیم کے اثر سے دنیا میں جتنی گمراہیاں پھیلی ہیں ان کے سرچشمے انگریزی زبان میں ہیں۔ جب تک ان گمراہیوں کے اصل منابع سے کما حقہٗ واقفیت حاصل نہ ہو ان کی تردید اور ان پر تنقید و تبصرہ پوری طرح مؤثر نہیں ہو سکتا...... مغرب کے مستشرقین نے عربی اور اسلامی علوم پر ''تحقیق'' کے نام سے ایسے زہریلے لٹریچر کا انبار تیار کرایا ہے جس کا مقصد دین کے بنیادی مسلّمات کو مشکوک بنانا ہے۔ اس زہر کا تریاق فراہم کرنا علماء کی ذمہ داری ہے اور اس کے لیے انگریزی زبان اور ان عصری علوم کی تحصیل لازمی ہے۔ اس وقت مسلمانوں کی بڑی تعداد یورپ، امریکہ، افریقہ، آسٹریلیا اور مشرق بعید میں آباد ہے، ان لوگوں کو خاص طور پر نئی نسلوں کو اسلام پہنچانے کا کوئی راستہ انگریزی زبان کے بغیر ممکن نہیں۔ (ہمارا تعلیمی نظام، ص: ۱۰۰)

2 تاریخ سے واقفیت...... درسِ نظامی کے مروّجہ نصاب میں تاریخ، بالخصوص تاریخ اسلام کے بارے میں قابلِ ذکر مواد کی کمی پائی جاتی ہے، جس کی وجہ سے ایک فارغ التحصیل عالمِ دین تاریخی تسلسل اور اہم واقعات کی ترتیب تک سے بے خبر رہ جاتا ہے، اس کی طرف توجہ کی ضرورت ہے۔ عام طور پر اسلامی تاریخ کا نصاب خلافت راشدہ سے شروع ہو کر خلافتِ عباسیہ پر ختم ہو جاتا ہے، حالانکہ مسلم تاریخ کے حسبِ ذیل ادوار اپنی اہمیت کے اعتبار سے نہایت ضروری ہیں:

خلافتِ عثمانیہ، اندلس میں مسلمان، وسطی ایشیا میں مسلم ریاستیں، مشرقی یورپ میں مسلم تاریخ، جنوب مشرقی ایشیا میں مسلم اقتدار، مشرق بعید میں اسلام کا پھیلاؤ، افریقی ممالک میں

اسلام کی ترویج، انیسویں اور بیسویں صدی میں مسلم دنیا کی شکست وریخت اور اس سے پیدا شدہ عبرت آموز اسباق، تجدید واحیائے دین کی تحریکات، موجودہ مسلم دنیا کا نقشہ، جغرافیہ، معدنی وقدرتی وسائل اور مسائل پر معلومات اور فہم۔

3 مقارنۃ الادیان...... دوسرے ادیان ومذاہب اور فلسفہ ہائے حیات پر ایک عالمِ دین کی گہری نظر ہونی چاہیے۔ باطل فرقوں کے عقائد اور دلائل سے باخبر ہونا بھی ضروری ہے، موجودہ عالمی تناظر میں اسلام کی صحیح ترجمانی کے لیے اس کی ضرورت واہمیت مزید بڑھ گئی ہے۔

4 جدید علوم...... دینی مدارس میں مختلف علوم وفنون پر پڑھائی جانے والی کتابیں انتہائی مفید اور ضروری ہیں، مگر ان کے ساتھ علوم وفنون میں جو نئے نئے شعبے اور ابواب دریافت ہوئے ہیں علمائے کرام کا اُن سے باخبر ہونا ضروری ہے۔ بقول مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ:

> ''میرا دل زخمی ہے۔ اب دنیا کہاں تک آ گئی ہے۔ اپنے مدرسوں میں جن چیزوں کو ہم معقولات کے نام پر پڑھا رہے ہیں، وہ وہی چیزیں ہیں جن سے دنیا کا دماغی کاررواں دو سو برس پہلے گزر چکا ہے۔ آج اُن کی دنیا میں کوئی جگہ نہیں۔'' (بحوالہ ماہنامہ ''الشریعۃ، اپریل ۲۰۰۱ء)

5 اختلاف میں اعتدال...... مدارس میں بالعموم نظری، فقہی اور فروعی مسائل میں بحث مباحثہ اس قدر شدت اختیار کر جاتا ہے کہ بسا اوقات اولیٰ اور غیر اولیٰ، جزوی اختلاف سے بھی کفر واسلام کی معرکہ آرائی کا تاثر اُبھرنے لگتا ہے۔ یہ صورتِ حال توجہ طلب ہے۔ اربابِ مدارس طلبہ کو اختلاف اور مخالفت کی حدود بتانے کے علاوہ عمل کی طرف بھی متوجہ کریں۔

احقر نے جن اُمور کی نشاندہی کی ہے، خوش آئند اَمر یہ ہے کہ ان کی اصلاح کے لیے پیش رفت شروع ہو چکی ہے: میٹرک تک انگریزی اور عصری مضامین کو شاملِ نصاب کر دیا گیا ہے، اُمید ہے کہ یہ سلسلہ آگے بھی چلے گا۔ اسی طرح جدید علوم، مقارنۃ الادیان، تاریخ، بالخصوص تاریخ اسلام کی جانب بھی توجہ دی جا رہی ہے اور متعدد نئی کتابیں شاملِ نصاب کی گئی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر ان دو چار باتوں کی اصلاح کر لی جائے تو مدارسِ دینیہ کا نظام ونصابِ تعلیم ایک مثالی نظام کہلائے گا، جو دین اور دنیا کی تمام ضروریات کے لیے جامع ہوگا۔

(وآخر دعوانا أن الحمد للّٰہ رب العٰلمین)

• • •

مدرسہ ایجوکیشن

حضرات گرامی...... میں آپ حضرات کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے ملک کے ایک اہم فورم پر مدارسِ دینیہ کے نمائندہ کی حیثیت سے مجھے مدعو کیا اور اپنے مؤقف اور خیالات کے اظہار کا موقع دیا۔ ہم سب بحمد اللہ! مسلمان ہیں، مسجد اور مدرسہ کے الفاظ ہمارے لیے اجنبی نہیں ہیں، اسی طرح اسلام میں حصولِ علم کی جو غیر معمولی اہمیت ہے اس سے بھی آپ حضرات باخبر ہیں۔"طلب العلم فريضة علىٰ كل مسلم و مسلمة" کہ "علم کی طلب ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے" کی حدیث بھی آپ نے سنی ہوئی ہے۔ اسی طرح یہ الفاظ بھی حدیث شریف میں آتے ہیں: "كُن عالماً أو متعلماً أو محبّاً لهما و لا تكن رابعاً فتهلك" یعنی عالم بنو، یا سیکھنے والے بنو، یا ان سے محبت رکھنے والے بنو، ان کے علاوہ کچھ نہ بنو، ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ عہدِ نبوی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی کی تعمیر کے ساتھ ایک مدرسہ یعنی "صفہ" قائم فرمایا تھا، جس میں اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم قرآن وسنت کے علوم حاصل کرتے تھے۔ اس لیے میرا یہ حسنِ ظن ہے اور بجا طور پر ہے کہ کوئی مسلمان مدارس کی اہمیت وضرورت اور مقام کا انکار نہیں کرسکتا۔ ہمارے قومی رہنماؤں میں جن حضرات نے مدارس میں باقاعدہ تعلیم حاصل نہیں کی، اُنھوں نے بھی مدارس کا ذکر بہت وقیع الفاظ میں کیا اور قوم کو ان کی قدر افزائی کی طرف متوجہ کیا۔ ۱۹۴۲ء میں ہمارے قومی شاعر مفکرِ پاکستان علامہ اقبال مرحوم نے ان مدارس کے بارے میں فرمایا تھا:

> "ان مکتبوں (مدرسوں) کو اسی حالت میں رہنے دو، غریب مسلمانوں کے بچوں کو انہی مکتبوں میں پڑھنے دو۔ اگر یہ ملا اور یہ درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ جو کچھ ہوگا اُسے اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں۔ اگر ہندوستان (و پاکستان) کے مسلمان ان مکتبوں کے اثر سے محروم ہوگئے تو بالکل اسی طرح جس طرح ہسپانیہ

(اسپین) میں مسلمان کو آٹھ سو برس کی حکومت کے باوجود آج غرناطہ وقرطبہ کے کھنڈرات اور الحمرا اور باب الاخواتین کے سوا اسلام کے پیروؤں اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا، یہاں بھی تاج محل اور دلی کے لال قلعہ کے سوا مسلمانوں کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا۔"

آپ حضرات اہلِ علم ہیں اور مجھے اُمید ہے کہ یہ تاریخی حقیقت بھی آپ کے علم میں ہوگی کہ برصغیر میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے خاتمہ کے بعد باقاعدہ تاج برطانیہ نے نظام حکومت سنبھال کر متحدہ ہندوستان کو اپنی نو آبادیات میں شامل کرلیا تھا، برطانوی حکومت نے متحدہ ہندوستان کے نظام کو تبدیل کرنے کے لیے جو اقدامات کیے ان میں پرانے نظامِ تعلیم کا خاتمہ بھی کیا۔ اس سے قبل متحدہ ہندوستان کی دفتری زبان فارسی تھی، جب کہ قانون کی زبان عربی تھی، یعنی عدالتوں میں فتاویٰ عالمگیری کا قانون رائج تھا جو اورنگزیب عالمگیر رحمہ اللہ کے دورِ حکومت میں پانچ سو جید علمائے کرام کی اجتماعی کاوشوں کا نتیجہ تھا اور فقہ حنفی کی بنیاد پر ملک کے اجتماعی نظام کے لیے مرتب کیا گیا تھا اور ملک میں بطور قانون نافذ تھا۔ حاصل یہ کہ دفتری زبان فارسی تھی اور قانون کی زبان عربی تھی۔ درسِ نظامی ان دونوں ضرورتوں کو پورا کرتا تھا، اس لیے مغل دور کے مدارس میں یہی نصاب رائج تھا۔ برطانوی حکومت نے دفتری زبان انگریزی قرار دے دی اور عدالتوں میں رائج اسلامی قوانین کو منسوخ کر کے برٹش لاء نافذ کر دیا۔ ان اقدامات سے سابقہ تعلیمی نظام ونصاب کی افادیت ختم ہوگئی اور یہی حکومت برطانیہ کا اصل مقصد تھا۔

چونکہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں علمائے کرام ہی پیش پیش تھے اور آئندہ بھی ان ہی سے خطرہ تھا کہ جب بھی موقع ملا وہ انگریزی حکومت کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں گے، اس لیے اس طبقہ کو مکمل طور پر کچلنے کا فیصلہ کیا گیا، بہت سے علمائے کرام اس معرکۂ حریت میں جام شہادت نوش کر گئے، ہزاروں کو بغاوت کے جرم میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور بے شمار علماء کو جلاوطن کر کے کالا پانی کے جزیرے میں نظر بند کر دیا گیا۔ ان اقدامات کا منطقی نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی اقدار وروایات کی حفاظت کرنے والی علمائے کرام کی پوری کھیپ تقریباً ختم ہوگئی اور ایک محتاط اندازے کے مطابق ہندوستان میں مجموعی طور پر تیس ہزار کے لگ بھگ مدارس یک لخت بند ہو گئے۔

اس صورت حال میں باقی ماندہ علمائے کرام نے اپنے اپنے علاقوں میں اپنے ذوق کے مطابق دینی تعلیم کو باقی رکھنے کے لیے مختلف طریقے اختیار کیے، جب کہ یوپی کے علاقہ "شاملی" میں

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں حصہ لینے والے چند علمائے کرام نے دیو بند کے قصبہ میں عوامی چندے کی بنیاد پر ایک دینی درسگاہ قائم کی جو آگے چل کر دارالعلوم دیو بند کے نام سے متعارف ہوئی۔

دیو بند کے مدرسہ کی بنیاد خالصتاً عوامی تعاون پر تھی اور اس کے بنیادی اصولوں میں جو آج بھی تحریری صورت میں موجود ہیں۔ یہ بات مستقل طور پر طے کردی گئی تھی کہ اس کے لیے مستقل آمدنی کا انتظام نہیں کیا جائے گا، بلکہ عام مسلمانوں کے رضا کارانہ چندوں کے ذریعے اس کا نظام چلایا جائے گا۔ چنانچہ اس وقت سے آج تک دارالعلوم اور اس سے فکری و عملی طور پر وابستہ اکثر و بیشتر مدارس کا نظام اسی اصول کے مطابق چل رہا ہے، حتیٰ کہ بہت سے مواقع پر متعدد حکومتوں نے امداد کی پیشکش کی، مگر ان مدارس نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس وقت بھی حکومتِ وقت کی کی جانب سے بعض شرائط کے ساتھ بھاری امداد کی پیشکش موجود ہے مگر پاکستان کے کسی قابلِ ذکر مدرسے نے حکومتی امداد قبول نہیں کی۔

ان مدارس نے، جن کے خلاف اس وقت تمام سیکولر طاقتیں پوری طاقت سے آواز بلند کر رہی ہیں اور بے دین حکومتیں اُنہیں جڑ سے اُکھاڑ پھینکنا چاہتی ہیں، غریب عوام سے چندے لے کر جو خدمات انجام دیں، بڑی بڑی حکومتیں اپنے بے پناہ وسائل کے باوجود وہ انجام نہ دے سکیں۔ عوام کو روٹی، کپڑا، مکان، علاج اور تعلیم کی سہولتیں بہم پہنچانا حکومتوں کی ذمہ داری ہے۔ مگر یہ دیکھ کر مسرت آمیز تعجب ہوتا ہے کہ یہ فریضہ دینی مدارس، اپنے وسائل کے مطابق محدود پیمانے پر ہی سہی، انجام دے رہے ہیں۔

ان مدارس کی نمایاں خدمات کا اندازہ آپ حضرات اس بات سے لگا سکتے ہیں:

- ......ان مدارس نے مساجد میں امامت اور قرآن کریم کی تعلیم کے نظام کو باقی رکھنے کے لیے ائمہ مساجد، خطباء اور حفاظ قرآن تیار کیے۔ چنانچہ آج برصغیر بلکہ جنوبی ایشیا کے مسلم معاشرہ میں جتنی مساجد آباد ہیں اور جتنے مکاتب قرآن کی تعلیم دے رہے ہیں، وہ انہی مدارس کا فیض ہے۔
- ......ان مدارس نے قرآن کریم، حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم، فقہ اسلامی، عربی فارسی زبانوں اور دیگر متعلقہ علوم کی حفاظت و تدریس کا اہتمام کیا اور درسِ نظامی کے اس نظام و نصاب کو آج تک باقی رکھا، جسے برطانوی حکومت اپنے خیال میں جڑ سے اُکھاڑ کر سمندر میں پھینک چکی تھی۔
- ......ان مدارس نے مسلمانوں کے عقیدہ و فکر کی حفاظت کی اور توحید و سنت کے سرچشمہ کے ساتھ اُنہیں وابستہ رکھنے کے علاوہ اس خطہ میں مسیحیت کے فروغ کی روک تھام کی اور انکارِ سنت،

انکار معجزات، عقل پرستی، شرک و بدعات، انکار ختم نبوت اور دیگر اعتقادی و عملی فتنوں کا مقابلہ کیا۔

● ...... مسلمانوں میں حریت اور آزادی کے جذبہ کو باقی رکھا اور خودمختاری کے جذبات کی آبیاری کرتے ہوئے تحریک آزادی کو سینکڑوں قائدین اور ہزاروں کارکنوں کی کھیپ ہر دور میں مہیا کی۔

● ...... عام مسلمانوں میں دعوت واصلاح کے عمل کو جاری رکھا، آج یہ عمل ''تبلیغی جماعت'' کی صورت میں پوری دنیا کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ دینی مدارس کے فضلاء کا اس میں بہت بڑا کردار ہے۔

● ...... تحریر وتقریر کے میدان میں بڑے بڑے مصنفین، محققین، دانشور اور خطباء پیدا کیے اور اس طرح تحقیقی و عملی میدان میں جدوجہد کے تسلسل کو قائم رکھا۔

دینی مدارس کو ان خدمات کی وجہ سے مغربی استعمار اپنی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ سمجھتا ہے۔ ان دینی مدارس کو ختم کرنے یا سرکاری کنٹرول میں لاکر بے اثر بنانے کے منصوبے وقتاً فوقتاً بنتے رہتے ہیں۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ دینی مدارس کی یہ خدمات، کارکردگی اور جدوجہد کا تسلسل صرف اُسی صورت میں باقی رہ سکتا ہے جب کہ وہ سرکاری مداخلت سے پاک ہوں، مالی طور پر خودمختار ہوں اور نصاب ونظام کے معاملات خود ان کے اپنے کنٹرول میں ہوں۔ بصورتِ دیگر مغربی استعمار کے زیر اثر حکومتوں کو مدارس میں مداخلت کا موقع دینے سے یہ سارا نظام مجروح اور تہہ وبالا ہو جائے گا۔

یہ مدارس اپنے کردار اور خدمات کے پسِ منظر میں، جنوبی ایشیا میں مغربی استعمار کے توسیع پسندانہ عزائم اور مغربی ثقافت وتہذیب کو مسلط کرنے کے منصوبے کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہیں۔ اسی رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے عالمی ذرائع ابلاغ کے ذریعے ان مدارس کی کردارکشی اور ان کے خلاف مکروہ پروپیگنڈہ کی مہم جاری ہے، لیکن ان تمام مخالفتوں اور رکاوٹوں کے باوجود یہ دینی مدارس محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور غریب عوام کے مخلصانہ تعاون کے ساتھ اپنے مقدس مشن کے لیے جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہیں اور آئندہ بھی مخالفت کا کوئی حربہ انہیں ان کے مشن اور آزادانہ کردار سے محروم نہیں کر سکے گا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

مدارس اور اسکولز کی تعلیم میں فرق کے لیے چند نکات

1 ...... کسی بھی ملک اور معاشرے کی ترقی کی تعمیر وترقی کے لیے تعلیم کی اہمیت سے کوئی باشعور انسان انکار نہیں کرسکتا۔ ۱۱ ستمبر کے بعد اہلِ مغرب نے تعلیم کے محاذ کو اپنی خصوصی توجہ کا مرکز بنایا ہے۔ تعلیم کی ترقی کے لیے پاکستان کو وقتاً فوقتاً دی جانے والی امریکی و مغربی امداد اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ عالمی طالع آزما قوتوں نے جب کسی قوم کو زیر کرنا چاہا تو اس کی نوجوان نسل کو اپنا ہم نوا بنانے کے لیے اپنا نصاب تعلیم اس پر مسلط کر دیا۔ پاکستان، سعودی عرب، مصر، عراق اور افغانستان میں آج کل یہی کچھ ہو رہا ہے۔ عالمی استعمار نے ایک طرف مسلم ممالک کے سرکاری نصابِ تعلیم میں مداخلت شروع کی ہوئی ہے، دوسری طرف دینی مدارس کے خلاف ایک مذموم مہم جاری ہے اور انہیں ''مشرف بہ بش'' کرنے کا پروگرام ہے۔

2 ...... ''مسٹر'' اور ''ملا'' کی تفریق انگریزوں نے پیدا کی تھی۔ اس وقت باطل کی فوجی اور تہذیبی یلغار کا مقابلہ کرنے کے لیے اس تفریق کو ختم کرنا ضروری ہے۔ عالمی کفریہ طاقتیں دونوں میدانوں میں کام کر رہی ہیں۔ وہ مسلمانوں کے عصری تعلیمی نظام کو بھی مکمل طور پر سیکولر بنانے کی خواہاں ہیں اور دینی مدارس کو بھی مختلف پابندیوں میں جکڑ کر ان کی اہمیت وافادیت، حریت اور استحکام کو ختم کرنا چاہتی ہیں۔ عالمی طاقتیں جانتی ہیں کہ پاکستانی عوام کی اسلام سے گہری وابستگی کے سوتے دینی مدارس سے پھوٹتے ہیں اور مغرب نے بعض ممالک میں اسلامی تہذیب پر جو غلبہ حاصل کیا ہے تو اس کی وجہ وہاں دینی مدارس کا خاتمہ، یا ان کو عیاش حکمرانوں کا ماتحت بنانا ہے، اس لیے وہ پاکستان کے دینی مدارس کا بھی وہی حشر کرنا چاہتا ہے۔ اس سازش کا مقابلہ کرنے کے لیے پاکستان کے عوام میں شعور پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

3 ...... دینی مدارس کے نظام ونصاب کے تحفظ کے ساتھ ساتھ علماء کرام کو عصری تعلیم کے شعبے میں ''لارڈ میکالے'' کے نظام کے مقابلے میں متبادل تعلیمی نظام فراہم کرنے کی فکر بھی کرنی

چاہیے۔ بحمد اللہ اس وقت پاکستان میں متعدد دینی مدارس ایسے اسکولز اور کالج چلا رہے ہیں، جہاں دینی ماحول میں عصری تعلیم دی جاتی ہے۔ مسٹر اور ملا کے درمیان پیدا کی جانے والی وسیع خلیج بدستور کم ہو رہی ہے اور ہم یہ کسی مرعوبیت کی بنا پر نہیں کر رہے، بلکہ یہ ہمارے اکابر کے مقرر کردہ خطوط کے مطابق ہے۔ اس سلسلے میں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کا کردار ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ انہوں نے دارالعلوم دیوبند اور علی گڑھ کالج کے درمیان پیدا ہونے والی دوریوں کو دور کرنے کے لیے عملی قدم اٹھایا اور انتہائی ضعف اور پیرانہ سالی میں علی گڑھ کالج کے سالانہ پروگرام میں شرکت کی اور اپنے خطبے میں علی گڑھ مکتبہ فکر کے نوجوانوں کو ان سازشوں سے آگاہ کیا، جو انگریز نے مسلمانوں کو تقسیم کرنے کے لیے تیار کی تھیں۔ یہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی اسی توجہ اور فکر کی برکت تھی کہ علی گڑھ کالج سے مولانا محمد علی جوہر جیسے رہنما نکلے، جنہوں نے تحریکِ خلافت میں ہندوستان کے مسلمانوں کی ولولہ انگیز قیادت کی۔

4...... ہمارے عصری نظامِ تعلیم میں مقصدیت کے فقدان اور اسلامی و اخلاقی اقدار کی پامالی کے باعث علماء کرام نے اس ضرورت کا احساس فرمایا ہے کہ مسلمان بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کے ساتھ ان کی دُنیوی تعلیم کا بندوبست بھی کیا جائے۔ اس سلسلے میں علماء کرام کی کوشش کو عوامی حلقوں میں توقع سے زیادہ پذیرائی ملی ہے۔ اقراء اسکولوں کا دائرہ پورے ملک میں پھیل چکا ہے اور ان کے اچھے اثرات معاشرے پر ظاہر ہونا شروع ہو گئے ہیں...... شہری علاقوں کے متوسط اور مال دار طبقے کے لوگوں میں اپنے بچوں کو ایسے اداروں میں داخل کرنے کا رجحان بڑھ رہا ہے، جہاں دینی و دنیوی دونوں تعلیموں کا بندوبست ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عوام اپنے بچوں کی دینی و دنیوی تعلیم و تربیت کے لیے علماء کرام پر زیادہ اعتماد کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ علماء اس میدان میں کام کریں۔

5...... اس کے ساتھ ساتھ ہم سمجھتے ہیں کہ ایسے ادارے بھی ضروری ہیں، جن میں خالص دینی تعلیم دی جائے۔ ضرورت کے مطابق عصری علوم پڑھانے میں کوئی حرج نہیں، مگر ان اداروں کا بنیادی مقصد قرآن وسنت کے ماہرین پیدا کرنا ہو۔ یہ مقاصد شریعت میں داخل اور امت کی ضرورت ہے۔ دینی مدارس کے درج ذیل مقاصد انہیں عصری تعلیمی اداروں سے ممتاز کرتے ہیں۔

(الف)...... قرآن وسنت، عربی اور دیگر اسلامی علوم کی حفاظت اور مسلم معاشرہ سے ان کا تعلق برقرار رکھنا۔

(ب)...... مساجد و مدارس کے نظام کو قائم رکھنا اور ان کے لیے ائمہ، خطباء اور مدرسین کی فراہمی۔

(ج)......یورپ کی نظریاتی وتہذیبی یلغار کو سامنے رکھتے ہوئے اسلامی طرز معاشرت اور عقائد کی حفاظت۔

(د)......جدید عقلیت کے پیدا کردہ اعتقادی ونظریاتی فتنوں سے مسلمانوں کو محفوظ رکھنا۔

یہ وہ اعلیٰ وارفع مقاصد ہیں، جن کے لیے مدارس کا موجودہ شکل میں قائم رہنا تمام امت کی ضرورت ہے۔ مغرب اور مغرب زدہ حکمرانوں کو ان مقاصد کی اہمیت کا احساس اور ان سے اتفاق ہو، یا نہ ہو، ایمان کی معمولی چنگاری رکھنے والا کوئی مسلمان ان سے صرف نظر نہیں کر سکتا۔

اسی لیے علامہ اقبال مرحوم نے فرمایا تھا کہ: ''ان مکتبوں کو اسی حالت میں رہنے دو، غریب مسلمان بچوں کو ان ہی مدارس میں پڑھنے دو، اگر یہ مُلّا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا، جو کچھ ہوگا، میں سے اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں۔''

اس کے بعد علامہ نے بتایا کہ:

> ''مدارس کے ختم ہونے سے ہندوستان میں بھی آگرہ کے تاج محل اور دہلی کے لال قلعے کے سوا مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ حکومت اور تہذیب کا کوئی نشان نہ ملے گا۔'' (خون بہاء، صفحہ: ۴۳۹، مصنفہ: حکیم احمد شجاع)

6......دنیوی تعلیمی اداروں کی ساری محنتیں اور کاوشیں حصولِ مال وجاہ کے گرد گھومتی ہیں۔ ہمیں اس تلخ حقیقت کا اعتراف کرنا چاہیے کہ جدید تعلیم نے ''آخرت'' کو اپنے نصاب سے نکال دیا ہے۔ جدید تعلیمی اداروں میں پڑھنے والے بابو، مسٹر، سائنس دان، قانون دان، سیاست ان، سب کچھ بن جاتے ہیں، لیکن اسلام کا مطلوب ''مردِ مؤمن'' نہیں بنتے۔

ایک صاحبزادے یورپ سے قانون کی ڈگری لے کر آئے۔ والد کے انتقال کے موقع پر جنازے میں شریک نہیں ہوئے۔ ان سے کہا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر آپ کہیں تو میں اپنے والد کو قانون کی کوئی کتاب پڑھ کر بخش دوں، میرے والد نے مجھے یہی تعلیم دلائی ہے۔ روزہ، نماز اور قرآن شریف سے نابلد ہوں۔ دنیا میں یہ صلہ ملا اور آخرت میں بچوں کی تعلیم کے سلسلے میں اپنا فریضہ صحیح انجام نہ دینے کی جو سزا ملے گی، وہ اس کے علاوہ ہے۔ یہ صورتحال ہم سب کے لیے لمحہ فکریہ ہے۔

• • •

خطبہ استقبالیہ......اسلام آباد کنونشن

(جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ)

مئی ۲۰۰۵ میں وفاق المدارس العربیہ کی طرف سے اسلام آباد کے کنونشن سینٹر میں ملک بھر کے ممتاز علمائے کرام اور دانشوروں کے لئے کنونشن منعقد کیا گیا تھا، حضرت ناظم اعلیٰ وفاق نے اس میں درج ذیل خطبہ استقبالیہ پڑھا تھا۔

الحمدللّٰہ والصلوٰۃ والسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ أعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم...... بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم﴿وأنتم الأ علون إن کنتم مؤمنین﴾

محترم مہمانانِ گرامی، علمائے کرام، مشائخ عظام، سفرائے احتشام، اساتذۂ ذوی الاحترام، طلبائے عزیز اور معزز رفقائے سفر! میں آج کے اس اپنی نوعیت کے پہلے عظیم الشان اجلاس اور پروقار تقریب تقسیمِ انعامات اور دینی مدارس کنونشن میں آپ حضرات کو ''وفاق المدارس العربیہ پاکستان'' اور اپنی طرف سے دل کی گہرائیوں سے خوش آمدید کہتا ہوں۔ آپ حضرات نے ہماری ناتواں آواز کو پذیرائی بخش کر، دینی بیداری اور ملّی حمیت کا ثبوت دیا۔ اللہ تعالیٰ اہلِ علم کے ساتھ آپ کی اس وابستگی اور تعلق کو قائم رکھیں اور مزید مستحکم فرمائیں۔ آمین!

حضرت گرامی! آج ہم جس مقام پر کھڑے ہیں اس میں ہماری مساعی سے زیادہ ہمارے اُن اکابر واسلاف کی تمناؤں، دعاؤں اور کاوشوں کا دخل ہے جنھوں نے بروقت ''وفاق المدارس'' کی تشکیل وتنظیم کے بارے میں سوچا، اسے عملی جامہ پہنایا اور ہمیں اس قابل کیا کہ ہم اس بارِ گراں کو اٹھانے کے متحمل ہوسکے۔ چشمِ دل وا ہو، تو ہم آج بھی اکابرین کے دعاؤں کے لیے اٹھتے ہاتھوں اور ایمان وایقان سے منورہ چہروں پر انبساط واطمینان کی جھلک دیکھ سکتے ہیں۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے قیام کی ضرورت تو اکابر کی دُور اندیش بصیرت نے پاکستان بنتے ہی محسوس کرلی تھی لیکن اس کا پہلی بار برملا اظہار ۲۰ شعبان المعظم ۱۳۷۶ھ مطابق ۲۲

مارچ ۱۹۵۶ء کو جامعہ خیر المدارس ملتان کی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں ہوا۔ ملک کے ممتاز اہل علم نے بے دینی کے سیلاب کو روکنے، دینی مدارس کے خلاف حکومتی اقدامات کی مدافعت کرنے اور سیکولر نظامِ تعلیم کے مقابلہ میں دینی ونبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) نظامِ تعلیم کو فروغ دینے کے لیے ایک ایسی تنظیم کی ضرورت پر اتفاق کیا جو ملک بھر کے دینی مدارس کی نمائندہ، اسلاف کے علم وعمل کی امین، علوم نبوت کی محافظ اور دینی طبقوں کے اتحاد وحدت کا نشان ہو، چنانچہ شمس العلماء حضرت مولانا شمس الحق افغانی قدس سرہٗ کی تحریک وتجویز پر حضرت مولانا خیر محمد جالندھری، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی، حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ ملتانی اور حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہم اللہ پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی گئی جس کے کنوینر حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ مقرر کیے گئے۔

اس کمیٹی کے بنیادی اہداف میں مدارسِ عربیہ کی بقاء، تحفظ، وترقی، نصابِ تعلیم کی ترتیب، معیار تعلیم کی بہتری اور ملت کے اتحاد میں دینی مدارس کے کردار کو مؤثر وفعال بنانا تھا۔ اس کمیٹی نے اپنے دائرہ عمل کو وسعت دینے اور ملک کے جید علمائے کرام اور اربابِ مدارس کی تجاویز کو مربوط کرنے کے لیے ملک گیر سطح پر ایک سہ روزہ کانفرنس ۲۲ تا ۲۴ شوال ۱۳۷۸ھ دار العلوم اشرف آباد ٹنڈو الہیار میں منعقد کی۔ اس کانفرنس کے شرکاء نے مدارس کی شیرازہ بندی، وحدت، نصابی اور امتحانی اُمور میں ہم آہنگی کی ضرورت سے اتفاق کیا، چنانچہ جید علمائے کرام کے اتفاق ومشاورت سے ایک مجلس تشکیل دی گئی۔ اس مجلس کے صدر کے لیے بانیٔ خیر المدارس حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ کا انتخاب ہوا، دیگر منتخب ارکان میں حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ، حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا محمد صادق بہاولپوری رحمہ اللہ جیسے اساطین علم وعمل شامل تھے۔ اس مجلس نے اپنے اجلاس منعقدہ خیر المدارس بتاریخ ۱۶، ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۷۸ھ میں ''وفاق المدارس العربیہ پاکستان'' کے قیام کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ مجوزہ ''وفاق'' کا پہلا اجلاس ۱۴، ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۸، ۱۹، اکتوبر ۱۹۵۹ء کو حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں ''وفاق'' کے دستور کی منظوری کے ساتھ تین سال کے لیے حسبِ ذیل عہدیداران کا انتخاب عمل میں آیا:

صدر : حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ

نائب صدر اول : حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ

نائب صدر دوم : حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ

ناظمِ اعلیٰ : حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ

خازن : حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ

اس انتخاب کے بعد وفاق المدارس العربیہ کی مجلسِ عاملہ نے ۱۳۸۲ھ میں حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ کو صدر ''وفاق'' منتخب کیا، مولانا رحمہ اللہ تاحیات اس منصب پر فائز رہے۔ آپ رحمہ اللہ کی رحلت کے بعد بالترتیب حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ، حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ اور حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمہ اللہ ''وفاق'' کے صدر بنے، جب کہ ناظم اعلیٰ کے عہدے پر حضرت مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ، حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمہ اللہ، حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدھم، حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن رحمہ اللہ اور حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید رحمہ اللہ فائز ہوئے۔ اس وقت ''وفاق'' کی قیادت حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدھم شیخ الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی فرما رہے ہیں جب کہ نظامتِ اعلیٰ کی ذمہ داری احقر محمد حنیف جالندھری عفا اللہ عنہ (مہتمم جامعہ خیر المدارس، ملتان) کے کندھوں پر ہے۔

''وفاق المدارس'' پاکستان کے اہلِ علم اور دینی مدارس کی ہمہ گیر متفقہ تنظیم ہے جس نے پاکستان میں دینی مدارس کے تحفظ و بقاء، اہلِ علم کے درمیان توافق و رابطہ، نظامِ تعلیم و امتحانات میں یکجہتی، جامع یکساں نصابِ تعلیم اور ملت کے اتحاد کے لیے ناقابلِ فراموش خدمات انجام دیں۔ اس وقت ''وفاق المدارس'' سے ملحق مدارس کی تعداد نو ہزار اور ان میں زیرِ تعلیم طلبہ و طالبات کی تعداد چھ لاکھ کے قریب ہے جن کی صوبہ وار تفصیل اور اجمالی جائزہ درج ذیل ہے:

صوبہ وار تفصیل......

❶ اسلام آباد......۵۹ ❷ بلوچستان......۴۳۱

❸ پنجاب......۲۲۰۶ ❹ سرحد......۱۱۰۱

❺ سندھ......۲۰۲۳ ❻ آزاد کشمیر......۲۱۹۰

❼ شاخہائے مدارس......۲۱۹۰

کل میزان......۸۱۹۹

درجہ وار تفصیل:

❶ درجہ حفظ ۵۲۷۴ ❷ متوسط (مڈل) ۵۷۸

❸ ثانویہ عامہ (میٹرک) ۵۸ ❹ ثانویہ خاصہ (ایف اے) ۱۵۲۸
❺ درجہ عالیہ (بی اے) ۳٦۳ ❻ درجہ عالمیہ (ایم اے) ۴۰۸

کل میزان......۸۱۹۹

❶ تعداد رجسٹرڈ مدارس......۱۹۲۷ ❷ تعداد غیر رجسٹرڈ مدارس......٦۲۷۲

''وفاق المدارس'' ان چھ لاکھ طلبہ کا سالانہ امتحان کسی حکومتی امداد یا تعاون کے بغیر نہایت خوش اسلوبی، دیانت اور نظم وضبط کے ساتھ لیتا ہے۔ یہ امتحانات بیک وقت پورے ملک بشمول قبائلی علاقہ جات، شمالی علاقہ جات اور آزاد کشمیر میں منعقد ہوتے ہیں۔

''وفاق المدارس'' کی بدولت مدارس کے نصابِ تعلیم اور نظامِ تعلیم میں یکسانیت اور استحکام آیا۔ طلبہ میں مسابقت کا جذبہ پیدا ہوا، وفاق کا نظام امتحانات اتنا مستحکم ہے کہ سالانہ امتحانات کے موقع پر جو پرچہ لاہور، ملتان، کراچی اور اسلام آباد کے مدارس میں شروع ہوتا ہے وہی پرچہ اس وقت بلوچستان یا سندھ کے کسی دور افتادہ مدرسہ میں بھی تقسیم ہو رہا ہوتا ہے۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے تحت امتحانات کا باقاعدہ آغاز ۱۹٦۰ء سے ہوا وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے سالانہ امتحانات ۱۳۸۰ھ، ۱۹٦۰ء سے ۲۰۰۴ء تک درجہ کتب کے امتحانات میں ۳۵۸۸۳۸ (تین لاکھ اٹھاون ہزار آٹھ صد اڑتیس) طلباء نے حصہ لیا جب کہ ضمنی امتحانات میں ۱۴۸۸۲ طلباء نے شرکت کی جن کی مجموعی تعداد ۳۷۳۷۲۰ (تین لاکھ تہتر ہزار سات سو بیس) ہیں۔ اور شعبہ طالبات کے سالانہ امتحانات ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۹۰ء تا ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۴ء درجہ کتب طالبات میں ۱۹۲۵۱٦ (ایک لاکھ بانویں ہزار پانچ سو سولہ) طالبات نے حصہ لیا اور ضمنی امتحانات میں ۲۸٦۸ طالبات نے شرکت کی جن کی مجموعی تعداد ۱۹۵۳۸۴ (ایک لاکھ پچانویں ہزار تین صد چوراسی) ہیں۔

اسی طرح شعبہ تحفیظ القرآن الکریم کے امتحانات ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲ء تا ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۴ء میں ۳۴۹٦۸۴ (تین لاکھ انچاس ہزار چھ سو چوراسی) طلبہ وطالبات نے حصہ لیا۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے تاسیس سے ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۴ء تک سالانہ امتحانات میں ۹۰۱۰۳۸ (نو لاکھ ایک ہزار اڑتیس) اور ضمنی امتحانات میں ۱۷۷۵۰ (ستر ہزار سات سو پچاس) طلبہ وطالبات نے حصہ لیا۔ واضح رہے کہ ۱۹٦۰ء میں جب امتحانات کا سلسلہ شروع ہوا تو ''وفاق'' صرف درجہ عالمیہ کا امتحان لیتا تھا۔ ۱۹۸۲ء میں تحفیظ القرآن کریم کا امتحان بھی ''وفاق'' کے زیر اہتمام شروع ہوا۔ ۱۹۹۰ء میں بنات کا امتحان بھی ''وفاق'' نے لینا شروع

کیا۔۱۹۸۳ء میں عالمیہ کے ساتھ خاصہ (بنین) ۱۹۸۴ء میں عالمیہ کے ساتھ خاصہ وعامہ (بنین) کے امتحانات ''وفاق'' کے تحت ہونا شروع ہوئے جب کہ ۱۹۸۹ء میں ''وفاق'' نے متوسط، عامہ، خاصہ، عالیہ اور عالمیہ تمام درجات کے امتحانات لینے کا سلسلہ شروع کیا۔

بنات کے درجہ عامہ کے امتحانات وفاق المدارس کے تحت ۱۹۹۰ء میں شروع ہوئے۔۱۹۹۲ء میں خاصہ اور ۱۹۹۴ء میں عامہ، خاصہ، عالیہ اور عالمیہ چاروں درجات کے امتحانات ''وفاق'' کے تحت شروع ہوئے اور اب تک جاری ہیں۔

''وفاق المدارس'' نے اہلِ علم کو معاشرے میں اُن کے شایانِ شان مقام دلوانے کے لیے مخلصانہ جدوجہد کی جس کے نتیجے میں ۱۹۸۲ء میں ''وفاق'' کی سند ''شہادۃ العالمیہ'' کو حکومتی سطح پر ایم اے عربی، ایم اے اسلامیات کے برابر تسلیم کیا گیا، تعلیم و تحقیق کے لیے اُسے معیار تسلیم کیا گیا، اس پر پی ایچ ڈی کرنے کی اجازت دی گئی۔ گزشتہ انتخابات میں جب رکن اسمبلی کے لیے بی اے ہونا لازمی قرار دیا گیا تو موجودہ اسمبلیوں میں علمائے کرام کی کثیر تعداد ''وفاق'' ہی کی سند پر انتخابات میں حصہ لینے کی اہل قرار پائی اور اب الیکشن میں کامیابی کے بعد نفاذِ اسلام اور استحکام پاکستان کے لیے کام کر رہی ہے۔

''وفاق المدارس'' پاکستان کے دینی مدارس کی قوت وشوکت کا نشان ہے۔ان مدارس نے نامساعد حالات میں برصغیر اور تقسیم کے بعد پاکستان میں مسلمانوں کے عقائد، عبادات، معاشرت اور اسلامی شعائر کی حفاظت کے لیے بے مثال کردار ادا کیا۔ آج دینی مدارس کے طلبہ میدان جہاد سے لے کر پارلیمنٹ ہاؤس تک اپنی عظمت کے جھنڈے گاڑ چکے ہیں۔ قراردادِ مقاصد ہو یا ۱۹۷۳ء کا آئین، ختم نبوت کی تحریک ہو یا نظامِ مصطفیٰ کی، جہاد افغانستان ہو یا کشمیر میں جانی و مالی قربانیوں کی لازوال داستان، آپ کو ہر طرف دینی مدارس کی خدمات، کردار اور قربانیاں نظر آئیں گی۔

اس وقت بھی یہ مدارس قوم کے پندرہ لاکھ طلبہ کو اپنے دامن میں جگہ دیے ہوئے ہیں جن کو نہ صرف قرآن وسنت کی تعلیم دی جاتی ہے، بلکہ ان کے قیام وطعام اور دیگر انسانی ضروریات بھی یہی مدارس مہیا کرتے ہیں۔ ان مدارس کی بے چارگی کا یہ عالم ہے کہ یہ اپنے روزمرہ اخراجات کے لیے بھی اہلِ خیر کے دستِ کرم کے محتاج رہتے ہیں مگر دوسری طرف استغناء کا یہ عالم ہے کہ کروڑوں روپے کی حکومتی پیشکش مسترد کر چکے ہیں۔ دینی مدارس شرح خواندگی میں اضافے، لاکھوں بچوں کو تعلیم وضروریات فراہم کرنے اور قومی یکجہتی کو برقرار رکھنے کے لیے جو کام

کررہے ہیں اس کا اعتراف خود صدرِ مملکت اور اربابِ حکومت متعدد بار کر چکے ہیں۔

حضرات محترم! پاکستان کی ستاون سالہ تاریخ میں تعلیم پر کھربوں روپے خرچ کرنے والے تعلیمی اداروں نے قرآن کریم کا ایک حافظ، ایک قاری اور دین کا ایک عالم اور ایک مفتی پیدا نہیں کیا، اگر خدانخواستہ یہ دینی مدارس نہ ہوتے تو آج ہر طرف جہالت کا خوف ناک اندھیرا اور ہر جگہ تاریکیوں کا بسیرا ہوتا جب کہ دینی مدارس نے روشن خیالی کا ڈھنڈورا پیٹے بغیر علم کی روشنی ملک کے طول وعرض میں پہنچادی ہے۔ دینی مدارس کے بوریہ نشینوں نے پندرھویں صدی میں یہ معجزہ کردکھایا کہ ملک وملت کو جس محاذ پر کمک کی ضرورت محسوس ہوئی یہ فاقہ مست پیش پیش رہے، ملک کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کا مسئلہ ہو، یا جغرافیائی حدود کا تحفظ، ظالم وآمر حکمرانوں کے ساتھ کلمۂ حق کہنے کی ضرورت ہو، یا اسلامی شعائر کے لیے میدان میں آنے کا مرحلہ، ہر جگہ آپ کو مدارس کے فیض یافتہ صفِ اول میں نظر آئیں گے۔

ابھی چند روز قبل مدارس ہی کے ایک قابل فرزند نے اپنے جسم پر پولیس کی لاٹھیاں اور گولیاں کھا کر قوم کی بیٹیوں کی عزت وناموس کی حفاظت کی۔ مجھ کہنے دیجیے کہ مدارس نے صرف محدث، مفسر، مبلغ، متکلم، معلم، امام، خطیب، واعظ، مصنف اور مؤلف ہی پیدا نہیں کیے باطل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر حق کہنے والے مجاہد ومبارز بھی پیدا کیے ہیں۔

حضرات محترم! یوں تو ایک مدت سے ہمارے مدارس، اُن کا تعلیمی نظام اور اُن کی خدا پرستی وحق پرستی ابنائے زمانہ کی آنکھوں میں کھٹکتی رہی ہے اور اُن کی طرف سے وقتاً فوقتاً چیں بجبیں چہرے، تنی ہوئی بھنویں اور اُٹھتی ہوئی انگلیاں دیکھنے میں آتی رہی ہیں لیکن کسی میں اتنی جرات کبھی نہیں ہوئی کہ کھل کر ان کی مخالفت کر سکے، مگر نائن الیون کے بعد اسلام دشمن طاقتوں کی شہ پر نہ صرف مدارس کو بے سروپا الزامات اور بے بنیاد بہتان تراشیوں کا سامنا ہے بلکہ فراعنۂ وقت کے ہمنوا، مدارس کے وجود کو بھی برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں۔ ہم آج اپنے اکابر سے اس عہد کو پھر سے استوار کرتے ہیں کہ عصرِ حاضر کے شیطانی حملوں کا نہ صرف ڈٹ کر مقابلہ کریں گے، بلکہ اس راہ میں جان کی بازی لگا کر بھی اسلاف کی امانت کو محفوظ رکھیں گے۔ ظاہراً جو لوگ ہماری اصلاح اور بہتری کی تجاویز پیش کررہے ہیں وہ اپنے امتحانی نظام اور تعلیمی بورڈوں کا جائزہ لیں جن کی ناکامی اور ناقص کارکردگی کا اعتراف وہ خود آغا خان بورڈ کے اجراء کی صورت میں کر چکے ہیں۔ ہم ان ''خیر خواہوں'' سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ آئیں اور ہمارے ''وفاق'' کے نظامِ امتحانات، اس کی کارکردگی اور شفاف

کارگزاری کا جائزہ لیں، اگر ہمارے نظام میں کسی قسم کا سقم موجود ہو تو ہم اپنی اصلاح کے لیے تیار ہیں۔ جہاں تک ہمارے نصابِ تعلیم کا تعلق ہے ہم کسی حکومتی مداخلت اور سرکاری دباؤ کے بغیر اپنے طور پر فارمل اور نارمل ایجوکیشن کے پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ کے نصاب کو میٹرک تک پڑھا رہے ہیں۔ اس کے علاوہ متعدد دینی مدارس میں کمپیوٹر سائنسز کی تعلیم بھی دی جا رہی ہے۔

آج کے اس کنونشن کے انعقاد کا مقصد جہاں تعلیمی میدان میں اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کرنے والے طلبہ کو انعامات دینا اور حوصلہ افزائی کرنا ہے، وہاں ہمارے نظامِ تعلیم سے ناواقف، ہماری کارکردگی سے لاعلم اور ہمارے معیار کے غیر معترف اصحاب کو اس سے روشناس کرانا اور یہ باور کرانا ہے کہ اقتدار کے ایوانوں میں تشریف فرما اربابِ عقل و دانش کو ملک و ملّت کی بہتری کے منصوبوں کی حمایت و اعانت کرنی چاہیے نہ کہ غیروں کی تحریک اور اشاروں پر اپنی دینی و تہذیبی اقدار اور نظامِ تعلیم و تربیت کی مخالفت۔ یہ الزام کہ ہم دینی مدارس کے نصاب کی وجہ سے سائنسی میدان میں ترقی نہیں کر سکے، حقائق کی دنیا میں انتہائی مضحکہ خیز ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق دنیوی تعلیم کے مختلف سرکاری و غیر سرکاری تعلیمی اداروں میں پڑھنے والوں کی تعداد اڑھائی کروڑ سے متجاوز ہے جب کہ تمام دینی اداروں نے کتنے سائنس دان، کتنے محقق، کتنے مصنف اور کتنے نیوکلیئر ماہرین پیدا کیے ہیں......؟ کیا سرکاری ادارے صرف تقلیدِ مغرب اور مرعوبیت کا سبق پڑھانے کے لیے ہیں......؟ حقیقت یہ ہے کہ یہ مدارس بے سروسامانی میں حکومتی اداروں کے کروڑوں کے فنڈز والی جامعات کا مقابلہ کر رہے ہیں اور اپنے اہداف و مقاصد میں اُن سے بہتر افراد پیدا کر رہے ہیں۔

ہمارا حال اس بڑھیا جیسا ہے جس نے بادشاہ کے عقاب کو دیکھا تو کہا: اس بے چارے کی چونچ مڑی ہوئی ہے، یہ دانے کیسے کھاتا ہوگا......؟ اس کے پنجوں کے ناخن مڑے ہوئے ہیں، یہ ٹہنی پر کیسے بیٹھتا ہوگا اور قینچی لے کر اس کے ناخن اور چونچ کاٹ دی اور یوں اسے عُقاب سے فاختہ بنا دیا۔

ہمارے اصحابِ اقتدار اور مہربان بھی ہم سے یہی سلوک کرنا چاہتے ہیں:

اچھا ہے کہ شیروں کو سکھا دیں رمِ آہو　　باقی نہ رہے شیر کی شیری کا فسانہ

دینی مدارس کو اب بھی بہت سے ایسے مسائل کا سامنا ہے جس کی وجہ سے وہ تعلیم و تربیت کے اہم ترین فریضہ کو پوری یکسوئی سے انجام نہیں دے سکتے۔ دینی مدارس کو قومی تحویل میں لینے اور انہیں حکومت کے نظام کے تحت رجسٹریشن کے نئے ضوابط میں جکڑنے کے منصوبے پر کافی عرصہ کام ہوتا رہا، بالآخر حکومت نے ہمارا مؤقف درست تسلیم کرتے ہوئے سوسائٹی ایکٹ ۱۸۶۰ء کے

تحت مدارس کی رجسٹریشن کرنے کا پرانا طریقِ کار بحال کرنے کا اعلان کیا، مگر اس اعلان کو ایک سال کا عرصہ گزر چکا ہے ابھی اس پر عمل درآمد نہیں ہوا۔ اس طرح مدارس کو قومی دھارے میں لانے والے ''خیر خواہوں'' سے ہمارا مطالبہ تھا کہ اس کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ حکومت ''وفاق المدارس'' سمیت پانچوں وفاقوں کو امتحانی یونی ورسٹی یا خود مختار پرائیویٹ تعلیمی اور امتحانی بورڈ کا درجہ دے اور ان کی تمام سندات کو باقاعدہ طور پر تسلیم کیا جائے تاکہ ان کے فضلاء فراغت کے بعد دیگر شعبوں میں خدمات انجام دینا چاہیں تو انہیں کسی قسم کی دشواری کا سامنا نہ ہو۔ اسی طرح تمام وفاقوں کا یہ مطالبہ تھا کہ غیر ملکی طلبہ کے لیے تعلیمی ویزہ حاصل کرنے کی شرائط کو آسان بنایا جائے مگر تا حال یہ تمام مسائل معلق ہیں۔ ہم ان حالات میں یہ دُعا کر سکتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہٗ ہمارے اربابِ اختیار کو ادراکِ حقائق اور دینی ذمہ داریاں پوری کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضراتِ گرامی! مدارس کی ماضی کی تاریخ گواہ ہے کہ انہوں نے وقت کے کسی فتنے کے سامنے سپر نہیں ڈالی، حق گوئی میں کبھی مداہنت اور تساہل سے کام نہیں لیا، خلافِ شریعت اعمال وافعال پر کبھی سکوت اختیار نہیں کیا۔ ہم آج بھی اپنے اس مؤقف پر قائم ہیں، خواہ ہمیں اس کی وجہ سے دہشت گردی کے الزام سننے پڑیں، بنیاد پرستی کے طعنے دیئے جائیں، تنگ نظر اور رجعت پسند کہا جائے، یہ تمام مطاعن ہمارے لیے تمغہ ہائے امتیاز ہیں۔ ہمیں یہ معلوم ہے کہ یہ راستہ ایثار وقناعت اور قربانیوں کا راستہ ہے، اس گلستان کو بعض اوقات پانی سے نہیں خون سے سینچا جاتا ہے۔ اس ''کوچہ محبوب'' میں قدم رکھنے والے پہلے دن سے ہی طے کر لیتے ہیں کہ:

جسے ہو جان و دل عزیز وہ اس کی گلی میں جائے کیوں؟

حضرات! دینی مدارس موجودہ نامساعد حالات میں اُمت کی اُمیدوں کا چراغ ہیں، اسلام کی پناہ گاہیں اور ہدایت کے سرچشمے ہیں۔ جب تک اُمت اور اس کے افراد، ان سے وابستہ رہیں گے ان سے افادہ واستفادہ کا تعلق رکھیں گے ان کے کام کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے، دین اور اہل دین کے ضروری عزت واحترام میں کبھی کمی نہیں کریں گے۔ اس وقت تک ان شاء اللہ! جادۂ حق پر قائم رہیں گے، ایمان وعمل میں ترقی کریں گے، اس لیے میری درخواست ہے:

پیوستہ رہ شجر سے اُمید بہار رکھ

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

○ ○ ○

سپریم کورٹ میں وفاق المدارس کی آئینی درخواست

(۱۷ اگست، ۲۰۰۷)

میں اس وقت جدہ میں ہوں۔ پرسوں ۱۳، اگست کو عشاء کی نماز کے وقت یہاں پہنچا ہوں۔ یوم آزادی یہیں گزارا ہے اور آج ۱۵، اگست کو مدینہ منورہ روانہ ہونے سے قبل یہ سطور تحریر کر رہا ہوں۔ مولانا عبدالعزیز کے بھانجے عامر صدیق اور ہمشیرگان محترمات کی پریس کانفرنس کی رپورٹ میں نے سفر کے دوران پڑھی ہے جس میں انہوں نے مولانا عبدالعزیز کی طرف سے اپنے وکیل کی تبدیلی اور وفاق المدارس العربیہ کی جدوجہد پر اطمینان کے اظہار کا اعلان کیا ہے اور یہ تجربہ بیان کیا ہے کہ ان کے بعض نمائندے ان کے اور علمائے کرام کے درمیان اختلافات اور غلط فہمیوں کا باعث بنے ہیں۔

میرے نزدیک یہ دونوں باتیں لال مسجد اور جامعہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے دینی جدوجہد کے مستقبل کے لیے بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ مولانا عبدالعزیز نے شوکت عزیز صدیقی صاحب کو اپنے خاندان کی طرف سے وکیل مقرر کیا ہے جو لال مسجد آپریشن کے خلاف سپریم کورٹ میں دائر کی جانے والی رٹ میں وفاق المدارس کے بھی وکیل ہیں اور اس طرح وفاق المدارس کی عدالتی جدوجہد اور مولانا عبدالعزیز کی قانونی تگ ودو میں عملی ہم آہنگی کا امکان واضح ہوتا دکھائی دینے لگا ہے جو نہ صرف یہ کہ خوش آئند ہے بلکہ عدالتی جدوجہد کے منظم اور مربوط طور پر آگے بڑھنے کے لیے ضروری بھی ہے۔ اسی طرح مولانا عبدالعزیز اور ان کے اہل خاندان کو اس امر کا احساس ہو جانا بھی اطمینان بخش ہے کہ اس سارے عمل کے دوران میں کچھ لوگ مولانا عبدالعزیز اور ان کے خاندان کے ساتھ ملک کی اعلیٰ دینی قیادت، بالخصوص وفاق المدارس کے رہنماؤں کے مثبت روابط میں رکاوٹ بنتے رہے ہیں۔

مجھے کسی خاص شخصیت سے غرض نہیں، اسی لیے میں کسی کا نام نہیں لے رہا، لیکن اپنے کم وبیش

چالیس سالہ تجربہ کی بنیاد پر لال مسجد کا تنازع شروع ہونے کے دن سے ہی مجھے یہ شدت کے ساتھ محسوس ہوتا رہا ہے کہ کچھ لوگ درمیان میں ضرور موجود ہیں جو اس مقصد کے لیے متحرک ہیں کہ وفاق المدارس کی قیادت، ملک کی دینی جماعتوں اور خاص طور پر اسلام آباد اور راولپنڈی کے سرکردہ علمائے کرام سے مولانا عبدالعزیز، غازی عبدالرشید شہید رحمہ اللہ اور ان کے اہل خاندان کو دور رکھا جائے اور غلط فہمیوں اور بے اعتمادی کی ایسی فضا قائم کر دی جائے کہ ملک کی عمومی دینی قوت نہ تو اس خاندان کے کام آسکے اور نہ ہی ان کی جدوجہد کو کوئی ایسا رخ دے سکے جو اس دینی محنت کے مثبت طور پر آگے بڑھنے کا ذریعہ بن جائے۔ ایسے افراد دونوں طرف موجود ہو سکتے ہیں، اس لیے اگر اس پہلو سے پوری صورت حال کا از سر نو جائزہ لیا جائے تو میرے خیال میں مطلع مزید صاف ہو سکتا ہے اور باہمی اعتماد کی فضا میں مستقبل کے تحریکی امکانات کو بہتر طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔

وفاق المدارس نے اپنی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں پیش کی جانے والی معزز ارکان کی شکایات، اعتراضات، تجاویز اور مطالبات کا جائزہ لینے کے لیے ۱۸ اگست کو کراچی میں مجلس عاملہ کا اجلاس طلب کر رکھا ہے جو ظاہر ہے کہ خاصی اہمیت کا حامل ہوگا، لیکن میں ملک سے باہر ہونے کی وجہ سے اس میں شریک نہیں ہو سکوں گا، اس لیے اس اجلاس کے ممکنہ ایجنڈے کے بارے میں کچھ ضروری گزارشات اس کالم کے ذریعے پیش کر رہا ہوں۔ البتہ اس سے قبل اس رٹ درخواست کا اردو ترجمہ قارئین کی معلومات کے لیے درج کر رہا ہوں جو لال مسجد کے آپریشن کے خلاف وفاق المدارس کے صدر حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب اور احقر وفاق المدارس کی طرف سے عدالت عظمیٰ میں دائر کی گئی ہے اور اسے سماعت کے لیے منظور کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں سپریم کورٹ کا فیصلہ ان سطور کی اشاعت تک غالباً سامنے آ چکا ہوگا۔

وفاق المدارس کے صدر محترم اور سیکرٹری جنرل کی جانب سے عدالت عظمیٰ میں پیش کی جانے والی درخواست کا اردو ترجمہ یہ ہے:

''بخدمت جناب محترم چیف جسٹس، پاکستان سپریم کورٹ، اسلام آباد

جناب عالی!

درخواست دہندہ وفاق المدارس کے صدر اور جنرل سیکرٹری ہیں، جو پاکستان کے دینی مدارس کا ایک وفاق ہے جو دینی مدارس کے نصاب اور ملک بھر میں منعقد کیے جانے والے امتحانات سے متعلق امور کی نگرانی کرتا اور انہیں کنٹرول کرتا ہے اور تقریباً دس ہزار دینی مدارس وفاق

المدارس کے ساتھ الحاق رکھتے ہیں۔

لال مسجد/ جامعہ حفصہ رضی اللہ عنہا میں انتہائی غیر انسانی، افسوسناک، ظالمانہ اور دل ہلا دینے والا واقعہ پیش آیا ہے۔ انتظامیہ کے اس غیر قانونی ایکشن کے نتیجے میں، جس کی پہلے کوئی مثال نہیں ملتی، سینکڑوں انسانی جانوں کو، جن میں لڑکے، لڑکیاں اور بزرگ شامل ہیں، بے دردی سے قتل کر دیا گیا ہے۔ یہ ہر شہری کا بنیادی حق ہے کہ اس کے ساتھ قانون کے مطابق معاملہ کیا جائے اور کسی بھی حال میں قانون سے ہٹ کر اسے اس کی زندگی یا آزادی سے محروم نہ کیا جائے۔

پاکستان کے قوانین یہ قرار دیتے ہیں کہ جو شخص بھی کسی کے قتل کا ذمہ دار ہو، اس کے ساتھ ملک کے قانون کے مطابق معاملہ کیا جائے، چنانچہ مسٹر جسٹس محمد نواز عباسی کی طرف سے چیف جسٹس آف پاکستان کے نام لکھے گئے نوٹ اور اس کے نتیجے میں (عدالت سے) سوموٹو ایکشن نمبر ۹، ۱۷، ۲۰۰ میں کہا گیا ہے کہ:

> ''معصوم شہریوں کا قتل، خواہ ان دہشت گردوں کے ہاتھوں ہو یا قانون نافذ کرنے والے اداروں سے تعلق رکھنے والے کسی فرد کے ہاتھ سے، صریح طور پر ''قتل عمد'' کے دائرے میں آتا ہے اور اس طرح کے قتل کی انفرادی ذمہ داری کے علاوہ ان تمام لوگوں کو بھی، جو اس واقعے کے ذمہ دار ہیں، قانونی نتائج کا سامنا کرنا ہوگا۔''

انتظامیہ کے کہنے پر (جامعہ حفصہ رضی اللہ عنہا) کے طلبہ نے اپنے آپ کو انتظامیہ کے سامنے پیش کر دیا تھا۔ یہ اعلان کیا گیا تھا کہ جو شخص سرنڈر کر دے گا، اس کے خلاف کوئی فوج داری مقدمہ قائم نہیں کیا جائے گا، لیکن انتظامیہ اپنے اس وعدے سے منحرف ہوگئی ہے جس کے نتیجے میں چالیس سے زیادہ طلبہ ابھی تک سلاخوں کے پیچھے ہیں۔ انتظامیہ یہ بات بھی چھپا رہی ہے کہ گم شدہ افراد کہاں ہیں؟

قانون کی رو سے قرآن مجید کی بے حرمتی ایک جرم ہے، جیسا کہ سیکشن ۲۹۵۔ بی میں درج ہے۔ ''آپریشن سائلنس'' کرنے والے افراد کے ہاتھوں قرآن مجید کی بے حرمتی نے پوری قوم کے جذبات کو مجروح کیا ہے اور جس طریقے سے لاشوں کو ٹھکانے لگایا گیا اور انہیں مسخ کیا گیا، اس نے بھی ہر شہری کو مضطرب کر دیا ہے۔

جامعہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو غیر قانونی طور پر مسمار کرنے کے بعد ارباب حل وعقد، قتل کیے جانے والے افراد کی لاشوں کو چھپانے/ موقع سے غائب کرنے کی پوری کوشش کر رہے ہیں اور

اس طرح منہدم عمارت کی جگہ پر موجود ملبے کو وہاں سے ہٹانے اور موجود شواہد کو بگاڑنے کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

ان امور کے ذمہ دار افراد کی یہ کارروائی قانون کے عمل کو خراب کرنے اور انسانی حقوق میں مداخلت کے مترادف ہے۔

اس لیے مودبانہ درخواست کی جاتی ہے کہ:

- ......درج ذیل افراد کے خلاف ایف آئی آر درج کرنے کا حکم دیا جائے۔

جنرل پرویز مشرف، چیف آف آرمی اسٹاف، وزیر داخلہ، کور کمانڈر، ہیڈ کوارٹر، ایکس گورز، راولپنڈی، چیف کمشنر، ڈپٹی کمشنر اور آئی جی اسلام آباد۔

- ......مسمار کی جانے والی عمارت کے ملبے کو جوں کا توں رہنے دیا جائے اور جب تک باقاعدہ تفتیش مکمل نہیں ہو جاتی، نہ تو ملبے میں موجودہ شواہد کو بگاڑا جائے اور نہ اسے وہاں سے ہٹایا جائے۔
- ......ذمہ داران کے خلاف سیکشن ۲۹۵۔بی کے تحت قرآن مجید کی دانستہ توہین اور لاشوں کی بے حرمتی کرنے کے فوج داری مقدمات درج کیے جائیں۔
- ......سرنڈر کرنے کے بعد گرفتار کیے جانے والے افراد کو فوری طور پر رہا کیا جائے۔
- ......انتظامیہ کو حکم دیا جائے کہ وہ تمام گم شدہ افراد سے متعلق معلومات مہیا کرے۔''

یہ لال مسجد آپریشن کے خلاف وفاق المدارس کی رٹ درخواست کا متن ہے جس کے ذریعے وفاق المدارس نے اس حوالے سے اپنی آئندہ جدوجہد کا رخ متعین کر لیا ہے اور میرے خیال میں وفاق المدارس کی مجلس عاملہ کو اپنے ۱۸ اگست کے اجلاس میں اسی عدالتی و قانونی جدوجہد کو سنجیدگی اور ربط و نظم کے ساتھ آگے بڑھانے کی حکمت عملی طے کرنی چاہیے، کیونکہ یہ عدالتی جنگ اگر صحیح طریقے سے لڑی گئی تو اس کے انتہائی دوررس نتائج سامنے آئیں گے۔ باقی رہی بات عوامی تحریک کی تو میں اس سلسلے میں اپنے اس موقف پر پورے شرح صدر کے ساتھ قائم ہوں کہ یہ وفاق المدارس کا کام نہیں بلکہ دیگر دینی جماعتوں کی ذمہ داری ہے، البتہ اگر وفاق المدارس دینی جماعتوں کو اس سلسلے میں مشاورت کے لیے جمع کرنے کی غرض سے میزبان کا کردار ادا کرنا چاہے تو اس میں بظاہر کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

○ ○ ○

مساجد کا انہدام......وفاق المدارس کا مؤقف

(۱۱ فروری، ۲۰۰۷)

گزشتہ دو ہفتوں کے دوران وفاقی دارالحکومت اسلام آباد میں پیش آنے والے بعض واقعات واقدامات نے پورے ملک بالخصوص دینی حلقوں میں تشویش واضطراب کی لہر پیدا کردی ہے۔ان میں سرفہرست سی ڈی اے کے ہاتھوں جامع مسجد امیر حمزہ کی شہادت اور دیگر کئی مساجد کے گرائے جانے کے نوٹس کا اجراء اور اس کے ردعمل میں جامعہ فریدیہ اسلام آباد کے طلباء کا شدید احتجاج اور جامعہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی طالبات کا سرکاری لائبریری پر قبضہ کرنا ہے۔

پاکستان، جہاں جگہ جگہ ''تجاوزات'' ار''ناجائز تعمیرات'' کا جنگل اگا ہوا ہے۔ وہاں مساجد ومدارس پر''تجاوزات'' کا الزام عائد کر کے انہیں منہدم کرنے کی ناپاک مہم کو پورے ملک میں ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا اور اسے مسلمانوں کی دینی وتہذیبی اقدار کے خلاف ایک اور حکومتی حربہ قرار دیا گیا۔ جس ملک کی انتظامیہ کا شرعی، اخلاقی اور قانونی فریضہ یہ تھا کہ وہ خود مساجد ومدارس کی تعمیر ونگہبانی کی ذمہ داری ادا کرتی ،وہی مساجد ومدارس کو منہدم کرنے لگے تو اس پر عام مسلمانوں کا غصہ واضطراب فطری اور برمحل ہے۔ عام مسلمانوں کی طرح ملک بھر کے دینی مدارس کے تمام مکاتب فکر کے وفاقوں پر مشتمل مشترکہ فورم''اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ'' بالخصوص''وفاق المدارس العربیہ پاکستان'' نے اس نازک صورت حال میں قومی اور دینی حلقوں کی ترجمانی اور نمائندگی کا فرض جرأت وہمت اور تدبر وحکمت کے ساتھ ادا کیا۔

اس سلسلہ میں ابتدائی اقدام کے طور پر 22 جنوری 2007ء کو وفاقی وزیر مذہبی امور جناب اعجاز الحق صاحب اور اتحاد تنظیمات کے قائدین کے درمیان ہونے والی میٹنگ کے بائیکاٹ کا فیصلہ کیا گیا تاکہ حکومت کو یہ احساس دلایا جاسکے کہ مدارس کی پوری قیادت مساجد ومدارس کے انہدام پر سراپا احتجاج ہے۔ مزید یہ کہ اس تازہ صورت حال پر غور وفکر اور آئندہ کا لائحہ عمل طے

کرنے کے لیے 22 جنوری 2007ء بروز پیر لاہور میں ''اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ پاکستان'' کا ایک ہنگامی اجلاس طلب کیا گیا۔ اس اجلاس میں اتحاد تنظیمات کے صدر شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب اور وفاقوں کے نمائندگان کے علاوہ راولپنڈی اور اسلام آباد کے علماء نے بھی شرکت کی۔ اجلاس میں متفقہ طور پر:

- ...... جامع مسجد امیر حمزہ کو شہید کیے جانے کی پرزور مذمت کرتے ہوئے اسے دوبارہ تعمیر کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔
- ...... مساجد کو گرائے جانے کے نوٹس فی الفور واپس لینے کا مطالبہ کیا گیا۔
- ...... مطالبات نہ ماننے کی صورت میں ملک گیر تحریک چلانے اور رائے عامہ کو منظم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔
- ...... اس حکومتی اقدام کے خلاف اسلام آباد اور راولپنڈی کے علماء کرام 24 جنوری 2007ء کو اسلام آباد میں مظاہرہ کا اعلان کر چکے تھے، اس کی بھرپور تائید کی گئی اور اس میں شرکت کا فیصلہ کیا گیا۔
- ...... 4 فروری 2007ء کو شہید کردہ مسجد حمزہ کی جگہ پر ''علماء کنونشن'' کے انعقاد کا فیصلہ کیا گیا۔

اتحاد تنظیمات کی مرکزی قیادت نے اسلام آباد میں ہونے والے مظاہرے میں بھرپور شرکت کی۔ اس احتجاج کے علاوہ اسلام آباد کے علماء کرام اور انتظامیہ سے رابطہ اور مذاکرات کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ مدرسہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی طالبات کے سرکاری لائبریری پر احتجاجی قبضہ کے مسئلہ پر ''وفاق المدارس'' اور اتحاد تنظیمات کا مؤقف یہ تھا کہ یہ احتجاج سو فیصد جائز مقاصد کے لیے ہے اور ان کے حصول تک اکابر علماء اور ''وفاق'' کی قیادت مدرسہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی پوری طرح وکالت و نمائندگی کرے گی مگر سرکاری عمارات پر قبضہ ہماری روایات کے خلاف ہے، اس لیے طالبات کو یہ قبضہ ختم کر کے اپنی درسگاہ میں چلے جانا چاہیے۔ اس سلسلے میں صدر وفاق المدارس حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب، حضرت مولانا محمد حسن جان صاحب (نائب صدر وفاق المدارس) اور دیگر علماء کرام مدرسہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے مہتمم مولانا عبدالعزیز صاحب اور نائب مہتمم مولانا عبدالرشید غازی صاحب کو قائل کرنے کی کوشش فرماتے رہے کہ وہ حضرات سرکاری لائبریری پر طالبات کا قبضہ ختم کرانے میں اپنا کردار ادا کریں اور اسلام آباد کی مساجد و مدارس کے انہدام کے حکومتی اقدام کے خلاف ہر قسم کی جدوجہد میں ''وفاق المدارس'' کی قیادت پر اعتماد کریں اور انہیں غیر مشروط طور پر فیصلے کا اختیار دے دیں، مگر ان حضرات نے اس

معاملہ میں ''وفاق المدارس'' کو فیصل ماننے سے انکار کر دیا۔

31 جنوری 2007ء تک یہی صورت حال رہی۔ اگلے روز یکم فروری 2007ء کو علماء کرام اور حکومت کے ذمہ داران کے درمیان طویل مذاکرات ہوئے مگر نتیجہ خیز ثابت نہ ہوسکے۔ 3 فروری 2007ء کو تشویشناک صورت حال کے پیش نظر حضرت صدر الوفاق مدظلہ نے ''وفاق'' کی مجلس عاملہ کا ایک ہنگامی اجلاس جامعہ اسلامیہ راولپنڈی میں طلب فرمایا۔ اجلاس میں پوری صورت حال پر غور وفکر کے بعد درج ذیل اعلامیہ جاری کیا گیا:

''وطن عزیز جو اسلام کے نام پر معرض وجود میں ایا تھا، اس مملکت کے اساسی مقاصد میں سرفہرست ایک یہ مقصد بھی تھا کہ یہاں اقامت صلوٰہ اور مستند دینی تعلیم کا مؤثر اور معقول انتظام ہوگا۔ اب تک پاکستان کی فوجی اور سیاسی قیادت اس اہم فریضے کی ادائیگی سے پہلو تہی کرتی آرہی ہے۔ چنانچہ ہر علاقے کے مسلمانوں نے اپنے وسائل سے مساجد اور مدارس بنائے اور کسمپرسی کے عالم میں نامساعد حالات کے باوجود مدارس قائم کیے اور مساجد بنائیں لیکن افسوسناک امر یہ ہے کہ پچھلے ایک ماہ کے عرصے میں اسلام آباد انتظامیہ نے چند مساجد کو گرادینے کے نوٹس جاری کیے ہیں۔ اہل ایمان کا کام مساجد کو گرانا نہیں بلکہ ان کی تعمیر اور ان کی حفاظت کرنا ہے۔ قرآن کریم میں بھی مساجد کی آبادکاری کو صاحب ایمان لوگوں کی صفت قرار دیا گیا ہے۔

ہم اسلام آباد انتظامیہ کی اس اشتعال انگیز کارروائی کی سخت مذمت کرتے ہیں۔ پاکستان کے مسلمان دینی شعائر کی بے حرمتی کو ہرگز برداشت نہیں کریں گے۔ اگر ان شہید کی جانے والی مساجد کو دوبارہ تعمیر نہیں کیا گیا تو اس طرز عمل کے خلاف پورے ملک کے عوام بھرپور اور مؤثر احتجاج کریں گے۔ مساجد و مدارس کی حفاظت جہاں کسی مسلمان کی شرعی ذمہ داری ہے وہاں اس ملک کے آئین کا بھی ایک لازمی تقاضا ہے۔ اسلام آباد کی مقامی انتظامیہ تجاوزات، سڑکوں کی توسیع یا کسی اور طرح کے ترقیاتی کاموں کی آڑ لے کر مساجد کو شہید کر کے مسلمانوں کی دل آزاری نہ کرے۔

ہم یہ بھی تجویز پیش کرتے ہیں کہ اس طرح کے معاملات کے حل کے لیے انتظامیہ اور مقامی علماء پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی جائے جو اس طرح کے معاملات پر شرعی اور انتظامی مصلحتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے باہمی مفاہمت کے ساتھ فیصلہ کرے۔

حال ہی میں مقامی انتظامیہ نے ان مساجد و مدارس کے معاملات میں پُرامن مظاہرہ کرنے

والے علماء وطلباء کو گرفتار کیا ہے۔ انتظامیہ کا یہ اقدام اشتعال انگیز ہے جس سے پورے ملک میں حالات خراب ہو سکتے ہیں۔

ہم یہ بھی واضح کرنا چاہتے ہیں کہ جامعہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی طالبات نے جس طرح سرکاری چلڈرن لائبریری پر قبضہ کیا ہے، ہماری رائے میں یہ احتجاج کا بالکل نامناسب طریقہ ہے۔

ہم ان عزیز طالبات پر زور دیتے ہیں کہ وہ مذکورہ لائبریری کی عمارت کو خالی کر دیں، ان کے سرپرستوں اور بھائیوں کو بھی مخلصانہ مشورہ دیتے ہیں کہ وہ اپنی بچیوں کو اس طرز عمل سے روکیں، اس لیے کہ اس کے اختیار کردہ اس طریقے کو ہم شرعاً بھی مناسب نہیں سمجھتے۔''

مجلس عاملہ کے فیصلے کے مطابق ایک مرتبہ پھر مجلس عاملہ کے ایک وفد نے حضرت صدر الوفاق کی قیادت میں مولانا عبدالعزیز صاحب سے ملاقات کی اور انہیں ''وفاق'' کے اکابر کے فیصلے کو تسلیم کرنے کے لیے کہا مگر مولانا اپنے مؤقف پر مصر رہے۔ اسی روز ''وفاق المدارس'' کے وفد نے وفاقی وزیر داخلہ آفتاب احمد شیر پاؤ، سیکرٹری داخلہ اور دیگر اراکین حکومت سے حضرت صدر الوفاق کی قیادت میں ملاقات کی اور انہیں مدلل طور پر علماء کرام کے مؤقف سے آگاہ کیا جس کے نتیجے میں درجذیل تحریر معاہدہ طے پایا۔

- ......مسجد امیر حمزہ اسلام آباد کو اس کی موجودہ جگہ پر تعمیر کیا جائے گا۔
- ......آئندہ مساجد و مدارس کے معاملات کے لیے علماء کرام، انتظامیہ اور سی ڈی اے کے ممبران پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی جائے گی جو ان معاملات کو باہمی مشاورت اور اتفاق رائے سے حل کرے گی۔ کمیٹی کا باقاعدہ نوٹیفکیشن جاری کیا جائے گا۔
- ......تمام مقتدر علماء کرام نے واضح کیا کہ جامعہ حفصہ رضی اللہ عنہا اسلام آباد کی طالبات نے احتجاج کے طور پر لائبریری پر جو قبضہ کیا ہے ہم اس کو غلط سمجھتے ہیں۔ احتجاج کا یہ طریقہ ہماری رائے میں شرعاً بھی ناجائز ہے، لہٰذا ہم اس کی مذمت کرتے ہیں اور عزیز طالبات کو مخلصانہ طور پر کہتے ہیں کہ وہ لائبریری کو فی الفور خالی کر دیں اور یکسوئی سے اپنی تعلیم میں مشغول رہیں۔ ان طالبات کے سرپرستوں سے بھی ہم اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنی بچیوں کو اس قسم کے طرز عمل سے سختی کے ساتھ روکیں۔

مندرجہ بالا تفصیل سے یہ واضح ہے کہ ''وفاق المدارس'' نے مسجد امیر حمزہ اسلام آباد کے انہدام اور دیگر مساجد کے انہدام کے سرکاری منصوبے کی مذمت اور اس کے خلاف احتجاج کے

سلسلے میں بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ اسلام آباد اور راولپنڈی کے علماء کرام اور ارباب مدارس کے مؤقف کی مکمل تائید کے علاوہ عملاً احتجاجی مظاہروں میں شرکت بھی کی ہے۔ اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ پاکستان کا اجلاس بلوا کر تمام مکاتب فکر کی حمایت حاصل کی ہے اور وفاقی وزیر مذہبی امور سے پہلے سے طے شدہ ملاقات کا احتجاجاً بائیکاٹ کیا ہے۔ وفاقی وزیر داخلہ سے تحریری معاہدہ لینے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مولانا عبدالعزیز صاحب مہتمم جامعہ فریدیہ و مدرسہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے رابطہ اور افہام و تفہیم کا سلسلہ مسلسل جاری رکھا ہے۔ انہیں اور ان کے بھائی مولانا عبدالرشید غازی کو حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب، حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب، حضرت مولانا محمد حسن جان صاحب اور دیگر اکابر علماء نے بالمشافہ اور فون پر بھی حالات کی سنگینی کا احساس دلایا ہے۔ تاہم ان حضرات نے اکابر علماء کے مقابلہ میں اپنی رائے ہی کو ترجیح دی ہے۔ اس سلسلہ میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا مؤقف واضح ہے۔ ''وفاق'' مساجد و مدارس کے انہدام کے حکومتی فیصلے کو قطعی غلط قرار دیتا ہے اور اس کی بھرپور مذمت و مخالفت کرتا ہے۔

مساجد و مدارس کا تحفظ ہمارے فرائض میں شامل ہے۔ مساجد کو سیکورٹی رسک یا کسی توسیعی منصوبے کا بہانہ بنا کر گرانا قطعی ناقابل قبول ہے۔ اس پر احتجاج ہمارا آئینی، قانونی اور جمہوری حق ہے لیکن سرکاری عمارات پر قبضہ یا قانون کو اپنے ہاتھ میں لینا نہ صرف ہماری روایات کے خلاف ہے بلکہ ہمارے مقاصد کے لیے بھی مفید نہیں۔ اس طرح کے اقدامات سے مدارس پر لغو اور بے ہودہ الزامات عائد کرنے والوں کو موقع مل سکتا ہے کہ وہ اہل دین کو مزید بدنام کریں۔ پاکستان کی ایک ایک مسجد اور مدرسہ کی حفاظت ہمارا دینی فریضہ ہے اور ہم یہ فرض آخر وقت تک ادا کرتے رہیں گے مگر ہم اپنے جائز مطالبات منوانے کے لیے کوئی ایسی راہ اختیار نہیں کریں گے جو ہماری روایات اور قانون سے متصادم ہو۔ مدرسہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی طالبات اور اس کی انتظامیہ کا جذبہ قابل قدر ہے اور انہوں نے بھرپور احتجاج کر کے اپنا فرض بھی ادا کر دیا ہے۔ اب انہیں چاہیے کہ وہ اپنے ان بزرگوں پر اعتماد کریں۔ جو مسئلہ کے حل کے لیے سرگرم عمل ہیں اور مفاہمت کی راہیں تلاش کر رہے ہیں۔

ہمارا ''جہاد'' جہالت اور جاہلیت کے خلاف ہونا چاہیے، وہ جاری رہے گا۔ ہم ریاستی جبر اور قوت آزمائی کا مقابلہ صبر اور اپنے مؤقف پر استقامت کے ساتھ کریں گے۔ ہمارے پاس تعلیم

کے لیے آنے والے بچے اور بچیاں قوم کی امانت ہیں، ان کے عقیدہ وایمان اور عمل کی حفاظت کے ساتھ ان کی عزت وآبرو اور جانوں کی حفاظت بھی ہماری دینی، اخلاقی اور قانونی ذمہ داری ہے۔ ہم اس وقت کسی بھی قسم کے تصادم یا محاذ آرائی کے متحمل نہیں ہیں۔

البتہ ہم اپنے مؤقف پر نہایت تصلّب واستقامت سے قائم ہیں۔ حکومت نے مسجد امیر حمزہ کو شہید اور دیگر مساجد کو شہید کرنے کی منصوبہ بندی کر کے ملک کے امن وامان کو تہ وبالا کرنے کی راہ اختیار کی ہے۔ یہ اقدام قطعی ناعاقبت اندیشانہ ہے۔ اس کے خلاف مدرسہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی طالبات کا احتجاج فطری ہے۔ اب حکومت کو چاہیے کہ وہ مدرسہ کی انتظامیہ اور طالبات سے براہ راست مذاکرات کرے، ان کی شکایات کا ازالہ کرے، جائز مطالبات کو تسلیم کرے، مسجد امیر حمزہ کو بلا تاخیر تعمیر کرے، دیگر مساجد کو گرانے کے نوٹس واپس لے، جھوٹے مقدمات ختم کرے، ''وفاق'' کی قیادت اور حکومت کے درمیان ہونے والے معاہدے کا بقاعدہ جلد از جلد نوٹیفکیشن جاری کرے، علماء کرام اور اسلام آباد کی انتظامیہ کی مشترکہ کمیٹی کے فیصلوں پر عمل درامد کو یقینی بنائے، اپنی پالیسی میں تبدیلی لائے اور پاکستان کے مسلمانوں کے سینوں میں موجزن جذبۂ ایمانی کا ادراک اور لحاظ کرے۔

اس پوری تفصیل کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ حکومت اپنی یکطرفہ طاقت آزمائی کی پالیسی کو خیر باد کہے، مدرسہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی انتظامیہ اور طالبات اپنے کسی بھی احتجاج کو ''تصادم'' بننے سے بچائیں۔ ''وفاق'' کے قائدین اور حکومت کے درمیان ہونے والے مذاکرات اور رابطوں پر اعتماد کیا جائے۔ ان شاء اللہ اس کا نتیجہ دینی حلقوں اور مدارس کے لیے وجہ اطمینان ہوگا۔

''وفاق المدارس'' مساجد ومدارس اور شعائر اسلام کے تحفظ کے لیے پہلے بھی سرگرم عمل رہا ہے اور آئندہ بھی اس مقصد کے لیے قانون کے دائرے میں رہتے ہوئے وہ اپنی تمام توانائیاں صرف کرتا رہے گا۔ ان شاء اللہ!

• • •

سانحۂ لال مسجد و جامعہ حفصہؓ اور اتحاد و اتفاق کی ضرورت

سانحۂ لال مسجد و جامعہ حفصہ رضی اللہ عنہا تاریخ کا المناک ترین سانحہ ہے جس میں حق کے طلب گاروں پر طاقت کا اندھا دھند استعمال کرتے ہوئے ظلم کی انتہاء کردی گئی۔ قرآن وحدیث پڑھنے اور پڑھانے والوں پر قرآن وسنت پر مبنی نظام نافذ کرنے کے مطالبہ کی پاداش میں آتش وآہن کی بارش کردی گئی۔ بے گناہ طلبہ وطالبات، لاوارث اور یتیم بچیاں، بچے، بیوگان اور شیر خوار معصوموں کو بے دردی سے جلا کر بھسم کردیا گیا۔ قرآن مجید کے حفاظ وحافظات، علماء وعالمات کو خون میں نہلا دیا گیا اور ستم بالائے ستم کہ قرآن مجید واحادیث کی کتب اور مسجد کی بے حرمتی کی گئی۔ الغرض وحشت وبربریت کی حد کردی گئی اور پھر انسانیت دشمن اقدامات پر مبنی جرائم کو چھپانے کے لیے جامعہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو ہی منہدم کردیا گیا۔ علماء کرام کی مفاہمتی کوششوں کو سبوتاژ کرتے ہوئے مذاکرات کی بجائے طاقت کا اندھا دھند استعمال کرکے یہ سمجھ لیا گیا کہ کہانی ختم ہوگئی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ظلم روا رکھنے والوں پر یہ حقیقت عیاں ہوتی جارہی ہے کہ۔

ظلم پھر ظلم ہے بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے

اب کی بار ایک نئی ریت سامنے آرہی ہے کہ لال مسجد آپریشن سے پہلے لال مسجد ے علماء کو الزامات دیئے جارہے تھے کہ وہ مفاہمت کی طرف نہیں آرہے لیکن جب وفاق المدارس کے زیر اہتمام علماء کرام نے مفاہمت کی کوششیں کیں (جو کہ پوری قوم جان چکی ہے کہ کس کے کہنے پر کس نے ناکام بنائیں) تو اب ان مفاہمتی کوششوں کی ناکامی کا الزام بھی علماء کرام کے سر تھوپ کر نہ جانے کیا مقاصد حاصل کرنا مقصود ہیں۔

لال مسجد اور جامعہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے خلاف وحشیانہ سرکاری آپریشن نے جہاں ملک بھر میں صف ماتم بچھادی اور ہر باشعور شہری کو غم واندوہ سے دوچار کردیا وہاں اس کے اسباب وعوامل،

نتائج وعواقب اور مستقبل کے حوالہ سے بھی بہت سے سوالات کھڑے کر دیئے ہیں اور چونکہ اس قضیہ کو اپنے طور پر بہتر طریقہ سے حل کرنے کے لیے زیادہ تر ''وفاق المدارس العربیہ'' نے ہی مختلف مراحل میں عملی کردار ادا کیا ہے اس لیے بیشتر سوالات کا ہدف بھی ''وفاق المدارس العربیہ پاکستان'' ہے اور لوگ اس حوالہ سے بہت کچھ جاننے کے خواہش مند ہیں۔ ان میں سے کچھ سوالات ''وفاق المدارس العربیہ پاکستان'' کی عمومی پالیسی، جدوجہد، مصالحتی کوششوں اور مذاکرات کے حوالے سے ہیں جن کے بارے میں حضرت مولانا مفتی رفیع عثمانی صاحب اور حضرت مولانا زاہدالراشدی صاحب اپنے تفصیلی مضامین میں وضاحت کر چکے ہیں۔

جبکہ کچھ سوالات کا تعلق میری ذات سے ہے۔ یہ سوالات میڈیا، خطوط اور دیگر ذرائع سے مجھ تک پہنچے ہیں اس حوالے سے خیر خواہوں کے شکوک وشبہات دور کرنے کی سعی کر رہا ہوں۔

اس حوالہ سے سب سے پہلا سوال جو اٹھایا گیا، یہ تھا کہ جامعہ حفصہ رضی اللہ عنہا اور جامعہ فریدیہ کا وفاق المدارس کے ساتھ الحاق کیوں ختم کیا گیا؟ تو وفاق کی مجلسِ عاملہ نے یہ فیصلہ بادلِ نخواستہ اس لیے کیا کہ تصادم کا خطرہ بہرحال محسوس کیا جا رہا تھا اور اکابرین اسے کسی طرح بھی مناسب نہ سمجھتے تھے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ آخر وقت تک ''وفاق'' کے بزرگ علماء کرام نے تصادم کو روکنے کے لیے پوری ذمہ داری کے ساتھ کردار ادا کیا۔ وفاق سے الحاق ختم کرنے کا مطلب یہ ہرگز نہ تھا کہ کسی کو مدرسہ کے طلبہ وطالبات پر حملے کی اجازت یا رضامندی ظاہر کی جائے۔ وفاق کی مجلسِ عاملہ کے اراکین نے نقصان کا خطرہ بھانپ کر الحاق ختم کر کے ایک کوشش کی کہ لال مسجد انتظامیہ کو مطالبات منوانے کے لیے تمام علماء کرام سے ساتھ مل کر متفقہ راہ اختیار کرنے پر مجبور کیا جائے اور دینی مدارس کے تحفظ کو یقینی بنانے کی کوشش کی جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ وفاق نے جامعہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے مطالبات کی بھرپور حمایت جاری رکھی۔ اخبارات اور الیکٹرانک میڈیا کا ریکارڈ اس بات کا گواہ ہے کہ وفاق کی جانب سے ہمیشہ حکومت سے یہ مطالبہ کیا جاتا رہا کہ ان حضرات کے مطالبات مبنی برحق ہیں اور ان پر سنجیدگی سے غور کیا جائے اور طاقت سے مسئلہ کو دبانے کی کوشش نہ کی جائے اور ہر حال میں حکومت طاقت کے استعمال سے بھی گریز کرے۔

یہ بھی واضح رہے کہ وفاق سے الحاق کی منسوخی کا فیصلہ شخصی نہیں بلکہ اجتماعی تھا اور مجلسِ عاملہ نے از خود جو بہتر سمجھا وہی فیصلہ کیا۔ اس بارے میں حکومتی دباؤ کے الزامات قطعاً غلط ہیں۔ وفاق

کے فیصلہ سے اختلاف کا حق کسی سے نہیں چھینا جاسکتا تاہم وفاق کے اکابرین کے اخلاص پر شبہ نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی مولانا عبدالعزیز اور مولانا عبدالرشید غازی شہید رحمہ اللہ نے وفاق کے خلوص پر شبہ ظاہر کیا ہے بلکہ مولانا غازی شہید رحمہ اللہ نے تو از خود جامعہ حفصہ رضی اللہ عنہا اور جامعہ فریدیہ ''وفاق المدارس'' کے حوالے کرنے کی شرط عائد کی تھی جو اس بات کا ثبوت ہے کہ وفاق کا فیصلہ مفاہمت و مصالحت کے لیے تھا کسی مخاصمت یا مخالفت پر مبنی نہیں۔ اختلافِ رائے اور مخالفت دو الگ الگ چیزیں ہیں۔

نیز آپریشن کے دوران ''وفاق المدارس'' کا وفد جب مصالحتی کوشش کر رہا تھا تو مولانا عبدالرشید غازی شہید رحمہ اللہ نے حکومت کو اور اپنے نمائندہ مولانا فضل الرحمٰن خلیل صاحب کو حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب، حضرت موانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب، حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب، حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب، حضرت مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب اور راقم الحروف محمد حنیف جالندھری کے نام لکھوائے اور فرمایا کہ ان حضرات پر مجھے اعتماد ہے، یہ مذاکرات کریں۔

وزیراعظم کے ساتھ ہونے والی میٹنگ میں وفاقی وزیر مملکت طارق عظیم نے یہ نام (جو ان کے پاس لکھے ہوئے تھے) پڑھ کر سنائے اور پھر مولانا فضل الرحمٰن خلیل صاحب نے بھی احقر کو فون پر مولانا غازی شہید رحمہ اللہ کی طرف سے لکھوائے۔ اب جبکہ مولانا غازی شہید رحمہ اللہ نے اپنے قول و عمل سے وفاق کے خلوص کی گواہی دے دی ہے تو دیگر احباب سے بھی گزارش ہے کہ اب اس موضوع کو زیر بحث نہ لایا جائے اور اس وقت یہ بحث مناسب بھی نہیں۔

احقر نے اس اعتراض کا جواب صرف اور صرف غلط فہمیوں کے ازالے کے لیے دیا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اکابر کے فیصلوں پر سرِ تسلیم خم کرنے میں ہی خیر و برکت ہے۔

وفاق کے حوالے سے یہ اعتراض بھی بڑے زور و شور سے اٹھایا گیا کہ آپریشن کے دوران احتجاج کیوں نہ کیا، مذاکرات کیوں کیے گئے، اور مذاکرات کی ناکامی کے فوراً بعد احتجاج کی کال دے دی جاتی تو آپریشن رک جاتا۔

تو اس بارے میں عرض یہ ہے کہ آپریشن کے دوران مذاکرات کا راستہ اختیار کرنے کی ضرورت اس لیے بھی پیش آئی کہ حکومت کی طرف سے یہ اپیل کی جا رہی تھی کہ علماء کرام مداخلت کریں اور مسئلہ پرامن طور پر حل کرائیں اور علماء کرام بھی یہ سمجھتے تھے کہ طاقت کے نشے میں مست

لوگوں کو آپریشن کے نقصانات کا احساس دلا کر انہیں یہ سانحہ برپا کرنے سے روکا جائے اس لیے اکابرین وفاق اپنے ضعف ونقاہت، پیرانہ سالی اور بعض حضرات اپنی تمام تر مصروفیات ترک کر کے اسلام آباد پہنچے اور مکمل اخلاص، نیک نیتی اور انسان دوستی کے جذبے سے اس آتش فشاں بنے مسئلے کو پرامن حل تک لے گئے لیکن تقدیر تدبیر پر غالب رہی اور فرد واحد نے اپنی ہی بنائی ہوئی مذاکراتی ٹیم کی تسلیم کردہ تمام باتیں مسترد کر دیں اور مذاکرات ختم کرنے کا طریقہ اپنایا کہ صرف میرا حکم مان لو اور پندرہ منٹ میں جواب دو اور اس کے ساتھ ہی ساتھ آپریشن بھی شروع کر دیا جبکہ مولانا فضل الرحمٰن خلیل کی بات چیت کی کاوشیں ابھی جاری تھیں۔ پوری قوم کے ساتھ ساتھ وفاق کے اکابرین کو بھی آخری وقت تک دھوکہ میں رکھا گیا اور مذاکرات سے آپریشن کے درمیان وقت یا وقفہ ہی کیا تھا کہ احتجاج کی کال دی جاتی اور اسے موثر بناتے ہوئے آپریشن ملتوی کرایا جاتا جبکہ آپریشن کا حتمی فیصلہ اندرونِ خانہ کیا جا چکا تھا۔

آپریشن کے بعد تا حال احتجاجی تحریک نہ چلانے پر بھی دوستوں کا شکوہ سامنے آیا ہے جس کا مفصل جواب حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب نے اپنے ایک مضمون میں دے دیا ہے جو کہ اخبارات میں چھپ کر قارئین تک پہنچ چکا ہے، جس میں انہوں نے واضح کہا ہے کہ احتجاجی تحریک کے لیے ''وفاق'' موزوں فورم نہیں نہ ہی وفاق کا دستور ہی اس کی اجازت دیتا ہے۔ نیز تحریک چلانے کا فیصلہ وفاق کے صدر یا ناظم اعلیٰ کے دائرۂ اختیار میں نہیں اس کے لیے مجلسِ شوریٰ کا فیصلہ ضروری ہے۔ یہ انتہائی اہم، حساس اور قومی معاملہ ہے۔ مجلسِ شوریٰ اگر ایسا فیصلہ کرے گی تو قوم ہمیں اگلی صفوں میں پائے گی۔

دوسری بات یہ ہے کہ جو ظلم کے پہاڑ توڑنے تھے توڑے جا چکے، اب تحریک کا مقصد اس مطالبے کو عملی شکل دلانا ہے جس مطالبے کو عملی شکل دلانے کے لیے قوم کی ہزاروں بیٹیوں، بیٹوں اور علماء کرام نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیے۔ احتجاجی تحریک کا مقصد توڑ پھوڑ کرنا یا خوف وہراس پھیلانا ہرگز نہیں بلکہ وہ اعلیٰ وارفع مقاصد حاصل کرنا ہے جس کے لیے پیشگی عظیم قربانیاں دی جا چکی ہیں اور اس کے لیے باقاعدہ تیاری اور لائحہ عمل مرتب کر کے ہی فیصلہ کیا جانا چاہیے تا کہ ایسا نہ ہو کہ قربانیاں ضائع چلی جائیں اور اسلامی نظریے پر حاصل کیا گیا وطن اسلامی نظام سے پھر محروم رہ جائے۔ اس بارے میں وفاق کی مجلسِ شوریٰ کے اجلاس میں اہم فیصلے متوقع ہیں جو قوم کے سامنے پیش کر دیئے جائیں گے اور پھر پوری قوم کو ایک کردار ادا کرنے کے لیے تیار ہونا ہوگا۔

بعض حضرات کی طرف سے یہ الزام بھی دیا گیا کہ علماء کرام مذاکرات چھوڑ کر چلے گئے لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ علماء کرام کہاں چلے گئے؟ اور وہ اسلام آباد آئے ہی کس مقصد کے لیے تھے؟ جب علماء کرام کے اسلام آباد آنے کا مقصد ہی صرف اور صرف آپریشن رکوانا اور معاملہ بحث وتمحیص اور افہام وتفہیم سے، بغیر تصادم کے حل کران اتھا تو پھر علماء کرام کے چلے جانے کا جملہ بہت ہی عجیب ہے۔ یہ بات کہنے والوں کو وقت کا بھی تعین ضرور کرنا چاہیے کہ علماء کرام کب گئے؟ اس وقت جبکہ فردِ واحد نے مذاکرات کو یکسر ناکام بنا کر بات چیت کی بجائے حکم گرفتاری صادر کر دیا اور آپریشن کمانڈر نے علماء کرام کو ٹاکنگ پوائنٹ سے چلے جانے کے لیے سخت آرڈر جاری کیے لیکن اس کے باوجود بھی علماء کرام ہی کی مصالحانہ کوشش جاری رہی جو کہ مولانا فضل الرحمٰن خلیل کے ذریعے سے تھی۔

مفتی نعیم صاحب کے حوالے سے کہا گیا کہ انہوں نے وہاں رکنے پر اصرار کیا حالانکہ خود مفتی نعیم صاحب جیو ٹی وی کے پروگرام ''کامران خان کے ساتھ'' میں واضح کر چکے ہیں کہ ایک کمانڈر نے آ کر ان سے کہا کہ آپ حضرات یہاں سے چلے جائیں۔ اس سے یہ واضح ہو گیا کہ ارباب اقتدار مذاکرات میں مخلص نہ تھے بلکہ پوری قوم اور مذاکرات کرنے والے علماء کرام کو دھوکہ دے رہے تھے اور مذاکرات کا ڈرامہ لال مسجد کے علماء کرام پر الزام تراشی کے لیے رچایا گیا کہ انہوں نے علماء کی بات نہیں مانی حالانکہ انہوں نے علماء کرام سے مکمل تعاون کیا تھا۔

مذاکرات کی ناکامی کے بعد میڈیا کو فوراً صحیح صورت حال سے آگاہ نہیں کیا گیا؟ یہ ایک ایسا سوال یا اعتراض ہے جس میں معترض کی سادگی یا شاید لاعلمی پنہاں ہے۔ بہرحال عرض ہے کہ لال مسجد وجامعہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے باہر فوجی محاصرہ سے لے کر جامعہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے انہدام تک شاید ہی کوئی لمحہ ہو جو میڈیا سے چھپایا ہو۔ ہاں جو ظلم کی شدت تھی جسے حکومت نے لاٹھی اور گولی کے زور پر میڈیا سے چھپا رکھا تھا وہ واقعی قبروں تک چھپی رہی، لیکن اس قتل عام کی عکاسی کے علاوہ تو تمام کا تمام منظر نامہ اور حقائق میڈیا کے سامنے رہے اور مذاکرات کی ناکامی بھی ایوان صدر سے مذاکرات کے ذریعے طے شدہ معاملات کے برعکس مسودہ آتے ہی پورے ملک کو معلوم ہو گئی۔ تاہم علماء کرام نے مذاکرات کی ناکامی کے بارے میں رائے اس لیے نہ دی کہ مولانا فضل الرحمٰن خلیل کے ذریعے بات چیت کا عمل جاری تھا۔

لال مسجد آپریشن مذہبی جماعتوں اور وفاق المدارس کو اعتماد میں لے کر کرنے جیسے الزامات

بالکل لغو، بے بنیاد اور دروغ گوئی کے علاوہ کچھ نہیں۔ پوری قوم ہی اس ظالمانہ اقدام کی مخالف رہی۔ مذاہبی افراد یا اداروں کے اس حوالے سے حکومت کا ساتھ دینے کا الزام انتہائی غیر سنجیدہ، تکلیف دہ اور سراسر بہتان ہے اور وفاق کے خلاف بدگمانی اور بداعتمادی پیدا کرنے کے لیے مخصوص اداروں اور افراد کی سازش ہے جو کہ ان شاء اللہ ناکام رہے گی۔

مذاکرات کے دوران علماء کے غیر سنجیدہ رویے کی بات بھی ایک تکلیف دہ الزام سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ ایک ایسا معاملہ کہ جس پر پوری قوم ایک ہفتے سے ہنسنا بھول چکی تھی اور ہر گزرتے لمحے کے ساتھ کرب کے حصار میں مزید جکڑتی چلی جا رہی تھی اس جانکاہ مسئلہ کے بارے میں علماء کرام پر غیر سنجیدگی کا اعتراض زخموں پر نمک پاشی ہے جبکہ مذاکرات میں غیر سنجیدگی کے ساتھ ساتھ مذاکرات کو سبوتاژ کرنے والوں کے حوالے سے معترضین بھی شاید کسی خوف کا شکار ہیں اس لیے حق کو باطل اور باطل کو حق قرار دینے پر تلے بیٹھے ہیں۔

قارئین کرام! آپ ہی انصاف کیجئے گا کہ مذاکرات میں کون سنجیدہ ہوگا اور کون نہیں کہ ایک طرف جید اور بزرگ علماء کرام تھے جو کہ انسانی جانیں، قرآن وحدیث کے قاری اور کتابیں اور مدرسہ ومسجد کو بچانے کے لیے کوششیں کر رہے تھے۔ دوسری جانب طاقت کے نشے میں چور، عالمی قوتوں کے حمایت یافتہ حکمران جو کہ طلبہ وطالبات، علماء کرام، قرآن وحدیث کی کتب اور مدرسہ ومسجد کو ختم کرنے پر تلے بیٹھے تھے۔ پوری طاقت اور آلات قتل کے ہمراہ مظلوم وبے بس بچوں اور بچیوں کو گھیر چکے تھے تو ایسی صورت میں غیر سنجیدگی کا ذمہ دار کون ہے؟ ملک بھر سے جمع ہو کر مذاکرات شروع کرنے والے یہاں کامیاب مذاکراتی مسودہ کو مسترد کر کے حکم کی تعمیل چاہنے والا۔ اگر سچ کا اظہار ناممکن ہو تو خاموش رہنا باطل کو حق کہنے سے بہتر ہوتا ہے۔

ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ وفاق کے اکابرین حکومت کی طرف سے جامعہ حفصہ رضی اللہ عنہا اور جامعہ فریدیہ سپرد نہ کرنے پر ناراض ہو کر مذاکرات چھوڑ کر چلے گئے؟

اس ضمن میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ دونوں مدارس وفاق کی تحویل میں دینے کی بات مولانا عبدالرشید غازی شہید رحمہ اللہ نے کی تھی۔ وفاق نے از خود تقاضا نہیں کیا اور مولانا غازی شہید رحمہ اللہ نے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب سے اس کا اظہار کیا تھا اور مدارس حوالے کیے جانے کا مقصد بھی کسی ذاتی مفاد کا حصول نہ تھا بلکہ طلبہ وطالبات کا رکا ہوا تعلیمی سلسلہ شروع کرنا تھا تاکہ درس وتدریس شروع کر کے طلبہ کا تعلیمی سال ضائع ہونے سے بچایا جا سکے

لیکن حکمران تو ان معصوموں کی جان ہی کے در پے تھے، انہیں تعلیم و تعلم سے کیا غرض۔

تاہم جب حکومتی مذاکراتی ٹیم نے یہ کہا کہ آپ حضرات دونوں مدارس پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں تو ہم نے وضاحت کر دی کہ ہمیں قبضے کی کوئی خواہش نہیں ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ یہ دونوں ادارے آئندہ بھی بطور دینی مدرسہ ہی کام کرتے رہیں۔ ان کا مصرف تبدیل نہ ہونے پائے اور ان اداروں کو بطور دینی مدرسہ چلانے کے لیے آپ یعنی اربابِ اقتدار راولپنڈی اسلام آباد کے علماء کرام کے حوالے کر دیں یا خود چوہدری شجاعت حسین ان اداروں کو آئندہ بطور دینی مدرسہ چلانے کی ذمہ داری قبول کر لیں۔ ہمارے حوالے بے شک نہ کریں ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

کچھ احباب کہتے ہیں کہ لال مسجد آپریشن کے بعد جنرل مشرف نے اپنے نشری خطاب میں وفاق المدارس کا شکریہ کیوں ادا کیا ہے؟ یہ سوال اصولاً تو جنرل مشرف سے ہی کیا جانا چاہیے اور وہی اس کا جواب دے سکتے ہیں۔ وفاق المدارس کے اکابرین نے مذاکرات کی ناکامی کے بعد آپریشن کے روز ہی اسلام آباد میں جو پریس کانفرنس کی اس میں اور اگلے روز وفاق کی مجلس عاملہ کے ہنگامی اجلاس میں بھی متفقہ طور پر واضح اعلان کیا تھا کہ مذاکرات کو ناکام بنانے والے، آپریشن کا حکم دینے والے اور اس سانحہ عظیم کے ذمہ دار جنرل پرویز مشرف ہیں جبکہ بعض حجرات کا خیال ہے کہ جنرل پرویز مشرف نے اپنی نشری تقریر میں وفاق کا شکریہ ادا نہیں کیا بلکہ یہ ذکر کیا ہے کہ اس مسئلہ کو حل کرانے کے لیے امام کعبہ بھی تشریف لائے ہیں اور وفاق المدارس کے لوگ بھی آئے ہیں مگر (ان کے بقول) غازی برادران نے کسی کی بات نہیں مانی۔ اگر پرویز مشرف کی طرف سے ''وفاق'' کے تذکرہ سے آپریشن میں وہ ذمہ دار قرار پاتا ہے تو امام کعبہ کے بارے میں کیا رائے ہے؟

الغرض علماء کرام اور اکابرین وفاق پر الزامات، علماء کرام کی کردار کشی کے جاری عمل کا کہیں تسلسل تو نہیں؟ اور علماء کنبے کے سینکڑوں بھائیوں، بیٹوں اور بیٹیوں کو قتل کر کے الزامات اس لیے تو نہیں لگائے جا رہے کہ کہیں ہم اپنے مقتولین کے لہو کا حساب نہ مانگ لیں لیکن قاتلوں کو لہو کا حساب تو آخر دینا ہی ہوگا۔

بندہ کی ذات کے حوالے سے بھی چند اعتراضات سامنے آئے ہیں۔ ان کی وضاحت ضروری محسوس کرتا ہوں کیونکہ بعض حضرات لاعلمی یا غلط فہمی کی بناء پر مجھ سے خفا ہیں اور ان کی خفگی دور کرنا مجھ پر لازم ہے۔ مقصد کسی کی دل آزاری نہیں بلکہ غلط فہمیوں کا ازالہ اور صحیح صورت حال

سے باخبر کرنا ہے۔

کہا گیا ہے کہ میں نے لال مسجد مذاکرات ختم کرنے پر اصرار کیا، علماء کرام کو مذاکرات ختم کر کے واپس لے گیا اور علماء کرام کو مذاکرات کی تفصیل میڈیا کے سامنے بیان کرنے سے روکا، موبائل فون بند کرا دیئے، آپریشن کے وقت سو رہا تھا، جامعہ حفصہ رضی اللہ عنہا و جامعہ فریدیہ کو وفاق سے نکالا، پنجاب قرآن بورڈ کا چیئرمین ہونے کی وجہ سے مراعات لینے اور لال مسجد آپریشن کے بعد خاموشی اختیار کرنے جیسے اعتراضات کے جواب میں عرض ہے کہ میری ذات کو نشانہ بنا کر بھی دراصل وفاق المدارس اور اس کے اکابرین کے خلاف پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے جس کا حقائق سے تعلق نہیں۔

اصل صورت حال یہ ہے کہ جب وزراء کی ٹیم نے چوہدری شجاعت حسین صاحب کی سربراہی میں ایوانِ صدر سے واپس آ کر یہ کہا کہ ایوانِ صدر سے جو مسودہ لایا گیا وہ حتمی ہے اس میں کوئی ردوبدل نہیں ہو سکتا اور اس کا ''ہاں'' یا ''نہ'' میں آدھے گھنٹے کے اندر جواب چاہیے۔ اس کے بعد یہ نیا مسودہ فون پر سن کر غازی عبدالرشید شہید رحمہ اللہ نے اسے قطعی طور پر مسترد کر دیا پھر وہاں کے فوجی آفیسر نے دوٹوک طور پر کہہ دیا کہ پندرہ منٹ کے اندر بات طے کریں کیونکہ ہمیں دیر ہو رہی ہے تو وفاق المدارس کی مذاکراتی ٹیم نے باہمی مشورہ سے طے کیا کہ اب مذاکرات کی کوئی صورت باقی نہیں رہ گئی اس لیے ہمیں یہاں سے چلے جانا چاہیے۔ اس میں میرا کوئی اصرار نہیں تھا بلکہ اجتماعی مشورہ تھا جس پر میں نے بھی عمل کیا۔ اس کی تصدیق مذاکرات میں شریک دیگر علماء کرام سے کی جا سکتی ہے۔

علماء کرام کو مذاکرات کی ناکامی کی تفصیل میڈیا کے سامنے بیان کرنے سے روکنے اور موبائل بند کرانے کے الزامات انتہائی تکلیف دہ ہیں اور خلافِ واقعہ بھی۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ حنیف جالندھری کوئی ڈکٹیٹر یا آمر نہیں اور نہ ہی بزرگ علماء کرام حکومتی ارکان۔ بندہ اپنے بزرگ اکابر کا خادم اور ترجمان ہے اور علماء کرام سے قربت رکھنے والے لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس شعبہ میں بزرگوں کی قدر کو کتنی اہمیت حاصل ہے۔ ایسی صورت میں یہ کہنا کہ احقر نے بزرگوں کے فون بند کرا دیئے اور میڈیا سے بات نہ کرنے دی نہ صرف بندہ کے لیے تکلیف دہ بلکہ بزرگوں کی شان کے بھی خلاف ہے۔ میں اعتراض کرنے والوں سے یہ عرض کرنا اپنا حق سمجھتا ہوں کہ انہوں نے ہمارے اکابر کو کیا سمجھا کہ مجھ پر اپنے بزرگوں سے ایسا سلوک روا رکھنے کا الزام عائد کر دیا ہے۔

آپریشن کے وقت سوئے ہوئے ہونے کا جواب یہ ہے کہ کیا کسی ایسی جگہ جہاں موت کا رقص جاری ہو کسی کو نیند آ بھی سکتی ہے، جب گھن گرج سے پورا ''اسلام آباد'' میدانِ جنگ کی کیفیت سے دوچار تھا اور پوری آبادی نہیں سو سکی تھی۔

بندہ مذاکرات سے مولانا غازی شہید رحمہ اللہ کی شہادت تک تمام مناظر دیکھتا رہا اور روتا رہا۔ میڈیا سے غازی شہید رحمہ اللہ کی براہِ راست آخری گفتگو اور اپنی والدہ مرحومہ کے آخری لمحات کی روداد جو انہوں نے بیان کی احقر سب دیکھتا، سنتا اور تڑپتا رہا۔ نہ جانے معترضین نے کہاں مجھے سوتے ہوئے دیکھ لیا۔ جامعہ حفصہ رضی اللہ عنہا اور جامعہ فریدیہ کو وفاق سے علیحدہ کرنے یا وفاق کے حوالے سے کسی بھی معاملے پر میری ذات پر اعتراض اٹھائے جاتے ہیں تو اس سلسلے میں وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ حنیف جالندھری وفاق نہیں بلکہ وفاق کی ایک اکائی ہے اور وفاق المدارس کے اکابرین کا ترجمان، اس کی پالیسی اور فیصلوں کا پابند ہے اور وفاق کی سطح سے جس بھی معاملے پر جو بھی فیصلہ کیا جاتا ہے وہ کسی فردِ واحد کا نہیں بلکہ تمام اکابر اور ایک مجلس کا فیصلہ ہوتا ہے، اسے کسی ایک فرد کے خلاف برائے پروپیگنڈہ استعمال کرنا مناسب نہیں۔

پنجاب قرآن بورڈ کا قیام صوبے میں مختلف علاقوں سے موصول ہونے والی ان شکایات کی وجہ سے عمل میں لایا گیا ہے کہ قرآن کریم کے بوسیدہ نسخے اور اوراق کی بے حرمتی ہو رہی ہے اور انہیں سنبھالنے کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ پنجاب کے وزیر اعلیٰ نے اس پس منظر میں قرآن بورڈ قائم کیا جس میں مختلف مکاتب فکر کے سرکردہ علماء کرام اور دیگر طبقات کے افراد شامل ہیں۔ مجھے اس کا چیئرمین بنایا گیا ہے جو ایک اعزازی منصب ہے جس کی کوئی تنخواہ نہیں ہے اور نہ ہی دیگر کوئی مراعات میں نے حاصل کی ہیں۔ صرف ایک سرکاری گاڑی چیئرمین کے طور پر وقتاً فوقتاً میرے استعمال میں رہی ہے جو میں نے لال مسجد کے آپریشن کے موقع پر احتجاجاً واپس بھجوادی تھی۔

دینی مقاصد کے لیے اس قسم کے اجتماعی کام سرکاری طور پر ہوں یا غیر سرکاری طور پر ان میں شمولیت ہمارے اکابر کی شروع سے ہی روایت چلی آ رہی ہے اور وفاق المدارس کے دستور میں بھی اس کے لیے کوئی ممانعت نہیں۔ اس کے باوجود اگر ''وفاق'' کی قیادت مجھے کہتی ہے تو میں یہ منصب کسی بھی وقت چھوڑنے کے لیے تیار ہوں۔

آپریشن کے بعد خاموشی اختیار کر لینے کا اعتراض بھی بندہ کی ذات پر صادق نہیں آتا بلکہ ملک بھر کے علماء کے حوالے سے ایسی بات حقیقت کے منافی ہوگی کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ کسی کا

جسم چھلنی کر دیا جائے اور وہ چیخے چلائے بھی نہیں۔ اخبارات اور میڈیا میں مسلسل ہم اپنے موقف اور مطالبات کا اظہار کر رہے ہیں۔

لال مسجد و جامعہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے خلاف حکومت کی خاموش واردات کے بعد علماء کرام اور خصوصاً وفاق المدارس کے اکابرین اور ان کے وابستگان کے خلاف حکومت اور حکومتی اداروں کی جانب سے ایک نئی طرز کا حملہ جاری ہے جس میں اکابر علماء کے خلاف پروپیگنڈہ کیا جا رہا ہے، بدگمانیاں اور بداعتمادی کا زہر پھیلایا جا رہا ہے، وفاق کو کمزور کرنے کے لیے طلبہ وعلماء، چھوٹوں اور بڑوں میں شکوک وشبہات کی خلیج حائل کرنے کی کوششیں جاری ہیں۔ ایجنسیاں اور مراعات یافتہ طبقے، مراعات قائم رکھنے کے لیے علماء و مذہبی حلقوں کے خلاف منظم منصوبہ بندی سے برسرِ پیکار ہیں۔ ان حالات میں مذہبی لوگوں کو مسالک وعقیدے کی زنجیروں سے نکل کر باہم مربوط ہو کر اسلامی اخلاقیات واقتدار کے تحفظ کے لیے کردار ادا کرنا ہوگا۔ تحریک کا فیصلہ کسی فرد نے نہیں کرنا بلکہ تبدیلی کے لیے پوری قوم کو متحد ہونا اور ایک قوم ہونے کا ثبوت دینا ہوگا۔

اس وقت مذہبی حوالے سے صورت حال انتہائی مخدوش ہے۔ اندرون وبیرون ملک سازشوں کے ایسے جال بنے جا رہے ہیں جس کی مثال جامعہ حفصہ رضی اللہ عنہا اور لال مسجد کے خلاف آپریشن کی صورت میں قوم دیکھ چکی ہے۔ آپریشن سے پہلے قوم کے سامنے مسلسل یہ پروپیگنڈہ کیا جاتا رہا کہ جامعہ حفصہ رضی اللہ عنہا ایک دہشت گردی کا اڈا ہے، اس میں بھاری اسلحہ ہے، دہشت گرد ہیں، غیر ملکی ہیں، وغیرہ وغیرہ لیکن قوم نے دیکھا کہ سارا پروپیگنڈہ تھا اور آپریشن کے فوراً بعد مخصوص افراد نے علماء کرام اور وفاق المدارس کے خلاف بھرپور پروپیگنڈہ مہم شروع کر کے مذاکرات ناکام بنانے، دینی طلبہ وطالبات کا وحشیانہ قتل عام کرنے، کیمیکل بم مار کر لاشیں جلانے، قرآن وحدیث کی کتابوں کو گندے نالوں میں پھینکنے اور انسانیت کے خلاف گھناؤنے ترین جرائم میں ملوث طاقتور ظالموں کو بے گناہ ظاہر کرنے کی بھونڈی کوششیں شروع کر دی ہیں۔ قوم کو، قرآن وسنت کو رہنما اور معیار جان کر حق وباطل کی تمیز کرتے رہنا چاہیے۔ باطل نے مٹ ہی جانا ہے لیکن اے اہلِ حق! خیال رہے کہ کہیں باطل ہماری آخرت برباد نہ کر جائے۔ یاد رہے کہ باطل نے متفقہ وار کرنا شروع کر دیا ہے اور اہل حق کو اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کرنا ہوگا ظلم اور غلامی سے نجات کے لیے ایک قوم بننا ضروری ہے۔

• • •

دینی مدارس کے بارے میں
صدر پاکستان کے ارشادات اور ہمارا موقف

(جمادی الاخریٰ، ۱۴۳۰)

صدر پاکستان جناب آصف علی زرداری نے اپنے حالیہ دورۂ امریکہ کے دوران واشنگٹن میں پاکستانی کمیونٹی سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ ''مدارس ریفارمز کے تحت حکومت تمام مدرسوں کا کنٹرول سنبھال لے گی اور طلبہ کو انتہا پسندوں سے علیحدہ کر کے انہیں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیوی تعلیم سے بھی بہرہ مند کیا جائے گا، انہوں نے کہا ہے کہ پیپلز پارٹی کی حکومت نے پاکستان میں مدرسہ سسٹم میں اصلاحات لانے کا عزم کر رکھا ہے جس کے تحت نصاب کو جدید بنایا جائے گا اور انہیں حکومتی نظام میں شامل کیا جائے گا'' صدر مملکت کے ان ارشادات کا جائزہ لیا جائے تو تین باتیں سامنے آتی ہیں۔ پہلی بات مدارس کو حکومتی کنٹرول میں لینے کی خواہش، دوسری بات مدارس سسٹم میں اصلاحات اور تیسری بات مدارس کے نصاب میں تبدیلی۔

جہاں تک مدارس کو سرکاری کنٹرول میں لینے کی خواہش کا معاملہ ہے تو حقیقت یہ ہے کہ مدارس کا سرکاری کنٹرول میں لینے کا خواب بہت سے سابق حکمرانوں نے بھی دیکھا تھا لیکن کسی کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکا اور انشاء اللہ آئندہ بھی ایسا کوئی خواب ہرگز پورا نہیں ہوگا۔ مدارس چونکہ دین مبین کی حقیقی اور سچی تعلیمات کو فروغ دینے میں سرگرم عمل ہیں اور ظاہر ہے کہ دین کی حقیقی تعلیمات کو مدارس کی آزادی وخود مختاری اور اندرونی، بیرونی مداخلت سے محفوظ رکھے بغیر فروغ نہیں دیا جاسکتا یہی وجہ ہے کہ اہل مدارس معاشی طور پر انتہائی بدحالی اور کسمپرسی کی زندگی گزارتے ہیں، مدارس قرضوں کے بوجھ تلے دبے رہتے ہیں، مدارس کے اساتذہ بہت قلیل مشاہرہ پر گزر بسر کرتے ہیں، مدارس کے طلباء روکھی سوکھی کھا کر گزارہ کرتے ہیں لیکن مدارس کسی قسم کی سرکاری یا بیرونی امداد قبول نہیں کرتے۔ اس ریاضت کی وجہ صرف یہ ہے کہ مدارس کو کسی کی ڈکٹیشن قبول نہ کرنی پڑے، کیونکہ جب ہم قومی، ملکی اور سرکاری طور پر آئی ایم ایف، ورلڈ

بینک، امریکہ اور دیگر مالیاتی اداروں سے امداد اور قرض لیتے ہیں تو اس کے نتیجے میں ان کی کڑی شرائط بھی ماننی پڑتی ہیں اور ان کی من پسند پالیسیاں بھی تسلیم کرنی پڑتی ہیں جب کہ دینی مدارس نے چونکہ خالصتاً قرآن وسنت اور دین مبین کی حقیقی تعلیم دینی ہوتی ہے اس لیے دینی مدارس نہ تو کسی مالیاتی ادارے کی شرائط تسلیم کر پاتے ہیں اور نہ ہی مدارس کے نظام میں کسی کی مداخلت کی گنجائش باقی رہتی ہے۔

کون نہیں جانتا کہ ہمارے سرکاری اداروں کے نصاب ونظام کے ساتھ گزشتہ ساٹھ برسوں سے کس قسم کا سلوک روا رکھا گیا؟ ہر حکمران نے عصری تعلیمی درسگاہوں کو بازیچۂ اطفال سمجھا اور ان کے نصاب کو موم کی ناک کی طرح اپنی خواہشات کا تختہ مشق بنایا۔ اگر دینی مدارس اپنے نصاب ونظام کے حوالے سے کسی کی ڈکٹیشن اور مداخلت قبول کرنے لگتے تو خود سوچیے کہ ایسے وزراء تعلیم جنہیں یہ تک معلوم نہ تھا کہ قرآن کریم کے تیس پارے ہوتے ہیں یا چالیس؟ وہ مدارس کے نصاب ونظام کے ساتھ کیا سلوک کرتے؟ جس طرح ہماری عصری درسگاہوں کے نصاب سے دینی مواد کو بتدریج ختم کر کے مادر پدر آزاد ماحول پروان چڑھایا گیا، اگر مدارس کو سرکار کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا جاتا تو آج امریکی ایماء پر مدارس دینیہ کے تمام بال وپر نوچ کر ان کا حلیہ تک بگاڑ دیا ہوتا۔ اگر مدارس کو کنٹرول میں لینے کی خواہش کے پیچھے اس قسم کی کوئی غلط فہمی موجود ہے کہ مدارس حکومتی عملداری سے ہی باہر ہیں اور ان کی نگرانی ہی نہیں کی جاتی تو اس غلط فہمی کا فوری ازالہ ہو جانا چاہیے۔ کیونکہ مدارس کی باقی اداروں کے مقابلے میں کہیں زیادہ کڑی نگرانی ہوتی ہے بلکہ نگرانی کے نام پر مدارس کے اساتذہ وطلبہ کے انسانی حقوق تک پامال کیے جاتے ہیں۔ مدارس کو حکومت کی طرف سے اس قدر باز پرس کا سامنا رہتا ہے کہ مدارس کے منتظمین زچ ہو جاتے ہیں اور انہیں آزادی سے تعلیمی سرگرمیاں جاری رکھنے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس وقت پاکستان کے تقریباً تمام مدارس رجسٹرڈ ہیں، ان کا مکمل ریکارڈ سرکاری اداروں کے پاس موجود ہے اور یہ مدارس مکمل طور پر ملکی آئین اور قانون کے تحت اپنی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ اس لیے ہمارے حکمرانوں کو مغرب کے سامنے معذرت خواہانہ رویہ اختیار کرنے کی بجائے انہیں یہ بھی باور کروانا چاہیے کہ پاکستانی مدارس تو پہلے ہی ملکی آئین کے دائرے میں قومی دھارے میں شامل ہیں انہیں نہ تو مزید کنٹرول کرنے کی ضرورت ہے، نہ قومی دھارے میں لانے کے لیے کسی قسم کے جتن کرنے کی حاجت ہے اور نہ ہی مدارس کا نظام کسی قسم کی مہم جوئی اور طالع آزمائی

کوقبول کرسکتا ہے۔

جہاں تک جدید علوم سے مدارس دینیہ کے طلباء کو بہرہ مند کرنے کا تعلق ہے، اس حوالے سے عرض ہے کہ مدارس کی قیادت نے کبھی بھی ان علوم کی ضرورت واہمیت اور افادیت سے انکار نہیں کیا بلکہ عملاً اس وقت انگریزی، سائنس، کمپیوٹر اور دیگر جدید علوم مدارس کے نصاب میں شامل ہیں، کئی مدارس میں انتہائی جدید قسم کی کمپیوٹر لیبز قائم ہیں۔ کئی مدارس فارغ التحصیل علماء کو انگریزی، صحافت اور کمپیوٹر وغیرہ کے خصوصی کورسز کرواتے ہیں تاہم یہ بھی یاد رہے کہ موجودہ دور چونکہ اسپیشلائزیشن کا دور ہے اس دور میں جب میڈیکل کالجز میں پڑھنے والے طلباء کو انجینئرنگ نہ پڑھنے کا طعنہ نہیں دیا جاتا اور انجینئرنگ کے شعبے سے وابستہ طلباء پر میڈیکل سے نابلد ہونے کی پھبتی نہیں کسی جاتی تو پھر مدارس کے طلباء کو دینی علوم جو دنیوی فنون کے مقابلے میں کہیں زیادہ اہمیت کے حامل ہیں ان میں مہارت حاصل کرنے کے لیے اپنی زندگیاں وقف کرنے پر کیوں موردالزام ٹھہرایا جاتا ہے؟

باقی جہاں تک نصاب کی تبدیلی کا معاملہ ہے اس بارے میں مفتی اعظم پاکستان مفتی رفیع عثمانی کی سربراہی میں مدارس کے منتظمین، علماء کرام، ماہرین تعلیم اور قدیم وجدید علوم پر دسترس رکھنے والے اہل علم پر مشتمل اکتیس رکنی کمیٹی قائم ہے۔ یہ کمیٹی وقتاً فوقتاً نصاب کا جائزہ لیتی رہتی ہے اور اسے عصر حاضر کی ضروریات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپ ڈیٹ کیا جاتا رہتا ہے، اس لیے کسی کو مدارس کے نصاب میں تبدیلی کے لیے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں اور پھر جب یہ تبدیلی امریکی ایماء پر ہو تو خود اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس کے کیا کرشمے ہوں گے؟

مدارس میں اصلاحات کا نعرہ ہر دور میں لگایا جاتا رہا۔ یہ نعرہ بظاہر تو بڑا پرکشش اور ہمدردی وخیر خواہی پر مبنی معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت اس نعرے کے پیچھے ''ساقی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں'' والا معاملہ کارفرما ہے۔ اللہ کا قرآن سورۂ بقرہ کی ابتداء میں ہی ہمیں بتاتا ہے کہ منافقین کو جب یہ کہا جاتا کہ ''زمین میں فساد مت پھیلاؤ تو وہ کہتے ہیں ہم فساد تو نہیں پھیلا رہے بلکہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔ اللہ فرماتے ہیں۔ آگاہ رہو یہی لوگ اصل میں اصلاحات کے نام پر فساد اور بگاڑ پیدا کر رہے ہیں، لیکن وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔'' مدرسہ ریفارمز کے پرکشش نعرے کے پیچھے بھی دراصل مدارس کے نصاب ونظام میں بہتری اور مثبت تبدیلی کی بجائے قطع وبرید، ترمیم وتحریف، مدارس کی مشکیں کسنے اور انہیں حقیقی دینی تعلیم سے باز

رکھنے کے عزائم اور منصوبے شامل ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے ملک میں بیٹھ کر اور مدارس کی قیادت کو اعتماد میں لے کر مدارس میں اصلاحات کرنے کی بجائے امریکی سرزمین پر جا کر مدارس میں اصلاحات کا شوشہ چھوڑا جاتا ہے، جو آج کی بات نہیں بلکہ سابقہ حکمرانوں کا بھی وطیرہ رہا ہے۔ اور یہ سب کچھ اپنے مغربی آقاؤں کی خوشنودی کے حصول اور ڈالروں کی طلب میں کیا جاتا ہے۔ یہاں یہ اطلاع بھی قارئین کے لیے یقیناً دلچسپی کا باعث ہوگی کہ ہماری حکومت نے فرینڈز آف پاکستان سے مدرسہ ریفارمز کی مد میں ڈالرز کا مطالبہ کیا ہے۔ ایک ایسی حکومت جس کی کرپشن کے قصے زبان زد عام ہیں اور طلال بگٹی جس حکومت کی اعلیٰ شخصیات پر پچاس کروڑ روپے رشوت طلب کرنے کا الزام عائد کر رہے ہیں اس حکومت سے کیا توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ مدارس میں اصلاحات کے نام پر بیرونی امداد لے کر اس کے ساتھ کیا سلوک کرے گی؟ اس لیے ہمارا مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ حکومت مدارس کو اپنی اصلاحات کا تختہ مشق بنانے کی بجائے ان اداروں میں اصلاحات کا آغاز کرے جہاں بوٹی مافیا کا راج ہے، جہاں سے اسلحہ برآمد ہوتا ہے، جن اداروں کے ہاسٹلوں میں منشیات کی بھرمار ہے، جن اداروں سے شرم وحیا کے جنازے اٹھتے ہیں اور جہاں تعلیم وتربیت کی بجائے بے راہ روی سکھائی جاتی ہے۔ حکومت ٹاٹ کلچر، طبقاتی نظامِ تعلیم، گھوسٹ اسکولوں کا خاتمہ کرے۔ اگر قومی نظام تعلیم کی مکمل اصلاح اور فلاح وبہبود کے بعد حکومت مدارس میں اصلاحات کرنا چاہے گی تو ہمارے لیے زیادہ باعث مسرت ہوگا لیکن اگر اربوں روپے خرچ کرنے کے باوجود گزشتہ ساٹھ سالوں کے دوران ہمارا نظام تعلیم بہتر ہونے کی بجائے زوال وانحطاط کا ہی شکار ہوا تو ایسے میں ہمیں مدارس میں نام نہاد اصلاحات کی فکر میں ہلکان ہونے کی بجائے اس نظام تعلیم کی بہتری کی فکر کرنی چاہئے اور مدارس کے ٹمٹماتے چراغوں کو بجھانے کی کوشش کرنے کی بجائے ان کی لو کو مدھم نہیں ہونے دینا چاہیے، جو ہم سے نہ کچھ مانگتے ہیں نہ کچھ لیتے ہیں بلکہ اپنی مدد آپ کے تحت اس قوم کے بیس لاکھ بچوں کو تعلیم وتربیت کے ساتھ ساتھ قیام وطعام اور علاج معالجہ تک کی مفت سہولیات بھی مہیا کرتے ہیں۔

• • •

موجودہ حالات، ہماری ذمہ داریاں اور لائحہ عمل

(۲۳ جنوری، ۲۰۱۰ء)

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ کے غیر معمولی اجلاس میں چونکہ ملک بھر کی دینی قیادت شریک تھی، اس لیے اس موقع پر میں نے جو گزارشات تحریری اور زبانی طور پر پیش کیں وہ قارئین کے پیش خدمت ہیں، امید ہے قارئین کے لیے یہ معروضات مفید ثابت ہوں گی۔ ملک کی عمومی صورت حال دن بدن سنگین تر اور پیچیدہ تر ہوتی جارہی ہے۔ جہاں ایک طرف ملک کی اسلامی نظریاتی تشخص اور حیثیت کو مجروح کرنے کی سازشیں مسلسل جاری ہیں وہاں ملک کی سالمیت قومی خودمختاری اور ایٹمی صلاحیت کے لیے بھی خطرات کا دائرہ دن بدن پھیلتا جارہا ہے اور اسی پس منظر میں ملک کے ریاستی نظام تعلیم کو اسلامی مواد اور دینی اثرات سے محروم کرنے کے ساتھ ساتھ دینی مدارس کے آزادانہ دینی تعلیمی نظام کو غیر مؤثر بنانے کے لیے ہر سطح پر منصوبہ ساز اور ادارے متحرک نظر آرہے ہیں۔

دینی مدارس کا تعلیمی امتیاز و تشخص اور ان کی آزادانہ حیثیت ملکی اور بین الاقوامی سیکولر حلقوں کو ہمیشہ سے کھٹکتی آرہی ہے اور ان حلقوں کی ایک عرصہ سے یہ کوشش ہے کہ قومی دھارے میں لانے کے خوشنما عنوان اور جدید تعلیم کے امتزاج کے بظاہر دلفریب نعرے کے ساتھ دینی مدارس کے اس آزادانہ نظام کو کسی نہ کسی طرح سرکاری کنٹرول یا کم از کم مداخلت کے دائرے میں لایا جائے تاکہ دینی مدارس کے آزادانہ اور امتیازی تعلیمی نظام و نصاب کی وجہ سے مسلم معاشرہ میں اسلامی احکام و قوانین کے ساتھ عام مسلمانوں کی بے لچک وابستگی اور قرآن و سنت کے علوم سے استفادہ کا جو ماحول قائم ہے اسے خدانخواستہ ختم کیا جاسکے اور عام مسلمانوں کی دینی وابستگی اور قرآن وسنت کے ساتھ جذباتی تعلق کو کمزور کر کے انہیں مغربی تہذیب و ثقافت اور فلسفہ و نظام کو قبول کرنے کے لیے آمادہ کیا جاسکے۔

سیکولر حلقے خواہ وہ بین الاقوامی ہوں یا مقامی سب یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک عام مسلمانوں کو دینی تعلیم کا ماحول میسر ہے، مدرسہ ومسجد کا ماحول قائم ہے اوران کے ذاتی، خاندانی اور معاشرتی مسائل میں دینی رہنمائی کا نظام موجود ہے اس وقت تک مسلم معاشرہ میں مغرب کے فلسفہ وثقافت کو پذیرائی نہیں مل سکتی اس لیے دینی مدارس کے اس آزادانہ سسٹم کو توڑنے یا کم ازکم غیر مؤثر بنانے کی ہر سطح پر سرتوڑ کوششیں جاری ہیں۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان دراصل اہل السنّت والجماعت حنفی دیوبندی مسلک کے دینی مدارس کے درمیان رابطہ وتعاون کے فروغ، تعلیمی نظام ونصاب میں یکسانیت پیدا کرنے، تعلیمی معیار کو بہتر کرنے اور امتحانات کے نظام کو معیاری بنانے کے لیے قائم ہوا تھا اور بحمد اللہ تعالیٰ ان اہداف کی طرف کامیابی کے ساتھ پیش قدمی کر رہا ہے لیکن ظاہر ہے کہ وہ اپنے اہداف ومقاصد کے حوالہ سے دینی مدارس کے تحفظ، ان کے تشخص اور خودمختاری کو درپیش خطرات کے سدباب کی ذمہ داری سے بھی غافل نہیں رہ سکتا اور اس کے ساتھ ساتھ اسلامی ثقافت وعقیدہ کے تحفظ اور مسلمانوں کو عمومای تناظر میں درپیش ملی اور قومی خدشات ومسائل سے بھی وہ لاتعلق نہیں ہوسکتا۔

چنانچہ اپنے دائرہ کار کو قائم رکھتے ہوئے وفاق المدارس العربیہ پاکستان نے اپنے پلیٹ فارم پر بھی اور دوسرے مسالک کے مدارس کے وفاقوں کے ساتھ مل کر بھی ہمیشہ یہ کوشش کی ہے کہ دینی مدارس کا آزادانہ تعلیمی نظام اوران کا جداگانہ تعلیمی تشخص اپنی پوری روایات کے ساتھ قائم رہے اوراسے مجروح ومتاثر کرنے کی کوئی سازش کامیاب نہ ہونے پائے۔

دینی مدارس کا تعلیمی معیار زیادہ سے زیادہ بہتر ہو اور وہ قوم کی زیادہ بہتر طریقہ سے خدمت کرسکیں۔

زمانے کے بدلتے ہوئے حالات اور تقاضوں کے پیش نظر مدارس کے نظام ونصاب میں جو تبدیلی، تغیر اور ترمیم ان کے اہداف ومقاصد کی طرف پیش رفت میں معاون ہو اسے قبول کرنے سے گریز نہ کیا جائے اور اصلاح وترمیم کی جو تجویز یا پروگرام اُن کے دائرۂ کار اور تعلیمی اہداف سے متصادم ہو اس کی پوری قوت کے ساتھ مزاحمت کی جائے۔

عام مسلمانوں کے عقیدہ واخلاق، عبادات ومعاملات اور ذاتی وخاندانی مسائل میں انہیں دینی رہنمائی مسلسل ملتی رہے اور دینی، اخلاقی اور تہذیبی فتنوں کے مقابلے کے لیے ان کی حوصلہ افزائی ہوتی رہے۔

یہ جدوجہد آج کی نہیں ہے بلکہ قیام پاکستان سے قبل بھی ہوتی رہی ہے اور وطن عزیز کے قیام کے بعد بھی مسلسل جاری ہے۔

اسی پس منظر میں آج کے حالات کی سنگینی کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں اپنی صف بندی کا از سر نو جائزہ لینا ہے اور اپنی فکری، علمی اور تعلیمی جدوجہد کو زیادہ سے زیادہ مؤثر بنانے کے لیے پورے حوصلہ وتدبر اور حکمت ودانش کے ساتھ اپنی ترجیحات طے کرنی ہیں۔

میری رائے یہ ہے کہ جہاں تک ملک کی عمومی صورت حال کا تعلق ہے اور قومی خودمختاری کی بحالی اور پاکستان کے اسلامی دستوری تشخص کے تحفظ کا مسئلہ ہے اس پر عوامی جدوجہد، سیاسی ودینی جماعتوں کے دائرۂ کار میں شامل ہے اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے لیے اس میں کوئی تحریکی کردار ادا کرنا اس کی ذمہ داریوں سے مناسبت نہیں رکھتا لیکن علمی وفکری رہنمائی اور دین قوم کے مفاد میں حق بات کی مؤثر حمایت ضرور ہونی چاہیے اور اس مقصد کے لیے مجلس عاملہ کی قرارداد اور وفاق کے قائدین واکابرین کے بیانات اور مضامین ایک بہتر ذریعہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ البتہ ملک کے عصری، سرکاری وپرائیویٹ نظام تعلیم کی اصلاح، دینی مدارس کے آزادانہ کردار کا تحفظ اور مغربی ثقافت کی ہمہ جہت یلغار کا مقابلہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے اہداف ومقاصد کا حصہ ہیں اور ان کے لیے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے فورم پر عوامی جدوجہد کی نہ صرف یہ کہ ضرورت موجود ہے اور بڑھتی جارہی ہے بلکہ یہ ہمارے دینی فرائض کا بھی حصہ ہے۔ اس لیے میری تجویز ہے کہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کو عصری تعلیمی نظام کو سیکولرائز کرنے کے اقدامات کی مزاحمت۔

مغربی تہذیب وثقافت کی مسلسل یلغار کے مقابلہ اور دینی مدارس کے نظام ونصاب کے تحفظ اور ان کے آزادانہ کردار کے تسلسل کو برقرار رکھنے کے عنوان پر ایک منظم اور مربوط عوامی جدوجہد کا پروگرام طے کرنا چاہیے۔

اس کے لیے علماء کرام اور ارباب مدارس کے علاقائی کنونشنوں کا انعقاد۔

دروس وخطبات اور بیانات ومضامین میں ان اہداف ومقاصد کی ترجیحی شمولیت۔ اس کے لیے تمام مکاتب فکر کے علماء کرام اور کارکنوں کے وسیع تر اتحاد کا اہتمام اور دیگر مؤثر طبقات مثلاً وکلاء، تاجروں، اساتذہ کی تنظیموں، طلبہ کی جماعتوں، ذرائع ابلاغ کے سب شعبوں اور دینی وسیاسی جماعتوں کے رہنماؤں کے ساتھ رابطہ ومفاہمت کے فروغ جیسے اقدامات کیے جاسکتے ہیں

اوراس کے لیے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ کوٹھوس منصوبہ بندی اوراقدامات کرنے چاہئیں۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ دینی مدارس کے منتظمین اپنے دائرۂ کاراور دائرۂ اثر میں وسعت پیدا کرنے کے لیے اپنے حالات وظروف کے مطابق مؤثر اقدامات کریں جس کے لیے سرکاری ملازمین اورتاجروں وغیرہ کے لیے فہم دین کے مختصر کورسز، اسکولوں اور کالجوں کے طلبہ کوتعلیمی رہنمائی فراہم کرنا، عام لوگوں کے لیے عربی گرامراور ترجمہ قرآن کریم کی کلاسیں، مختلف طبقات کے لیے پیشہ ورانہ رہنمائی کی غرض سے ریفریشر کورسز کا انتظام اور دیگر اقدامات کیے جاسکتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہمارا حامی وناصر ہو۔

• • •

وفاق المدارس کے حالیہ فیصلے

(۲۲ جنوری، ۲۰۱۰)

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ ایک غیر معمولی اجلاس 17 اور 18 جنوری 2010 بروز اتوار اور پیر جامعہ فاروقیہ فیز 2 کراچی میں منعقد ہوا۔ اجلاس کی صدارت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان نے کی۔ یہ اجلاس صدر وفاق کی علالت کے باعث کراچی میں طلب کیا گیا، تا کہ حضرت کی موجودگی کو یقینی بنایا جا سکے۔ صدر وفاق نے علالت کے باوجود اجلاس کی اکثر نشستوں کی صدارت فرمائی، جبکہ بعض نشستوں میں ان کی عدم موجودگی میں وفاق المدارس کے نائب صدر مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر اجلاس کی صدارت فرماتے رہے۔

17 جنوری کے اجلاس کے ایجنڈے میں وفاق المدارس کے انتظامی اور دینی مدارس کے داخلی معاملات شامل تھے۔ دینی مدارس کا نصاب ونظام اور امتحانی سسٹم اس اجلاس میں زیر بحث رہا اور اس حوالے سے اہم فیصلے کیے گئے، جبکہ 18 جنوری کے اجلاس میں موجودہ عالمی اور ملکی حالات کے تناظر میں دینی مدارس کے تحفظ و بقاء، مدارس کی آزادی وخود مختاری کے دفاع، مدارس کے مستقبل اور آئندہ لائحہ عمل کے حوالے سے غور وخوض کیا گیا۔ اجلاس کے دوسرے روز وفاق المدارس کی مجلس عاملہ کے اراکین کے علاوہ ملک بھر کی معروف اور نمایاں دینی قیادت نے بھی شرکت کی۔ شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، مولانا سمیع الحق اور دیگر نامی گرامی حجرات اجلاس میں شریک ہوئے۔ اس اجلاس کی تاریخ اور مقام کا تعین مولانا فضل الرحمٰن سے مشاورت کے بعد کیا گیا تھا لیکن شدید دھند کے باعث مولانا کو کراچی کے لیے فلائٹ نہ مل سکی اور وہ اجلاس میں شریک نہ ہو پائے۔ پہلے دن اجلاس صبح 10 بجے سے رات 8 بجے تک نماز اور کھانے کے وقفے کے ساتھ جاری رہا، جبکہ دوسرے دن صبح سے دو بجے تک خصوصی اجلاس ہوا جبکہ دو بجے کراچی بھر کے علمائے کرام اور مدارس کے مہتمموں کے لیے خصوصی نشست کا اہتمام کیا گیا تھا۔

اس نشست میں کراچی کے مخصوص حالات کے پیش نظر وہاں کے اہل مدارس کی حوصلہ افزائی اور رہنمائی کے حوالے سے اکابر علماء کرام کے بیانات ہوئے اور بعد ازاں شام پانچ بجے جامعہ بنوریہ العالمیہ میں ایک پریس کانفرنس میں دو روزہ اجلاس میں ہونے والے فیصلوں کا پریس کانفرنس کے ذریعے اعلان کیا گیا۔ اس اجلاس میں ہونے والے فیصلوں کے حوالے سے اجمالی اور جزوی خبریں تو ذرائع ابلاغ میں یقیناً ملاحظہ فرمائی ہوں گی لیکن اس اجلاس کے تفصیلی فیصلوں سے آگاہی بھی ضروری ہے، اس لیے اجلاس میں ہونے والے اہم فیصلے پیش خدمت ہیں:

● ……اجلاس کے دوران دینی مدارس کی کردارکشی کی مہم، اہل مدارس کو ہراساں اور پریشان کرنے اور مدارس کے مذموم میڈیا ٹرائل پر گہری تشویش اور فکرمندی کا اظہار کیا گیا اور اس بات کا فیصلہ کیا گیا کہ مدارس کے کردار و خدمات کو اجاگر کرنے کے لیے شعور و آگہی مہم شروع کی جائے گی اور عوامی رابطوں کو مزید منظم کیا جائے گا اور مدارس پر لگائے جانے والے الزامات کی حقیقت کو بے نقاب کیا جائے گا۔ اس سلسلے میں فوری طور پر وفاق المدارس کے زیر اہتمام جنوبی پنجاب اور صوبہ سرحد میں تحفظ مدارس اور خدمات مدارس کنونشنز منعقد کیے جائیں گے۔ جنوبی پنجاب کے دینی مدارس چونکہ کچھ عرصے سے استعماری قوتوں کا ہدف بنے ہوئے ہیں اور اس وقت سب سے زیادہ پروپیگنڈے کی زد میں اسی علاقے کے مدارس ہیں اس لیے سب سے پہلے جنوبی پنجاب میں کنونشن منعقد کیا جائے گا جس کی تاریخ اور مقام کا اعلان عنقریب کیا جائے گا۔ اسی طرح صوبہ سرحد میں چونکہ آپریشن کا سلسلہ جاری ہے اور اس آپریشن کے دوران بہت سی مساجد اور مدارس بھی متاثر ہوئے ہیں، اس لیے دوسرا کنونشن صوبہ سرحد میں ہوگا۔ جس کے مقام اور تاریخ کا تعین مولانا انوار الحق نائب صدر وفاق المدارس کی سربراہی میں قائم ہونے والی کمیٹی کرے گی۔

● ……اجلاس کے دوران آئے روز دینی مدارس پر چھاپوں کا معاملہ بھی زیر بحث آیا اور اس بات پر شدید غم و غصہ کا اظہار کیا گیا کہ بغیر کسی ثبوت اور اطلاع کے انتظامیہ کے اہلکار اپنی ناکامیوں کو چھپانے کے لیے دینی مدارس کو مشق ستم بنا لیتے ہیں، دینی مدارس کے اساتذہ و طلباء کو ہراساں کیا جاتا ہے، بے گناہ اہل مدارس کو گرفتار اور اغواء کرنے کا سلسلہ جاری ہے اس صورت حال کے تدارک کے لیے ایک پانچ رکنی کمیٹی تشکیل دی گئی۔ اس کمیتی میں مولانا فضل الرحمٰن، مولانا سمیع الحق، مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی، مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر اور راقم شامل ہیں۔ یہ کمیٹی صدر پاکستان، وزیر اعظم، چیف آف آرمی اسٹاف اور دیگر متعلقہ اداروں کے سربراہان سے ملاقات

کر کے ان کو اہل مدارس کی تشویش واضطراب سے بھی آگاہ کرے گی۔ اسی طرح مقامی سطح پر چھاپوں اور گرفتاریوں کی صورت حال سے نمٹنے کے لیے مولانا ڈاکٹر عادل خان کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دی گئی ہے۔ کسی بھی مدرسہ کے خلاف کارروائی کی صورت میں فوراً ضلعی مسؤل اور مقامی رکن مجلس عاملہ کے نوٹس میں پوری صورتحال لائی جائے گی اور وہ مشترکہ طور پر مقامی انتظامیہ سے رابطہ اور بات چیت کریں گے اور ضرورت محسوس ہونے پر مرکزی کمیٹی کی مدد حاصل کی جائے گی۔

- ......اجلاس میں یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ اس وقت ملک جس سنگین اور پریشان کن صورت حال سے دوچار ہے اور اس کی وجہ سے سب سے زیادہ منفی اثرات دینی مدارس پر مرتب ہو رہے ہیں۔ حالات کے اس گرداب سے ملک اور قوم کو نکالنے کے لیے ملک بھر کے 12500 مدارس کے 20 لاکھ سے زائد طلباء وطالبات کو ہدایت کی گئی کہ وہ رجوع الی اللہ، توبہ واستغفار اور دعاؤں کا اہتمام کریں۔
- ......اجلاس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ مدرس کی آزادی وخودمختاری کو ہر قیمت پر برقرار رکھا جائے گا اور کوئی بھی ایسی تجویز جس سے مدارس کی آزادی پر حرف آتا ہو اس پر عملدرآمد سے معذرت کر لی جائے گی اور کوئی بھی ایسا منصوبہ یا سازش جس سے مدارس کا کردار کم یا ختم ہونے کا خدشہ ہو اسے قطعاً قبول نہیں کیا جائے گا، خواہ اس کے لیے اسناد کے معادلے یا مدارس کو متوقع کسی بھی مفاد کی قربانی دینی پڑے یا اس کی کوئی بھی قیمت ادا کرنی پڑے۔
- ......اجلاس میں یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ تمام مدرس ذرائع ابلاغ سے اپنے رابطوں کو مضبوط اور مربوط بنائیں اور ہر ادارے ایسے افراد تیار کرنے پر خصوصی توجہ دے جو اردو اور انگریزی ذرائع ابلاغ پر نظر رکھیں، دین اسلام اور مدارس ومساجد کے خلاف چھپنے والے مضامین اور بیانات کا جواب دیں اور دین اسلام اور مدارس کی خوبیاں زبان وقلم کے ذریعے اجاگر کریں۔
- ......طالبات کے نصاب پر غور کیا گیا اور یہ طے پایا کہ مدارس کا نصاب حسب سابق چار سال ہی ہوگا اور مزید دو سال کا اضافہ کر کے چھ سالہ نصاب کر دیا گیا تاہم یہ اضافی دو سال مدارس کا صوابدیدی اختیار ہوگا، ایسی طالبات جو چھ سالہ کورس نہ پڑھ سکیں گی ان سے چار سالہ کورس کا ہی امتحان لیا جائے گا اور اس کا نفاذ شوال 1431 ہجری سے ہوگا۔
- ......اجلاس کے دوران ملک کی عمومی صورت حال پر بھی غور وخوض ہوا اور ملک میں آئے روز

بڑھتی ہوئی بیرونی مداخلت اور جارحیت پر تشویش کا اظہار کیا گیا اور کہا گیا کہ اس وقت پاکستان کو بچانا ہمارے فرائض میں شامل ہے، کیونکہ پاکستان ہے تو دین اور تعلیم و تعلم کے تمام سلسلے ہیں، اس لیے وطن عزیز کے استحکام اور سالمیت کے لیے ہر ممکن کوشش کی جائے گی اور ملک بھر میں استحکام پاکستان سیمینارز بھی منعقد کیے جائیں گے۔

● ...... اجلاس کے دوران سوئزر لینڈ میں میناروں پر پابندی، برطانیہ میں سب سے بڑی مسجد کی تعمیر میں رکاوٹ اور بالخصوص بعض ممالک میں ایک مرتبہ پھر توہین آمیز، دل آزار اور شر انگیز خاکوں کی اشاعت کی پرزور مذمت کی گئی، اسے بنیادی انسانی حقوق اور مذہبی آزادی کے منافی قرار دیا گیا اور اس بات کا مطالبہ کیا گیا کہ اس وقت عالمی سطح پر ایک ایسے قانون کی موجودگی از حد ضروری ہے جس میں تمام انبیاء کرام اور آسمانی کتابوں کی توہین کو قابل تعزیر جرم قرار دیا جائے اور اظہار رائے کی آزادی اور توہین کے مابین فرق واضح کیا جائے نیز اس بات کی ضمانت دی جائے کہ کسی بھی مذہب کے پیروکاروں کے تہذیب و کلچر کے خاتمے اور مقدس شعائر کی بے حرمتی سے مکمل اجتناب کیا جائے گا اس سلسلے میں پاکستان کلیدی اور قائدانہ کردار ادا کرے اور او آئی سی سے رابطہ کر کے عالمی سطح پر اس قانون کی منظوری کے لیے جدوجہد کرے۔

• • •

مدارس پر چھاپے......ایک سوچا سمجھا منصوبہ

حالیہ دنوں میں دینی مدارس پر چھاپوں کا ملک گیر سلسلہ شروع ہوا۔اس سلسلے کا آغاز اسلام آباد کے مدارس پر چھاپوں سے ہوا اور بعد ازاں لاہور اور فیصل آباد سے ہوتا ہوا یہ سلسلہ کراچی کے مدارس تک پھیل گیا۔اس آپریشن کے دوران بیسیوں مدارس پر چھاپے مارے گئے لیکن کہیں سے نہ تو اسلحہ برآمد ہوا اور نہ ہی کسی مشکوک شخص کی گرفتاری عمل میں آئی۔پولیس نے اپنی ناکامی اور سبکی مٹانے کے لیے عجیب اوچھے ہتھکنڈوں سے کام لیا۔آپ کراچی کے مدرسہ رحمانیہ بفرزون کی مثال لے لیجئے،اس ادارے میں قریبی تھانے کے پولیس اہلکار آئے انہوں نے پوچھا''کیا آپ کے ہاں غیر ملکی طلباء زیر تعلیم ہیں؟''ادارے کی انتظامیہ نے کہا''جی ہاں!بالکل ہیں مگر ان کے پاس مکمل سفری اور قانونی دستاویزات،این او سی اور نادرا کارڈ موجود ہیں''پولیس اہلکاروں نے کہا کہ''بہت اچھی بات ہے،آپ مہربانی فرما کر ان طلباء کو ہمارے ساتھ بھیج دیں،ہم اپنے ہاں ان کے کوائف کا اندراج کرنا چاہتے ہیں''مدرسہ انتظامیہ نے ان طلباء کو پولیس کے ہمراہ بھیج دیا لیکن پولیس نے ان کے کوائف کا اندراج کرنے کی بجائے میڈیا کے نمائندوں کو تھانے بلالیا اور ان معصوم،مظلوم اور مہمان طلباء کو دہشت گردوں کے روپ میں میڈیا کے سامنے پیش کر دیا اور ان کی گرفتاری ڈال دی۔ان طلباء کو اگلے دن جب عدالت میں پیش کیا گیا تو عدالت نے ان کے کاغذات کو تسلی بخش اور قابل قبول قرار دیتے ہوئے انہیں بری کر دیا لیکن میڈیا کے ذریعے جو ڈھنڈورا پیٹا جا چکا تھا اس کا ازالہ ممکن نہ تھا۔اسی طرح کے اوچھے ہتھکنڈے دوسری جگہوں پر بھی بروئے کار لائے گئے۔

یہاں یہ بات یاد رہے کہ مدارس کی انتظامیہ اور تمام مدارس کے نمائندہ وفاقوں نے ہمیشہ قانون نافذ کرنے والے اداروں کے ساتھ تعاون بھی کیا اور اپنے اداروں کو کھلی کتاب کی مانند قرار دیا،یہ مدارس کبھی بھی نو گوایریا نہیں رہے کہ ان پر پورے لاؤ لشکر سمیت یلغار کی ضرورت

پیش آئے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ وقفے وقفے سے ان مدارس کو مشق ستم بنایا جاتا ہے اور معمول کی چیکنگ، کوائف وغیرہ کے حصول، خفیہ نگرانی کے مسلسل اور مربوط سلسلے کے ہوتے ہوئے سمجھ نہیں آتی کہ کیوں کچھ عرصے بعد مدارس پر اس انداز سے چڑھائی کر دی جاتی ہے جیسے اسرائیلی افواج غزہ یا بھارتی افواج کشمیر پر چڑھائی کیا کرتی ہیں۔ حالیہ دنوں میں مدارس کے خلاف جن حالات میں کریک ڈاؤن کیا گیا ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان چھاپوں کے لیے ڈوری کہیں اور سے ہلائی گئی تھی۔ کیری لوگر بل میں چونکہ مدارس کی مشکیں کسنے کی شرط بھی شامل تھی اس لیے اس بل کی وفاقی کابینہ سے منظوری ہوتے ہی مدارس کے خلاف کریک ڈاؤن شروع کر دیا گیا اور عین اس موقع پر جب سینیٹر جان کیری اور جنرل پیٹریاس پاکستان کے دورے پر آئے ہوئے تھے مدارس پر چھاپے مارے گئے اور لاہور کے مدارس کو اس وقت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا جب بعض ''اہم مہمانوں'' کی لاہور آمد آمد تھی۔ مدارس کے ذمہ داران نے ایک بات بطور خاص نوٹ کی کہ چھاپے مارنے سے قبل پورے میڈیا کو باقاعدہ اطلاع دے کر ان کی حاضری کو یقینی بنایا جاتا تھا اور پھر اس چھاپہ مار مہم کا خوب ڈھنڈورہ پیٹا جاتا تھا۔ اس سے لگتا ہے کہ یہ آپریشن مدارس کے میڈیا ٹرائل اور ایک منظّم مہم کا حصہ تھا۔ ان چھاپوں کے بعد ایک اور بات یہ نوٹ کی گئی کہ بعض نجی چینلز کے بعض اینکر پرسنز نے مدارس کو آڑے ہاتھوں لیا اور بعض نام نہاد دانشوروں اور قلم کاروں نے مدارس کے خلاف مزید کارروائی کے لیے ہلہ شیری دی اور بتدریج مدارس کے خلاف ماحول بنایا جانے لگا۔ یہ سب کچھ ایک ہی سلسلے کی مختلف کڑیاں لگتی ہیں۔

ملک میں دہشت گردی کی حالیہ لہر کے تناظر میں مدارس پر چھاپے مار کر جہاں اس عسکریت پسندی اور دہشت گردی کے ڈانڈے مدارس سے ملانے کی کوشش کی گئی وہیں حکومتی اداروں نے اپنی ناکامی کو چھپانے کے لیے بھی مدارس کو ہی اپنا ہدف بنایا۔ ہمارے ہاں یہ عجیب ماحول بن گیا ہے کہ ملک میں دہشت گردی اور تخریب کاری کی وارداتیں کروانے والی اصل قوتوں کو بے نقاب کرنے کی بجائے ''مرے کو مارے شاہ مدار'' کے مصداق ہمارے قانون نافذ کرنے والے ادارے دینی مدارس پر چڑھ دوڑتے ہیں اور اپنے نمبر بنانے اور لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کرتے ہیں اور دوسری طرف اصل تخریب کاروں کو افغانی بھیس، جعلی نمبر پلیٹ، ناجائز اسلحہ سمیت گرفتار کر کے اپنے ''صوابدیدی اختیارات'' کی بنیاد اور ایک فون کال پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔

مدارس کے خلاف یہ کریک ڈاؤن ایک ایسے وقت کیا گیا جب وطن عزیز تاریخ کے انتہائی نازک ترین دور سے گزر رہا ہے۔اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ عوام کے گلے شکوے دور کیے جائیں اور مختلف ناراض طبقات کے خدشات کے ازالے کی فکر کی جائے جبکہ ہمارے ارباب اختیار الٹا نئے محاذ کھول رہے ہیں اور مدارس کے لاکھوں طلباء، ہزاروں علماء اور مدارس کے ملک بھر میں پھیلے معاونین اور متعلقین میں تشویش واضطراب پیدا کر کے وطن عزیز کو مزید بدترین حالات اور بحرانوں سے دوچار کر رہے ہیں۔موجودہ حالات میں مدارس کے خلاف چھاپے جہاں غلامانہ ذہنیت کی عکاسی کرتے ہیں وہیں بدترین ناعاقبت اندیشی کے زمرے میں بھی آتے ہیں۔اس وقت اعلیٰ سرکاری حکام کو سوچنا چاہیے کہ کہیں کوئی ایسی خاص قسم کی لابی تو نہیں جو دانستہ طور پر حالات کو بگاڑنا چاہتی ہے اور حکومت اور دینی قوتوں کے مابین محاذ آرائی کے لیے راہ ہموار کر رہی ہے۔

مدارس پر حالیہ چھاپے مدارس کے خلاف امتیازی سلوک بھی ہے کیونکہ وہ عصری ادارے جہاں سے آئے روز اسلحہ برآمد ہو رہا ہے، جہاں قتل وغارتگری اور طلباء کے مابین تصادم روز کا معمول بن گیا ہے ان کے خلاف کریک ڈاؤن کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی اور سارا نزلہ صرف مدارس پر گرایا جاتا ہے۔اسی طرح نجی ہاسٹلز، ہوٹلوں اور دوسری جگہوں پر کریک ڈاؤن نہیں ہوتا صرف مدارس کے خلاف ہی کیوں ہوتا ہے؟

دینی مدارس جہاں سے ہر وقت قال اللہ وقال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صدائیں گونجتی ہیں، جہاں ملک کے استحکام وسالمیت کے لیے قرآن کریم کا ختم، سورۂ یٰسین کی تلاوت اور آیت کریمہ کا ورد کیا جاتا ہے وہاں اس طرح چھاپے مار کر ان اداروں کا تقدس پامال کرنا نہایت افسوسناک ہے۔ بعض جگہوں سے یہ اطلاعات بھی موصول ہوئی ہیں کہ پولیس اہلکار جوتوں سمیت مسجدوں میں گھس گئے، بعض جگہوں پر بچیوں کے مدارس میں چادر اور چار دیواری کا تقدس بھی پامال کیا گیا۔یہ کس قدر شرمناک بات ہے؟ پاکستان کے عوام یہ سمجھ رہے ہیں کہ دینی مدارس کو اس لیے نشانہ بنایا جا رہا ہے تاکہ وہ مراکز جو اسلام کی حفاظت کے قلعے ہیں ان میں نقب لگائی جائے اور جو ادارے لوگوں کے دین سے وابستگی اور حصول علم کا ذریعہ ہیں ان کو بدنام کر دیا جائے اس لیے اس قسم کے کریک ڈاؤن کا سلسلہ فی الفور بند ہونا چاہیے تاکہ عوامی تشویش واضطراب کا خاتمہ ہو سکے۔

میں نے ان چھاپوں کے بعد تقریباً ہر مدرسہ کی انتظامیہ اور مہتمم صاحبان سے رابطہ کیا، ان کی

حوصلہ افزائی اور دلجوئی کی، اس دوران یہ بات بڑی شدت سے محسوس کی کہ اس قسم کی کارروائیوں سے ملک بھر میں بہت زیادہ اشتعال اور غم وغصہ پایا جاتا ہے۔ ان چھاپوں کے بعد راولپنڈی اسلام آباد کے علماء کرام نے تمام اہم سرکاری شخصیات اور اعلیٰ حکام سے وفد کی صورت میں ملاقاتیں کیں، اسی طرح کراچی کے علماء نے گورنر سندھ سمیت دیگر لوگوں سے گفتگو کی اور خود میں نے وزیر داخلہ عبدالرحمٰن ملک، سیکرٹری داخلہ، آئی جی پنجاب، ہوم سیکرٹری، چیف کمشنر اسلام آباد اور دیگر تمام اعلیٰ حکام سے رابطہ کیا۔ عجیب بات یہ ہے کہ ان لوگوں میں سے کوئی بھی مدارس کے خلاف ہونے والے کریک ڈاؤن کی ذمہ داری قبول کرنے کے لیے تیار نہیں بلکہ ہر ایک دوسرے پر ڈال رہا ہے اور زبانی طور پر مدارس کے خلاف کارروائی نہ کرنے کی یقین دہانی کروائی جاتی ہے لیکن عملاً پھر مدارس پر چڑھائی کردی جاتی ہے۔ ہمیں سمجھ نہیں آتی کہ تعلیم وتعلم میں مصروف لوگوں کے غم وغصہ اور مدارس کے طلباء کے اشتعال کو آخر کب تک کنٹرول کیا جاسکتا ہے اور ہم یہ بھی سمجھنے سے قاصر ہیں کہ اس صورت حال کو کیا نام دیا جائے؟...... قول وفعل کا تضاد کہا جائے یا کسی تیسری قوت کی کارستانی؟...... اسلام دشمنی سمجھا جائے یا استعماری قوتوں کی غلامی؟...... اور متاثرہ فریق کو صبر وتحمل کی ترغیب دیں یا لانگ مارچ کی تیاری کریں؟...... کیونکہ اس ملک میں لانگ مارچ کے بغیر نہ تو کوئی مطالبہ منوایا جاسکتا ہے اور نہ ہی اپنا حق حاصل کیا جاسکتا ہے۔

• • •

جنوبی پنجاب کے مدارس کے خلاف خطرناک سازش

یوں تو دینی مدارس کے بارے میں ہمیشہ ہی منفی پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے، مدارس دینیہ کی خدمات، دینی مدارس کے اساتذہ وطلباء کی صفات اور دینی مدارس کی ضرورت واہمیت سے چشم پوشی کرتے ہوئے مدارس کی خامیوں اور کمزوریوں کو نمایاں کیا جاتا ہے۔ ایسی چیزیں جن کا مدارس کے ساتھ سرے سے تعلق ہی نہیں، انہیں بھی دینی مدارس کے کھاتے میں ڈال دیا جاتا ہے، ایسے واقعات جن کی نسبت دینی مدارس کی طرف کی ہی نہیں جاسکتی ان کے ڈانڈے بھی مدارس سے جوڑنے کی کوشش کی جاتی ہے اور اگر خدانخواستہ کبھی مدارس یا اہل مدارس کی کوئی معمولی سی کمزوری یا غلطی سامنے آجائے تو آسمان سر پر اٹھالیا جاتا ہے اور اسے رائی کا پہاڑ بنالیا جاتا ہے۔

مدارس کے خلاف پروپیگنڈہ تو معمول کی بات تھی لیکن ان دنوں اس خلاف حقیقت پروپیگنڈہ میں بے تحاشا اضافہ ہو چکا ہے۔ آپ جنوبی پنجاب کے مدارس کے بارے میں پروپیگنڈہ کے معاملے کو دیکھ لیجئے، سب سے پہلے یہ آوازیں بلند ہونا شروع ہوئیں کہ جنوبی پنجاب کے دہشت گرد افغانستان اور قبائلی علاقوں میں برسرپیکار ہیں پھر بتدریج یہ بیانات اس رخ پر آنا شروع ہوئے کہ قبائلی علاقوں سے عسکریت پسندوں نے بھاگ کر جنوبی پنجاب میں پناہ لے لی ہے اور جنوبی پنجاب کو اپنا مسکن بنالیا ہے پھر رفتہ رفتہ یہ شگوفہ چھوڑا گیا کہ جنوبی پنجاب کے دینی مدارس عسکریت پسندی اور دہشت گردی میں ملوث ہیں، پھر یہ بیان داغا گیا کہ جنوبی پنجاب کے بعض مدارس انتہا پسندی کی تعلیم دیتے ہیں پھر بعض کرائے کی جماعتوں کے ذریعے یہ انکشاف کرایا گیا کہ جنوبی پنجاب کے بعض مدارس میں اسلحہ جمع کیا جارہا ہے اس مرحلہ وار پروپیگنڈہ کے بعد عملی اقدامات کا آغاز ہوا۔

گزشتہ دنوں رونما ہونے والے صرف دو واقعات کی مثال لے لیجئے۔ پہلا واقعہ مدارس میں اسلحہ جمع کرنے کے نام نہاد انکشاف سے صرف چند دن بعد پیش آیا۔ ہمیں ذرائع ابلاغ سے

معلوم ہوا کہ ڈیرہ غازی خان کے علاقے میں کسی مدرسے سے اسلحے سے بھرا ٹرک پکڑا گیا ہے۔ یہ اطلاع سن کر ہم پریشان ہو گئے لیکن اس کی صداقت پر یقین کرنے کیلئے دل آمادہ نہیں تھا لیکن بلاتحقیق اسے جھٹلانا بھی مناسب نہ تھا اس لیے ہم نے وفاق المدارس کی طرف سے مفتی خالد محمود کی سربراہی میں ایک تحقیقاتی وفد جائے وقوعہ بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ مفتی خالد اپنے رفقاء کے ہمراہ اس دور افتادہ اور پسماندہ علاقے میں گئے، وہ کچے کا علاقہ کہلاتا ہے، بڑی مشکل سے مفتی صاحب اور ان کے ساتھی اس جگہ تک پہنچے، ان کا خیال تھا کہ وہاں علماء اور طلباء ہوں گے، درسگاہیں اور لائبریریاں ہوں گی، لیکن ایسا کچھ نہ تھا بلکہ ایک ویران حویلی تھی اور اس کے بارے میں سیکورٹی اداروں کا دعویٰ تھا کہ یہ مدرسہ ہے اور اس سے اسلحہ برآمد ہوا ہے۔ اس ویران حویلی کو مدرسہ ثابت کرنے کیلئے اس کے باہر ''مدرسہ عثمانیہ'' کا بورڈ آویزاں کر دیا گیا تھا۔ پھر ہم نے وفاق المدارس کا ریکارڈ چیک کیا کہ شاید آج نہیں تو کسی دور میں یہاں کوئی مدرسہ ہوا ہو، تو معلوم ہوا کہ اس علاقے میں اس نام کے کسی مدرسہ کا وفاق المدارس سے کبھی الحاق نہیں رہا۔ ہم نے احتیاطاً دیگر مکاتب فکر کی نمائندہ تنظیموں سے رابطہ کیا اور ان سے پوچھا کہ ''آپ سے وابستہ کوئی ایسا مدرسہ؟'' سب نے انکار کر دیا۔ ہم حیران، الٰہی! ماجرا کیا ہے؟ مدرسہ کسی بورڈ کا نام تو نہیں ہوتا اور نہ ہی کسی محرابوں والی عمارت کو مدرسہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ مدرسہ تو تعلیم و تعلم اور اساتذہ طلباء کا نام ہوتا ہے اور ان میں سے کوئی چیز وہاں نہیں تھی لیکن اس ویران حویلی کو تواتر سے مدرسہ قرار دیا جا رہا تھا۔

دوسرا واقعہ میاں چنوں میں پیش آیا...... اسے واقعہ سے زیادہ سانحہ قرار دینا مناسب ہوگا۔ یہ واقعہ بذات خود ایک چیستان ہے اور اس کے بارے میں طرح طرح کے سوالات اٹھ رہے ہیں، عوام میں مختلف آراء گردش کر رہی ہیں اور مختلف قسم کی قیاس آرائیاں ہو رہی ہیں لیکن ہمیں اس تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ ہمارا مقصود یہ بتانا ہے کہ وہاں ہونے والے دھماکوں کے فوراً بعد کورس کی شکل میں یہ کہا جانے لگا کہ میاں چنوں کے مدرسہ میں اسلحے کا انبار تھا، وہ پھٹ گیا اور دھماکہ ہو گیا، اس واقعہ میں ''مدرسہ مدرسہ'' کی رٹ اتنی کثرت سے لگائی گئی کہ ہم اس صورت حال کا نوٹس لیے بغیر نہ رہ سکے، دو روز قبل ڈیرہ غازی خان میں ہونے والی واردات ہمارے سامنے تھی اس لیے ہم نے دارالعلوم کبیروالا کے استاذ الحدیث حضرت مولانا حامد حسن کی سربراہی میں وفاق المدارس کا ایک نمائندہ وفد اس معاملے کی چھان بین اور اصل حقائق معلوم کرنے کے لیے بھیجا تو انکشاف ہوا کہ وہاں بھی کوئی مدرسہ نہیں بلکہ یہ مبینہ واقعہ ماسٹر ریاض نامی ایک شخص

کے گھر پیش آیا۔ اسے مدرسہ اس لیے قرار دیا گیا کہ ماسٹر ریاض کی ہمشیرہ کے پاس گاؤں کے چند بچے ناظرہ اور قاعدہ پڑھنے آیا کرتے تھے جیسا کہ عموماً دیہاتوں میں ہوتا ہے کہ بعض خواتین گاؤں کے بچوں کو قرآن کریم پڑھا دیا کرتی ہیں اور بس۔ اس کے علاوہ اس گھر میں مدرسہ والی کوئی بات نہیں تھی لیکن اسے مسلسل مدرسہ قرار دیا جا رہا تھا۔ خود ماسٹر ریاض کے بارے میں معلوم ہوا کہ اس کی مشکوک سرگرمیوں کی وجہ سے اس سے قبل بھی اسے گرفتار کیا گیا لیکن پھر پولیس نے پیسے لے کر اسے رہا کر دیا۔ قابل غور بات یہ ہے کہ ماسٹر ریاض جو حاضر سروس اسکول ٹیچر ہے اس کی وجہ سے کسی کا بھی یہ دعویٰ نہیں کہ تمام اسکول ٹیچر دہشت گرد ہوتے ہیں، کسی طرف سے اس قسم کا جتزیہ بھی سامنے نہیں آیا کہ وزارت تعلیم نے اس کی ذہن سازی اور برین واشنگ کی، کسی نے بھی پنجاب گورنمنٹ کے ملازم کی اس واردات کی وجہ سے حکومت پنجاب کو ذمہ دار نہیں ٹھہرایہا حتیٰ کہ پیسے لے کر اس شخص کو رہا کرنے والی پولیس کی طرف بھی کوئی انگلی نہیں اٹھائی گئی بلکہ پروپیگنڈے کی تمام توپوں کا رخ دینی مدارس کی طرف کر دیا گیا۔ یہ کس قدر افسوسناک امر ہے۔

ان دو واقعات سے آپ نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ دینی مدارس کے خلاف کارروائی کرنے کے لیے کس مہارت سے راہ ہموار کی جارہی ہے اور کتنی ہوشیاری سے پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے۔ اس پروپیگنڈہ کے بعد اب عین امتحانات کے دنوں میں جنوبی پنجاب کے مدارس پر چھاپوں کا سلسلہ جاری ہے، امتحان کی تیاری میں مصروف طلبہ وطالبات کو چھاپے مار کر ہراساں کیا جاتا ہے اور انہیں تعلیم کے بنیادی حق سے محروم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہاں یہ دلچسپ امر بھی پیش نظر رہے کہ وفاقی وزیر داخلہ عبدالرحمٰن ملک نے خود مجھے فون کر کے اس بات کی وضاحت کی کہ جنوبی پنجاب کے مدارس کے دہشت گردی میں ملوث ہونے کے بارے میں میری طرف منسوب بیان من گھڑت ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ میں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ سات ہزار دہشت گرد جنوبی پنجاب میں داخل ہو گئے ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ میں مدارس کے کردار کا معترف ہوں اور میری اطلاعات یہ ہیں کہ دینی مدارس تعلیم کے فروغ کے لیے سرگرم عمل ہیں دہشت گردی میں ملوث نہیں۔ ایک ایسا معاملہ جس پر وفاقی وزیر داخلہ جن کے پاس تمام حساس اداروں کی رپورٹیں جاتی ہیں اور جو امن وامان کے موجودہ حالات میں اصل ''صاحب معاملہ'' ہیں ان کی وضاحت کے ہوتے ہوئے جنوبی پنجاب کے مدارس کے خلاف آپریشن اور چھاپوں کا سلسلہ انتہائی ناقابل فہم ہے۔ اسی طرح پنجاب حکومت کی طرف سے بھی جنوبی پنجاب اور وہاں کے دینی مدارس کے

بارے میں اس تار کی بار بار نفی کی جاتی ہے بلکہ آئی جی پنجاب طارق سلیم ڈوگر تو یہاں تک کہتے ہیں کہ "مفاد پرست عناصر جنوبی پنجاب کے مدارس کو بدنام کر رہے ہیں، لوگ مدارس میں دین اور قرآن کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں، دہشت گردی کے بارے میں مبالغہ آرائی کی جارہی ہے"
اب آپ ہی بتایئے کہ کس کی بات پر یقین کیا جائے؟

اس وقت پاکستانی عوام، جنوبی پنجاب کے مدارس کے خلاف جاری پروپیگنڈے اور اقدامات کو جنوبی پنجاب کے بارے میں غیر ملکی سفارت کار کی وساطت سے بعض مغربی ممالک کی تشویش کے تناظر میں دیکھ رہے ہیں۔ اور ساتھ ساتھ یہ بھی سمجھ رہے ہیں کہ یہ سب محض ایک ٹیسٹ کیس اور نقطہ آغاز ہے۔ کون نہیں جانتا کہ مغربی ممالک کی تشویش کا دینی مدارس سے زیادہ کسی اور معاملے سے تعلق ہے۔ بہر حال ایسے میں حکومت، قومی سلامتی کے اداروں، مذہبی طبقے اور عوام کو ان تمام پہلوؤں کو مدنظر رکھنا ہوگا اور دین اسلام، وطن عزیز اور دینی مدارس کے خلاف ہر سازش کو ناکام بنانا ہوگا۔

• • •

صوبہ خیبر پختون کے گورنر سے وفاق المدارس کے وفد کی ملاقات

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ایک اعلیٰ سطحی وفد نے شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خاں صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی قیادت میں صوبہ خیبر پختونخواہ کے گورنر اویس احمد غنی سے ملاقات کی۔ وفد میں مولانا انوار الحق، مولانا قاضی عبدالرشید، مولانا مفتی کفایت اللہ، مولانا عبید اللہ خالد، مولانا حسین احمد اور راقم الحروف شامل تھے۔ علمائے کرام کی نمائندگی اور ترجمانی کرتے ہوئے میں نے گورنر صاحب کی خدمت میں جو معروضات پیش کیں ان کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

''آپریشن سے متاثرہ علاقوں کے بارے میں ہمیں یہ تشویشناک اطلاعات موصول ہوئی ہیں کہ وہاں بہت سی مساجد کو شہید کر دیا گیا، کئی مدارس میں بارود رکھ کر انہیں ملبے کا ڈھیر بنا دیا گیا، بہت سی مساجد اور دینی مدارس کو بمباری سے جزوی طور پر نقصان پہنچا۔ ہمارے پاس ان مساجد کی فہرست بھی موجود ہے اور تصاویر بھی لیکن ہم دانستہ طور پر انہیں عوامی حلقوں میں سامنے نہیں لاتے ورنہ پورے ملک میں اضطراب واشتعال کا طوفان آجائے گا۔ ہمارے لیے یہ بات بالکل ناقابل فہم ہے کہ عمارتوں کا کیا قصور ہے جس کی بنیاد پر انہیں مسمار کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے حالانکہ دنیا کے تمام مذاہب میں عبادت گاہوں اور مقدس مقامات کو ہرگز نشانہ نہیں بنایا جاتا، دشمن کے مذہبی مقامات کا تقدس بھی ملحوظ رکھا جاتا ہے جبکہ یہاں خود مسلمانوں نے اپنے مذہبی مقامات کو نشانہ بنایا ہے جس پر جس قدر افسوس کا اظہار کیا جائے کم ہے۔ ہمارا پہلا مطالبہ تو یہ ہے کہ حکومت متاثرہ علاقوں کے ماسٹر پلان میں مساجد ومدارس کو خصوصی اہمیت کے ساتھ شامل کرے اور ان کی تعمیر نو کو اپنی اولین ترجیح قرار دے کیونکہ یہ تمام مدارس ومساجد لوگوں نے پائی پائی جوڑ کر اور چندہ کر کے بنوائے تھے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے بار بار یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ مالاکنڈ ڈویژن اور دیگر علاقوں میں تمام معلومات زندگی بحال ہو چکے لیکن افسوسناک اطلاعات یہ ہیں کہ مدارس کو اپنا

تعلیمی سلسلہ بحال کرنے کی اجازت نہیں، ایسے مدارس جہاں طلبہ ہاسٹلز میں اقامت پذیر ہیں وہاں طلبہ کی رہائش پر مکمل پابندی ہے جس کی وجہ سے دورافتادہ اور پسماندہ علاقوں کے طلباء تعلیم کے بنیادی حق سے محروم ہیں۔اس لیے ہمارا مطالبہ ہے کہ ان طلباء کو تعلیم کے بنیادی حق سے محروم نہ کیا جائے، مدارس کی تعلیمی سرگرمیوں میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ ڈالی جائے اور نہ ہی مدارس کے ہاسٹلز میں طلبہ کی رہائش پر پابندی عائد کی جائے۔

تیسرے نمبر پر افغان طلباء کا معاملہ زیر بحث آیا اور ہم نے گورنر صاحب سے گزارش کی کہ افغان طلبہ ہمارے عصری تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کررہے ہیں، یہاں افغان نژاد لوگوں کو کاروبار کرنے، رہائش اختیار کرنے حتیٰ کہ زمینیں خریدنے کی آزادی اور اجازت ہے اگر نہیں تو افغان طلبہ کو دینی مدارس میں پڑھنے کی اجازت نہیں۔یا تو تمام افغانوں کو اپنے وطن واپس بھیجا جائے اور انہیں یہاں کسی قسم کی سرگرمی کی اجازت نہ ہو اور اگر وہ باقی کام کرسکتے ہیں تو پھر صرف مدارس کے معاملے میں ان سے امتیازی سلوک روا نہ رکھا جائے۔ان تینوں معاملات میں گورنر نے مکمل اور ہر ممکن تعاون کی یقین دہانی کروائی اور شہید و متاثرہ مساجد و مدارس کی تعمیر نو کا وعدہ بھی کیا، مدارس میں تعلیمی سرگرمیاں بحال کرنے اور طلباء کی رہائش پر سے پابندی اٹھانے کا وعدہ بھی کیا اور افغان طلباء کو تعلیم کے بنیادی حق سے محروم نہ کرنے کے عزم کا اظہار بھی کیا۔اب دیکھنا یہ ہے گورنر کی ان یقین دہانیوں اور وعدوں کا عملی طور پر کیا نتیجہ نکلتا ہے؟

ایجنڈے میں شامل ان بنیادی تین موضوعات کے علاوہ بھی دیگر موضوعات زیر بحث آئے۔جن موضوعات میں سے صوبے میں جاری آپریشن، ڈرون حملوں، عسکریت پسندی، نظام عدل ریگولیشن، لاہور اجلاس کا اعلامیہ اور لسانی و مسلکی آویزش وغیرہ بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ ہم نے گورنر صاحب کے سامنے اپنے دیرینہ موقف کا اعادہ کیا کہ سورش زدہ علاقوں میں طاقت کا استعمال مسئلے کا حل نہیں۔بات چیت اور افہام و تفہیم سے بھی کام لیا جائے، اچھے برے اور اپنے پرائے کی تمیز بھی کی جائے اور بالخصوص عسکریت پسندی کے اسباب پر توجہ دی جائے۔ہم نے ڈرون حملوں کی روک تھام کے لیے جرأت مندانہ کردار ادا کرنے کا مطالبہ بھی کیا اور ان سے یہ بھی کہا کہ مالاکنڈ ڈویژن کے عوام کا نفاذ اسلام کا مطالبہ اب آپ کو ازخود تسلیم کرلینا چاہیے اور نظام عدل ریگولیشن کا ذاتی دلچسپی لے کر نفاذ کردینا چاہیے کیونکہ پہلے حکومت کی طرف سے یہ عذر سامنے آتا تھا کہ عسکریت پسندوں کی طرف سے معادوں کی خلاف ورزی ہوتی ہے یا یہ بہانہ

کیا جاتا تھا کہ صوفی محمد نظام عدل کے نفاذ میں رکاوٹ ہیں لیکن اب تو ایسا کوئی عذر باقی ہے اور نہ ہی کوئی رکاوٹ موجود ہے اس لیے آپ کو وہاں کے عوام کو ان کا یہ حق ضرور دینا چاہیے اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اگر اس میں مزید تاخیر ہوئی تو حالات معمول پر آنے کی بجائے مزید بگاڑ پیدا ہونے کا خدشہ ہے۔

اس موقع پر گورنر کی طرف سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ اس وقت پاکستان اور اسلام دشمن قوتوں کی طرف سے لسانی اور مسلکی بنیادوں پر ملک میں تقسیم وتفریق اور قتل وغارت گری کے شدید خطرات منڈلا رہے ہیں جس میں علماء کرام کو کردار ادا کرنا چاہیے۔ اس پر ہم نے ان سے عرض کیا کہ جہاں تک لسانی بنیادوں پر جھگڑے کی بات ہے اس کی بنیاد تو آپ نے خود ہی رکھی ہے اور عوام کے بنیادی مسائل ومشکلات پر توجہ دینے کی بجائے آپ نے خواہ مخواہ پختونخواہ کا مسئلہ کھڑا کر دیا جس کی وجہ سے پورے ملک میں ایک ہلچل برپا ہوگئی ہے۔ ہزارہ میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ آپ کے سامنے ہے، عنقریب بلوچستان میں بلوچ اور پختون تفریق کی تحریک میں تیزی آجائے گی، اسی طرح جنوبی پنجاب میں صوبے کی تحریک زور پکڑتی جا رہی ہے۔ اس صورت حال کا تدارک آپ ہی بہتر انداز سے کر سکتے ہیں۔ اس پر گورنر کا کہنا تھا کہ میں تو صوبے کے نام کی تبدیلی کے حق میں نہیں تھا اور میں نے صوبائی ذمہ داران سے پہلے بھی بات کی تھی کہ اس معاملے کو اگر ہوا نہ دی جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔

جہاں تک مسلکی اختلافات کا معاملہ ہے اس کے بارے میں گورنر نے ملی یکجہتی کونسل کا حوالہ دیا جس پر ہم نے ان کے سامنے واضح کیا کہ علماء کی طرف سے بین المسالک ہم آہنگی کی بہت قابل قدر کوششیں ہوئیں لیکن بدقسمتی سے خود سرکاری اداروں کی طرف سے اس محنت کو سبوتاژ کر دیا جاتا ہے۔ ملی یکجہتی کونسل میں فریقین کو ہم ایک ٹیبل پر بٹھانے میں کامیاب ہوگئے تھے، بہت سے معاملات میں افہام وتفہیم کی فضا پیدا ہوگئی تھی لیکن اسی اثناء میں سرکاری اداروں نے خود شدت پسند تنظیمیں کھڑی کیں اور وہ مشن ناکام ہوگیا۔ ہم سمجھتے ہیں کہ مسلکی تنازعات کی سب سے بڑی بنیاد ''توہین'' ہے اگر یہ بنیاد ختم کر دی جائے تو کسی قسم کے مسلکی جھگڑے کا کوئی امکان باقی نہیں رہے گا لیکن یہ کام حکومت کر سکتی ہے کیونکہ علماء کے پاس قوت نافذہ نہیں اور جن کے پاس قوت نافذہ ہے وہ جب تک معاملات کنٹرول میں ہوتے ہیں اس وقت تک خاموش تماشائی بنے رہتے ہیں اور جب پانی سر سے گزرنے لگتا ہے اس وقت ہاتھ پاؤں مارنے لگتے ہیں۔

اس موقع پر صوابی کے علاقے بام خیل میں واقع دینی مدرسہ معہد الصدیق پر رات کے بارہ بجے حساس اداروں اور پولیس کی نفری کے چھاپے کا معاملہ بھی گورنر کے نوٹس میں لایا گیا اور انہیں بتایا کہ وہاں پر کمسن طلباء کی قمیصیں اترواکر انتہائی توہین آمیز انداز سے تلاشی لی گئی، چادر اور چار دیواری کا تقدس پامال کیا گیا، درسگاہوں کی بے حرمتی کی گئی، بچوں کی نقدی غائب کی گئی۔اس کارروائی کو اشتعال انگیز قرار دے کر ہم نے گورنر سے اس واقعے میں ملوث اہلکاروں کے خلاف کارروائی کرنے کا مطالبہ کیا جس پر گورنر نے بھرپور کارروائی کی یقین دہانی کروائی اور آئندہ اس قسم کے چھاپوں کی روک تھام کی ہدایات جاری کرنے کا وعدہ کیا۔

بہرحال مجموعی طور پر گورنر اویس احمد غنی سے ملاقات بہت خوشگوار ماحول میں ہوئی اور اگر اس موقع پر زیر بحث آنے والے معاملات پر سنجیدگی سے پیش رفت ہوئی تو امید ہے کہ مجموعی طور پر ملکی حالات اور بالخصوص متاثرہ علاقوں میں بہتری کے آثار نمایاں ہوں گے۔

○ ○ ○

تحفظ مدارس محاذ پر سرگرمی کی لہر

(۳۰ جنوری، ۲۰۱۰)

گزشتہ دنوں کراچی میں منعقد ہونے والے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ کے غیر معمولی اجلاس میں ہونے والے فیصلوں کی روشنی اور اکابر کی دعاؤں کی برکت سے ان دنوں مدارس کے تحفظ و بقاء کے محاذ پر غیر معمولی سرگرمیوں میں تیزی آ گئی ہے اور وفاق المدارس کی مختلف کمیٹیوں اور افراد نے اپنی سرگرمیوں کا آغاز کر دیا ہے۔ اس سلسلے میں آج کل راولپنڈی اسلام آباد اہم سرگرمیوں کا مرکز بنے ہوئے ہیں۔ کراچی کے اجلاس میں مدارس پر چھاپوں کے حوالے سے مولانا ڈاکٹر عادل خان کی سربراہی میں کمیٹی تشکیل دی گئی تھی اور چونکہ چھاپوں سے سب سے زیادہ راولپنڈی اسلام آباد اور قرب و جوار کے مدارس متاثر ہوئے اس لیے اس کمیٹی کے اراکین اور مقامی علماء کرام کا ایک اہم اجلاس 26 جنوری بروز منگل بعد نماز عشاء جامعہ فریدیہ میں ہوا۔ جس میں مجھے بطور خاص شرکت کی دعوت دی گئی تھی میرے علاوہ مولانا ڈاکٹر عادل خان، مولانا قاضی عبدالرشید، مولانا عبدالغفار، مولانا ظہور احمد علوی، مولانا نذیر فاروقی، مولانا محمد شریف ہزاروی اور مولانا مفتی عبدالسلام اجلاس میں شریک ہوئے۔ اس اجلاس میں یہ طے پایا کہ چھاپوں سے متاثرہ مدارس سے رابطہ کر کے ان سے تفصیلات معلوم کی جائیں، ان سے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے ان کی حوصلہ افزائی کی جائے نیز یہ بھی معلوم کیا جائے کہ انہیں پریشان اور ہراساں کرنے کا سلسلہ تا حال جاری ہے یا ختم ہو چکا؟ اسی طرح ان مدارس سے یہ بھی معلوم کیا جائے کہ انہیں وفاق المدارس سے کس نوعیت کا تعاون درکار ہے؟ جامعہ فریدیہ میں اجلاس دیر تک جاری رہا۔ اگلے روز صبح ڈاکٹر عادل خان کی سربراہی میں وفد نے جامعہ محمدیہ اسلام آباد، جامعہ دارالھدیٰ، دارالعلوم زکریا، ادارہ علوم اسلامی بھارہ کہو اور دیگر مدارس کا دورہ کیا، اگلے مرحلے میں جڑواں شہروں کے بقیہ مدارس اور قرب و جوار کے اضلاع مثلاً دینہ، جہلم، چکوال

کے مدارس بالخصوص حضرو اور اٹک کے مدارس کا دورہ کیا گیا۔

اس کے ساتھ ساتھ حکومت سے مذاکرات کا سلسلہ جاری رہا، حکومت کے ساتھ دو سطح پر الگ الگ مذاکرات اور ملاقاتیں ہوئیں۔ مذاکرات کا ایک سلسلہ اتحاد تنظیمات مدارس کے پلیٹ فارم پر وہیں سے شروع ہوا جہاں سے اس کا تسلسل ٹوٹا تھا اور وہ یقیناً قارئین کے علم میں ہوگا کہ مدارس کا ایک امتحانی بورڈ بنانے کے سلسلے میں آج سے تین ماہ قبل اصولی طور پر اتفاق ہوا تھا۔ اس کی جزئیات اور تفصیلات طے کرنے کے لیے دو روز تک مذاکرات کا دور چلا اور کچھ تجاویز اور ابتدائی خاکہ سامنے آیا لیکن کوئی حتمی فیصلہ نہیں ہوا کیونکہ ان تجاویز کے حوالے سے حکومتی کمیٹی نے بھی اپنے دیگر متعلقہ اداروں سے مشاورت کرنی ہے جبکہ مدارس کے نمائندوں نے بھی اپنی اپنی مجالس عاملہ کو اعتماد میں لینا ہے۔ مذاکرات کے اختتام پر وفاقی وزیر داخلہ عبدالرحمٰن ملک کی اگرچہ یہ خواہش تھی کہ کسی معاہدے پر دستخط کر لیے جائیں یا کم از کم مشترکہ پریس کانفرنس سے خطاب کر لیا جائے لیکن راقم الحروف نے دوٹوک الفاظ میں وزیر داخلہ پر واضح کیا کہ ہمیں صرف بات چیت کا اختیار ہے فیصلے یا معاہدے کا مینڈیٹ ہمارے پاس نہیں اس حوالے سے ہم اپنی اپنی مجالس عاملہ میں یہ تجاویز رکھیں گے اور مجالس عاملہ کی منظوری، مشاورت اور رہنمائی کے بعد جب ان تجاویز کو معاہدے کی شکل دی جائے گی تب اس پر دستخط بھی ہوں گے اور مشترکہ طور پر میڈیا سے گفتگو بھی کی جائے گی۔

مذاکرات کا دوسرا دور اتحاد کی سطح پر نہیں بلکہ وفاق المدارس کی سطح پر ہوا۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ایک اعلیٰ سطحی وفد نے وزیر داخلہ جناب عبادلرحمٰن ملک سے خصوصی ملاقات کی۔ اس موقع پر میرے ساتھ مولانا ڈاکٹر عادل خان اور مولانا قاضی عبدالرشید بھی موجود تھے۔ وفاق المدارس اور مدارس کی ترجمانی کرتے ہوئے میں نے وزیر داخلہ سے دینی مدارس پر چھاپوں، غیر ملکی طلبہ کے ویزے، کوائف طلبی کے نام پر مدارس کو ہراساں کرنے اور غیر متعلقہ کوائف کے معاملات پر گفتگو کی۔ ہم نے وزیر داخلہ سے کہا کہ اگر کسی عصری تعلیمی ادارے کے کسی ملازم یا طالبعلم کے خلاف کوئی شکایت ہو تو اس پر چھاپہ نہیں مارا جاتا، پولیس کے بھاری بھرکم لشکر یلغار نہیں کرتے، بیسیوں گاڑیاں اس ادارے کا گھیراؤ نہیں کرتیں اور نہ ہی اس ادارے کا میڈیا ٹرائل ہوتا ہے لیکن دینی مدارس کے ساتھ امتیازی رویہ کیوں؟ اسی طرح یہ بات بھی بارہا طے ہو چکی کہ جب تمام مدارس رجسٹریشن کروا چکے ہیں، ان کے کوائف متعلقہ اداروں

کے پاس موجود ہیں تو پھر روز روز مختلف اداروں کے اہلکار کوائف طلبی کے نام پر اہل مدارس کو کیوں ہراساں کرتے ہیں؟

پھر یہ بھی طے شدہ امر ہے کہ تفصیلی کوائف کے لیے براہ راست مدارس کو پریشان نہیں کیا جائے گا بلکہ متعلقہ وفاق سے رجوع کیا جائے گا لیکن اس کے باوجود دو چار دنوں بعد کوئی نیا کوائف نامہ تقسیم ہونے لگتا ہے یہ سب کچھ ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ ہم نے این آر او کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ کتنے وزراء اور اہم شخصیات ہیں جن کے خلاف مقدمات درج ہیں، پر مختلف الزامات ہیں لیکن ان مقدمات اور الزامات کی وجہ سے کسی کو گرفتار نہیں کیا گیا، کسی کے گھر پر چھاپہ نہیں مارا گیا، حتیٰ کہ کسی سے استعفاء تک نہیں لیا گیا جبکہ مدارس پر نہ کوئی الزام، نہ مقدمہ، نہ اطلاع، محض شک بلکہ بسا اوقات شک بھی نہیں ہوتا صرف غیروں کی خوشنودی کے لیے چھاپے مارے جاتے ہیں۔ ایسا آخر کیوں ہو رہا ہے؟ ہم نے محترم وزیر داخلہ سے استفسار کیا کہ آپ کو پورا پروٹوکول اور مکمل سیکورٹی بھی حاصل ہے اس کے باوجود آپ کو جب عدالتوں میں جانا پڑتا ہے تو آپ خود پر کتنا بوجھ اور دباؤ محسوس کرتے ہیں؟ اسی طرح آپ ذرا ان اہل مدارس کا تصور کیجئے جن کے پاس نہ عہدہ ہے نہ منصب، نہ وسائل ہیں نہ سیکورٹی وہ کس پریشر کی کیفیت سے گزرتے ہوں گے؟ اس پر وزیر داخلہ نے وضاحت کی کہ وفاقی وزارت داخلہ کے حکم پر کسی مدرسہ پر چھاپہ نہیں مارا گیا بلکہ یہ صوبائی حکومتوں کے اقدامات ہو سکتے ہیں لیکن ہمیں خواہ مخواہ بدنام کیا جا رہا ہے۔ ہم کسی تعلیمی ادارے پر چھاپہ مارنے کے حق میں نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اس بات کا بھی وعدہ کیا کہ وہ عنقریب چاروں صوبوں کے وزرائے اعلیٰ، آئی جی اور ہوم سیکرٹریز کا اجلاس طلب کریں گے اس اجلاس میں مدارس کے وفاقوں کے نمائندوں کو بھی مدعو کیا جائے گا اور مل بیٹھ کر اس بات کا حل نکالا جائے گا کہ اگر کسی مدرسہ یا کسی مدرسہ کے اساتذہ وطلباء کے بارے میں کوئی شکایت آئے تو ایسی صورت میں کیا طریقہ اختیار کرنا ہے؟

ہم نے وفاقی وزیر داخلہ کے سامنے غیر ملکی طلباء کا مسئلہ بھی اٹھایا کہ ان کو ویزے دینے کے معاملے میں لیت و لعل سے کام لیا جا رہا ہے۔ اس پر وفاقی وزیر داخلہ نے وعدہ کیا کہ تمام غیر ملکی طلباء خواہ وہ دینی مدارس میں پڑھنے کے خواہش مند ہوں یا عصری تعلیمی اداروں میں داخلہ کے امیدوار، جن کے پاس مطلوبہ دستاویزات و کاغذات موجود ہوں گے انہیں داخلہ دے دیا جائے گا۔ اس لیے اگر کسی مدرسہ کا اس حوالے سے کوئی مسئلہ ہو وہ فی الفور وفاق المدارس یا وزارت

داخلہ سے رجوع کرے۔

وزارت داخلہ میں میٹنگ کے بعد اتحاد تنظیمات مدارس کے وفد نے مولانا فضل الرحمٰن کی دعوت پر ان کی رہائش گاہ پر ایک پر تکلف عشائیہ میں شرکت کی۔ اس دوران اتحاد تنظیمات کے وفد نے مولانا فضل الرحمٰن کو حکومت کے ساتھ ہونے والے مذاکرات کے حوالے سے بریفنگ دی اور موجودہ ملکی اور عالمی حالات پر تبادلہ خیال ہوا۔ وطن عزیز کی سالمیت واستحکام، آزادی وخود مختاری اور دینی مدارس کی حریت کی بقاء کے لیے تفصیلی مشاورت کی گئی۔ دینی مدارس کے حوالے سے ہونے والی ان سرگرمیوں کو اللہ رب العزت شرف قبولیت عطا فرمائیں اور انہیں مدارس کے تحفظ وبقا اور بہتر مستقبل کا ذریعہ بنائیں۔ آمین

○ ○ ○

دینی مدارس اور دہشت گردی کی تازہ لہر
سروے فارمز کی تقسیم اور مدارس کا موقف

وطن عزیز اس وقت بدامنی اور دہشت گردی کی جس لہر کی لپیٹ میں ہے اس پر ہر دردِ دل رکھنے والا پاکستانی فکر مند ہے اس دہشت گردی کے اسباب و وجوہات اور اس کے پسِ منظر کے حوالے سے بہت کچھ کہا اور سنا گیا ہے لیکن ان دنوں ایک منظّم منصوبہ بندی کے ساتھ دہشت گردی کی حالیہ لہر کے ڈانڈے دینی مدارس کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کی جارہی ہے اور ایسا ماحول بنایا جارہا ہے کہ دینی مدارس ''تنگ آمد بجنگ آمد'' کا مصداق بن جائیں۔ دینی مدارس قیامِ پاکستان سے لے کر آج تک دینی اور تعلیمی خدمات سرانجام دے رہے ہیں اور اس عرصے میں یہ ادارے کسی قسم کی دہشت گردی میں نہ کبھی ملوث رہے ہیں اور نہ ہی ان اداروں نے کسی قسم کے تشدد کا درس دیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود ان اداروں کو دہشت گردی سے منسوب کرنے کی بھونڈی کوشش کی جاتی رہی ہے، پہلے پہل جب مدارس کے دہشت گردی میں ملوث ہونے کے بارے میں جھوٹا اور بے بنیاد پروپیگنڈہ کیا جانے لگا تو اربابِ مدارس نے ہر فورم پر ایسے مبہم الزامات عائد کرنے کی بجائے ان مدارس کی نشاندہی کرنے کو کہا جہاں دہشت گردی کی تعلیم دی جاتی ہو یا جہاں اسلحہ موجود ہو چنانچہ نہ تو کسی مدرسے کے بارے میں ٹھوس شواہد پیش کیے جاسکے اور نہ ہی کہیں سے اسلحہ برآمد کیا جاسکا بلکہ خود وزارت داخلہ نے اس حوالے سے اعلیٰ سطحی تحقیقات کرنے کے بعد یہ رپورٹ پیش کی کہ پاکستان کا کوئی مدرسہ بھی دہشت گردی میں ملوث نہیں، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس کے بعد پروپیگنڈہ کا یہ سلسلہ رک جاتا لیکن بدقسمتی سے ایسا نہ ہوا اور اب پروپیگنڈہ کا سلسلہ ایک قدم آگے بڑھ گیا ہے اور مدارس پر چھاپے مار کر اور مدارس کے بے گناہ طلباء کو حساس اداروں کے ذریعے غائب کروا کر دہشت گردی کا ملبہ مدارس پر ڈالنے کی کوشش کی جارہی ہے حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ امن وامان کی موجودہ سنگین صورتحال اور مذہبی قوتوں پر ڈھائے جانے والے ظلم وستم کے باوجود مدارس کے منتظمین، اساتذہ اور لاکھوں طلباء کو اس

دہشت گردی سے خود کو الگ تھلگ رکھنے اور وطن عزیز اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کے لیے مشکلات کھڑی نہ کرنے کی بنا پر اہلِ مدارس کو خراج تحسین پیش کیا جاتا لیکن الٹا مدارس کے لوگوں کو ہراساں کیا جا رہا ہے اور دھونس، دباؤ اور خوف پر مبنی پالیسیاں تشکیل دی جا رہی ہیں حالانکہ بارہا اس کا تجربہ کیا جا چکا ہے۔

ایک بات اور اہل مدارس محسوس کرتے ہیں کہ 7/7 کے بعد جس طرح برطانوی آرڈر کی تعمیل میں مدارس کے خلاف کریک ڈاؤن کیا گیا تھا اسی طرح ان دنوں بھی مغربی آقاؤں کی خوشنودی کے لیے مدارس کو تنگ کیا جا رہا ہے حالیہ دنوں میں متعدد مدارس پر چھاپے مارے گئے۔ اسلام آباد کے ایک مدرسہ میں کمانڈوز، حساس اداروں اور پولیس کی بھاری نفری نے اس انداز سے یلغار کی جیسے انڈین فوج کشمیر کی کسی بستی پر لشکر کشی کیا کرتی ہے۔ جب ان لوگوں سے اس ''یلغار'' کی وجہ معلوم کی گئی تو انہوں نے بتایا کہ وہ ایک ایسے طالب علم کی تلاش میں آئے ہیں جو لال مسجد میں زیر تعلیم تھا اور آپریشن سائلنس کے دوران اس پر مقدمات بنائے گئے اور اس کے جملہ کوائف کا ریکارڈ سیکورٹی اداروں کے پاس موجود ہے اور وہ صرف دو دن قبل عدالت میں بھی پیش ہوا تھا، عدالت میں پیشی کے موقع پر بھی اس کی گرفتاری کے احکامات جاری کیے جا سکتے تھے، اسے سانحہ لال مسجد سے اب تک گزرنے والے پونے دو برسوں کے دوران کہیں سے بھی حراست میں لیا جا سکتا تھا، اگر اس سے کوئی اور جرم سرزد ہوا تو صرف دو پولیس اہلکار آ کر مدرسہ انتظامیہ سے اس طالب علم کو حوالے کرنے کا مطالبہ کر سکتے تھے، اس معاملے پر وفاق المدارس سے رجوع کیا جا سکتا تھا لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا اور اس مدرسے پر یلغار کر دی گئی۔ اس یلغار کا انداز بتاتا ہے کہ یہ سب کچھ بدنیتی پر مبنی ہے یہ تو صرف ایک مثال ہے ورنہ اس وقت ملک کے تقریباً اکثر اداروں کو اسی قسم کی صورتحال کا سامنا ہے۔ اسلام آباد ہی کے ایک دینی ادارے میں حساس اداروں کے اہلکار نمازِ فجر سے قبل آ دھمکے اور مدرسہ انتظامیہ سے ایک طالب علم کے بارے میں پوچھ گچھ کی اور اسے ساتھ لے جانے کا مطالبہ کیا، انتظامیہ نے لاکھ کہا کہ یہ طالب علم ہماری ذمہ داری میں ہے آپ اس کے بارے میں کوئی ثبوت پیش کریں، کوئی پوچھ گچھ کرنی ہے تو ہم آپ کو موقع فراہم کرتے ہیں یہیں پوچھ گچھ کر لیں لیکن وہ طالب علم کو ساتھ لے جانے پر مُصر رہے اور بالآخر انہوں نے دباؤ ڈال کر مدرسہ انتظامیہ کو اس بات پر قائل کر لیا کہ وہ بھی اس طالب علم کے ساتھ جائیں اور سرسری پوچھ گچھ کا عمل مکمل ہونے کے بعد اسے واپس لے آئیں چنانچہ مدرسے

کے دو نمائندے ان کے ساتھ چلے گئے۔انہیں قریبی تھانے میں لے جا کر صاف جواب دے دیا گیا کہ آپ لوگ واپس چلے جائیں یہ طالب علم آپ کے ساتھ نہیں جا سکتا اور اب صورت حال یہ ہے کہ اس تھانے کا ایس ایچ او بھی اس طالب علم کے بارے میں اظہار لاعلمی کر رہا ہے۔اسلام آباد کا ایک معیاری دینی ادارہ جس مسجد سے ملحق ہے آج سے دس برس قبل اس مسجد کی منتظمہ کمیٹی سے مالی خورد برد کے الزام میں برطرف ہونے والے ایک شخص کو حال ہی میں دوبارہ مسجد کمیٹی میں عہدے کے حصول کا شوق چڑھا تو اس نے اس مدرسہ کے خلاف جھوٹے الزامات پر مبنی درخواست دے دی اور پھر حساس اداروں نے اس شخص سے شواہد کا مطالبہ کیے بغیر مسجد و مدرسہ کے منتظمین کا ناک میں دم کیے رکھا۔ یہ تو صرف اسلام آباد کی چند مثالیں ہیں ملک کے دیگر حصوں کے مدارس کے حالات اس سے کہیں زیادہ ابتر ہیں۔کی سوچ پروان چڑھتی ہے جو انہیں تشدد پر آمادہ کرتی ہے اور پھر ایسے طلباء کے دہشت گردی کے واقعات میں استعمال ہونے کا خدشہ بڑھ جاتا ہے۔اس صورتحال میں مدارس کی نمائندہ تنظیموں اور منتظمین کے لیے یہ صورتحال خاصی پریشان کن ہے۔نوجوان طلباء ہم سے مسلسل پوچھتے ہیں کہ آخر ہمارا جرم کیا ہے جس کی پاداش میں ہم سے امتیازی سلوک کیا جاتا ہے؟ آخر ہم کب تک صبر کے گھونٹ پیتے رہیں گے؟ جب یہ سوچ مزید پختہ ہوتی ہے تو ایسے ناراض نوجوان مدارس کو خیر باد کہہ جاتے ہیں کیونکہ یہ طلباء جب تک مدارس کے نظم اور چار دیواری کے اندر ہوتے ہیں انہیں کسی منفی سرگرمی میں ملوث ہونے کی اجازت نہیں دی جاتی بلکہ داخلے کے موقع پر ان سے یہ عہد لیا جاتا ہے کہ ''وہ دوران تعلیم اپنی تمام تر توجہ حصول تعلیم پر مرکوز رکھیں گے اور ہر قسم کے لایعنی مشاغل سے اجتناب کریں گے اور ملک میں کام کرنے والی تمام تنظیموں سے الگ تھلگ رہیں گے اور بالخصوص سیاسی سرگرمیوں سے مکمل اجتناب کریں گے'' یہ عبارت تقریباً تمام مدارس کے داخلہ فارم میں موجود ہوتی ہے۔اس لیے مدارس میں زیر تعلیم طلباء کے کسی بھی منفی سرگرمی کے لیے استعمال ہونے کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں لیکن اگر وہ مدرسہ چھوڑ کر چلے جائیں تو وہ کسی کے کنٹرول میں نہیں ہوتے اس لیے مدارس کے طلباء کو مدارس کی محفوظ چار دیواریوں کے اندر ہراساں کرنے کا سلسلہ فی الفور بند ہونا چاہیے تاکہ وہ کسی قسم کے انتہائی اقدام اور بغاوت پر آمادہ نہ ہو پائیں۔ یہاں ایک اور بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ مدارس کی حیثیت سے تو کبھی بھی دہشت گردی کی حمایت نہیں کی گئی لیکن اگر خدانخواستہ کوئی طالب علم انفرادی طور پر کسی منفی حرکت کا مرتکب پایا بھی جائے تو

اس کی وجہ سے مدارس کے پورے سسٹم کو موردالزام نہیں ٹھہرایا جاسکتا جیسے حکومت نے خود اجمل قصاب کے معاملے میں ''نان اسٹیٹ ایکٹرز'' کا تصور پیش کیا تھا اسی طرح اگر کوئی مدارس سے متعلقہ شخص ایسے کسی عمل میں ملوث پایا گیا تو وہ بھی مدارس کے حق میں ''نان مدارس ایکٹرز'' ہیں ان کے انفرادی افعال پر مدارس پر یلغار کرنے سے گریز کیا جائے۔ ایسے عناصر کے خلاف کارروائی کی راہ میں مدارس رکاوٹ نہیں بنیں گے تاہم ثبوت اور شواہد کا مطالبہ ہمارا آئینی اور قانونی حق ہے اور کسی کو اس کی اجازت بھی نہیں دے سکتے کہ وہ وجہ بتائے بغیر مدارس کے طلباء کی ماورائے قانون اغوء کاری کا ارتکاب کرے۔

اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ کے اجلاس کے بعد حکومت کو یہ بھی پیشکش کی گئی ہے کہ مدارس اور مذہبی طبقات کی نمائندہ قیادت موجودہ دہشت گردی کے خاتمے، امن وامان کی بحالی اور ناراض لوگوں سے مفاہمت کے لیے ہر ممکنہ کردار ادا کرنے پر آمادہ ہے۔ لیکن یہاں تو الٹی گنگا بہہ رہی ہے کہ دہشت گردی کی آگ کو بجھانے کے لیے ارباب مدارس کا تعاون حاصل کرنے کی بجائے مدارس کو تنگ کرکے بعض جذباتی نوجوانوں کو دہشت گردی کا راستہ دکھانے اور دہشت گردی کی اس آگ پر تیل چھڑکنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

○ ○ ○

بیدار رہنے کی ضرورت

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى!

گزشتہ تعلیمی سال اربابِ مدارس کے لیے امتحان وابتلاء کا سال تھا۔ مختلف سمتوں سے اٹھنے والے طوفانوں کا رُخ مدارس دینیہ کے بوریا نشین اساتذہ اور طلبہ کی طرف تھا۔ اہلِ دین کی کردار کشی اور مدارس دینیہ کی توہین وتنقیص اور تحقیر زوروں پر تھی، ملت اسلامیہ کے اِس عظیم اثاثہ کو نابود کرنے کے لیے غیروں کے ساتھ اپنے بھی شامل تھے، حتیٰ کہ مدارس دینیہ کا وجود خطرے کی زد میں تھا۔ یوں تو کوئی دورِ حکومت بھی مدارس دینیہ کے لیے باعث رشک نہیں رہا مگر گزشتہ سال بالخصوص سقوط کابل کے بعد مدارس کے خلاف سازشیں عروج پر رہیں۔ یہ چیلنج گزشتہ تمام آزمائشوں سے زیادہ صبر آزما، جاں گداز، پرخطر اور زیادہ ایثار وقربانی، حکمت عملی اور استقامت کا متقاضی تھا اور گوشۂ عافیت میں پناہ لینے کی بجائے سربکف میدان میں آنے کی ضرورت تھی۔

اِس موقع پر دین کا درد رکھنے والے ہر مسلمان نے اپنی بساط کے مطابق ان چراغوں کو بجھنے سے بچانے کے لیے تگ ودو کی، خانقاہوں میں آہوں اور نالوں کا شور اُٹھا، خدارسیدہ درویشوں نے عاجزی کے ہاتھ بارگاہِ خداوندی میں بلند کیے، اہل علم وقلم نے اربابِ اختیار کو اُن کی غلط روش پر متنبہ کیا، اربابِ مدارس نے یک زبان ویک جان ہوکر ان اداروں کا تحفظ کیا، آیت کریمہ اور بخاری شریف کے ختم کیے گئے، اساتذہ وطلبہ نے اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کے باوجود خالی دامن بارگاہِ خداوندی میں پھیلا دیے۔ بلاتشبیہ ﴿ان تهلک هذه العصابة فلن تعبد ابداً﴾ جیسی بے قراری وبے بسی کا منظر تھا۔ صد شکر واحسان کا اِس موقع پر حق تعالیٰ شانہ نے وہی معاملہ فرمایا جو وہ اپنے بے بس وبے کس اور مضطر بندوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں: ﴿ام من يجيب المضطر اذا دعاه ويكشف السوء﴾

مدارس کو تہہ تیغ کرنے والوں کے مذموم عزائم پورے نہ ہوسکے۔ قال اللہ وقال الرسول کی

صداؤں پر پہرے لگانے کے خواب پورے نہ ہوئے۔ غیر ملکی آقاؤں کی ہدایات پر عمل درامد کے منصوبے کامیاب نہ ہوئے، دینی مدارس پر حکومت کی حکمرانی اور انہیں سرکاری حصار میں لے کر حریت فکر کی شمع بجھانے کی خواہش پوری نہ ہوسکی۔

یہ سب کچھ حق تعالیٰ شانہ کے بے پایاں فضل وکرم کا ثمر ہے کہ انہوں نے اپنے دین کی خدمت کرنے والوں کے بے آبرو نہیں ہونے دیا۔ اُن کی ہزار ہا بشری کمزوریوں کے باوجود انہیں اپنے دین کے کھلے مخالفین کے مقابلہ میں جرأت کے ساتھ کھڑا رہنے کا حوصلہ عطا فرمایا۔ اس عرصہ میں ان مدارس کے تحفظ وبقاء کے لیے ہم ناتوانوں سے جو کچھ بن پڑا ہم نے اس سے دریغ نہیں کیا۔ تحدیث بالنعمۃ کے طور پر اس حقیقت کا اظہار ناموزوں نہ ہوگا کہ حالات کی نزاکت اور وقت کے تقاضوں کے مطابق احقر نے مدارس کے خلاف اس یورش کا ہر سطح اور ہر محاذ پر اپنی بساط کے مطابق پوری جانفشانی سے مقابلہ کیا۔ مدارس دینیہ کے دفاع کی اس جنگ میں احقر کو تمام مکاتب فکر کا مکمل اعتماد، سرپرستی اور تعاون حاصل رہا اور تمام مسالک کے اکابر نے احقر کو مدارس کے مشترکہ مؤقف کی ترجمانی کا فرض سونپ کر ہر طرح کی دعاؤں سے نوازا، بحمد اللہ اکابر کی طرف سے تفویض کردہ ان ذمہ داریوں اور گرانقدر امانتوں کا قدم قدم پر لحاظ رکھا گیا۔ اس عرصہ میں احقر نے حضرات اکابر کے فرمان پر اپنے ذاتی آرام وراحت کو ملت کے اہم ترین مقصد پر قربان کرتے ہوئے شبانہ روز کام کیا۔ بحمد اللہ حق تعالیٰ شانہ نے ان مساعی کو قبول فرماتے ہوئے ثمر آور فرمایا۔ احقر مدارس کے دفاع کی اس جدوجہد کو اپنے لیے سعادت، وسیلہ نجات اور سرمایۂ آخرت سمجھتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ کے فضل وکرم کے بعد یہ تمام مسالک کے اتحاد وتعاون کا ثمر ہے کہ وہ ہر محاذ پر حکومتی منصوبوں یا سازشوں کا مقابلہ کرنے اور مدارس دینیہ کا دفاع کرنے میں سرخرو اور کامیاب ہوئے۔ اور بالآخر اربابِ اختیار کو یہ حقیقت تسلیم کرنا پڑی کہ مدارس دینیہ کا فرقہ وارانہ منافرت سے کوئی تعلق نہیں، تعصب اور منافرت کو ہوا دینے والی کوئی کتاب ان کے نصاب میں شامل نہیں، علمی وفقہی اور بعض مکاتب فکر میں عقیدۂ وفکر کے بنیادی اختلافات کے باوجود کسی مکتب فکر نے دوسرے مکتب فکر کے قتل کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا، جو لوگ یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ مدارس میں مخالفین کو قتل کرنے پر جنت کی بشارتیں دی جاتی ہیں وہ اسلام دشمن ہیں یا شدید ترین غلط فہمی اور دھوکے کا شکار ہیں۔ مدارس پر عصبیت اور فرقہ واریت کی تعلیم دینے کا الزام بہتان عظیم ہے۔ دینی مدارس اپنے تمام انحطاط اور زوال کے باوجود اس

اُمت کا قیمتی سرمایہ ہیں، ان مدارس نے ہنگاموں، بحرانوں اور روشنی سے محروم دلوں میں بھی اپنے وجود سے اُمت کی نمود کا فریضہ انجام دیا ہے۔ **فللّٰہ الحمد علی ذلک.**

بحمد اللہ دینی طبقوں کے مبنی بر حقائق اس متفقہ مؤقف کی بدولت فوری طور پر مدارس دینیہ کو کوئی خطرہ نہیں اور ان شاء اللہ آئندہ بھی یہ مدارس اندھیروں میں علم کا چراغ روشن رکھیں گے، لیکن آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت عالمی کفر دین کے ان مراکز کو ختم کرنے کے در پے ہے، یہود ونصاریٰ اور اُن کے ہم نواؤں کو اسلام پر عمل کرنے والے پختہ کار مسلمانوں کے مقابلہ میں لبرل اور سیکولر ذہنیت کے عوام اور حکمران مطلوب ومحبوب ہیں اس لیے ان کی سازشوں کو ناکام بنانے کے لیے بیدار رہنے کی ضرورت ہے۔ بیداری رات کی تاریکیوں میں بھی اور دن کے اُجالوں میں بھی، رات کی خلوتوں میں احکم الحاکمین کی بارگاہ میں نزول نصرت کے لیے اور دن کی جلوتوں میں اس کے دشمنوں سے مبازرت کے لیے:

بقدر الکد تکتسب المعالی　　　　من طلب العلیٰ سهر اللیالی

• • •

وفاق المدارس کا امتحانی نظام

(۱۸ اگست، ۲۰۰۹)

وفاق المدارس العربیہ پاکستان دینی مدارس کا سب سے بڑا، قدیمی اور منظم نیٹ ورک ہے جس کے تحت ملک بھر کے تقریباً ساڑھے بارہ ہزار دینی مدارس رجسٹرڈ ہیں۔ وفاق المدارس ان تمام مدارس کی نمائندہ تنظیم ہونے کے ساتھ ساتھ امتحانی بورڈ بھی ہے۔ یہ وہ واحد امتحانی بورڈ ہے جو کسی قسم کی حکومتی امداد کے بغیر اپنی مدد آپ کے تحت آزاد کشمیر سمیت پورے ملک میں بیک وقت امتحانات کا انعقاد یقینی بناتا ہے۔ حکومت کی طرف سے اپنے تمام تر وسائل اور اختیارات کے باوجود صرف ڈویژن کی سطح پر امتحانات لیے جاتے ہیں جبکہ وفاق المدارس کی طرف سے کراچی سے گلگت تک ایک ہی وقت میں ایک ہی پرچہ لیا جاتا ہے۔

وفاق المدارس کے امتحانی نظام میں دیانت کا عنصر خصوصی طور پر کارفرما ہوتا ہے۔ ملک کے ممتاز علماء کرام اور نامور شیوخ الحدیث پرچہ بناتے ہیں اور اس میں دیانت اور راز داری کا اس قدر اہتمام کیا جاتا ہے کہ آج تک کبھی بھی کوئی پرچہ یا کسی پرچے کا کوئی حصہ آؤٹ ہونے کا کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ ہر کتاب کا پرچہ ایک سے زائد حضرات سے بنوایا جاتا ہے، پرچہ بنانے والے استاد کو قطعاً یہ یقین نہیں ہوتا کہ انہی کا بنایا ہوا پرچہ بعینہٖ منظور ہو جائے گا اور ہوتا بھی ایسا ہی ہے کہ ان مختلف پرچہ جات سے انتخاب یا بعض اوقات بالکل نیا سوالیہ پرچہ تیار کیا جاتا ہے نیز ہر سوالیہ پرچے کا بغور جائزہ لیا جاتا ہے۔ اور اس کے معیار کو بہتر بنا کر اس کے بعد اس کی منظوری دی جاتی ہے۔ پرچے تیار ہونے، ان کی کمپوزنگ اور کاپیاں کروانے سے لے کر متعلقہ امتحانی مراکز تک پہنچانے کے تمام مراحل انتہائی راز داری سے سرانجام دیئے جاتے ہیں۔ پورے ملک کے امتحانی مراکز میں سب طلباء کے سامنے پرچوں کی سیل کھولی جاتی ہے۔ پرچہ کے دوران بھی مکمل نگرانی ہوتی ہے اور نگرانی کے عمل میں بھی اس بات کا خصوصی طور پر خیال رکھا جاتا

ہے کہ متعلقہ مدرسہ کے اساتذہ کی اپنے ہی ادارے میں ڈیوٹی نہ لگائی جائے بلکہ دوسرے اداروں میں ڈیوٹی لگائی جاتی ہے۔

اس سال وفاق المدارس کے سالانہ امتحان میں ملک بھر سے 2,01,135 طلباء نے شرکت کی۔ ان طلباء کیلئے 1105 امتحانی مراکز قائم کئے گئے تھے اور ان مراکز میں 1105 نگران اعلیٰ اور 7000 سے زائد دیگر معاون نگران عملہ نے خدمات سرانجام دیں۔ پورے ملک میں امتحانات انتہائی منظّم اور پرامن انداز سے انعقاد پذیر ہوئے اور کہیں سے کسی قسم کے ناخوشگوار واقعہ کی کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ عین امتحانی دنوں میں کراچی میں طوفانی بارشیں شروع ہوگئیں، یاد رہے کہ کراچی میں سب سے زیادہ دینی مدارس ہیں لیکن بارش کے باوجود کسی بھی امتحانی مرکز میں پرچوں میں تعطّل تو کجا تاخیر تک نہیں ہوئی۔ اس طرح ایسے علاقے جہاں امن وامان کے حوالے سے صورت حال انتہائی سنگین ہے اور جہاں حکومت اپنے تمام وسائل، اختیارات اور افرادی قوت کے باوجود بھی امتحانات نہ لے سکی، وفاق المدارس کے زیر اہتمام ان قبائلی علاقوں کے دینی مدارس میں بھی باقاعدگی سے پرچے ہوتے رہے۔ صرف سوات اور مالاکنڈ ڈویژن کے مدارس میں امتحان نہیں ہوا لیکن ان علاقوں کے طلباء کا سال بھی ضائع نہیں ہونے دیا اور ان کے لیے خصوصی انتظامات کیے گئے۔ ان طلباء کو یہ اجازت دی گئی تھی کہ وہ ہجرت کر کے ملک کے جس حصہ میں بھی آباد ہوئے ہیں وہاں کے قریبی امتحانی مرکز میں امتحان دے سکتے ہیں چنانچہ ان علاقوں کے تمام طلباء وطالبات امتحان میں شریک ہوئے۔

وفاق المدارس کے امتحانات کے دوران ہم نے حکومتی اداروں بالخصوص وزارت تعلیم، وزارت داخلہ اور وزارت مذہبی امور کے ذمہ داران، اراکین اسمبلی وسینٹ، ذرائع ابلاغ کے نمائندوں اور زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو پیش کش کی کہ وہ خود آ کر وفاق المدارس کے صاف وشفاف، منظّم اور معیاری نظام امتحان کا جائزہ لیں۔ وہ وفاق المدارس کے کسی بھی امتحانی مراکز کا اچانک دورہ کریں انہیں کہیں بدنظمی نظر آئیگی نہ بدمزگی، کہیں بوٹی مافیا کا وجود ہوگا نہ موبائل مافیا کا، کسی امتحانی مرکز کے باہر پولیس اور رینجرز کا پہرہ نظر آئے گا اور نہ ہی کسی قسم کی گڑبڑ دکھائی دے گی۔ الحمدللہ میڈیا، سول سوسائٹی اور معاشرے کے مختلف طبقات اور شعبہ جات سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے امتحانی مراکز کا دورہ کیا اور وفاق المدارس کے امتحانی نظام پر نہ صرف یہ کہ تسلی اور اطمینان کا اظہار کیا بلکہ حیرت ومسرت کا بھی اظہار کیا۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے امتحانات بحسن وخوبی پایۂ تکمیل تک پہنچ چکے ہیں، اس کے بعد دارالعلوم کراچی میں صدر وفاق حضرت مولانا سلیم اللہ خان کی صدارت میں وفاق المدارس کا ایک اعلیٰ سطحی اجلاس ہوا جس میں وفاق المدارس کی امتحانی کمیٹی کے علاوہ ملک بھر سے 700 سے زائد جید علماء کرام، ماہرین تعلیم اور مدارس کے مہتممین نے شرکت کی۔ اس اجلاس میں پرچوں کی چیکنگ اور مارکنگ کے حوالے سے پالیسی وضع کی گئی اور پرچے چیک کرنے والوں کے لیے خصوصی ہدایات جاری کی گئیں۔ وفاق المدارس کے امتحانی سسٹم کی ایک بڑی خوبی یہ بھی ہے کہ پرچوں کی چیکنگ کا عمل انتہائی صاف وشفاف ہوتا ہے، پرچے چیک کرنے والے حضرات کو مختلف گروپوں میں تقسیم کر کے ان پر نگران اور نگران اعلیٰ مقرر کیے جاتے ہیں اور پرچے چیک ہو جانے کے بعد امتحانی کمیٹی یا وفاق کے مرکزی قائدین ان پرچوں پر نظر ثانی بھی کرتے ہیں۔

یہ امر قارئین کے لیے یقیناً دلچسپی کا باعث ہوگا کہ پرچہ چیک کرنے والے کسی بھی ممتحن کو قطعاً یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کس طالب علم کا پرچہ چیک کر رہا ہے بلکہ یہ اندازہ بھی نہیں ہوتا کہ وہ کس ادارے اور کس علاقے کے طلباء کے پرچے چیک کر رہا ہے اس لیے کہ پرچوں کی چیکنگ سے قبل تمام پرچوں پر فرضی رول نمبر لگائے جاتے ہیں اور اصل امتحانی رول نمبر صیغہ راز میں رکھا جاتا ہے۔ اس تمام تر احتیاط کے باوجود بھی اگر کسی طالب علم کی طرف سے پرچے پر نظر ثانی کی درخواست دی جائے اس پر فوری کارروائی عمل میں لائی جاتی ہے۔ علاوہ ازیں وفاق المدارس کی طرف سے نتائج کی تیاری میں بھی غیر معمولی مستعدی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے اور صرف تین ہفتوں میں تقریباً پندرہ لاکھ پرچے چیک کرنے کے بعد نتائج تیار کر لیے جاتے ہیں۔

وفاق المدارس کے امتحانات، پرچوں کی چیکنگ اور نتائج کی تیاری کے تمام مراحل کی سخت مانیٹرنگ کی جاتی ہے اور ہر ممکن حد تک اس امتحانی سسٹم کو خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ہم اللہ کے فضل وکرم سے اس کوشش میں بڑی حد تک کامیاب ہیں اور تحدیث بالنعمت کے طور پر یہ بات ریکارڈ پر لانا چاہتے ہیں کہ اس وقت وفاق المدارس کی طرز اور معیار کا پرائیویٹ امتحانی سسٹم کم از کم پاکستان کی سطح پر موجود نہیں۔ ہم آخر میں یہ مطالبہ کرنے میں بھی حق بجانب ہیں کہ وفاق المدارس کے امتحانی سسٹم کے حوالے سے گزشتہ پچاس سالہ ریکارڈ ملاحظہ کر لیا جائے، ہر قسم کی تحقیق وتفتیش اور تسلی کر لی جائے اور اس کے بعد وفاق المدارس کو باقاعدہ سرکاری طور پر خود مختار امتحانی بورڈ کا درجہ دے دیا جائے اور اس کی اسناد کو باقاعدہ طور پر تسلیم کیا جائے۔

دینی مدارس کی طرف طلباء کا بڑھتا ہوا رجحان
ایک امید افزاء صورتحال

(ذوالحجہ، ۱۴۳۰)

گزشتہ دنوں دینی مدارس کے نئے تعلیمی سال کے آغاز کے موقع پر ایک تحقیقاتی رپورٹ منظر عام پر آئی۔ اس رپورٹ کے مطابق اس سال مجموعی طور پر 40 فیصد اضافی طلبہ وطالبات نے ملک کے مختلف چھوٹے بڑے مدارس میں داخلہ لیا ہے، رواں سال 10-2009ء میں 65 فیصد اضافی طلبہ وطالبات نے مختلف مدارس میں داخلہ حاصل کرنے کی کوشش کی تاہم صرف 40 فیصد امیدوار داخلہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے جبکہ 25 فیصد داخلہ کا امتحان پاس نہ کرنے اور مدارس میں مزید گنجائش نہ ہونے کی بنا پر داخلہ حاصل نہ کر سکے۔ مدارس کے خلاف عالمی طور پر منفی پروپیگنڈہ، ملک کی موجودہ امن وامان، سیاسی صورت حال اور حکومتی دباؤ کے باوجود طلبہ وطالبات کی بہت بڑی تعداد اب بھی مدارس کا رخ کر رہی ہے۔ علاوہ ازیں متعدد مدارس میں ایسے طلبہ کے داخلے بھی سامنے آئے جنہوں نے عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم حاصل کرنے کیلئے اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کو چھوڑ کر دینی مدارس میں داخلہ لیا۔ اسی طرح سروے کے دوران یہ بھی نوٹ کیا گیا کہ مالدار گھرانوں کے چشم وچراغ بڑی تعداد میں مدارس میں داخلہ لے رہے ہیں۔

دینی مدارس کے طلباء میں اضافے کا یہ رجحان یوں تو پانچوں وفاقوں سے ملحقہ مدارس میں دیکھنے میں ایا ہے۔ سب سے زیادہ طلباء نے وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے ملحقہ مدارس کی طرف رجوع کیا ہے۔

دینی مدارس کی طرف عوام الناس کے بے پناہ رجحان اور طلباء کی تعداد میں اضافے کے اسباب کا اگر جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ مدارس دشمنی اور اہل مدارس کی کردارکشی کی مہم ان اداروں کے لیے خیر کا باعث بنی ہے۔ جیسا کہ عالمی سطح پر دینِ اسلام کے خلاف جب جھوٹا اور

بے بنیاد پروپیگنڈہ کیا گیا اور دین اسلام کو ایک دہشت گرد مذہب کے طور پر پیش کیا گیا تو لوگوں کے ذہن میں دین اسلام کے بارے میں تجسس پیدا ہوا اور انہوں نے اسلام کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔ اس تحقیق و جستجو کے نتیجے میں اللہ رب العزت نے بہت سے غیر مسلموں کو ہدایت نصیب فرمائی اور مغربی ممالک میں لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونے لگے۔ اسی طرح دینی مدارس کو جب استعماری قوتوں نے اپنا ہدف بنایا، مدارس کے بارے میں بے بنیاد اور جھوٹا پروپیگنڈہ کیا گیا اور دہشت گردی کے ڈانڈے مدارس کے ساتھ جوڑنے کی سعی لا حاصل کی گئی تو عوام کے ذہنوں میں مدارس کو دیکھنے، مدارس کے نظام کو سمجھنے اور مدارس کے کردار و خدمات کے بارے میں جاننے کا شوق پیدا ہوا اور یہ اسی شوق کا نتیجہ ہے کہ لوگ اب پہلے کی نسبت دینی مدارس پر زیادہ اعتماد کر رہے ہیں اور اپنے بچوں اور بچیوں کو مدارس میں داخلہ دلوا رہے ہیں۔ کیونکہ آج تک جس نے بھی تعصب کی عینک اتار کر دینی مدارس کو قریب سے دیکھا اسے ضرور یہ احساس ہوا کہ پروپیگنڈہ اور الزام تراشی کے برعکس دینی مدارس میں قرآن وسنت کی تعلیم دی جاتی ہے، دینی علوم سکھائے جاتے ہیں، تربیت پر توجہ دی جاتی ہے، محنت کی عادت ڈالی جاتی ہے، حسنِ سلوک ، آدابِ معاشرت اور اخلاقِ حسنہ کی دولت سے مالا مال کیا جاتا ہے اور بھولے بھٹکے انسانوں کا رشتہ و تعلق اللہ رب العزت کی ذات عالی سے جوڑا جاتا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ اللہ رب العزت کی یہ سنت اور تاریخ کی یہ گواہی ہے کہ قدرت نے دین اسلام کی فطرت میں اور اس دین کی حفاظت واشاعت کی ذمہ داری سرانجام دینے والے اداروں اور افراد کی شرشت میں ایسی لچک رکھی ہے کہ اس دین اور اسے ماننے والوں کو جتنا دبایا جاتا ہے اللہ رب العزت کے فضل سے مدارس پر لوگوں کے اعتماد میں اتنا ہی اضافہ ہو رہا ہے۔

مدارس کی طرف رجحان کے بارے میں اس رپورٹ سے ایک اور بات یہ سامنے آئی ہے کہ اب مالدار، باصلاحیت اور اعلیٰ حسب ونسب والے لوگ مدارس کا رخ کر رہے ہیں۔ پہلے پہل یہ سمجھا جاتا تھا کہ شاید ذہنی طور پر کمزور، جسمانی طور پر معذور اور مالی طور پر غریب و نادار بچوں کو ہی دینی مدارس میں بھیجا جاتا ہے لیکن اب بالکل ایسا نہیں بلکہ اچھے اور کھاتے پیتے گھرانوں کے بچے دینی مدارس کی طرف زیادہ رخ کر رہے ہیں۔ مدارس کی طرف آنے والے اکثر طلباء بہت باصلاحیت ہوتے ہیں اور پھر مدارس کا سسٹم ان کی صلاحیتوں میں مزید نکھار پیدا کرتا ہے اور انہیں محنت کا عادی بنا دیتا ہے جس کے نتیجے میں وہ کندن بن جاتے ہیں۔ اس سال وفاق المدارس

العربیہ پاکستان کے سالانہ امتحان میں پوزیشن لینے والے اکثر طلباء ایسے تھے جنہوں نے دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری علوم بھی حاصل کر رکھے تھے اور دلچسپ امر یہ تھا کہ ان میں سے اکثر طلباء عصری تعلیمی اداروں کے پوزیشن ہولڈر اور انعام یافتہ تھے۔ مثلاً دورہ حدیث میں پوزیشن حاصل کرنے والے مولوی منہاج الدین نے ایم اے انگلش بھی کر رکھا ہے اور وہ ایف اے سے لے کر ماسٹر ڈگری حاصل کرنے تک ہر سال بورڈ اور یونیورسٹی میں ٹاپ کرتے رہے، اسی طرح مولوی اخلاق نے دورہ حدیث میں وفاق المدارس کے سالانہ امتحان میں پوزیشن لی اور وہ گولڈ میڈلسٹ بھی ہیں۔ درجہ ثانویہ عامہ میں کراچی کے ادارہ معارف القرآن کے چار طلباء نے پوزیشنیں حاصل کیں قابل غور بات یہ ہے کہ یہی طلباء اس سال میٹرک میں اے ون گریڈ میں بھی کامیاب ہوئے۔

اس رپورٹ سے بعض لوگوں کی طرف سے پھیلائی جانے والی ان غلط فہمیوں کی بھی نفی ہو جاتی ہے، جن میں یہ باور کروانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ طلباء کو زبردستی مدارس میں بھیجا جاتا ہے یا مدارس کی طرف اس رجوع کی وجہ غربت اور بے روزگاری ہے۔ دراصل اس قسم کی غلط فہمیاں پھیلانے والے مدارس کے بارے میں کئی عشرے قبل کا تصور قائم کیے ہوئے ہیں یا وہ مدارس دشمنوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہیں۔ اب وہ زمانے لد گئے جب طلباء کو زنجیریں اور بیڑیاں ڈال کر رکھا جاتا تھا۔ اب تو طلباء اپنے ذوق وشوق سے مدارس کی طرف آتے ہیں کئی طلباء اپنے سرپرستوں کے بغیر ہی مدارس میں آجاتے ہیں انہیں موجودہ حالات کی وجہ سے مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے والدین اور سرپرستوں کو جب تک ساتھ نہیں لے کر آتے اس وقت تک انہیں داخلہ نہیں دیا جائے گا۔ اسی طرح مدارس میں آنے والے بعض طلباء اگرچہ غریب اور متوسط گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں لیکن اس بات میں قطعاً کوئی صداقت نہیں کہ مدارس میں طلباء کو غربت کی وجہ سے داخل کروایا جاتا ہے۔ مدارس میں ایک بڑی تعداد ان طلباء کی بھی ہے جو اپنے تعلیمی اخراجات خود برداشت کرتے ہیں۔ بہرکیف مدارس کی طرف آنے والے طلباء غربت کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ کی رضا اور دونوں جہانوں کی فلاح وکامیابی اور حصولِ علم کے لیے مدارس دینیہ کا رُک کرتے ہیں۔

الغرض دینی مدارس کی طرف طلباء کے رجحان میں تعداد کے لحاظ سے بھی اضافہ ہو رہا ہے اور صلاحیت واستعداد کے لحاظ سے بھی، جو ایک نہایت حوصلہ افزا اور خوش آئند صورت حال

ہے۔امید ہے کہ یہ سلسلہ مزید بڑھتا اور پھیلتا چلا جائے گا اور دینی مدارس کے خلاف پروپیگنڈہ مہم اوران اداروں کونقصان پہنچانے کے منصوبے کبھی کامیاب نہیں ہونے پائیں گے۔ کیونکہ بقول شاعر۔

فانوس بن کر جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

اور

کفر ہے نورِ خدا کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

دینی مدارس اور حکومت کے مابین معاہدہ

(۱۲۷کتوبر،۲۰۱۰)

گزشتہ دنوں اتحاد تنظیماتِ مدارس اور حکومت کے مابین دینی مدارس کے حوالے سے کچھ امور پر اصولی اتفاق کیا گیا۔اس اتفاق کے بارے میں بہت سے حلقوں میں مختلف قسم کا ابہام پایا جاتا ہے بالخصوص مذہبی طبقے اور مدارس کی دنیا میں ان مذاکرات کی تفصیل، پس منظر، متفقہ نکات اور ان کے نتائج کے حوالے سے مکمل اور درست معلومات نہ ہونے کی وجہ سے بعض احباب کی طرف سے تشویش کا اظہار بھی کیا جاتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ تشویش، سوالات اور مدارس کے حوالے سے بیداری اور حساسیت بہت غنیمت ہے۔ زیرنظر مضمون میں ان مذاکرات میں طے پانے والے امور کے حوالے سے حقیقی صورت حال واضح کرنا مقصود ہے تا کہ ابہام دور ہو اور اس معاملے کی حقیقی تصویر سب کے سامنے آ سکے۔ 7اکتوبر2010ء کو حکومت اور مدارس دینیہ کی قیادت کے مابین جن امور پر اصولی اتفاق کیا گیا، وہ درج ذیل ہیں:

- ......حکومت دینی مدارس کے پانچوں نمائندہ وفاقوں کو خودمختار تعلیمی اور امتحانی بورڈ کا درجہ دے گی اور ایگزیکٹو آرڈر یا ایکٹ آف پارلیمنٹ کے ذریعے اس بورڈ کو قانونی اور آئینی حیثیت دی جائے گی۔
- ......دینی مدارس میں میٹرک اور انٹرمیڈیٹ تک عصری مضامین کو شامل کیا جائے گا۔
- ......دینی مدارس گورنمنٹ کی طرف سے شائع کردہ متعلقہ کلاس کی عصری مضامین کی کتب پڑھائیں گے، اپنے لیے کوئی الگ نصاب یا کتب تیار نہیں کریں گے۔
- ......درس نظامی اور دینی علوم کے حوالے سے حکومت کا کوئی عمل دخل نہیں ہوگا، مدارس دینیہ اپنے نصاب کی تشکیل وتعیین اور تدریس وتعلیم کے سلسلے میں مکمل طور پر آزاد اور خودمختار ہوں گے۔
- ......ہر وفاق کی نصاب کمیٹی میں حکومت کے دو نمائندے ہوں گے جو بوقت ضرورت صرف

عصری مضامین کی تعلیم و تدریس اور معیار کے حوالے سے ہونے والی مشاورت میں شریک ہوں گے۔ان دونوں نمائندوں کا دینی نصاب و نظام سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

● ......عصری مضامین کے نصاب تعلیم، معیار تعلیم اور معیار امتحان میں یکسانیت پیدا کرنے کے لیے مدارس کے نمائندہ وفاقوں اور حکومت کے درمیان ایک مشترکہ ادارہ بنے گا، جس کا نام، دائرۂ اختیار، دائرۂ کار اور ہیئت کے حوالے سے اگلے اجلاس میں مشاورت کی جائے گی۔

● ......رجسٹریشن ایکٹ جو2006ء میں جاری ہو چکا اور نافذ العمل بھی ہے، دینی مدارس اس کی مکمل پاسداری کریں گے۔

● ......حکومت کسی بھی مدرسے کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرے گی تاوقتیکہ وہ ٹھوس ثبوت کے ساتھ متعلقہ وفاق کو اعتماد میں نہ لے۔

● ......ایکٹ آف پارلیمنٹ/ ایگزیکٹو آرڈر کا مسودہ حکومت اور اتحاد تنظیمات مدارس کی باہمی مشاورت سے تیار کیا جائے گا، حکومت یک طرفہ طور پر کوئی مسودہ پیش نہیں کرے گی۔

یاد رہے کہ یہ معاہدہ حادثاتی طور پر اور اچانک نہیں ہوگیا، بلکہ اس سلسلے میں گزشتہ دس سالوں سے حکومت کے ساتھ مذاکرات کا سلسلہ جاری ہے۔اس عرصے میں ان مذاکرات میں مختلف نشیب و فراز آئے، بعض مواقع پر ڈیڈ لاک بھی پیدا ہوا اور بعض مواقع پر یوں محسوس ہوا جیسے حکومت اور مدارس کی قیادت کسی حتمی نتیجے اور منزل تک پہنچ جائے گی، مگر یہ سلسلہ جاری رہا اور آئندہ بھی جاری رہے گا۔ان مذاکرات کے دوران ہر مرحلے پر مدارس کی تمام نمائندہ تنظیموں نے اپنی اپنی مجالس عاملہ کے مختلف اجلاسوں میں تفصیل سے حکومت اور مدارس کے مابین زیر بحث آنے والے امور پر تبادلہ خیال اور غور و خوض کیا اور اس کے ممکنہ نتائج و اثرات اور فوائد و نقصانات پر تفصیلی بات چیت ہوئی، پھر اتحاد تنظیماتِ مدارس کے پلیٹ فارم پر بھی مشاورت ہوتی رہی حتیٰ کہ بعض قانونی، تعلیمی اور سیاسی ماہرین سے بھی رہنمائی طلب کی گئی اور آئندہ بھی کوئی فیصلہ مدارس کی نمائندہ تنظیموں کی مجالس عاملہ و مجالس شوریٰ اور دیگر اربابِ مدارس کو اعتماد میں لیے بغیر نہیں کیا جائے گا۔

جہاں تک اس اتفاق کے نتیجے میں طے پانے والی عصری تعلیم کا معاملہ ہے، اس کے بارے میں اربابِ مدارس یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ عصری تعلیم جبراً مدارس پر مسلط نہیں کی جائے گی اور کوئی بھی مدرسہ عصری تعلیم دینے کا پابند نہیں ہوگا، کیونکہ پاکستان کے آئین کے مطابق تعلیم کی

آزادی کا حق مسلم ہے اور اس سلسلے میں کسی قسم کی قدغن نہیں لگائی جاسکتی، تاہم جو مدارس اپنے ہاں عصری تعلیم نہیں دیں گے ان کی اسناد کی حیثیت بھی عصری تعلیم دینے والے اداروں کے مساوی نہیں ہوگی۔

یہ بھی یاد رہے کہ عصری تعلیم کو مدارس میں شامل کرنا کوئی بیرونی ایجنڈا نہیں، بلکہ وفاق المدارس کی قیادت اور ہمارے اکابر نے اس کی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے آج سے دو دہائیاں قبل 1989ء میں مڈل تک عصری تعلیم کو شامل نصاب کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ یہ اس دور کی بات ہے جب حکومت سے کسی قسم کے مذاکرات وغیرہ کا کوئی سلسلہ نہیں تھا لیکن اس کے باوجود اس وقت مڈل تک نصاب میں انگریزی، ریاضی سمیت جملہ عصری مضامین کی تدریس کا سلسلہ شروع کیا گیا اور متوسطات کے نام سے مڈل تک عصری تعلیم دی جانے لگی اور 1989ء سے لے کر اب تک متوسط باقاعدہ مدارس کے نظام کا حصہ ہے۔ اس کے بعد 03-2002ء میں نویں اور دسویں کلاس کی تعلیم کو از خود وفاق المدارس نے اپنے نصاب میں شامل کیا، جو آج تک اختیاری طور پر نصاب میں شامل ہے۔ اب صرف ایک قدم آگے بڑھ کر انٹرمیڈیٹ تک تعلیم دینے کا ارادہ کیا گیا ہے، کیونکہ وفاق المدارس کی ہمیشہ یہ پالیسی رہی ہے ایسی عصری تعلیم جو ہمارے مقاصد میں مخل نہ ہو، بلکہ ممد ومعاون ہو اسے نصاب میں شامل کرنے میں ہمیں کوئی تردد نہیں ہوگا۔

البتہ اس اتفاق کے تناظر میں بعض حلقوں کی طرف سے اس خدشے کا اظہار کیا جارہا ہے کہ اس فیصلے سے ہماری دینی تعلیم متاثر ہوگی۔ اس بارے میں اکابر علمائے کرام اور ارباب علم ودانش کو سوچنا چاہیے اور اس کا کوئی بہتر حل تجویز کرنا چاہیے۔ ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ درسِ نظامی کا حجم کم نہ کیا جائے، بلکہ تعلیم کا دورانیہ بڑھا دیا جائے۔

دوسری بات جس پر ہمارے ہاں بہت حساسیت پائی جاتی ہے وہ حکومت مداخلت ہے۔ اس حوالے سے یاد رہے کہ حکومتی نمائندے مدارس کی تنظیموں کی مجالس عاملہ یا مجالس شوریٰ میں شامل نہیں ہوں گے، بلکہ محض نصابی کمیٹی میں شامل ہوں گے اور وہ بھی صرف اس اجلاس میں شریک ہوں گے جس کے ایجنڈے میں عصری تعلیم کے حوالے سے کوئی مشاورت یا غور وخوض کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ دینی معاملات اور دینی امور کے ساتھ ان کا کوئی سروکار نہیں ہوگا۔ یوں تیس (30) افراد پر مشتمل امتحانی کمیٹی میں ان دو (2) افراد کی موجودگی معاونت کے لیے ہوگی،

مداخلت کے لیے نہیں۔

بہر حال مدارس دینیہ کی قیادت نے پوری دیانت داری، ذمہ داری اور احتیاط کے ساتھ یہاں تک سفر کیا ہے اور ابھی بہت سفر اور کئی مراحل باقی ہیں۔ اکابر کی رہنمائی، مجالس عاملہ ومجالس شوریٰ کی مشاورت اور ارباب مدارس کی آراء وتجاویز کی روشنی میں آگے بڑھ جائے گی۔

میں سمجھتا ہوں کہ اب تک کی پیش رفت ہماری کامیابی ہے، کیونکہ مدارس کے نمائندہ وفاقوں کو خودمختار امتحانی بورڈ کا درجہ دینے کا مطالبہ ہمارا دیرینہ مطالبہ تھا اور ہمارے ہر اجلاس، ہر قرارداد اور اعلامیے میں بار بار اس کا مطالبہ کیا جاتا رہا ہے۔ اسی طرح مدارس کی تحتانی اسناد کی عدم قبولیت بھی ہمارا ایک دیرینہ مسئلہ تھا۔ اس سے قبل حکومت مدارس کے سسٹم اور حیثیت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھی، لیکن اس فیصلے سے ہم اپنا تشخص منوانے میں بھی کامیاب ہوئے، اپنی تعلیمی اور امتحانی حیثیت قبول کروانے میں بھی کامیاب رہے، اپنی تحتانی اسناد کی حیثیت بھی منوالی۔

باقی یہ بات بھی ذہن نشیں رہے کہ مدارس کی قیادت مدارس کے معاملے میں کسی بھی شخص سے زیادہ محتاط اور حساس ہے اور تمام قائدین کو اس بات کا بخوبی احساس وادراک ہے کہ اس وقت دینی مدارس بیرونی قوتوں کے ایجنڈے پر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مدارس کی قیادت کو چومکھی لڑائی لڑنی پڑ رہی ہے۔ تمام احباب خاطر جمع رکھیں، ایسا کوئی فیصلہ قطعاً قبول نہیں کیا جائے گا، جس سے مدارس کی حیثیت، مقاصد یا حریت وآزادی پر کوئی حرف آئے۔

(وما توفیقی الا باللّٰہ)

وزیر داخلہ کی سورۂ اخلاص اور ہمارا دینی، تعلیمی اور فکری افلاس

وفاقی وزیر داخلہ عبدالرحمٰن ملک کی کابینہ اجلاس میں سورۂ اخلاص پڑھنے کی بار بار کوشش کے دوران جس طرح وہ بار بار بھولتے رہے، انہیں لقمے دیئے جاتے رہے لیکن اس کے باوجود وہ سورۂ اخلاص درست طریقے سے نہ پڑھ پائے اس منظر کو آزاد میڈیا کے ذریعے پوری قوم اور بچے بچے نے دیکھا۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ وزیر داخلہ کی سورۃ اخلاص کی تلاوت ہر مجلس میں زیر بحث ہے، میڈیا نے جس طرح اسے رپورٹ کیا، اس کے حوالے سے موبائل ایس ایم ایس کا جو سلسلہ جاری ہے حتیٰ کہ اب اسی بنیاد پر عدالتوں میں جناب عبدالرحمٰن ملک کی نااہلی کے حوالے سے رٹ دائر کر دی گئی ہے۔ تمام لوگ اسے ایک مذاق، تمسخر اور استہزاء کے طور پر بیان کر رہے ہیں لیکن اگر ذرا غور کیا جائے تو یہ ہنسنے کی بجائے رونے کا مقام ہے اور پوری قوم کیلئے لمحۂ فکریہ ہے۔

اگرچہ اس وقت صرف عبدالرحمٰن ملک سورۃ اخلاص نہیں پڑھ پائے اور وقتی طور پر وہی سب کے نشانے پر ہیں لیکن اگر موقع دیا جائے تو ہماری کابینہ، سیاستدانوں، بیوروکریسی اور دیگر اہم ترین مناصب پر فائز لوگوں کی اکثریت ایسی ہوگی جو اسی قسم کی صورت حال سے دوچار ہوگی۔ اس واقعے کے تناظر میں ایک قابل غور بات تو یہ ہے کہ ایسے لوگ جو بالکل بنیادی اسلامی احکامات سے واقف نہیں، ایسی مختصر سورتیں جو ہر نماز میں پڑھی جاتی ہیں اور بچے بچے کو یاد ہوتی ہیں وہ بھی پڑھنے سے قاصر ہونے کے باوجود ان لوگوں کو یہ حق کس نے دیا کہ وہ نہ صرف یہ کہ اس ملک پر حکمرانی کر رہے ہیں بلکہ ملک کے سیاہ وسفید کے مالک اور پوری قوم کی قسمت کے دیوتا بنے بیٹھے ہیں حالانکہ آئینِ پاکستان کا آرٹیکل 62 اور 63 تو اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ اس ملک کے اقتدار اور اہم عہدوں پر صرف وہ لوگ فائز ہو سکتے ہیں جو بنیادی اسلامی تعلیمات سے واقف ہوں، صوم وصلوٰہ کے پابند اور اچھے اخلاق و کردار کے مالک ہوں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ

آئین کے آرٹیکل 62 اور 63 کی ہمیشہ دھجیاں اڑائی جاتی ہیں، الیکشن کمیشن کے سامنے ہمارے ملک کے اہم ترین لوگ جس قسم کے بیانات دیتے ہیں، قوم پر حکمرانی کے خواب دیکھنے والوں کو جس طرح قرآن کریم کے پاروں کی گنتی، رکعتوں کی تعداد، کلمے اور دیگر بنیادی چیزیں تک یاد نہیں ہوتیں، وہ تشہد کی جگہ سورۂ فاتحہ سنانے لگتے ہیں، ان کے لبوں سے پھوٹنے والے شگوفے ہر الیکشن کے موقع پر لطیفوں کی صورت میں زبان زد عام رہتے ہیں لیکن اس کے باوجود کبھی اصلاحِ احوال کی طرف توجہ نہیں دی جاتی۔

اصل بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں تعلیم وتربیت کے حوالے سے آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے، آپ کو یاد ہوگا کہ گزشتہ دور کے وفاقی وزیر تعلیم جاوید اشرف قاضی نے قرآن کریم کے پاروں کی تعداد 30 کی بجائے 40 بتادی تھی۔ جب وزیر تعلیم اور وہ بھی ایسے وزیر محترم جو ملک کے اہم ترین اداروں کے ذمہ دار مناصب پر فائز رہے ان کی یہ حالت ہے تو باقی کس سے گلہ کیا جائے؟ اس ملک میں حکمرانی کرنے والوں کے بچوں کو فر فر انگلش بولنے کی مشوق تو کروائی جاتی ہے، سیاسی داؤ پیچ بھی سکھائے جاتے ہیں، مغربی تہذیب و کلچر کو اپنانے کی تربیت دی جاتی ہے، حتیٰ کہ اب تو آرٹ کے نام پر اس قوم کے معصوم بچوں کے ہاتھوں میں طاؤس و رباب تک تھمادیئے جاتے ہیں اور ناچنے گانے کی باقاعدہ کلاسز ہونے لگی ہیں، آئے روز استعماری قوتوں کی ایماء پر نصاب میں تبدیلیاں کی جاتی ہیں، تعلیم کو کاروبار کا ذریعہ بنایا جاتا ہے اور گزشتہ 63 سالوں سے تعلیم کے شعبے کو مختلف تجربات کی بھینٹ چڑھایا جارہا ہے لیکن اس پورے عرصے میں کبھی بھی سنجیدگی سے اس ملک کے نظامِ تعلیم کی اصلاح نہیں کی گئی۔ یہاں پر حکمرانی کیلئے اے لیول اور او لیول کے مراحل سے گزرنا، باہر کی یونیورسٹیوں میں کچھ عرصہ لگانا تو ضروری خیال کیا جاتا ہے لیکن مسلمانی کا نہ سہی آئین کے آرٹیکل 62 اور 63 کی رعایت کرتے ہوئے ہی دین کے بنیادی احکامات سکھانے کی ضرورت تک محسوس نہیں کی جاتی جس کے نتیجے میں ایک ایسی نسل پروان چڑھتی ہے جن سے اگر نکاح کے موقع پر کلمے سننے کی بات کی جائے تو انہیں پسینے آنے لگتے ہیں، کہیں قرآن کریم کی چند آیات پڑھنی پڑ جائیں تو ان کا عبدالرحمٰن ملک والا حال ہوجاتا ہے، اذان یا اقامت کہنی پڑ جائے تو ان کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں، وہ صرف عید کے موقع پر عید گاہ آتے ہیں اور کن انکھیوں سے دوسروں کو دیکھ دیکھ کر عید کی نماز ادا کرتے ہیں، انہیں مجبوراً نماز جنازہ کی ادائیگی کرنی پڑتی ہے لیکن پوری زندگی انہیں نماز جنازہ میں پڑھی جانے والی

دعائیں یاد نہیں ہوتیں، ان کی ہر بات کی تان آ کر مسجد اور مدرسہ پر ٹوٹتی ہے۔ وہ مولوی کو ہمیشہ آڑے ہاتھوں لیتے ہیں لیکن جب بھی ان کے خاندان میں تجہیز و تکفین کا مرحلہ آتا تو وہ دوڑے دوڑے مساجد اور مدارس ہی کے دروازے کھٹکھٹاتے ہیں، نکاح کے موقع پر بھی مولوی صاحب کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھتے ہیں، بچے کے کان میں اذان دینے کی بات آئے تو بھی کسی مولوی صاحب کی خدمت میں ہی حاضر ہوتے ہیں۔

اسلام کے نام پر حاصل کیے اس ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' میں ہمیشہ اس ملک کو آزادی کی منزل سے ہمکنار کرنے والوں کی قربانیوں، ان کے خوابوں اور ان کی امنگوں کا مذاق اڑایا گیا۔ عصری تعلیمی اداروں میں خاطر خواہ دینی تعلیم و تربیت تو درکنار جو دینی مدارس رضا کارانہ طور پر، اپنی مدد آپ کے تحت لوگوں کے دین اور ایمان بچانے کی محنت میں لگے ہیں، لوگوں کو قرآن کریم سکھانے اور کلمہ نماز کی تعلیم دینے کی ذمہ داری نبھا رہے ہیں، مسلمانوں کا اسلام کے ساتھ رشتہ جوڑے رکھنے میں مصروف ہیں اور جن کی برکت سے یہاں کی مساجد آباد ہیں اور کہیں کام کے مسلمان اور کہیں نام کے مسلمان آج تک موجود ہیں۔ ان مدارس کے ساتھ سورۂ اخلاص نہ پڑھ سکنے والوں اور قرآن کریم کے چالیس پارے بتانے والوں کی سربراہی میں جو سلوک ہوتا ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ کبھی مدارس کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا جاتا ہے، کبھی اہل مدارس کی کردار کشی کی جاتی ہے، کبھی دینی دمارس پر چھاپے مارے جاتے ہیں، کبھی مدارس کو دہشت گردی کے اڈے اور خرابی کی جڑ باور کروایا جاتا ہے اور کبھی مغرب کی شہ پر مدارس میں نام نہاد اصلاحات پر زور دیا جاتا ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مدارس میں اصلاحات سے زیادہ تو عصری تعلیمی اداروں بالخصوص حکومت کے زیر انتظام چلنے والے اداروں میں اصلاحات کی ضرورت ہے۔ مدارس کے بچوں کو عصری تعلیم دینے پر جتنا زور صرف کیا جاتا ہے اس کا عشر عشیر ہی اگر عصری اداروں کے بچوں کو دینی علوم سے آراستہ کرنے پر دیا جاتا تو آج یہ نوبت نہ آتی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ مدارس کے بچے انگلش کمپیوٹر، سائنس سب کچھ پڑھ رہے ہیں لیکن دراصل ضرورت اس امر کی ہے کہ عصری تعلیمی اداروں کے بچوں کو قرآن کریم کی تعلیم دی جائے، انہیں نماز اور قرآن کریم پڑھایا جائے اور انہیں اقتدار کی پھول بھلیوں میں آنے سے قبل بنیادی اسلامی تعلیمات سے روشناس کروایا جائے۔

ہم نے اس واقعہ کے بعد محترم وزیر داخلہ کو کسی دینی مدرسہ میں داخلہ لینے اور پورے اخلاص

سے سورۂ اخلاص پڑھانے کی جو پیشکش کی ہے وہ پورے خلوص اور خیر خواہی پر مبنی ہے اور صرف وزیر داخلہ کے لیے ہی نہیں بلکہ ان جیسے دیگر بہت سے لوگوں کے لیے بھی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وزیر داخلہ کے سورۂ اخلاص نہ پڑھ سکنے کے واقعہ کو ہنسی مذاق میں ٹال دینا اور چند دنوں کیلئے مذاکروں، مباحثوں اور خبروں کا موضوع بنائے رکھنے کے بعد فراموش کر دینا سراسر زیادتی ہوگی بلکہ اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے ہمارے پالیسی سازوں کو سر جوڑ کر بیٹھنا چاہیے اور اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ آخر ہم سے کہاں غلطی ہو رہی ہے اور کس جگہ صحیح معنوں میں اصلاح کی ضرورت ہے؟ اسی طرح علمائے کرام، اربابِ مدارس، مساجد کے ائمہ وخطباء اور امت کی تعلیم وتربیت اور اصلاح وارشاد کیلئے سرگرم عمل اداروں، جماعتوں اور تنظیموں کو بھی اس واقعے کو بہت سنجیدگی سے لینا چاہیے اور ان بچوں کی تعلیم وتربیت، انہیں اسلامی اقدار وروایات سے روشناس کروانے اور بنیادی اسلامی تعلیمات کے زیور سے آراستہ کرنے کی فکر کرنی چاہیے جو آگے چل کر اس ملک اور قوم کے مستقبل اور مقدر کے وارث بنتے ہیں تاکہ کل اس قوم کو کسی اور عبدالرحمٰن ملک اور کسی اور جاوید اشرف قاضی کی وجہ سے مزید شرمندگی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

علم دین اور آج کا چیلنج

(محرم ۱۴۲۷ھ)

ایک دانا کا قول ہے کہ ''اللہ کی نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت ''عقل کی نعمت'' ہے اور کمالات میں سب سے بڑا کمال ''علم کا کمال'' ہے''یعنی ''عقل'' سے بڑی نعمت کوئی نہیں اور ''علم'' سے بڑا کمال کوئی نہیں۔ آپ ''منتخب اور چُنے'' ہوئے لوگ ہیں۔ علمِ دین کی فضیلت بیان کرنے کے دو مقصد ہوتے ہیں: ایک مقصد یہ ہوتا ہے کہ آپ حضرات میں کسی قسم کی کمتری کا احساس پیدا نہ ہو بلکہ آپ اس عظیم نعمت کے حصول کے انتخاب پر اللہ کا شکر ادا کریں۔ دوسرا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آپ کو اس طرف متوجہ کیا جائے کہ یہ جو آپ علم کے فضائل سن رہے ہیں یہ اس وقت ہی حاصل ہوں گے جب آپ کو اس علم کے حاصل کرنے کا شوق و ذوق پیدا ہو اور یہ دھیان رہے کہ یہ مقام و مرتبہ مجھے تب ملے گا جب محنت و اخلاص کے ساتھ اس کو حاصل کرنے کی کوشش و محنت کروں گا اور عمل کروں گا، صرف داخلہ لینے اور طالب علم کہلانے سے یہ فضیلتیں نہیں ملیں گی۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو اشرف المخلوقات بنایا ہے یہ درحقیقت دولتِ علم کی بناء پر ہی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام ''مسجودِ ملائکہ'' اسی علم کی بنا پر ہی بنے ہیں۔ قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے علم کی نسبت اپنی طرف کی ہے۔ علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، اللہ تعالیٰ عالم و علیم ہیں اور علم حاصل کرنے والے کا نام بھی اس فہرست میں لکھا جاتا ہے جس فہرست میں سب سے اوپر اللہ کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ سب سے پہلے حافظ، قاری اور عالم ہیں۔ دنیا آپ کو عالم مانے یا نہ مانے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، دیکھنا تو یہ ہے کہ علم کو پیدا کرنے والی ذات کی نظر میں عالم (اور حافظ) کون ہے؟ اور اگر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ ساری دنیا آپ کو ''عالم'' مانتی ہے اس لیے کہ سائنس پڑھنے والے کو ''سائنس دان'' کہا جاتا ہے، ''عالم'' نہیں کہا جاتا۔ میڈیکل کالج و یونیورسٹی میں پڑھنے والے کو ''ڈاکٹر'' کہا جاتا ہے، عالم نہیں کہا جاتا، انجینئرنگ پڑھنے والے کو ''انجینئر'' تو کہا جاتا

ہے، عالم کوئی نہیں کہتا۔ ''لاء'' پڑھنے والے کو قانون دان'' تو کہا جاتا ہے لیکن عالم نہیں کہا جاتا۔ ''عالم'' صرف اسی کو کہتے ہیں جو کسی مدرسہ میں قرآن وحدیث پڑھتا ہے اور دین کا علم حاصل کرتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علمِ دین حاصل کرنے والے کا مقام اتنا بلند ہے کہ اگر ترازو اور میزانِ عدل کے ایک پلڑے میں شہداء کے خون کو رکھا جائے اور دوسرے پلڑے میں اہلِ علم کے قلم کی سیاہی کو رکھا جائے تو شہیدوں کے خون پر علماء اور اہلِ علم کی سیاہیوں کا وزن بھاری ہو جائے گا۔

کثیر بن قیس رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں کہ میں دمشق کی جامع مسجد میں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی خدمت میں موجود تھا، ایک صاحب آئے اور کہا کہ میں آپ کے پاس حضور علیہ السلام کی ایک حدیث سننے آیا ہوں (حالانکہ وہ حدیث انہیں پہلے بھی معلوم اور یاد تھی، پہلے بالواسطہ ان سے سنی تھی صرف سند بلند کرنے کے لیے اور صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سننے کے لیے آئے) حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بیٹھو! میں تمہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سناتا ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ''جب کوئی علم حاصل کرنے کے راستے پر چلتا ہے تو جنت کے راستے پر چلتا ہے''
>
> سبحان اللہ! پھر فرمایا: ''جب کوئی علم کے راستے پر چلتا ہے تو گھر سے روانہ ہوتے ہی پہلے قدم پر ہی (حضور علیہ السلام فرماتے ہیں) آسمان کے فرشتے اور زمین کی تمام مخلوقات حتیٰ کہ دریاؤں کی مچھلیاں اور فضا کے پرندے اس کے لیے دعائے مغفرت کرنے لگ جاتے ہیں اور فرشتے اپنے (رحمت والے) پَر آپ کے پاؤں کے نیچے بچھاتے ہیں۔''

یہ آپ کا اعزاز واکرام ہے، کسی اور بادشاہ کے لیے، کسی حکومت کے صدر یا وزیر کے لیے یہ اعزاز نہیں ہے، ایسا استقبال صرف دین کے طالب علم کے لیے ہے۔ اخلاص وعمل کے ساتھ علم دین پڑھنے اور پڑھانے سے افضل کوئی کام نہیں ہے، حتیٰ کہ نوافل، تہجد، شب بیداری اور عمر بھر کے نفل روزوں سے بھی بڑھ کر افضل کام یہی ہے اور اگر اخلاص اور عمل نہ ہو تو پھر اس سے بڑھ کر بُرا کام بھی کوئی نہیں۔ سب سے پہلے معلم خود اللہ ہیں، فرمایا: ﴿وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا﴾، ﴿وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا﴾

فرمایا: ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ﴾

خلاصہ یہ کہ سب سے بڑے معلم خود اللہ تعالیٰ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا" سب سے مقدس اور اُونچا پیشہ استاذ بننا ہے۔ آپ لوگ زندگی میں استاد بننے کو ہی ترجیح دینا، خواہ نورانی قاعدہ پڑھانے کا موقع ملے، ناظرہ قرآن پڑھاؤ، منطق ونحو کی کتب پڑھاؤ، اس لیے کہ شرف اور مرتبہ میں استاذ کا مقام سب سے اعلیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ فضیلتیں نصیب فرمائے، آمین۔

مدارسِ دینیہ "مادرِ علمی" ہیں...... یہ مدارس "مادرِ علمی" کہلاتے ہیں، کیونکہ ہمارے اندر علم کی استعداد تو تھی چونکہ یہ پیدائشی اور فطری طور پر ملتی ہے، لیکن علم کی دولت ہمیں ان درسگاہوں اور مدارس سے ملتی ہے، اس کے لیے ادب، محنت، تقویٰ، اخلاص کے ساتھ ساتھ شوق بھی پیدا کریں۔ اپنا مزاج علمی بنائیں، اپنی ترجیحات اور دلچسپیوں کا مرکز ملکی اور عالمی سیاست، جماعتوں کی سرگرمیوں، جلسے جلوسوں اور خارجی چیزوں کو مت بناؤ، بلکہ اپنا سارا دھیان، ساری توجہ، مناظرے، بات چیت، چلتے پھرتے اپنی کتاب اور سبق کو اوڑھنا بچھونا بناؤ۔ جب یہ کام کرو گے تب صحیح عالم بنو گے۔

علم کو زندگی کا مقصد بناؤ...... آج دنیا کو مولویوں کی نہیں "علماء" کی ضرورت ہے۔ آپ نے ماں باپ، گھروں، رشتہ داروں اور گھر کی راحت اور سکون کو چھوڑا ہے تو اتنی بڑی قربانی دے کر آپ فضول کاموں میں وقت ضائع نہ کریں۔ علم کو رسم نہ بناؤ، بلکہ علم کو زندگی کا مقصد بناؤ۔ آج پوری دنیا مدرسہ کی تعلیم کے خلاف ہے لیکن اس کے باوجود اگر آپ کے پاس مضبوط علم ہوگا، کردار اور اخلاق کی مضبوطی ہوگی تو بڑے سے بڑے دشمن کو بھی آپ اپنا دوست بنالیں گے اور اپنی اس قوتِ علم سے دنیا کے اس غلط خیال کو تبدیل کردیں گے۔ آج دنیائے کفر کی پوری کوشش ہے کہ مدرسہ کی تعلیم کو بے عزت و بے وقار کردیا جائے، میٹرک، ایف اے، بی اے پڑھا ہوا کونسلر، ناظم، ایم پی اے، ایم این اے اور سینیٹر بن سکتا ہے، لیکن ۱۶، ۱۷ سال تک دن رات کی محنت کرنے والا عالم دین ان عہدوں کے لیے نااہل قرار پاتا ہے، لیکن ان شاء اللہ ان کوششوں سے علمِ دین بے وقار نہیں ہوگا۔

مذاکرات کے دوران میں نے حکومت پر واضح کیا کہ سرکاری نوکری حاصل کرنے کے لیے اگر آپ انگریزی، اردو اور مطالعہ پاکستان کے مضامین کا سرکاری امتحان پاس کرنے کی شرط

لگائیں تو سمجھ میں آتا ہے مگر الیکشن اور عوام کا نمائندہ بننے کے لیے یہ شرط غلط ہے۔ اللہ نے ہمیں بہت بڑا علم عطا فرمایا ہے، ہم کسی شرط کو قبول نہیں کریں گے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی اسمبلیوں میں جانے کے لیے اور قانون سازی کے لیے "علمِ دین" کا حامل ہونا ضروری ہونا چاہیے، عوامی نمائندوں کے لیے پڑھا لکھا ہونا ضروری ہے تو ہم الحمدللہ! پڑھے لکھے ہیں، باقی سرکاری نوکریوں کے لیے ہمیں کوئی ضرورت نہیں اور اس کے لیے حکومت کو پریشان ہونے کی بھی ضرورت نہیں۔ ہمارا ماضی روشن ہے اور حال بہتر ہے اور ان شاء اللہ! مستقبل بھی اچھا اور شاندار ہوگا۔ آج بھی ساری دنیا میں امریکہ، افریقہ، برطانیہ، متحدہ عرب امارات، سعودی عرب وغیرہ تمام ممالک کے مسلمان اپنے بچوں کو دینی تعلیم دلوانے کے لیے پاکستان کا انتخاب کرتے ہیں۔

پچپن سالہ تاریخ میں تم (دنیاداروں اور حکمرانوں) نے پاکستان کو پسماندہ ملک بنایا، صنعتی اعتبار سے، تجارتی اعتبار سے، سائنسی اعتبار سے، جدید ٹیکنالوجی کے اعتبار سے، امن وامان کے اعتبار سے اور معیشت کے اعتبار سے ہمیشہ پسماندہ ملک بنایا، قرضے لینے والا، ہاتھ پھیلا کر مانگنے والا ہی بنایا جب کہ ان مدارس کے علماء نے ساری دنیا کے مسلمانوں کو علم دینے والا بنایا، علماء نے اسے مثالی ریاست، ملک اور قابلِ فخر اور ترقی یافتہ ملک بنا کر دکھایا ہے۔

غیر ملکی طلبہ پاکستان کے سفیر ہیں...... آج تم (اربابِ اقتدار) یہ پابندی لگاتے ہو کہ مدارس میں علم دین حاصل کرنے کے لیے کوئی غیر ملکی طالب علم نہیں آ سکتا۔ میں اپنے ان بزرگوں کی موجودگی میں رب کعبہ کی قسم کھا کر مسجد میں کہتا ہوں کہ ہم آپ کی اس پابندی کو ہرگز قبول نہیں کریں گے، یہ پاکستان کے اسلامی تشخص کو ختم کرنے کی سازش ہے، پاکستان کو دین کے رضا کاروں اور سفیروں سے محروم کرنے کی سازش ہے، دنیا کی مساجد و مدارس میں پاکستان کا تعارف ختم کر کے پاکستان کو ان سپاہیوں سے محروم کرنا چاہتے ہو۔ میں نے علی الاعلان کہا ہے کہ جن مدارس میں غیر ملکی طلبہ کو داخلہ نہ ملے تو میں ان کے مہتمم صاحبان سے داخلہ دینے کی سفارش کروں گا اور اگر حکومت پاکستان نے گرفتار کرنے کی کوشش کی تو ان شاء اللہ! سب سے پہلے ہم گرفتاریاں دیں گے۔

علم کی کوئی سرحد نہیں ہوتی...... یہ پابندی "علم" پر ہے جب کہ علم کی کوئی سرحدیں نہیں ہوا کرتیں۔ علم کسی جغرافیہ کا پابند نہیں ہوا کرتا، یہ انسانی حقوق پر پابندی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ انسانی حقوق کا ڈھنڈورا پیٹنے والی ملکی وعالمی تنظیمیں اور تعلیم کو عام کرنے کے دعویٰ کرنے والے

تمام ادارے اور تنظیمیں آج کیوں خاموش ہیں کہ حکومتِ پاکستان علم پڑھنے پر پابندی کیوں لگا رہی ہے؟ ایک طرف تو علم حاصل کرنے کے لیے سفر کرنے اور چین تک جانے کی روایت ذکر کرتے ہو اور دوسری طرف یہاں پابندیاں لگاتے ہو، یہ دوہرا معیار کیوں؟

تم نے پاکستان کو مقروض بنایا، پاکستان کو لوٹا، پاکستان کو بھکاری بنایا اور تم نے پاکستان کو عالمی اداروں سے مانگنے والا بنایا جب کہ مدارس کے ان علماء نے ساری دنیا کو علم دینے والا بنایا، ہر گاؤں میں، ہر شہر میں کچے پکے علاقوں میں دینی مدارس قائم ہیں، بخاری شریف پڑھائی جارہی ہے۔ان شاءاللہ! یہ مدارس باقی رہیں گے، کیونکہ اسلام کی بقاء اور اشاعت کا سب سے بڑا ذریعہ یہی دینی مدارس ہیں۔ ''مدارس'' مراکز ہیں رُشد و ہدایت کے، اس لیے آپ طلبہ سے گزارش ہے کہ علم پر ہی ساری توجہ مرکوز رکھیں۔ علم حاصل کرو تاکہ دنیا کے مسائل اور چیلنجوں کا مقابلہ کرسکو۔ ''علم والے'' بادشاہوں پر حکومت کرتے ہیں۔ ان شاءاللہ! دنیا آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکے گی۔ یہ ترقی کا علم ہے اور مدارس ترقی کا مرکز ہیں ان شاءاللہ! ترقی ہوتی رہے گی، آج مدارس میں طلبہ کی تعداد میں اضافہ بھی ہوتا جارہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اَلْعِلْمُ سَلَاحِیْ'' ''علم میرا ہتھیار ہے'' یہ ایٹم بم سے زیادہ طاقتور ہے، علم مضبوط کرو، فقاہت فی الدین میں مہارت حاصل کرو

* * *

مدارس سے متعلق حکومتی اعلانات

(اہل مدارس پریشان نہ ہوں)

مورخہ ۲۷/۱۱/۱۴۲۲ھ بمطابق ۱۱ فروری ۲۰۰۲ء بروز سوموار بوقت گیارہ بجے دفتر وفاق المدارس العربیہ پاکستان شیر شاہ روڈ گارڈن ٹاؤن ملتان میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے ملحق مدارس ڈویژن ملتان کا حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالمجید صاحب دام مجدکم جامعہ باب العلوم کہروڑ پکا کی زیر صدارت ایک غیر معمولی اجلاس منعقد ہوا۔ سب سے پہلے تلاوت قرآن سے اجلاس کا آغاز ہوا اور پھر پروگرام سیکرٹری مولانا زبیر احمد صدیقی صاحب نے اجلاس میں شرکت کے لیے آنے والے مدارس کے احباب کو خوش آمدید کہا اور فرمایا کہ آپ حضرات اپنی گونا گوں مصروفیات کے باوجود، وفاق سے محبت کی بناء پر موجودہ ابتلائی صورت حال میں اکابرین کا مؤقف سننے کے لیے تشریف لائے۔ جس کیلئے ہم آپ کے شکر گزار ہیں۔

اس کے بعد حضرت مولانا محمد انور صاحب نے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: کہ اہلِ حق کے ساتھ ابتلا اور مصائب ہمیشہ رہتے ہیں۔ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام پر بڑے مصائب آئے۔ ان حضرات نے استقامت سے حالات کا مقابلہ کیا۔ علمائے حق وارثِ انبیاء ہیں۔ ہمیں ان حالات کا مقابلہ کرنا ہے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا ہے۔

اکابرینِ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی کاوشیں آپ کے سامنے ہیں۔ اجتماعی کوششیں بھی ہو رہی ہیں۔ وقتاً فوقتاً رپورٹیں سہ ماہی ''وفاق المدارس'' میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ مدارس کے تمام ذمہ داران اس کا ضرور مطالعہ کریں کہ اس میں مدارس سے متعلق کافی معلومات چھپتی ہیں، جو آپ حضرات کے لیے تسکینِ خاطر کا باعث بنیں گی۔

رابطہ سیکریٹری اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ پاکستان حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری صاحب، ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان نے اپنے خطاب میں فرمایا: کہ میں تمام احباب کا شکر گزار ہوں کہ اپنی تعلیمی سرگرمیوں اور انتظامی امور میں مشغولیت کے باوجود، یہاں

تشریف لائے۔ آج کے اجلاس کا مقصد یہ ہے کہ حکومت کے اعلانات اور اخبارات کی خبروں سے جو پریشانی اہل مدارس کو اس وقت لاحق ہے اور اکابرِ وفاق المدارس کی حکومت سے ہونے والی بات چیت کے نتائج سے آپ حضرات کو آگاہ کرنا اور آپ سے آئندہ کے لیے تجاویز لینا ہے۔ گزشتہ کل الحمدللہ ڈیرہ غازی خان میں ایسا ہی اجلاس ہوا، جس میں ایک ہزار سے زائد علماء حضرات اور مہتمم حضرات نے شرکت کی۔ آج کے اس اجلاس میں آپ حضرات کی بھرپور شرکت کو دیکھتے ہوئے ہم ان شاء اللہ جلد ہی پورے ملک میں ڈویژن کی سطح پر اور ضلع کی سطح پر ایسے اجلاس منعقد کریں گے۔

اخبارات میں حکومتی بیانات کی وجہ سے اہل مدارس پریشان ہیں۔ اس اجلاس میں ہم آپ کو حکومت سے ہونے والی بات چیت اور نتائج سے آگاہ کریں گے۔ حضرت مولانا محمد علی جالندھری صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے۔ حکومت کے ارادے ملتوی ہوتے ہیں، ختم نہیں ہوتے۔ مختلف حکومتوں کے دینی مدارس اور جہادی تنظیموں کے خلاف شروع ہی سے کوشش اور ارادے رہے۔ حکومت کا اصل مقصد مدارس کی عمارتوں پر قبضہ نہیں، بلکہ ان کا اصل مقصد وہ تعلیمات ہیں، جو علماء حق وارث انبیاء کی بنیاد پر اپنی نسل در نسل علم منتقل کر رہے ہیں، حکومتوں کو یہ بات پسند نہیں ہے کہ اصل دین کی ترویج ہو۔

ایوب خان اور بھٹو کے دور میں مدارس کو بند کرنے کے پروگرام بنے اور اعلانات ہوئے اور مدارس پر قبضے کی کوشش بھی کی گئی، لیکن اس وقت کے حضرات نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور حکومتوں کو اپنے ان مذموم عزائم سے پیچھے ہٹنا پڑا۔

سقوطِ کابل کے بعد ان لوگوں کو بہت حوصلہ ملا ہے کہ، یہ وقت ہے کہ مدارس، اسلام اور ''ملا'' کو ختم کیا جائے اور اس مہم کو تحریک کی شکل میں رمضان المبارک ۱۴۲۲ھ میں شروع کر دیا گیا۔ میڈیا کے ذریعے پروپیگنڈہ کیا گیا اور فضا کو مدارس کے خلاف بنانے کی کوشش کی گئی اور جھوٹ کے ذریعے سے کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ رمضان المبارک میں اس مہم کو شروع کرنے کے پیچھے کئی فوائد حاصل کرنا تھے۔

① ...... آنے والے دنوں میں جواز پیدا کرنا۔

② ...... رمضان المبارک کی چھٹیوں کا فائدہ اٹھانا کہ چھٹیوں کی وجہ سے مدارس میں مزاحمت نہ ہوگی۔

③......معاونت میں خلل ڈالنا۔ پورے سال میں مدارس کی جو معاونت اہل ثروت حضرات کی طرف سے ہوتی ہے، ایک ماہ رمضان میں اس سے زائد ہوتی ہے۔

④......فوجی افسران بطور معاون مدارس میں بیٹھ جائیں گے، اس کے لیے فضا بنانا شروع کردی گئی ہے۔

ان حالات کو دیکھتے ہوئے تمام وفاقوں سے رابطہ کیا گیا اور ۱۶ رمضان سنہ ۱۴۲۲ھ کو تمام مدارس کی تنظیمات کا اجلاس طلب کیا۔ (یہ بات یاد رہے کہ دو سال پہلے تمام پانچوں وفاق کا اتحاد وجود میں آچکا تھا) اور مجھے رابطہ سیکریٹری کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ اجلاس میں بڑے غور وفکر سے تمام پہلوؤں پر بحث ہوئی اور یہ بات طے کی گئی کہ ہم خود حکومت کے پاس نہیں جائیں گے۔ لیکن اگر حکومت ہمیں الگ الگ بلائے اور ہماری قوت کو تقسیم کرنے کی کوشش کرے تو ہم سب اس بات کے پابند ہوں گے کہ اکیلے حکومت سے بات نہ کی جائے۔ بلکہ مشترکہ بات ہوگی۔ لاہور میں ہونے والے رمضان المبارک کے اجلاس میں یہ تمام باتیں طے کی گئی تھیں۔ جس میں حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب پیرانہ سالی شدید بیماری کے باوجود تشریف لائے اور اجلاس میں شرکت فرمائی، جس کی وجہ سے حضرت کی بیماری بہت بڑھ گئی اور آپ کئی روز تک صاحبِ فراش رہے اور روزہ بھی نہ رکھ سکے۔ اس اجلاس میں یہ فیصلہ بھی کیا گیا تھا کہ ہم ہر قیمت پر مدارس کی آزادی کا دفاع کریں گے۔

حکومتی عہدیداروں کی طرف سے بہت سی ترغیبات دی گئیں اور لالچ دیے گئے، ڈرایا گیا اور اپنا آپ بچانے کے لیے کہا گیا، لیکن الحمدللہ تمام لوگ اس نازک وقت میں اتحاد پر قائم رہے اور ان شاء اللہ آئندہ بھی رہیں گے۔ ہمارے اسی اتحاد اور کامل یقین پر، اللہ رب العزت نے کرم فرمایا کہ یہ جو ایک طوفان اٹھا تھا اس کے آگے کسی حد تک بندھ باندھا گیا ہے اور اب ہم حکومت سے یہ مندرجہ ذیل باتیں منوا چکے ہیں:

①......کسی بھی مدرسہ یا جامعہ کو سرکاری تحویل میں نہیں لیا جائے گا۔

②......تمام مدارس کلی طور پر انتظامی، تعلیمی اور امتحانی ذمہ داری میں آزاد ہوں گے۔

③......مدارس کی رجسٹریشن کا قانون سوسائٹیز ایکٹ ۱۸۶۰ء اور رجسٹریشن کے حوالے سے نیا قانون نہیں بنایا جائے گا اور اس سلسلے میں وفاقی وزیر مذہبی امور ڈاکٹر محمود غازی صاحب سے بات ہوئی ہے اور انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ اس کو بحال کیا جائے گا۔

④......اگر کسی مدرسہ یا جامعہ کے خلاف حکومت کے پاس ثبوت ہو تو وفاق المدارس کو حکومت مطلع کرے گی اور وفاق المدارس اس کا جائزہ لے کر فیصلہ کرے گا، اگر الزامات درست ثابت ہوئے تو اس مدرسہ یا جامعہ کو وفاق سے علیحدہ کر دیا جائے گا۔

⑤......کسی بھی درجہ کے نصاب میں تبدیلی کا اختیار ہماری وفاق کے تحت قائم نصاب کمیٹی کو حاصل ہے اور وہ ضرورت کے وقت یہ تبدیلی کرتی رہتی ہے۔ حکومتی نصاب سے بہتر نصاب ہم اب بھی اپنے مدارس میں پڑھا رہے ہیں اور یہ نصاب درس نظامی حکومت سے منظور شدہ ہے، کیوں کہ ہمارے اس نصاب پر ۱۹۸۵ء میں اسلام آباد میں تین دن بحث ہوئی تھی اور وزارت تعلیم اور یونیورسٹی گرانٹس نے اس نصاب کو تسلیم کرتے ہوئے (ایم۔ کے) کے مساوی قرار دے دیا تھا۔

⑥......جن مدارس کو سیل کیا گیا ہے، یا اساتذہ کرام، یا مہتمم حضرات کو گرفتار کیا گیا ہے۔ ان کے متعلق ان شاء اللہ جلد از جلد معاملات طے ہو جائیں گے۔

⑦......غیر ملکی طلبہ کے لیے ویزہ کی سہولت کو آسان بنایا جائے اور یہ ویزہ کی درخواست کا معاملہ ایک ہفتہ یا زیادہ سے زیادہ پندرہ دن میں طے کر دیا جائے، تا کہ طلبہ بروقت داخلہ لے سکیں اور ان کا وقت ضائع نہ ہو۔

اس کے بعد حضرت قاری صاحب نے اہل مدارس کو مشورہ دیا کہ اپنے اپنے علاقے میں وفاق کے قواعد وضوابط کی پابندی کریں۔ وفاق کو مضبوط کریں۔ وفاق سے رابطہ بڑھائیں...... رسالہ سہ ماہی ''وفاق المدارس'' کو مستقل پڑھیں۔ اس میں بہت معلومات اور حکومت کے اقدامات اور ان سے ہونے والی بات چیت ہم شائع کرتے رہتے ہیں۔ نصاب کی پابندی کریں، اگر کسی مدرسے میں وسائل کی کمی ہے، اللہ رب العزت سے قوی امید ہے کہ معاملہ حل ہو جائے گا۔ مدارس سے متعلق کوائف نامے پُر کر دیے جائیں اور آنے والے وقت میں خدمت دین کو رضائے الٰہی کے جذبے سے کرنے کے عزم کا اظہار کیا گیا۔

سب سے آخر میں صدر مجلس حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالمجید صاحب نے اپنے خطبہ صدارت میں اللہ پاک کی طرف رجوع کرنے کی تلقین فرمائی اور آپس کے اتحاد اور بھائی چارگی کی ضرورت پر زور دیا اور تمام مسائل کو باہمی اتحاد سے بزرگوں کے مشورے سے طے کرنے کا مشورہ دیا اور اپنے اپنے مدارس میں سورۃ یٰسین شریف اور آیت کریمہ کے ورد اور دوسرے

وظائف کرنے کی تلقین فرمائی اور پھر سب سے آخر میں خصوصی دعا کی گئی۔

ڈیرہ غازی خان کے دینی مدارس کا دورہ اور مجالس سے خطاب:

ناظم اعلیٰ وفاق المدارس نے ڈیرہ غازی خان کے مختلف مدارس کا دورہ کیا اور جلسوں سے خطاب فرمایا، مدرسہ قاسم العلوم میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''میں صدر وفاق حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم العالی اور اراکین وفاق کی طرف سے تمام شرکائے اجلاس کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ اپنی گوناگوں مصروفیات بالخصوص تعلیمی ،تدریسی مشاغل سے وقت نکال کر تشریف لائے، آپ نے ہمیں مزید حوصلہ دیا۔ اس اجلاس کا مقصد یہ ہے کہ ہم آپ سے مشاورت کر سکیں اور براہ راست تازہ صورتحال سے آپ کو آگاہ کر سکیں اور انہوں نے فرمایا بدقسمتی سے موجودہ معروضی حالات نے، یہ صورت حال پیدا کی ہے، دین دشمن عناصر نے ارباب اقتدار کو مشورہ دیا ہے کہ یہ وقت مذہبی قوتوں اور دینی مدارس کے ختم کرنے کا ہے۔ جب ہمیں یہ خطرہ محسوس ہوا تو فوری طور پر تمام مکاتب فکر کے مدارس کے وفاقوں سے رابطے کیے اور لاہور میں ۱۶ رمضان کو تمام مدارس کی تنظیمات کا اجلاس بلایا گیا۔

سب نے بنیادی طور پر طے کر لیا۔ حکومتی اقدام کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے۔ ہم نے عدلیہ، وکلاء، دانشوروں، تاجروں اور مختلف مکاتب فکر سے رابطے کیے اور بعض سیاسی جماعتوں سے بھی رابطے ہوئے، اپنی مذہبی، سیاسی قوتوں سے تو یہ رابطہ تھا ہی۔ ہم نے اس میں متفقہ طور پر کچھ باتیں طے کی ہیں۔

● ......مدارس کی آزادی کی حفاظت کرنا اور اس سلسلے میں حکومت سے کسی قسم کا سمجھوتہ نہیں کریں گے۔

● ......مدارس کو حکومت کی تحویل و کنٹرول میں نہیں دیں گے۔

● ......تصادم اور مزاحمت کا راستہ اختیار نہیں کریں گے، بلکہ تدبر اور مذاکرات سے معاملات حل کریں گے۔ مفاہمت اور گفتگو کا راستہ اختیار کریں گے۔ میثاقِ مدینہ اور صلحِ حدیبیہ کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ قادیانی عناصر، این جی اوز اور سیکولر عناصر کی پوری کوشش ہے کہ ہماری قوتوں کو حکومت سے لڑا دیا جائے۔ ہم نے حکومت سے کہا، ہمیں آپ سے لڑانے کی کوشش ہو رہی ہے۔ آپ ہمیں طاقت سے نہیں دبا سکتے ہیں۔ یہ ترکی اور افغانستان نہیں، اگر آپ ہم سے لڑیں گے، تو نقصان آپ کا ہوگا، انہوں نے فرمایا: کہ مدارس میں دہشت گردی نہیں ہوتی اور

نہ مدارس کا اس سے کوئی تعلق ہے، بلکہ یہ کارروائیاں ایجنسیاں کرتی ہیں اور اس کے اسباب میں حکومت کی جانب داری اور عدل وانصاف کا فقدان شامل ہے۔ انہوں نے فرمایا: اگر کسی مدرسے کے عالم نے کوئی قتل کیا ہے، تو کیا یونیورسٹی والے قتل نہیں کرتے۔ حکیم سعید کو کس نے قتل کیا۔ ۲۷ دسمبر ۲۰۰۱ء کو صدر پرویز مشرف سے ساڑھے تین گھنٹے کی تفصیلی ملاقات میں ہم نے یہ بات واضح کردی کہ مدارس میں دہشت گردی نہیں ہوتی۔ آپ ایک مدرسہ بتائیں، جس میں دہشت گردی ہوتی ہے، یا دہشت گردی کی تربیت دی جاتی ہے۔ چنانچہ اس ملاقات میں صدر پاکستان نے ہمارے مؤقف کو درست تسلیم کیا۔ چنانچہ ہماری اس ملاقات کے نتیجے میں صدر نے اپنے ۱۲ جنوری کے خطاب میں کچھ مدارس کو دہشت گرد کہا۔ جب کہ اس سے قبل تمام مدارس کے متعلق ان کا یہی خیال تھا۔ حکومت نے ہمیں یقین دلایا کہ اگر کسی مدرسے میں دہشت گرد نے پناہ لی اور مدرسہ کی انتظامیہ اس کارروائی سے لاعلم ثابت ہوئی تو اس مدرسے کی انتظامیہ کو ملوث نہیں کریں گے اور انہوں نے عصری درس گاہوں اور یونیورسٹیوں میں دینی تعلیم کے حوالے سے فرمایا کہ ہم نے حکومت سے کہا ہے کہ آپ ہمارے مدارس میں عصری تعلیم کی بات کرتے ہیں اور اسکولوں، یونیورسٹیوں میں دینی تعلیم کی بات نہیں کرتے، تو صدر صاحب نے ہمارے اس مؤقف کو تسلیم کیا اور اسکول وکالج میں دینی تعلیم کے فروغ کی یقین دہانی کرائی اور مدارس کے نصاب میں عدم مداخلت کا وعدہ کیا۔

• • •

تحریک پاکستان میں علماء کا کردار

(14 اگست کے حوالے سے ایک اہم فکر انگیز تحریر)

ہندوستان میں تحریک آزادی کی ابتداء سے لے کر قیام پاکستان تک علماء حق نے جو کردار ادا کیا ہے وہ تاریخ کا ایک ایسا درخشندہ باب ہے جو آنے والی نسلوں کے لئے تاریکیوں میں ہمیشہ روشنی کا مینارہ ثابت ہوگا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ جب کبھی ملت و مذہب پر کوئی نازک وقت آیا تو یہی حاملین قرآن وسنت وارثان انبیاء ایسے سینہ سپر ہوکر میدان میں اترے کہ انہوں نے تاریخ کے دھاروں کے رخ موڑ دیئے اور اپنی حق گوئی و بیباکی، جاں بازی و جاں نثاری سے تاریخ کا وہ باب رقم کر گئے جو قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے مشعل راہ ثابت ہوا۔ علماء حق کی اسی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے تحریک پاکستان میں علماء نے جو کردار ادا کیا اسے وجود پاکستان میں ایک اساسی حیثیت حاصل ہے۔

کسے معلوم نہیں کہ جب انقلابات زمانہ نے انگریز کو ہندوستان چھوڑنے پر مجبور کیا تو اس کی یہ شدید خواہش تھی کہ اقتدار کی باگ ڈور اپنے پسندیدہ افراد کے سپرد کر جائے اسی وجہ سے اس نے کانگریس کی نمائندگی کو تسلیم کیا اور ہندوستان کو اس کے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس وقت یہ علماء حق ہی تھے جنہوں نے انگریز اور ہندو کے اس خطرناک ارادے کو بھانپتے ہوئے مسلمانوں کی نمائندہ جماعت مسلم لیگ کے زعماء کے شانہ بشانہ ملک کے طول وعرض کے دورے کئے، مسلمانوں کو ایک علیحدہ اسلامی ریاست کی ضرورت وفوائد سے آگاہ کیا۔

قیام پاکستان کے سلسلے میں جن علماء حق نے خصوصی طور پر کلیدی کردار ادا کیا ان میں حضرت تھانوی قدس سرہ، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا حسرت موہانی، مولانا اظہر علی سلہٹی، مولانا ظفر احمد عثمانی، مفتی محمد شفیع، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا خیر محمد، پیر صاحب مانکی شریف، پیر صاحب گولڑہ شریف اور علماء تونسہ ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے۔ اس میں بھی بالخصوص دارالعلوم دیوبند کے

اکابر و اصاغر نے مسلم لیگ کی حمایت کر کے تحریک پاکستان کو زبردست تقویت بخشی۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے کانگریس کے خلاف مسلمانوں کی علیحدہ تنظیم کی علی الاعلان حمایت کی اور کانگریس کے مقابلہ میں مسلم لیگ کو مسلمانوں کے لئے زیادہ مفید قرار دیا۔

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نے پاکستان کی نہ صرف پرزور حمایت کی بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ قائداعظم کے بعد تصور پاکستان کے خاکہ میں رنگ بھرنے کا سب سے موثر عمل حضرت علامہ عثمانی ہی کا تھا تو بے جا نہ ہوگا۔ آپ نے قرارداد پاکستان کے حق میں بیان جاری فرمائے، جمعیت علمائے اسلام کی بنیاد رکھی، مضامین لکھے، پرزور تقاریر کیں۔ پیرانہ سالی میں ہمت کو جواں کر کے قائداعظم کا پورا پورا ساتھ دیا، یہاں تک کہ ہندوستان کی فضائیں پاکستان زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھیں۔ صوبہ سرحد اور سلہٹ (مشرقی پاکستان) کے ریفرنڈم میں اگر حضرت عثمانی شب و روز طوفانی دورے نہ کرتے تو آج یہ علاقے ہندوستان ہی کے پاس ہوتے۔ اس بات کا اعتراف خود بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کو بھی تھا۔ پاکستان کی جنگ جیتنے کے بعد جب حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا مفتی محمد شفیع مبارک باد کے لئے قائداعظم کی کوٹھی پر پہنچے تو قائداعظم نے سروقد کھڑے ہو کر ان علماء کا خیر مقدم کیا اور اپنے برابر کرسیوں پر بٹھایا۔ علامہ عثمانی نے جب حصول پاکستان کی مبارکباد پیش فرمائی تو قائداعظم نے یہ تاریخی فقرہ ارشاد فرمایا: ''مولانا یہ مبارک باد آپ کو ہے کہ آپ کی ہی کوششوں سے یہ کامیابی ہوئی۔''

اسی اعتراف حقیقت کے طور پر جب ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء بمطابق ۲۷ رمضان ۱۳۶۶ھ بروز جمعۃ المبارک پاکستان کا جشن منایا جانے لگا تو بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح گورنر جنرل نے علماء ربانی کی تاریخی خدمات کے اعتراف کے طور پر پاکستان کی پرچم کشائی کا اعزاز شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی اور مولانا ظفر احمد عثمانی کو بخشا۔ کراچی میں علامہ شبیر احمد عثمانی نے اور ڈھاکہ میں مولانا ظفر احمد عثمانی نے تلاوت قرآن مجید اور مختصر تقریر کے بعد اپنے متبرک ہاتھوں سے آزاد پاکستان کا پرچم آزاد فضاؤں میں لہرا کر دنیا کی اس سب سے بڑی اسلامی مملکت کو اسلامی مملکت کی برادری میں شامل کرنے کی رسم کا افتتاح کیا۔ پاکستانی فوجوں نے پرچم پاکستان کو پہلی سلامی دی اور سب نے مل کر یہ ترانہ گایا:

اونچا رہے گا نشاں ہمارا — پاکستان ہمارا پاکستان ہمارا

۱۹۴۵ء میں جب پاکستان کے نام پر لڑے جانے والے الیکشن قریب تھے تو ارباب مسلم لیگ

نے یہ محسوس کیا کہ جب تک ہر محاذ پر علمائے کرام ہمارے شانہ بشانہ کام نہیں کریں گے الیکشن جیتنا ناممکن ہے۔ ارباب لیگ کی اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ملک کے مقتدر علمائے کرام شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی، مولانا قاری محمد طیب قاسمی، مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی، مولانا آزاد سبحانی، مولانا راغب احسن، مولانا اظہر علی، مولانا ابوالبرکات اور مولانا غلام رشید وغیرہ نے نومبر ۱۹۴۵ء میں کلکتہ میں جمع ہو کر ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد کی اور جمعیت علمائے اسلام کا سنگ بنیاد رکھا جس کے صدر علامہ عثمان اور نائب صدر مولانا ظفر عثمانی منتخب ہوئے۔ اس علماء کانفرنس نے متفقہ طور پر مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کیا اور ایک قرار داد کے ذریعے مسلمانوں سے اپیل کی کہ مسلم لیگ کے نمائندے کے سوا کسی دوسری جماعت کے نمائندے کو ووٹ نہ دیئے جائیں۔ قیام پاکستان کا فیصلہ بڑی حد تک انہی انتخابات کے نتائج پر موقوف تھا۔

اسی سلسلے میں دارالعلوم دیوبند کے صدر مفتی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع نے مذہبی اور علمی حیثیت سے مطالبہ پاکستان اور مسلم لیگ کی حمایت کانگریس سے اختلافات اور متحدہ قومیت کے خلاف دوقومی نظریہ پر قرآن وحدیث اور فقہی دلائل کی روشنی میں بہت سے فتاویٰ اور رسائل لکھ کر شائع کئے، جن میں کانگریس اور مسلم لیگ افادات اشرفیہ اور مسائل سیاسیہ بہت ہی مفید ثابت ہوئے۔ ان فتاویٰ کی تصدیق وتائید علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا ظفر احمد عثمانی، علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا خیر محمد جالندھری، مولانا قاری محمد طیب اور مفتی جمیل احمد تھانوی جیسے اکابر علماء دیوبند نے کی۔ نیز یہی علمائے کرام جن کا ذاتی مذاق ابتداء ہی سے یکسوئی کے ساتھ تعلیم وتصنیف کے ذریعے ملت و مذہب کی خدمت کرنا تھا ضرورت وقت کے تحت ملک کے طول وعرض میں مسلم لیگ کی امداد اور پاکستان کی حمایت کرنے کے لئے پھیل گئے۔ کیونکہ یہ الیکشن ایک ایسے مقصد کے لئے لڑا جا رہا تھا جس پر ہندوستان میں دین اسلام کی بقاء کا دارومدار تھا۔

علماء حق کے ان فتاویٰ اور علمی جدوجہد کا عوام وخواص پر بہت اثر ہوا اور مسلمانوں کی اکثریت مسلم لیگ کے ساتھ ہوگئی جس کے نتیجے میں مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تسلیم کر لیا گیا اور پاکستان کے نام پر لڑے جانے والے الیکشن میں مسلم لیگ نے توقع سے بڑھ کر کامیابی حاصل کی جس کا اعتراف قائداعظم محمد علی جناح اور لیاقت علی خاں مرحوم نے بھی بارہا کیا۔

قیام پاکستان کے سلسلے میں پاکستانی لیڈروں کا مطالبہ یہ تھا کہ ہندوستان کے جن صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے انہیں پاکستان بنایا جائے اور ایسے صوبے پانچ تھے: سرحد، سندھ،

پنجاب، بنگال اور آسام۔

صوبہ سرحد میں مسلمانوں کی اکثریت تھی لیکن بدقسمتی سے وہاں کانگریس کی وزارت تھی۔ کانگریس نے یہ تجویز پیش کی کہ صوبہ سرحد میں ریفرنڈم کرایا جائے اور وہاں کے رہنے والوں کی رائے معلوم کی جائے۔ یہ معاملہ تمام مسلمانوں کے لئے بالخصوص ارباب مسلم لیگ کے لئے انتہائی نازک معاملہ تھا۔ بالفرض اگر صوبہ سرحد ہندوستان کے حق میں رائے دے دیتا تو پاکستان کی کوئی حقیقت نہیں رہتی۔ بالکل یہی صورت حال مشرقی پاکستان میں سلہٹ کی تھی۔ قائداعظم عجیب ابتلاء میں مبتلا تھے۔ سرحد کے پٹھانوں کو اسلام کے نام کے علاوہ کسی اور بنیاد پر ہمنوا بنانا محلات میں سے تھا تو قائداعظم مذہبی شخصیات کو ہمنوا بنانے کے لئے دہلی سے سیدھے مانکی شریف پہنچے اور پیر آف مانکی شریف سے امداد کی اپیل کی۔ پیر صاحب نے تمام ذاتی منفعتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے صرف اس شرط پر تعاون کے لئے آمادگی ظاہر کی کہ پاکستان میں اسلامی حکومت قائم ہوگی۔ پیر صاحب نے علاقہ کے تمام علمائے کرام، مذہبی رہنما اور پیران عظام کو مانکی شریف جمع کیا اور انہیں یقین دلایا کہ پاکستان میں ایک اسلامی سلطنت ہوگی، وہاں قرآن وسنت کا قانون جاری ہوگا، لا الہ الا اللہ کی حکمرانی ہوگی، تمام علماء و پیران عظام نے پیر صاحب مانکی شریف کی دعوت پر لبیک کہا اور حمایت پاکستان کے لئے آمادہ ہو گئے۔ پیر صاحب مانکی شریف نے عملی جدوجہد کے دوران محسوس کیا کہ سرحد کے عام وخاص مسلمان علماء دیوبند کے اخلاص و نیک نیتی کے بہت عقیدت مند ہیں اور مذہبی حیثیت سے وہ علماء دیوبند ہی کی بات کو صحیح سمجھتے ہیں اس لئے انہوں نے قائداعظم کو لکھا کہ اس مہم کو سر کرنے کے لئے اور صوبہ سرحد کے ریفرنڈم میں رائے عامہ کے حصول کے لئے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کا دورہ کرنا نہایت ضروری ہے۔ چنانچہ ان حالات کے تحت قائداعظم نے علامہ عثمانی سے درخواست کی وہ اس مہم کو سر کریں۔ علامہ عثمانی باوجود پیرانہ سالی اور ضعف و امراض کے صوبہ سرحد کے دورے کے لئے کمربستہ ہو گئے لیکن انہوں نے قائداعظم سے فرمایا: ''ہم لوگوں کی تمام جدوجہد صرف اس لئے ہے کہ آپ کے وعدہ کے مطابق پاکستان کا نظام و قانون اسلام ہوگا۔ میں اس مرحلہ پر پھر اس وعدے کی تجدید چاہتا ہوں۔''

اس پر قائداعظم نے واضح الفاظ میں کہا: ''مولانا! یقیناً پاکستان میں اسلامی قانون رائج ہوگا اور آپ صاحبان ہی اس مسئلے کو طے کریں گے۔'' اس یقین دہانی کے بعد سخت گرمی کے موسم میں

آپ صوبہ سرحد کے دورے پر روانہ ہوئے۔ پورے سرحد کے طول وعرض کا دورہ کیا اور مسلمانان سرحد کو بتلایا کہ اگر صوبہ سرحد پاکستان میں شامل نہ ہوا تو مسلمان قوم کی تباہی آنکھوں کے سامنے کھڑی ہے۔ پاکستان میں اسلامی قانون ہوگا اور مسلمانوں کو اپنے ملک میں اپنی مرضی کا قانون جاری کرنے کا اختیار ہوگا۔ اس کے برعکس ہندوستان میں شمولیت کا یہ مطلب ہوگا کہ وہ ہندو کی غلامی کا جواء ہمیشہ کے لئے اپنی گردن پر رکھ چکے ہیں۔ علامہ مرحوم کی پر از صداقت اور ولولہ انگیز تقاریر کا یہ اثر ہوا کہ سرحد کی فضا پاکستان کے حق میں سازگار ہوگئی اور ۸ جون ۱۹۴۷ء سے صوبہ سرحد میں ریفرنڈم شروع ہوا اور ۱۸ جولائی کو ختم ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے نظریہ پاکستان کو بے مثال کامیابی عطا فرمائی اور مسلم لیگ جیت گئی۔ ریفرنڈم کے بعد جب علامہ عثمانی دہلی میں قائداعظم سے ملے تو انہوں نے فرمایا: ''اس مبارک باد کے آپ مستحق ہیں خواہ میں سیاستدان سہی لیکن آپ نے بروقت مدد کر کے مذہب کی روح لوگوں میں پھونک دی ہے۔''

قیام پاکستان کی طرح استحکام پاکستان میں بھی علمائے کرام نے ہمیشہ مثالی کردار ادا کیا ہے۔ آج ایک بار پھر ملک جن نازک حالات سے گزر رہا ہے۔ علمائے کرام پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ کی طرح آگے بڑھیں اور ملک وملت کی قیادت کریں۔ قیام پاکستان کی طرح اپنے فروعی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر اتحاد واتفاق کا مظاہرہ کریں اور ملک کے استحکام اور بقاء کے لئے اپنا فرض ادا کریں۔ مجھے امید ہے کہ علمائے کرام جو ہمارے وطن عزیز کے ''نظریہ'' کے محافظ ہیں وہ اس کی سرحدوں کے تحفظ میں بھی اپنا کردار ادا کریں گے۔

پاکستانیوں کی ذمہ داریاں...... یہ بات کسی بھی شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ قیام پاکستان کی بنیاد ایک ایسی مملکت کا قیام تھا جس میں مسلمان آزادی کے ساتھ اپنے عقیدے اور روایات کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ قائداعظم نے قیام پاکستان کے بعد دوٹوک الفاظ میں یہ کہہ دیا تھا کہ پاکستان اسلام کی تجربہ گاہ ہے، ہم اس دور میں اسلام کے ابدی اصولوں پر عمل کرتے ہوئے پاکستان کو ایک اسلامی فلاحی مملکت بنائیں گے۔ اگر قدرت قائداعظم کو مہلت دیتی تو وہ اپنے وعدے کے مطابق یقیناً پاکستان کو ایک اسلامی ریاست بناتے۔

ایک اسلامی، فلاحی اور ترقی پسند ریاست کا مطلب تھیوکریسی یا کسی مخصوص مذہبی طبقے کی حکومت نہیں ہے بلکہ عصر حاضر کے تقاضوں کو سمجھنے والے ایسے اہل علم کی حکومت ہے جو قرآن وسنت اور اجماع امت کی روشنی میں جدید مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ اسلامی وفلاحی مملکت

صرف مسلمانوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ نہیں کرتی بلکہ اقلیتوں اور غیر مسلموں کے حقوق کی حفاظت بھی اس کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر اسلامی ریاست میں کوئی مسلمان کسی ذمی کافر کو ناحق قتل کر دے تو اس مسلمان سے قصاص لیا جائے گا اور وہ اس ذمی کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ یہ احترام انسانیت ہے جس کا شریعت نے حکم دیا۔

ترقی پسند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اسلام جمود اور فکر و نظر پر قدغن کا قائل نہیں۔ خوب سے خوب تر کی تلاش پر کوئی پابندی نہیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اسلام مادر پدر آزاد اور بے راہ روی کی زندگی کی اجازت نہیں دیتا۔ مغرب کی وہ ایجادات اور معاشرت کی خوبیاں جو احکام اسلام سے متصادم نہیں ہمیں اختیار کرنی چاہئیں لیکن عریانی و فحاشی اور بے حیائی کو اختیار کرنا ترقی پسند نہیں۔ بدقسمتی سے آج اس شخص کو ترقی پسند سمجھا جاتا ہے جو فحاشی اور بے حیائی کے مظاہر کو درست قرار دیتا ہے۔

تمام پاکستانیوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ قیام پاکستان کے تقاضوں کے مطابق اس مملکت کو ایک فعال، اسلامی، فلاحی اور ترقی پسند ریاست بنانے کے لئے اپنے عمل اور کردار میں تبدیلی لائیں۔ اصلاح معاشرہ کا آغاز فرد کی اصلاح سے کریں۔ خود کو ایک سچے مسلمان کے طور پر پیش کریں تاکہ دنیا ہمارے کردار اور عمل کو دیکھ کر اسلام کے قریب آئے اور اسلام کا مطالعہ انہیں اسلام قبول کرنے پر مجبور کر دے۔

معاشرے سے ظلم و ستم اور استحصال کا خاتمہ رشوت، بدعنوانی اور ہوس زر کا قلع قمع معاشی برائیوں اور بے حیائی و عریانی کی بیخ کنی ہر پاکستانی کی ذمہ داری ہے۔ اگر ہم میں سے ہر شخص اپنی ذمہ داری کو ادا کرے تو پاکستان صحیح معنوں میں ایک فعال، اسلامی، فلاحی اور ترقی پسند ملک بن سکتا ہے۔

• • •

ارباب مدارس کے لئے چند قابل توجہ پہلو

(اجمادی الثانیہ،۱۴۳۲ھ)

اس وقت دینی مدارس جہاں باطل اور کفریہ قوتوں کی آنکھوں میں کھٹک رہے ہیں اور ان کے خلاف سازشوں کے تانے بانے بننے میں مصروف رہتے ہیں، وہیں یہ اللہ رب العزت کا خصوصی فضل وکرم ہے کہ ہمارے بہت سے مخلص اور خیر خواہ بھی ہمہ وقت مدارس دینیہ کے نصاب ونظام کی بہتری کے لئے زبانی، تحریری، بالمشافہ اور بالواسطہ مختلف طریقوں سے اپنی آراء وتجاویز سے نوازتے رہتے ہیں۔ ہماری بھی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اگر کسی کی طرف سے خیر خواہی کے جذبے کے ساتھ کوئی بھی تجویز آئے اس کا نہ صرف یہ کہ خیر مقدم کیا جائے، بلکہ ان آراء وتجاویز کی روشنی میں وفاق المدارس اور دینی مدارس کے معیار تعلیم اور نظام تعلیم کو بہتر بنانے کی سعی کی جائے۔ حال ہی میں مجھے ایک خط موصول ہوا جس میں بہت اہم اور قابل غور پہلوؤں کی طرف توجہ مبذول کروائی گئی، میں سمجھتا ہوں کہ اس خط میں جن امور کا تذکرہ کیا گیا وہ نہ صرف یہ کہ مجھ سے یا وفاق المدارس سے متعلق ہیں، بلکہ تمام اہل مدارس کے لئے لمحہ فکریہ کی حیثیت رکھتے ہیں، ان امور پر عمل درآمد کے سلسلے میں جہاں تک وفاق المدارس سے اور مجھ سے ذاتی طور پر ہو سکے گا، ان شاء اللہ ہم اس کا اہتمام کریں گے، لیکن یہ خط اجمالی تبصروں اور مختصر جوابات کے ساتھ اس لئے قارئین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے تاکہ اس میں ذکر کئے گئے امور پر جو بھی جس حد تک اور جس انداز سے عمل درآمد کروا سکے اور اپنے دائرہ کار اور دائرہ اختیار میں بہتری لا سکے، اسے اس کا اہتمام کرنا چاہئے، خط ملاحظہ فرمائیے:

"بخدمت جناب حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری صاحب دامت برکاتہم، ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ"

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!......اللہ پاک نے محض اپنے فضل سے آپ کو قوتِ گویائی،

مقصد کے حصول کے لئے انتھک محنت کا جذبہ، گہری منصوبہ بندی کی صلاحیت، کام لینے کا طریقہ، علمی رسوخ، اکابر کا اعتماد اور حسن اخلاق جیسی عظیم خوبیوں سے مالا مال کیا ہے، مولانا صاحب! میرے دل میں ایک تڑپ، ایک جذبہ اور ایک فکر ہے، میں خود اپنی گھریلو اور خاندانی مجبوریوں کی وجہ سے کوئی عملی قدم نہیں اٹھا نہیں سکتی، آپ کی صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے اس خط کے ذریعے اس فکر کا آپ کے سامنے اظہار کر رہی ہوں، مجھے امید ہے کہ آپ بہتر انداز میں یہ درد دل اکابر کی خدمت میں ضرور پیش فرمائیں گے۔

1 ......میں معاشرتی زندگی میں مشاہدہ کر رہی ہوں کہ فکری ارتداد کے بعد عملی ارتداد کا آغاز ہو چکا ہے، نص قطعی سے ثابت احکام الٰہی سے کراہت اور ناپسندگی کا اظہار مجالس اور میڈیا پر برملا ہونے لگا ہے جبکہ ہماری صورتحال یہ ہے کہ دینی مدارس سے فارغ ہونے والے ہزاروں طلبہ اور طالبات اجتماعی نصب العین اور مجموعی فکر سے محروم ہیں جس سوسائٹی میں انہیں کام کرنا ہے اور جس معاشرہ کی دینی قیادت کا فریضہ انجام دینا ہے اس کی نفسیات کیا ہیں؟ اس کا اسلوب کلام کیسا ہے؟ ملک وملت کے کیا تقاضے ہیں؟ عالمی حالات کے کیا تقاضے ہیں؟ اپنے مسلک کے بنیادی تقاضے کیا ہیں؟ اور ضمنی ترجیحات کا دائرہ کیا ہے؟ مدرسہ سے فراغت کے بعد عملی زندگی میں کام کا آغاز کیسے کرنا ہے؟ اس کا کچھ علم نہیں اور نہ اس کے لئے کسی بریفنگ کا انتظام ہے، میں تنہائی میں جہاں تک غور کر سکتی ہوں، اس خرابی کی بنیادی وجہ تربیت اساتذہ کا باقاعدہ سسٹم نہ ہونا ہے، استاد میں اجتماعی سوچ منتقل نہیں کی گئی، جو شاگرد جس استاد سے منسلک ہو جاتا ہے، ساری زندگی اسی سوچ کے ساتھ کام کرتا ہے جس کی وجہ سے فکر اور نصب العین میں یکسانیت نہیں، حالانکہ مقصد، فکر اور قول کی وحدت ہی انقلاب کی بنیاد ہوا کرتی ہے، لہٰذا آپ سے اور اکابر سے درخواست ہے کہ شعبہ حفظ اور کتب دونوں کے لئے تربیت اساتذہ کا انتظام وقت کا اہم تقاضا ہے، اس پر اولین فرصت میں توجہ دی جائے۔''

اس تجویز کے سلسلے میں گزارش یہ ہے کہ تربیت اساتذہ کے سلسلے میں وفاق المدارس میں ایک عرصے سے نہ صرف یہ کہ فکر مندی پائی جاتی ہے بلکہ اس پر مشاورت کا سلسلہ بھی جاری ہے، اس حوالے سے مجلس عاملہ اور شوریٰ میں بارہا گفتگو ہو چکی ہے اور امید ہے کہ بہت جلد وفاق المدارس کی طرف سے ملک گیر تربیتِ اساتذہ کا سلسلہ شروع ہو جائے گا، اس کے لئے باقاعدہ نصاب ترتیب دیا جائے گا، وفاق المدارس کے ملتان میں بننے والے نئے سیکریٹریٹ میں

باقاعدہ اس حوالے سے ایک شعبہ قائم کیا جائے گا اور تمام درجات مثلاً حفظ قرآن کریم، ابتدائیہ، ثانویہ، عالیہ اور عالمیہ تمام مراحل کے اساتذہ کے لئے ان کی ضرورت اور علمی سطح کے مطابق کورسز ڈیزائن کئے جائیں گے، ایک تجویز یہ بھی زیر غور ہے کہ جدید فضلاء کے لئے تدریس، امامت وخطابت اور اسلوب دعوت کے حوالے سے باقاعدہ کورس شامل نصاب ہو اور اس کا امتحان دیئے بغیر انہیں سند جاری نہ کی جائے، اس سلسلے میں بعض مقامات پر کورسز کا انعقاد ہو بھی چکا ہے، گزشتہ دنوں لاہور میں ایک کورس ہوا جس میں بعض اہم مدارس کے اساتذہ اور نمائندوں نے شرکت کی، اس کے علاوہ بھی بعض مدارس اپنے طور پر اپنے فضلاء کی تربیت اور تدریب المعلمین کے حوالے سے کام کر رہے ہیں جب تک وفاق المدارس کی طرف سے کوئی حتمی سسٹم تشکیل نہیں پاتا اس وقت تک اس سلسلے کو مزید فعال کرنا چاہئے۔

2 ...... بدگمانی تو حرام ہے مگر حقیقت عرض کر رہی ہوں کہ دینی مدارس کا مالیاتی نظام، خصوصاً مدارس بنات، چھوٹے شہروں اور قصابات کے مدارس، بڑے مدارس کی ذیلی شاخوں کا آمد و خرچ کا سسٹم انتہائی غیر تسلی بخش ہے اور پڑتال کے اصولوں پر ہرگز پورا نہیں اترتا، اگر امت کا یہ اجتماعی مال اسراف اور خیانت سے محفوظ ہو جائے اور تاویلات سے بچ کر صحیح مصرف پر بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت خرچ کیا جائے اور خرچ میں تعلیم اور اساتذہ کو ترجیح دی جائے تو دینی تعلیم کی موجودہ سطح صرف تین سال میں اس سے دوگنا ہو سکتی ہے، وفاق المدارس کی طرف سے اجتماعی مال کی نزاکت اور خرچ کے سلسلے میں مدارس اور مساجد کے منتظمین کے لئے تربیت کا انتظام بہت ضروری ہے، مالیاتی نظام کے سلسلے میں جامعۃ الرشید کراچی اور دارالعلوم کراچی سے استفادہ مفید ہوگا اور شاخوں کے نظام کی اصلاح کے لئے جامعہ امدادیہ فیصل آباد سے مشاورت مفید ہوگی، میری ناقص معلومات کے مطابق شاخوں کے نظام پر ان کی گرفت قدرے بہتر ہے۔

یقیناً یہ ایک بہت ہی اہم پہلو ہے اور جب تک دلوں کی اصلاح نہ ہو اور انسان کے اپنے اندر خوفِ خدا، فکر آخرت اور احتیاط واعتدال نہ ہو تو کسی کی طرف سے اس پر عمل درآمد نہیں کروایا جا سکتا، اس حوالے سے تمام ارباب مدارس کو بہت ہی محتاط طرز عمل اختیار کرنا چاہئے، خیانت، فضول خرچی یا تلا دیلات کا سہارا لے کر وقف مال کے ضیاع کا تو سوال ہی کیا، اس قسم کی تو تہمت اور شبہ تہمت سے بھی بچنا چاہئے، بلکہ میں تو اکثر یہ کہا کرتا ہوں کہ جن اداروں میں دیانت اور احتیاط کا اہتمام ہوتا ہے، وہاں بھی مالی سسٹم پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے، تحریری اور

شفاف شکل میں آمد وخرچ کا مکمل حساب موجود ہونا چاہئے، اس کے ساتھ ساتھ باقاعدہ آڈٹ بھی کروانے کا اہتمام کرنا چاہئے، اگر کسی علاقے میں کسی مسجد یا مدرسہ سے متعلق کسی فرد کے بارے میں مالی بے ضابطگی کی شکایت ہو تو ایسا شخص تمام ارباب مدارس کے چہرے پر بدنما داغ اور سب کی بدنامی کا باعث بنتا ہے، اس لئے اس علاقے کے مقتدر، بزرگ اور جید علمائے کرام کو خصوصی توجہ اور شفقت کے ساتھ اسے سمجھانے کا اہتمام بھی کرنا چاہئے اور اس کے خلاف بھرپور ایکشن بھی لینا چاہئے، وفاق المدارس کی طرف سے بھی اس سلسلے میں کچھ ہدایات مرتب کی جارہی ہیں اور انشاء اللہ عنقریب تمام اضلاع کے مسؤلین کو از سرنو اپنے اضلاع کے مدارس دینیہ کا تمام پہلوؤں سے جائزہ لینے اور قابل اصلاح امور کے حوالے سے مذاکرہ کرنے کا ٹاسک سونپا جائے گا، اس میں صرف مالی نظم ہی نہیں بلکہ معیار تعلیم وتربیت سمیت دیگر امور کے حوالے سے رپورٹ تیار کر کے مرکز کو ارسال کرنے کی ہدایات جاری کی جائیں گی تاکہ ان رپورٹس کی روشنی میں اصلاح کا عمل سرانجام دیا جاسکے۔

3 ......امام بخاری نے قرنِ اول کے گمراہ فرقوں کا رد کرنے کے لئے مختلف ابواب قائم کئے ہیں، یہ تمام فرقے یونانی فلسفہ کی پیداوار تھے، آج کے دور کے تمام فرقے جو عقائد اور احکام کی غلط تعبیرات، میڈیا کے زور پر نسل در نسل منتقل کر رہے ہیں وہ سب مغربی فلسفہ حیات کی پیداوار ہیں، لہٰذا جیسے قرنِ اول کے اہل علم نے یونانی فلسفہ پر عبور حاصل کر کے ان کا رد کیا، آج کے دور میں مغربی فلسفہ کا گہرا مطالعہ کر کے ان کی اصلاحات اور اردو زبان میں ان گمراہ تعبیرات کا رد کرنا بہت ضروری ہے اور مغربی فلسفہ تک رسائی کا واحد ذریعہ انگریزی زبان کا معیاری ذوق ہے، لہٰذا آپ سے گزارش ہے کہ مغربی فلسفہ سے پیدا ہونے والے مسائل کی ایک فہرست تیار کر لی جائے، چند ماہ بعد پورے ملک میں ختم بخاری شریف کے اجتماعات میں آپ کے بیانات کا سلسلہ شروع ہونے والا ہے، اس سال آپ مغربی فلسفہ سے پیدا ہونے والے مسائل کا بہتر انداز میں حل پیش فرمائیں اور ذی استعداد علماء کو اس طرف متوجہ کریں۔

اس تجویز میں جن امور کی طرف توجہ مبذول کروائی گئی ہے، وہ تمام امور ہی بہت اہمیت کے حامل ہیں، جہاں تک زبان کا معاملہ ہے اس سلسلے میں انگریزی زبان کی ضرورت واہمیت سے تو انکار کیا ہی نہیں جاسکتا، اس سلسلے میں اب مختلف اداروں میں اللہ کے فضل وکرم سے کام کا آغاز ہو چکا ہے، اگرچہ اس میں بھی بہت سی بہتری اور تیزی کی ضرورت ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ صرف

انگریزی ہی نہیں، بلکہ اس وقت دنیا کے مختلف خطوں میں جو بھی بڑی بڑی زبانیں بولی جاتی ہیں ان پر علمائے کرام کو ضرور عبور حاصل ہونا چاہئے اور اگر ان زبانوں میں مہارت تامہ حاصل نہ بھی کی جا سکے تو کم از کم تبادلہ خیال اور اظہار مافی الضمیر اور دعوتی مقاصد کے لئے جس حد تک زبان دانی کی ضرورت ہے، اس پر خصوصی توجہ کی ضرورت ہے، باقی مغربی فلسفہ اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسائل ایک ایسا موضوع ہے جو مستقل تخصص کی حیثیت اختیار کر گیا ہے، اس حوالے سے اللہ تعالیٰ نے جن حضرات کو مہارت اور فرصت عطا فرمائی ہے انہیں اس پر مستقل محنت کرنی چاہئے اور اس حوالے سے شعور و آگہی، کتب و لٹریچر اور خطبات و محاضرات کا بندوبست کرنا چاہئے۔

4 ......حضرت مجدد الف ثانی کے طریقہ عمل سے خواص کی اصلاح ہوئی اور دین صدیوں کے لئے محفوظ ہو گیا، اسی طریقہ عمل کو دوبارہ زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔ جس کی عملی صورت یہ ذہن میں آتی ہے کہ ہر صوبے میں کم از کم تین سنجیدہ علماء دینی معاملات کے سلسلے میں ارکان اسمبلی سے ملاقات کرتے رہیں اور علماء کی طرف سے کلیدی اسامیوں پر فائز بیوروکریسی سے ملاقات اور خطوط کا سلسلہ جاری رہے اور ان حضرات کو دینی مدارس اور دینی ماحول میں لانے کی کوشش کی جائے، اس سے بہت سی مشکلات ختم ہوں گی اور اسمبلی میں اگر موافقت کی فضا نہ پیدا ہوئی تو کم از کم مخالفت نہ ہو گی، اس سلسلے میں اگر آپ ہر ماہ ایک دو دن فارغ کر کے مولانا طارق جمیل صاحب کے ہمراہ ترتیب قائم فرمالیں تو اچھے نتائج کی توقع ہے اور دوسرے اہل علم کو بھی حضرت مجدد کے اس طرز عمل کی طرف متوجہ کیا جائے۔

یہ واقعی بہت قابل غور پہلو ہے جس کا ہم اپنے طور پر ٹوٹا پھوٹا اہتمام کرتے ہیں لیکن اس معاملے پر ہم سب کو اجتماعی طور پر توجہ دینی چاہئے، مرکزی سطح پر ہو یا علاقائی سطح پر، تمام خواص کے ساتھ موثر اور مسلسل رابطے از حد ضروری ہیں، البتہ یہ روابط و تعلقات بالکل بے لوث، خواص کی خیر خواہی اور دینی مفاد پر مبنی ہونے چاہئیں، اس محنت کے دوران کسی چھوٹے بڑے اور کسی بھی شعبے سے تعلق رکھنے والوں کو نظر انداز نہیں کیا جانا چاہئے۔

5 ......قرآن کریم تمام علوم کا منبع اور بنیاد ہے، حدیث کی رو سے اہل قرآن اللہ کے V.I.P ہیں، مدارس میں پڑھائے جانے والے تمام علوم قرآن کے خادم ہیں، مگر یہ حقیقت ہے کہ دینی مدارس میں عملی طور پر قرآن کے خادموں کو وہ مقام حاصل نہیں، جو دوسروں علوم پڑھانے والوں کو

حاصل ہے، شعبہ حفظ وناظرہ دینی مدارس کی نرسری ہے، اس پر خصوصی توجہ کی ضرورت ہے، جس کی عملی صورت یہ ہے کہ قرآن کی درسگاہ خوبصورت اور صاف ہو، تعلیم قرآن کے ساتھ بنیادی دینی تعلیم کا باقاعدہ نصاب مقرر کیا جائے، استاد تربیت یافتہ ہو، بنیادی طریقہ تعلیم اور بچوں کی نفسیات سے واقف ہو، اس شعبہ میں کام کتب کے شعبہ کی نسبت بہت زیادہ ہے، لہٰذا مشاہرہ اتنا ضرور ہو کہ متوسط درجے کا گزر اوقات سہولت سے ہو سکے، حفظ کا شعبہ رمضان المبارک میں بھی جاری رہتا ہے، اس لئے حفظ کے اساتذہ کو ایک تنخواہ زائد دی جائے۔

شعبہ حفظ کی بہتری کے حوالے سے وفاق المدارس کے پیش نظر کئی امور ہیں، جن پر مشاورت اور کام جاری ہے، ابھی چند دن قبل ہی جامعہ اشرفیہ لاہور میں اس سلسلے میں چار گھنٹے مشاورت ہوئی اور مزید بھی اس پر محنت ہو رہی ہے لیکن یہاں میں ایک اور بات کی وضاحت کر دوں کہ ہمیں ہر معاملے میں اس بات انتظار نہیں کرنا چاہئے کہ وفاق المدارس کی طرف سے کوئی ہدایات آئیں گی تو ان کی روشنی میں ہم بہتری لائیں گے یا وفاق المدارس ہی تمام کمزوریوں کی تلافی کا اہتمام کرے، بلکہ ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ جس سے جس قدر ہو سکے وہ اصلاح احوال کا اہتمام کرے، اس طرح ان شاء اللہ بہت جلد بہتری اور تبدیلی کے امکانات ہیں۔

6 ...... ایک عام مسلمانوں کے لئے جتنی مقدار میں دینی تعلیم کی ضرورت ہے عصری مضامین کے ساتھ میٹرک تک اس کا مکمل ہونا ضروری ہے، دینی مدارس بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں، سوال یہ ہے کہ اگر اسلامی مملکت کا تعلیمی شعبہ علماء کے سپرد کر دیا جائے تو کیا ایسا جامع نصاب موجود ہے جو پورے ملک میں بلاتفریق نافذ کیا جائے، لہٰذا ضرورت ہے کہ وفاق سے منسلک مدارس اپنی نگرانی میں یہ نصاب شروع کرائیں تاکہ زندگی کے ہر شعبے میں بنیادی دینی فکر رکھنے والے افراد موجود ہوں، یہی افراد انقلاب کی بنیاد بنا کرتے ہیں۔

یہ بہت اہم اور بنیادی شعبہ ہے اس پر تمام حضرات کو اپنی توانائیاں لگانی چاہئیں، عصری اور دینی تعلیمی اداروں کے قیام کا زیادہ سے زیادہ اہتمام ہونا چاہئے لیکن اس میں معیار کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہئے، اس شعبے کے تقاضوں، والدین کی توقعات، بچوں کی نفسیات سمیت تمام امور کو مدنظر رکھتے ہوئے اس میدان میں کام کرنا چاہئے۔

7 ...... دینی مدارس کے عربی ادب کے نصاب میں زمانہ جاہلیت کے ادب کا کافی ذخیرہ موجود ہے مگر قصیدہ بردہ شریف جیسا حسین شہ پارہ جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پیدا ہوتی ہے،

اسے نصاب کا حصہ نہیں بنایا گیا، خصوصاً بنات کے نصاب میں اسے ضرور جگہ دی جائے، اگر آپ اس کی کوشش فرمالیں تو یہ بہت بڑا صدقہ جاریہ ہوگا اور عربی ادب کی ضرورت بھی پوری ہو جائے گی، مقامات کا کچھ حصہ کم کر کے اسے جگہ دی جاسکتی ہے۔

یہ تجویز نصابی کمیٹی تک پہنچادی جائے گی، ان شاء اللہ...... اللہ رب العزت مدارس دینیہ کی بہتری اور فلاح و بہبود کے لئے فکر کرنے پر ہماری اس بہن کو اپنی شان کے مطابق جزائے خیر عطا فرمائیں اور ہم سب کو ان تجاویز پر عمل درآمد کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آمین

• • •

وزیراعظم سید یوسف رضا گیلانی سے ایک اہم ملاقات

(۷ رجب ۱۴۳۲، جون، ۲۰۱۰)

وزیراعظم پاکستان سید یوسف رضا گیلانی سے ہماری پرانی یاداللہ ہے۔ ایک ہی شہر سے تعلق کی وجہ سے گیلانی صاحب سے دیرینہ مراسم ہیں۔ ان سے ملاقاتیں تو کوئی نئی بات نہیں لیکن جن حالات اور جس ماحول میں گزشتہ روز وفاق المدارس کے ایک وفد کے ہمراہ وزیراعظم سے ملاقات ہوئی وہ خاصی اہمیت کی حامل ہے۔ اس ملاقات میں چونکہ مدارس دینیہ کے حوالے سے، جنوبی پنجاب کے مسائل اور دیگر کئی قومی ایشوز پر تبادلہ خیال ہوا اس لئے اس ملاقات کی تفصیلات سے قارئین کو آگاہ کرنا ضروری ہے۔

وزیراعظم سے ملاقات کے دوران ہمارے سترہ رکنی وفد میں مولانا نجم الحق، مولانا محمد نواز، مولانا عبدالحق مجاہد، مولانا ارشاد احمد، مولانا زبیر احمد صدیقی، مولانا محمد طیب حنفی، مفتی ظفر اقبال، قاری محمد میاں، مولانا عبدالرحمٰن جامی، مولانا پروفیسر محمد مکی، مولانا عبدالمجید، مفتی خالد محمود، مولانا مفتی مظہر شاہ، مولانا خلیل الرحمٰن درخواستی، مولانا عامر فاروق اور قاری امان اللہ شامل تھے۔ رسمی گفتگو کے بعد دینی مدارس کے کردار و خدمات کے حوالے سے بات چیت کا آغاز ہوا تو میں نے وزیراعظم سے کہا کہ اپنے خاندانی، علاقائی، سیاسی اور شخصی پس منظر کے حوالے سے آپ مدارس کے کردار و خدمات سے تو بخوبی واقف ہیں لیکن ہم جس پہلو کی طرف آپ کی توجہ مبذول کروانا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ مدارس دینیہ کے خلاف بالکل بے بنیاد پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے، مدارس پر دہشت گردی میں ملوث ہونے کے جھوٹے الزامات عائد کئے جاتے ہیں۔ جب سے مدارس پر ان الزامات کا سلسلہ شروع ہوا اس وقت سے ہم مسلسل کہہ رہے ہیں کہ بے بنیاد پروپیگنڈے اور جھوٹے الزامات کی بنیاد پر اہل مدارس پر عرصہ حیات تنگ نہ کیا جائے لیکن ہماری کسی نے نہیں سنی اور ان الزامات کا دائرہ وسیع ہوتے ہوتے اب صورتحال یہ ہے کہ ہماری حکومت، ہماری فوج،

آئی ایس آئی اور دیگر حساس ادارے حتیٰ کہ پوری قوم طرح طرح کے الزامات کی زد میں ہے۔
اگر ہم پہلے مرحلے پر ہی مدارس کے بارے میں الزامات اور پروپیگنڈے کو مسترد کر دیتے اور مدارس کے کردار و خدمات کا دفاع کرتے تو نوبت یہاں تک نہ آتی۔ اس پر وزیر اعظم نے کہا کہ "ہم مدارس دینیہ کے کردار و خدمات کے تہہ دل سے معترف ہیں اور ان اداروں کو دین اسلام کی اشاعت کے مراکز سمجھتے ہیں۔ مدارس کے بارے میں پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں پر یقین نہیں رکھتے اور ارباب مدارس کے ساتھ مفاہمت اور باہمی تعاون کے خواہاں ہیں۔"

اس موقع پر ہم نے زبانی اور تحریری طور پر وزیر اعظم کے سامنے جو معروضات اور مطالبات پیش کیے وہ حسب ذیل ہیں:

● ...... دینی مدارس کے بارے میں حکومتی پالیسیوں کو صحیح ٹریک پر لایا جائے۔ ان پالیسیوں کو مذہبی بنیادوں پر استوار کیا جائے اور ان میں مفاہمت، خیر خواہی اور گفت و شنید کا عنصر شامل کیا جائے کیونکہ بعض اوقات اہل مدارس یہ محسوس کرتے ہیں کہ مدارس کے بارے میں حکومتی پالیسیاں یا تو بیرونی ہدایات و خواہشات کے زیر اثر ہیں یا پھر مخالفت و مخاصمت پر مبنی ہیں۔ یہ پالیسیاں اہل مدارس کے ساتھ امتیازی سلوک اور دھونس و دباؤ کے گرد گھومتی ہیں حالانکہ آپ کی حکومت اور آپ کی پارٹی کی جو قومی مفاہمت کی پالیسی ہے اس کے تحت بھی یہ لازمی امر ہے کہ مدارس دینیہ اور مدارس سے منسلک مذہبی طبقے کے ساتھ بھی وہی مفاہمانہ رویہ روا رکھا جائے۔

● ...... دینی مدارس چونکہ تعلیمی ادارے ہیں، اس لئے مدارس کے معاملات اور پانچوں مکاتب فکر کے مدارس کی نمائندہ تنظیموں پر مشتمل اتحاد کے مذاکرات وغیرہ کے امور وزارت داخلہ یا کسی اور وزارت کی بجائے وزارت تعلیم کے سپرد کیے جائیں۔

● ...... اب تک وزارت داخلہ اور دیگر حکومتی اداروں کے ساتھ ہونے والے مذاکرات اور معاہدات پر عملدرآمد کو یقینی بنایا جائے۔

● ...... ایسے غیر ملکی طلباء جن کے پاس این او سی اور دیگر جملہ مطلوبہ دستاویزات موجود ہوں ان کی مدارس میں داخلوں اور پاکستان آمد میں رکاوٹ نہ ڈالی جائے۔

● ...... طے شدہ معاہدوں کے تحت مدارس پر بلاوجہ چھاپوں اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کی بے جا آمد و رفت بند کی جائے۔ اگر کسی مدرسہ کے کوائف مطلوب ہوں یا کسی مدرسہ کی انتظامیہ یا طلباء میں سے کسی کے بارے میں کوئی شکایت ہو تو ٹھوس ثبوتوں کے ساتھ وفاق

المدارس سے رجوع کیا جائے۔ براہ راست اور بلاوجہ کے چھاپوں، آئے روز کی کوائف طلبی اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کی بے جا مداخلت کی وجہ سے باہمی اعتماد کو بھی ٹھیس پہنچتی ہے اور حکومت اور مذہبی طبقے کے درمیان محاذ آرائی کی فضا بھی پیدا ہوتی ہے جو اس نازک دور میں بہت تشویشناک اور خطرناک ہے۔

- ......ملک بھر میں اہل مدارس قیام امن اور استحکام پاکستان کے لئے قانون نافذ کرنے والے اداروں سے ہر ممکن تعاون کر رہے ہیں بالخصوص شورش زدہ علاقوں میں مدارس کی انتظامیہ کا تعاون مثالی ہے۔ اس لئے آپریشن سے متاثرہ اضلاع میں طلباء کے تعلیمی سلسلے میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ ڈالی جائے اور نہ ہی اقامتی مدارس کو ختم کرنے کے احکامات جاری کئے جائیں۔
- ......بعض یونیورسٹیاں اور دیگر سرکاری ادارے مدارس کی شہادۃ العالمیہ (مساوی ایم اے) کی ایچ ای سی سے منظور شدہ سند کو عملاً تسلیم نہیں کرتے اور مدارس کے طلباء کے ساتھ امتیازی سلوک روا رکھتے ہوئے مدارس کے فضلاء کے لئے تعلیم اور ملازمت کے دروازے بند کر دیتے ہیں۔ اس صورتحال کا نوٹس لیا جائے اور سند کی تسلیم شدہ حیثیت کو عملاً بھی منوایا جائے۔
- ......طالبات کی عالمیہ کی سند کو بھی طلباء کی طرح ایم اے کے مساوی تسلیم کیا جائے۔
- ......دینی مدارس کے خلاف میڈیا کے پروپیگنڈے کا نوٹس لیا جائے۔ بالخصوص جنوبی پنجاب سے تعلق اور یہاں کے حالات اور کلچر سے اچھی طرح آگاہی کی بناء پر اس خطے کے مدارس کے بارمیں بے بنیاد میڈیا مہم کے اثرات زائل کرنے کے لئے اقدامات کئے جائیں۔ خصوصی طور پر ایسے ڈراموں، فلموں، رپورٹوں، ٹاک شوز اور دیگر نشریاتی مواد پر پابندی عائد کی جائے جو مدارس کے بارے میں بے بنیاد مفروضوں، غلط اطلاعات اور جھوٹے الزامات پر مبنی ہو۔

وزیراعظم نے ہمارے تمام مطالبات کو انتہائی توجہ اور انہماک کے ساتھ سنا اور فوری طور پر تمام مطالبات کی منظوری دیتے ہوئے ہدایات جاری کیں۔ انہوں نے وزیر داخلہ سے کہا کہ وہ مدارس کی قیادت کو اعتماد میں لیں، بالخصوص مدارس اور حکومت کے مابین طے شدہ معاہدوں پر عملدرآمد کی فوری حکمت عملی وضع کی جائے اور آئندہ کے لئے مدارس کے بارے میں جملہ مذاکرات و معاملات میں وزارت تعلیم کے ذمہ داران اور عہدیداران کو بھی شامل کیا جائے۔ وزیراعظم نے ملک کے مختلف علاقوں میں مدارس پر بلاجواز چھاپوں اور کوائف طلبی کے نام پر اہل مدارس کو ہراساں کرنے کا بھی سختی سے نوٹس لیا اور کہا کہ اس قسم کے اشتعال انگیز اقدامات سے

گریز کیا جائے اور مدارس کے جملہ معاملات افہام وتفہیم اور وفاق المدارس کو اعتماد میں لے کر حل کئے جائیں۔ وزیراعظم نے وفاق المدارس کے وفد کو یقین دہانی کروائی کہ این او سی اور مطلوبہ دستاویزات کے حامل غیر ملکی طلباء کی پاکستان آمد اور داخلوں میں کسی قسم کی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ تمام سرکاری اداروں بالخصوص تعلیمی اداروں کو اس بات کا پابند بنایا جائے گا کہ وہ مدارس کی درجہ عالمیہ کی سند کو ایم اے کے مساوی تسلیم کریں اور مدارس کے فضلاء کے ساتھ امتیازی سلوک نہ کریں۔ انہوں نے آپریشن سے متاثرہ علاقوں کے مدارس کے تعلیمی عمل اور اقامتی مدارس کے حوالے سے کسی قسم کی رکاوٹ نہ ڈالنے کا بھی وعدہ کیا۔

اس موقع پر دینی مدارس کے مسائل و مشکلات کے علاوہ بھی چند قومی اور مذہبی نوعیت کے امور زیر بحث آئے۔ ایک تو ہم نے یہ مطالبہ کیا کہ اٹھارویں ترمیم کے تحت وزارت تعلیم کی صوبوں کو منتقلی وفاق پاکستان اور قومی ہم آہنگی کے منافی ہے اس لئے کم از کم نصاب سازی کا عمل وفاقی سطح پر ہی سرانجام دیا جانا چاہئے۔ وزیراعظم نے اس مطالبے پر بھی سنجیدگی سے غور کرنے اور اسے تسلیم کرنے کا عندیہ دیا۔ اس کے علاوہ جنوبی پنجاب کے حوالے سے ایک اہم عوامی اور مذہبی مسئلے کی طرف وزیراعظم کی توجہ مبذول کروائی گئی کہ سرکاری اور پرائیویٹ حجاج کرام کی بڑی تعداد جنوبی پنجاب سے تعلق رکھتی ہے اور انہیں لاہور، کراچی اور اسلام آباد جاتے ہوئے کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لئے ملتان میں حجاج کمپلیکس قائم کیا جائے۔ وزیراعظم نے ان دونوں امور کا بھی فوری اعلان فرمایا۔

یوں مجموعی طور پر یہ ملاقات انتہائی خوشگوار اور کامیاب رہی۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ وزیراعظم کی طرف سے تسلیم کئے گئے تمام مطالبات، ان کے جملہ وعدوں اور ان کی تمام یقین دہانیوں پر عملدرآمد کو یقینی بنایا جائے اور ریاست کے تمام کل پرزے بالخصوص بیوروکریسی اور قانون نافذ کرنے والے ادارے اس ملاقات کی روشنی میں مدارس کے بارے میں درست نہج پر اپنی پالیسیاں تشکیل دیں۔ ان وعدوں اور ارادوں کی تکمیل کے راستے میں رکاوٹ ڈالنے کی بجائے ان پر عملدرآمد کو یقینی بنائیں تب ان شاء اللہ اس ملک کی تقدیر بدل سکتی ہے۔

• • •

مدارس دینیہ......تاریخ ساز علمی ادارے

جامعہ فاروقیہ شجاع آباد ملتان میں منعقدہ تحفظ دینی مدارس کانفرنس سے خطاب

ہم پاکستان بنانے والوں کی اولاد ہیں......ہم ملکی سلامتی کی وجہ سے بہت زیادہ خاموش ہیں۔ بولتے نہیں ہیں۔ ورنہ ہم نے بولا تو آپ کو جواب دینا مشکل ہو جائے گا۔ ہمیں ملک کا مفاد عزیز ہے۔ ہم نے اس ملک کے لئے خون دیا ہے اور آئندہ بھی دیں گے۔ ہم پاکستان بنانے والوں کی اولاد ہیں، اس پاکستان کا پہلا جھنڈا شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے لہرایا، قائد اعظم مرحوم سے پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ پاکستان بنانے کی تحریک میں کوئی مولوی بھی ہے؟ قائد اعظم نے جواب دیا، میرے ساتھ ایک ایسا عالم ہے کہ اگر پورے برصغیر کے علماء کا علم ایک پلڑے میں رکھا جائے اور اس کا علم ایک پلڑے میں رکھا جائے، اس اکیلے کے علم کا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔ پوچھا گیا، قائد اعظم وہ کون؟......کہا، مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ۔ یہ قائد اعظم نے کہا۔ جب پہلی پرچم کشائی آئی ڈھاکہ میں اور کراچی میں، قائد اعظم نے کہا، میں نہیں لہراؤں گا، یہاں علامہ شبیر احمد عثمانی اور ڈھاکہ میں مولانا ظفر احمد عثمانی جھنڈا لہرائیں گے، یہ دونوں ہمارے بزرگوں میں سے ہیں۔ یہ قائد اعظم کا اقرار و اعلان تھا کہ اگر یہ علماء میرے ساتھ نہ ہوتے تو پاکستان نہ بنتا۔

پاکستان ہمارا پیارا ملک...... پاکستان کے پہلے آئین کی بنیاد، قرارداد مقاصد، تمام مکاتب فکر کے علماء نے مہیا کی ہے، پاکستان کو قبلہ آئین کے اعتبار سے ان علماء نے دیا ہے اور یہ قائد اعظم کا اقرار ہے، میرے دادا حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ نے اس فتوے پر دستخط کئے تھے جو پاکستان کے قیام کی تحریک کا فتویٰ تھا اور انہوں نے اس قراردادِ مقاصد کو مرتب کیا تھا، جس کے لئے کراچی میں ہر مکتب فکر کی ٹیم اکٹھی ہوئی تھی اور انہوں نے پہلی دستور ساز اسمبلی کے لئے قراردادِ مقاصد تیار کی تھی، میرے دادا اس قراردادِ مقاصد کو مرتب کرنے والوں میں شامل ہیں۔

ہم پاکستان بنانے والوں کی اولاد ہیں، ہمیں یہ ملک عزیز ہے، کوئی اس ملک کا چاچا ماما، ملک کا

ٹھیکیدار ہم سے زیادہ نہ بنے، کسی کو اپنی سیاست کے لئے، تجارت وصنعت کے لئے ملک عزیز ہوگا، مگر وہ بھی میری طرح بہت سارے ہوں گے، جو کہتے ہیں کہ سیاست تجارت بعد میں ہے، ملک پہلے ہے۔ ملک ہوگا تو سیاست تجارت بھی ہے، صنعت بھی ہے، مدرسہ بھی ہے، مسجد بھی ہے، مولوی بھی ہے، اس لئے ہمیں سب سے زیادہ عزیز اپنا پاکستان ہے۔ اپنا ملک ہمیں پیارا ہے۔ ہم اپنے بچوں میں حب الوطنی کا جذبہ بھرتے ہیں اور میں نے کہا، خاکم بدہن، اگر پاکستان پر بُرا وقت آیا تو آپ کو یہ بچے اور طلباء فوج سے آگے نظر آئیں گے، پیچھے نہیں آئیں گے، انشاء اللہ یہ نظریاتی سرحدوں کے بھی محافظ ہیں، اور یہ جغرافیائی سرحدوں کے بھی محافظ ہیں۔

مدارس کی خدمات قابل ستائش ہیں...... آج ہم نے آپ کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کیا ہے، آپ سروے کرائیں کہ کسی تھانے میں، کسی مدرسے کے خلاف پورے سال میں کوئی پرچہ درج ہوا ہے؟ کوئی ایف آئی آر درج ہوئی ہے؟ اور پوچھیں اپنے تھانے سے کہ تم سب سے زیادہ پرسکون کن لوگوں سے ہو؟ آج تک انہوں نے بسوں کے ڈرائیوروں کے گریبان نہیں پکڑے، آج تک ان کے ہاتھ اپنے استادوں کے گریبان تک نہیں پہنچے، آج تک کسی مدرسے کو کھلوانے کے لئے کسی پولیس کو بلوانا نہیں پڑا، کراچی یونیورسٹی پر کتنا عرصے تک رینجرز اور پولیس کا پہرہ رہتا ہے، پھر تم اس مدرسے کے خلاف چڑھائی کیوں کرتے ہو؟ دن رات اس کو بدنام کیوں کرتے ہو؟ چاہئے تو یہ تھا کہ پوری قوم ان کو سلام کرتی کہ تم نے پاکستان کو قرآن کا حافظ دیا ہے، قرآن کا قاری دیا ہے، تم نے اس کو دین کا عالم دیا ہے، تم نے اس کو پاکستان کی حفاظت کے لئے جان دینے والا دیا ہے، تم نے یہاں ایک چھت کے نیچے سرائیکی، غیر سرائیکی، پنجابی، پٹھان، بلوچی کو پڑھا کر قومی وحدت کو فروغ دیا ہے، تم نے عورتوں میں تعلیم کو عام کیا ہے، تم نے غریبوں کے بچوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کیا ہے، تم نے پچیس لاکھ کے کھانے پینے، روٹی، کپڑے، مکان کا خرچہ اٹھایا ہے، اور تم نے اپنی مدد آپ کے تحت اسلام کی روایات اور تہذیب کو برقرار رکھا ہے، تم مغربی دنیا کے ایجنڈے کے مقابلے میں کھڑے ہو، چاہئے تو یہ تھا کہ قوم ہمیں سلام کرتی مگر ہماری کردار کشی کی جارہی ہے۔

پاکستان کے اسلامی آئین کی حفاظت ضروری ہے...... یاد رکھئے کہ اس وقت عالمی قوتوں کا ہدف پاکستان کا آئین ہے، پاکستان کے آئین کو وہ سیکولر بنانا چاہتے ہیں، اس کے آئین سے اسلام کو نکالنا چاہتے ہیں، اس کے آئین سے اسلامی دفعات کو نکالنا چاہتے ہیں، یہ آپ قومی نمائندوں کا سب سے زیادہ فرض ہے کہ آپ اسلام کا، جو اسلام آئین میں ہے، اس آئین کا تحفظ

کریں اور سب سے بڑی ذمہ داری پیپلز پارٹی پر آتی ہے اور باقی تمام جماعتوں پر بھی یہ ذمہ داری آتی ہے، کیونکہ بھٹو کے دور میں یہ آئین ۷۳ء کا منظور ہوا تھا، بڑی محنت سے تمام پارٹیوں نے باہمی تعاون سے اس کو بنایا تھا۔

پاکستان اسلام کے لئے...... آج یہ آواز اٹھ رہی ہیں کہ اس ملک کو سیکولر بنایا جائے، مذہب کا ریاست سے کیا تعلق ہے؟ اور اس کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان نہیں، صرف جمہوریہ پاکستان ہونا چاہئے۔ اس کے آگے آپ کو اور مجھے بھی دیوار بننا ہے۔ اس لئے کہ ہمارے لاکھوں لوگوں نے قربانیاں دی تھیں، اسلام کے لئے، پاکستان کا مطلب کیا، لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ...... آج ہم جن لوگوں کو کہتے ہیں کہ اسلام کے لئے ہتھیار نہ اٹھاؤ، اسلام کے لئے مسلح جدوجہد نہ کرو، قانون ہاتھ میں نہ لو تو ہماری دلیل یہ ہوتی ہے کہ یہ حکمران غلط ہو سکتے ہیں مگر پاکستان کا آئین غلط نہیں ہے۔ آئین اسلامی ہے اگرچہ حکمرانوں نے اس کو نافذ نہیں کیا۔ اس لئے تم حکمرانوں کے خلاف اگر اٹھو گے یہ ریاست کے خلاف ہوگا، ہم آئینی جدوجہد، پرامن جدوجہد کے ذریعے اسلامی نظام کو لائیں گے، ہم کسی مسلح جدوجہد کی حمایت نہیں کریں گے، کیونکہ پاکستان کا آئین اس ملک میں اسلام کی بالادستی کا آئین بنتا ہے۔ پاکستان کا آئین ہدف ہے اور پاکستان کا ایٹمی پروگرام دشمنوں کا ہدف ہے۔ اس کا ایٹم بم ان کی نظر میں ہے، اس لئے کہ واحد اسلامی ملک ہے۔

دشمنوں کا ہدف پاکستان کا ایٹم بم...... میں نے پرسوں وزیراعظم کی موجودگی میں اسلام آباد میں کہا کہ پاکستان کا امن واستحکام صرف سترہ کروڑ پاکستانیوں کی ضرورت ہی نہیں ہے، پچیس سے تیس کروڑ ہندوستان کے مسلمانوں کی بھی ضرورت ہے اور پورے عالم اسلام کی بھی ضرورت ہے کیونکہ میں کئی ملکوں میں گیا ہوں، میں ایک دن مراکش میں تھا، وہاں کے کنگ کی دعوت پر پوری دنیا کے مسلمان مفکر دانشور آئے تھے، میرا تعارف ہوتا، میں پاکستانی ہوں، وہ فوراً پاکستان کے لئے دعائیں کرتے اور مجھے مصر کے ایک سابق وزیر نے کہا، ہم جتنا مصر کا استحکام چاہتے ہیں، اتنا پاکستان کا استحکام چاہتے ہیں، ہم میں سے کسی کے پاس ایٹم بم نہیں ہے، پاکستان کے پاس ایٹم بم ہے۔ یہ پوری امت مسلمہ کی امانت ہے۔ یہ ایٹم بم پاکستان کا عالمی قوتوں کا نشانہ اور ہدف ہے اور تیسرا پاکستان کی جذبے سے جوان، بھرپور فوج جو دشمنوں کا ہدف ہے، اتنی مضبوط فوج کسی کے پاس نہیں ہے۔ یہی جذبے والی فوج جو جذبۂ جہاد سے سرشار ہو کر لڑتی ہے۔

جہاد کی تعلیم اور ٹریننگ...... ضمناً بات آئی، وقت زیادہ ہو گیا، میں بات بھی ختم کرتا ہوں، ایک

دفعہ باہر کی پریس کا ایک نمائندہ آیا، مجھ سے بڑا لمبا انٹرویو کیا، مجھے بار بار کہے، مولانا آپ مدرسے میں جہاد کی تعلیم دیتے ہیں؟ میں نے کہا، دیتے ہیں۔ تو کہتا ہے کہ اگر حکومت سے کہے کہ آپ اپنے مدرسوں میں جہاد کی تعلیم نہ دیں تو آپ مان لیں گے؟ میں نے کہا، حکومت سے ہمارے مذاکرات دن رات چل رہے ہیں، آج تک انہوں نے کبھی ہم سے نہیں کہا۔ کہنے لگا، اگر اب کہیں؟ میں نے کہا، آپ نے مشورہ دیا ہے......؟؟ خاموش ہو گیا۔ میں نے کہا کہ ہمیں آج تک حکومت نے نہیں کہا کہ آپ مدرسے میں جہاد نہ پڑھائیں اور حکومت کیسے کہے گی، صرف ہم نہیں پڑھاتے، یہ تو اسکولوں میں بھی پڑھایا جاتا ہے۔ جہاد کا سبق اور اس کا چیپٹر تو اسکول اور کالج کی تعلیم میں بھی موجود ہے۔ سورۃ ممتحنہ، سورۃ توبہ نصاب میں شامل ہیں، وہاں بھی جہاد کے احکامات آتے ہیں۔ پھر بار بار مجھ سے کہے، تو میں نے اس کو کہا، اس زمانے میں پرویز مشرف پریزیڈنٹ تھے، میں نے کہا، یار بات سنو، ہم جہاد کی تعلیم دیتے ہیں، تھیوری پڑھاتے ہیں، جہاد کی ٹریننگ نہیں دیتے، اور جہاد کی تعلیم بطور علم، بطور تحقیق یہ کوئی بری بات نہیں۔ اگر تمہاری یونیورسٹیوں میں ایٹم بم بنانے کا طریقہ پڑھایا جاتا ہے، آپ کہیں گے کہ آپ دہشت گردی کی تعلیم دے رہے ہیں؟ آپ کہیں گے...... یہ تو تھیوری ہے، ایک علم ہے، یک نالج ہے، یہ تو آنا چاہئے۔ میں نے کہا، جس طرح دنیا کے ادارے ایٹم بم بنانے کے طریقے پڑھائیں وہ غلط نہیں، اگر ہم جہاد کی تعلیم دیں تو وہ بھی غلط نہیں۔ ہم تھیوری پڑھاتے ہیں جہاد کی ٹریننگ نہیں دیتے۔ پرویز مشرف آپ کے دوست ہیں؟ کہتا ہے ہاں، امریکہ کے دوست ہیں۔ میں نے کہا، پرویز مشرف کو امریکا اپنا دوست سمجھتا ہے۔ مدرسوں والے مولوی تو صرف جہاد پڑھاتے ہیں، پرویز مشرف تو جہاد کی ٹریننگ دیتے ہیں۔ وہ کہتا ہے وہ کیسے؟...... میں نے کہا، ہر فوجی چھاؤنی پر لکھا ہوا ہے۔ "ایمان، تقویٰ، جہاد فی سبیل اللہ"...... اور وہ فوج کے سربراہ ہیں اور یہ فوج کا ماٹو ہے۔ ظاہر ہے کہ چھاؤنی کے اندر جہاد کی ٹریننگ ہوگی، تبھی تو باہر لکھا ہوا ہے تو اگر وہ جہاد کی ٹریننگ دینے کے باوجود دہشت گرد نہیں ہیں تو ہم جہاد کی تعلیم دے کر دہشت گرد کیسے بن گئے؟ جہاد، اللہ کا حکم ہے!...... اور یہ تعلیم بھی ہم اس لئے دیتے ہیں کہ ہمارے قرآن کا حکم ہے۔ تم جہاد کا مطلب سمجھو، جہاد کا معنی، کسی بے گناہ کو مارنا نہیں ہے۔ جہاد بڑے وسیع مفہوم میں ہے اور اس کی بڑی شرائط ہیں، بڑی حدود و قیود ہیں، جس معنی میں تم جہاد لیتے ہو وہ جہاد نہیں ہے، ہم جس معنی میں پڑھاتے ہیں وہ تو امن اور پیس کا ہے۔ وہ تو یہ کہتا ہے تمہاری دشمن سے لڑائی ہو تو،

اس وقت بھی دشمن کی عورتوں کو نہ مرو، ان کی شہری آبادی پر حملہ اور اٹیک نہ کرو، ان کے بوڑھوں کو نہ مارو، ان کے بچوں کو نہ مارو، جنگ سے لاتعلق لوگوں کو کچھ نہ کہو اور سول آبادی کو نشانہ نہ بناؤ اور کسی مذہب کی عبادت گاہ کو نشانہ نہ بناؤ، یہ دین تو جنگ میں بھی پیس کی تعلیم دیتا ہے، دنیا میں کہیں بھی ایسا نہیں ہے۔ جہاد کی تعلیم تو ہم دیتے ہیں اور انشاء اللہ دیتے رہیں گے، کیونکہ یہ قرآن کا حصہ ہے اور میں نے اس سے کہا کہ ہمارا یہ یقین و ایمان ہے کہ قرآن کے کسی حکم کو اور اللہ کے حکم کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بدل سکتے تو ہم کہاں بدل سکتے ہیں؟ کیوں بھئی کوئی بدل سکتا ہے اللہ کے حکم کو؟ جب اللہ نے قرآن میں جہاد کی آیتیں اتاری ہیں تو اس کا کون انکار کرسکتا ہے؟ البتہ اس کا انطباق، اس کا مفہوم، اس کی تعریف وہ نہیں ہے جس طرح آج دنیا میں پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے، جو صحیح معنی میں جہاد ہے، وہ اللہ کا حکم ہے، ہم اس کی تعلیم دیتے تھے، دیتے ہیں اور دیتے رہیں گے۔

میں آپ حضرات کا پھر شکر گزار ہوں آپ تشریف لائے، میں نے مدارس کا مقدمہ آپ کے سامنے پیش کیا، اس کے نصاب تعلیم، نظام تعلیم کو آپ کے سامنے رکھا، اس کے نصاب تعلیم میں دینی تعلیم بھی ہے، میٹرک تک عصری تعلیم بھی ہے، کمپیوٹر کی تعلیم بھی ہے، اب ہم نے مدرسے میں فنی تعلیم دینا بھی شروع کی ہے...... ایجوکیشن بھی ہم دے رہے ہیں۔

مدارس کا مقصد...... ہمارا مقصد دراصل ڈاکٹر بنانا، انجینئر بنانا، سائنسدان بنانا ہے ہی نہیں۔ آج تک میڈیکل، یونیورسٹی سے یہ نہیں کہا گیا کہ تم نے کوئی سائنسدان کیوں تیار نہیں کیا، کسی لاء کالج کو یہ نہیں کہا گیا کہ تم نے آج تک انجینئر کیوں نہیں پیدا کیا، کیونکہ ان کا مقصد ہی الگ ہے۔ ہمارا مقصد بھی دینی علوم کا ماہر پیدا کرنا ہے۔ مدرسوں کا مقصد ڈاکٹر، انجینئر، سائنسدان بنانا ہے ہی نہیں، ہاں عصری تعلیم میٹرک ہے، تاکہ آج کے حالات سے واقفیت ہو، اس سے ہمیں انکار نہیں ہے، ہم دے رہے ہیں، مزید انشاء اللہ آگے دیں گے۔

مدارس کی حمایت میں آواز اٹھائیں...... اللہ تعالیٰ آپ کا آنا مبارک فرمائیں۔ میں فرداً فرداً آپ حضرات کا، منتظمین کا، میزبانوں کا اور تمام مہمانوں کا شکر گزار ہوں، آپ تو بے پناہ مصروف ہوتے ہیں، ہماری درخواست پر آئے ہیں۔ آپ مدرسوں کو اپنا ادارہ سمجھیں، مدرسوں کے لئے آپ کو آواز اٹھانی چاہئے، آپ کی آواز میں طاقت ہماری آواز سے زیادہ ہے۔ ہم فریق ہیں اور آپ ہوں گے تو غیر جانبدارانہ رائے ہوگی۔ اللہ تعالیٰ آپ کا آنا مبارک فرمائے۔ وما علینا الا البلاغ

• • •

عصرِ حاضر کے تقاضے اور علمائے امت

۱۹ جون ۲۰۱۰ء کو جمعیت علمائے اہل السنّت والجماعت ضلع گجرات کے زیرِ اہتمام
''تحفظ مدارس دینیہ و علماء کنونشن'' سے خطاب

الحمدللّٰہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لانبی بعدہ، ولارسول بعدہ، ولامعصوم بعدہ، ولاامۃ بعد امتہ، ولاکتاب بعد کتابہ، اما بعد..... فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم........ بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم..... انما یخشی اللّٰہ من عبادہ العلماء..... وقال تبارک وتعالیٰ: وقاتلوھم حتی لاتکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للّٰہ..... وقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم : العلماء ورثۃ الانبیاء...... صدق اللّٰہ العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم ونحن علی ذلک لمن الشھدین والشکرین والحمدللّٰہ رب العلمین.

قابلِ صد احترام حضرت علماء کرام، بزرگانِ مکرم برادرانِ اسلام!

میں سب سے پہلے جمعیت علمائے اہل سنت والجماعت ضلع گجرات کے ذمہ داران بالخصوص مولانا محمد عمر عثمانی صاحب اور ان کے تمام رفقاء اور سرپرست حضرات کا دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہوں کہ جنہوں نے آج کے مختصر مگر باوقار اجتماع میں مجھے شرکت کی دعوت دی۔ حضرت مولانا عبدالحق خان بشیر صاحب دامت برکاتہم اور پنجاب سے وفاق المدارس کے ناظم مولانا قاضی عبدالرشید صاحب دامت برکاتہم نے موجودہ ملکی اور عالمی حالات کے تناظر میں آج کی اس تقریب کے موضوع کی مناسبت سے بڑی جامع گفتگو فرمائی اور جو کچھ میں کہنا چاہتا تھا، سب کچھ وہ کہہ چکے۔ کوئی ایسی بات باقی نہیں رہی کہ جس کا میں اضافہ کروں۔ چونکہ یہ اربابِ مدارس اور علماء کا اجتماع ہے، اس لئے یہاں کسی خطاب یا بیان کا موقع نہیں، بلکہ گزارشات کا موقع ہے اور ان گزارشات میں مخاطب صرف آپ ہی نہیں، بلکہ میں اپنے آپ کو بھی سمجھتا ہوں۔ آپ حضرات

اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ موجودہ دور امت مسلمہ کے لئے اپنی تاریخ کا نازک ترین دور ہے۔ بڑے سنگین حالات، چیلنجز اور مشکلات کا ہمیں سامنا ہے۔ پوری دنیا کا مسلمان اپنی اپنی جگہ پریشان ہے۔ ایک عالمی جبر اور دباؤ ہے جس کا نشانہ اور شکار امت مسلمہ ہے۔ آزمائش، امتحان اور ابتلا کے اس سنگین ترین دور میں امت مسلمہ کی صحیح رہنمائی علمائے کرام ہی کر سکتے ہیں، عوام اور مسلمان کی حقیقی قیادت علمائے کرام ہی ہیں۔ مایوس اور ناامید ہونے کی تو کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ حالات بدلیں گے اور بدلتے رہے ہیں، فتح انشاءاللہ حق ہی کی ہوگی۔

طائفہ منصورہ...... رحمتِ عالم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ''لایزال طائفة وفي رواية لايزال امة من امتي قائمة على الحق ''یعنی میری امت میں سے ایک گروہ ہمیشہ حق پر ڈٹا رہے گا، ان کی مخالفت کرنے والے، ان کے دشمن ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، یہ طائفہ منصورہ موجود رہے گا اور یہ طائفہ منصورہ علمائے اہل سنت والجماعت علمائے دیوبند ہے۔ ان حالات میں میری اور آپ کی ذمہ داریاں بہت بڑھ جاتی ہیں۔ ہمیں اس بات کا جائزہ لینا چاہئے کہ کیا ہم اپنی ذمہ داریاں ادا کر رہے ہیں؟ اپنی ذمہ داریوں کا ادا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنی ذمہ داریوں سے باخبر اور آگاہ بھی ہوں۔ معذرت کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ بحیثیت مجموعی ہم اپنی ذمہ داریوں سے پوری طرح باخبر بھی نہیں ہیں اور ان کو ادا بھی نہیں کر رہے ہے۔ انفرادی کوششوں کی میں بات نہیں کرتا، اجتماعی طور پر گزارش کر رہا ہوں۔

ایمان کے خاتمے کی جنگ...... آج موجودہ دور کی جو جنگ ہے وہ دہشت گردی کی جنگ نہیں ہے۔ یہ تو ایک بہانہ ہے کہ یہ جنگ امن کے لئے ہے، یہ امن کے لئے نہیں بلکہ اصل میں ایمان کی جنگ ہے، یہ ایک نظریاتی، ثقافتی اور تہذیبی جنگ ہے جو ایک دور میں صلیبی جنگوں کے نام سے تھی۔ آج دشمن پھر وہی تاریخ دہرا رہا ہے۔ سوویت یونین کے خاتمے کے بعد قوت کا ارتکاز امریکہ کے پاس آ گیا۔ پہلے امریکہ اور روس آپس میں لڑتے رہتے تھے، دنیا دو حصوں میں تقسیم تھی۔ دنیا کے بہت سے ممالک امریکی بلاک میں تھے اور بہت سارے روسی بلاک میں تھے۔ اگر کسی ملک پر کوئی یلغار ہوتی اور اس ملک کا تعلق امریکہ کے ساتھ ہوتا تو اس کے دفاع کے لئے روس کے مقابلے میں امریکہ آ جاتا اور کسی روسی ملک پر حملہ اور یلغار ہوتی تو روس بھی اس کی حمایت کرتا۔ دنیا دو حصوں میں تقسیم تھی، لیکن سوویت یونین کے خاتمے کے بعد طاقت کا ارتکاز ایک ملک کے پاس آ گیا اور وہ پوری دنیا کا چوہدری بن گیا۔ اب اگر کسی ملک پر حملہ ہوتا ہے تو اس

کی حمایت میں کوئی نہیں آتا، بلکہ تمام کے تمام جارح اور ظالم کا ساتھ دیتے ہیں۔

سوویت یونین کے خاتمے کے بعد یلغار کا نشانہ مسلمان، اسلامی ممالک اور مسلم دنیا بن گئی۔اب اگر کسی مسلمان ملک پر حملہ ہوتا ہے تو دنیا کے تمام کفریہ ممالک اکٹھے ہو جاتے ہیں اور مسلمان ملک تنہا ہو جاتا ہے اور بدقسمتی سے ہمارے حکمران بھی اپنے اقتدار کا تحفظ اسی میں سمجھتے ہیں کہ ہم عالمی قوتوں کے مقابلے میں کھڑے نہ ہوں۔ پوری مسلم دنیا کا جائزہ لیں تو مسلمان حکمران کسی اور طرف جارہے ہیں اور مسلمان ملکوں کی عوام اور طرف جارہی ہے۔ میں دعوے سے یہ کہہ سکتا ہوں کہ آج کسی بھی مسلمان ملک کا حکمران یا کسی بھی مسلمان ملک کی حکومت اپنے عوام کے جذبات کی نمائندگی نہیں کررہی۔ وہ اپنے عوام کے مفاد کی پالیسی کے مطابق نہیں بلکہ بیرونی پالیسی پر چل رہے ہیں، وہ اپنے آپ کو جمہوری اور عوام کو طاقت کا سرچشمہ کہتے ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ اپنے عوام کے مفادات اور ان کی رائے کا احترام نہیں کرتے، بلکہ وہ عالمی جبر کے مطابق اپنی پالیسیاں مرتب کررہے ہیں۔

بطور دلیل تازہ واقعات...... یہ جنگ دراصل نظریاتی، ثقافتی اور تہذیبی جنگ ہے، جو مسلمان اور غیر مسلم کے درمیان ہے۔ میں اس کی دلیل کے طور پر آج کے تازہ واقعات کا حوالہ دینا چاہوں گا۔ مجھے بتایا جائے کہ سوئٹزرلینڈ میں کیا کبھی کوئی دہشت گردی کا واقعہ پیش آیا یا وہاں کوئی دہشت گردی کا نیٹ ورک موجود ہے؟ نہیں ہے۔ لیکن وہاں پر مسلمانوں کے لئے مسجدوں کے مینار کی تعمیر پر پابندی ہے۔ کیا مینار بھی دہشت گرد ہوتے ہیں؟ آج تک آپ نے کہیں سنا، یا دیکھا ہے کہ میناروں سے بھی اپنے آپ میزائل نکل رہے ہیں، لوگ تو دہشت گرد ہو سکتے ہیں۔ کیا یہ دیواریں اور مینار بھی دہشت گرد ہوتے ہیں؟ سوئٹزرلینڈ میں مسلمان اس ملک کے پورے قانون کا احترام کررہے ہیں، لیکن اس کے باوجود مسلمانوں کی مسجدوں کے میناروں پر پابندی اس بات کی دلیل ہے کہ یہ جنگ دہشت گردی کے خلاف نہیں، بلکہ اصل میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہے۔ فرانس میں کوئی دہشت گردی کا واقعہ نہیں ہوا، وہاں پر کوئی دہشت گردی کا نیٹ ورک نہیں ہے۔ فرانس میں رہنے والے مسلمان فرانسیسی قوانین کا مکمل احترام کررہے ہیں، وہ اس ملک کی تعمیر و ترقی میں مسلسل اپنا حصہ ڈال رہے ہیں لیکن فرانس میں مسلمان عورت کے برقعے اور حجاب پر پابندی لگا دی گئی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ جنگ دہشت گردی کے خلاف نہیں، بلکہ امت مسلمہ کی روایات و اقدار کے خلاف ہے۔ یہودی اگر اپنے مذہبی شعائر کے

طور پر ٹوپی پہنتا ہے تو اس پر کوئی پابندی نہیں ہے، سکھ اگر پگڑی پہنتا ہے تو اس پر کوئی پابندی نہیں ہے، عیسائی راہبائیں اگر اپنا مخصوص لباس پہن رہی ہیں تو ان پر کوئی پابندی نہیں، لیکن اگر مسلمان عورت اپنے مذہب پر عمل کرتے ہوئے اپنی آزادانہ مرضی کے ساتھ حجاب اور پردہ کرنا چاہتی ہے تو وہاں کی حکومتیں اس پر پابندی لگا دیتی ہیں۔ اب مجھے بتایئے کہ یہ پابندی کیا اس لئے لگائی گئی کہ اس سے دہشت گردی کا خطرہ تھا؟ کیا کسی مسلمان عورت نے وہاں برقع پہن کر برقعے کے اندر کوئی بم، کوئی اسلحہ یا Weapon چھپایا؟ یا اس نے برقع پہنا ہوا تھا اور اندر سے اسلحہ، بم اور بارود نکلا، اس لئے پابندی لگا دی گئی؟ اگر ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا تو یہ پابندی دراصل اس بات کی دلیل ہے کہ یہ جنگ اسلام، اسلامی اقدار، اسلامی احکام وشعائر اور مسلمانوں کے خلاف ہے۔ آج مسلمانوں کو یہ کہا جا رہا ہے کہ تم اپنی مذہبی پہچان اور مذہبی تشخص کو بھول جاؤ۔ مجھے افسوس اور دکھ ہوتا ہے کہ آپ کے اس پاکستان کے اندر بہت سے نام نہاد دانشور اور باہر کی حکومتوں کے ایجنٹ یہ بات کہہ رہے ہیں کہ مسلمان اگر باہر کی دنیا یعنی مغرب اور یورپ میں رہنا چاہتے ہیں تو وہ اپنی ٹوپی داڑھی، پگڑی اور پردے سے دست بردار ہو جائیں۔

ہمارے دانشوروں کی ذہنی مرعوبیت...... چکوال سے مسلم لیگ (ن) کے رکن اسمبلی ایاز میر نے پچھلے دنوں جنگ میں ایک کالم لکھا تھا کہ فوری طور پر پاکستان کے آئین اور قانون سے حدود آرڈی نینس، امتناعِ قادیانیت آرڈی نینس اور تحفظ ناموس رسالت آرڈی نینس جو ضیاء الحق جیسے آمر اور ڈکٹیٹر کے جاری کردہ ہیں، فوری طور پر ختم کر دینے چاہئیں۔ اس نوع کے دیگر کئی دانشوروں کو میں نے خود پڑھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کو اپنی مذہبی پہچان سے دستبردار ہو جانا چاہئے۔ یہ مشورہ یہودیوں کو کوئی نہیں دیتا، نہ یہودی اور نہ غیر یہودی، یہ مشورہ سکھوں کو بھی کوئی سکھ نہیں دیتا کہ تم پاکستان میں اقلیت میں ہو، پگڑی پہننا چھوڑ دو، تم مسلمان ملکوں میں اقلیت میں ہو، وہاں اپنی مذہبی شناخت پر اصرار نہ کرو۔ یہ مشورہ ہندو ہندو کو نہیں دیتا کہ جن ملکوں میں تم اقلیت میں ہو، وہاں اپنا مذہبی تشخص مت قائم کرو، اس ملک میں رہنا ہے تو اس ملک کے شہری بن کر رہو۔ لیکن یہ مشورہ مسلمانوں کو دنیائے کفر تو دیتی ہی تھی، اپنے نام نہاد دانشوروں کی ذہنی مرعوبیت کا یہ حال ہے کہ وہ مسلمانوں سے کہتے ہیں، اگر تم نے امریکہ، برطانیہ، کینیڈا اور یورپ میں رہنا ہے تو تم اپنی ٹوپی، پگڑی، داڑھی، برقع، اپنے لباس، اپنے تشخص، مسجدوں اور ان کے میناروں، ان تمام چیزوں کو بھول جاؤ۔ کل کو یہ لوگ جو پاکستان کو سیکولر بنانا چاہتے ہیں، یہ

یہاں بھی کہیں گے کہ ان شناختوں کو ختم کر دو۔

یہ ہمارے وجود کو مٹانے کی جنگ ہے...... ہمیں ابھی تک پوری طرح حالات کا ادراک نہیں ہے اور تدارک تب ہوتا ہے جب پہلے ادراک ہو۔ پہلے مرض اور اس کی سنگینی کا پتہ چلے تو پھر آدمی علاج کے لئے فکر مند ہوتا ہے۔ آپ اگر کسی کو کہیں کہ تجھے تو نزلہ، بخار ہے اور یہ تو ہوتا ہی رہتا ہے، ٹھیک ہو جائے گا، تو وہ کبھی بھی علاج کے لئے فکر مند نہیں ہوگا اور اگر آپ اسے کہیں کہ تجھے بواسیر ہو گئی ہے، تجھے تو کینسر ہو گیا ہے تو وہ اسی وقت فکر مند ہو جائے گا۔ ٹیسٹ کروائے گا، ڈاکٹر ڈھونڈے گا، دوسرے اسپتالوں میں جائے گا۔ کیوں......؟؟؟ جب اس کو اپنے مرض کی سنگینی کا ادراک ہوتا ہے تو وہ اس کے تدارک کی فکر کرتا ہے۔ آج امت مسلمہ کے خلاف دشمنوں کی طرف سے نزلہ بخار کی بات نہیں ہے۔ آج اس کو کینسر زدہ کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں اور ہمیں ان حالات کا ادراک نہیں ہے۔ جب ادراک نہیں تو تدارک کیسا......؟؟؟ یہ نہ سمجھیں کہ یہ باہر کی جنگ ہے، یہ افغانستان کے اندر ہے، یہ کشمیر، فلسطین اور عراق کے اندر ہے، بلکہ یہ میرے اور آپ کے گھر میں آچکی ہے۔

نوجوان نسل کی حالت زار...... مجھے ایک دفعہ پنجاب یونیورسٹی کی طالبہ نے ٹیلی فون کیا۔ یہ آج سے دو سال پہلے کی بات ہے۔ وہ مجھ سے ملنا چاہتی تھی۔ میں نے بہت انکار کیا، مگر اس کا اصرار بڑھ گیا۔ میں اس زمانے میں پنجاب قرآن بورڈ کا چیئرمین تھا۔ وہ اپنے بھائی کے ساتھ لاہور میں میرے دفتر آ گئی۔ اس نے آ کر مجھ سے کہا کہ میں آپ سے اسلامی حوالے سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ اگر کوئی لڑکی کسی دوسری لڑکی کے ساتھ جنسی تعلقات قائم کرے تو آپ لوگوں کو اور اسلام کو اس پر کیا اعتراض ہے اور کیوں اعتراض ہے؟ میں اس پر تھیسز (Thesis) لکھ رہی ہوں اور اپنے آپ کو مسلمان کہتی ہوں۔ وہ اس بات پر دلائل ڈھونڈ رہی ہے کہ مسلمان ملکوں میں جیسے لڑکے کو لڑکی کے ساتھ شادی کی اجازت ہے، لڑکی کو لڑکی کے ساتھ بھی شادی کی اجازت ہونی چاہئے، ہم جنس تعلقات قائم ہونے چاہئیں۔ یہ ذہن ہماری نوجوان نسل میں پروان چڑھ رہا ہے۔ یہ سابقہ دور حکومت پرویز مشرف کے دور میں جو باہر کی دنیا کے کہنے پر تحفظ حقوق نسواں کے نام پر قانون پاس کروایا گیا ہے، اس کی بنیاد پر پاکستان زنا اور بدکاری کے اعتبار سے اسی جگہ کھڑا ہے، جہاں مغرب اور یورپ کھڑا ہے، جیسے ان ملکوں میں لڑکا لڑکی اپنی مرضی سے بدکاری کریں تو کوئی جرم نہیں ہے، آج پاکستان میں بھی قانونی اعتبار سے لڑکا لڑکی اپنی مرضی سے زنا

کریں تو کوئی جرم نہیں ہے۔ میں آپ موجود ہیں اور پاکستان میں یہ قانون منظور ہوا ہے۔ اگر ہوٹل کے کمرے میں ایک لڑکا لڑکی کو لے کر جائے اور ان کے درمیان شادی اور نکاح کا رشتہ نہ ہو تو پولیس کو کوئی اختیار نہیں ہے کہ وہ انہیں گرفتار کر سکے۔ میں عرض یہ کرنا چاہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے توہین آمیز خاکے اور کارٹون (نعوذ باللہ) جو یہ لوگ چھاپ رہے ہیں، کیا ان کے ساتھ کبھی کوئی دہشت گردی ہوئی؟ کیا ان ملکوں میں دہشت گردی کے کوئی واقعات پیش آئے؟ کیا ہم نے ان کو کوئی تکلیف پہنچائی؟ جس کی جوابی کارروائی اور ردعمل کے طور پر وہ کر رہے ہیں۔ نہیں! بلکہ از خود وہ یہ کر رہے ہیں۔ وہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ ہماری اصل جنگ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہے۔

دین کا دفاع کن لوگوں نے کرنا ہے؟......ان حالات میں میری اور آپ کی ذمہ داریاں بہت بڑھ جاتی ہیں، میرے اور آپ کے کندھوں پر بہت زیادہ بوجھ آتا ہے۔ کیونکہ تاریخ گواہ ہے کہ ہمیشہ ایسے حالات کا مقابلہ علمائے کرام ہی نے کیا ہے۔ سیاستدانوں، حکمرانوں اور اپنے قلم کو بیچنے والے قلم فروش طبقے نے نہیں کیا۔ پرویز مشرف ہو تو اس کی حمایت میں لکھ رہے ہیں، بینظیر ہو تو اس کے گن گا رہے ہیں، نواز شریف ہو تو اس کے قصیدے لکھ رہے ہیں، زرداری ہو تو اس کے ترانے گا رہے ہیں، جن کا قلم رات کو کسی اور، صبح کو کسی اور کے حق میں ہوتا ہے۔ یہ مقابلہ میں نے اور آپ نے کرنا ہے۔ لہٰذا ایک تو ہمیں حالات کی سنگینی، مشکلات اور چیلنجز کا اندازہ ہونا چاہئے اور اس کے مطابق ہمیں اپنی حکمت عملی طے کرنی چاہئے۔ اس تمہیدی گفتگو کے بعد کہ یہ جنگ ہمارے گھروں میں آ چکی ہے، آپ کا اور میرا رابطہ نئی نوجوان نسل سے بہت کم ہے۔ اگر ہم ذرا ان سے ملیں تو ہمیں پتا چلے گا کہ ہماری نوجوان نسل مکے اور مدینے کے قریب ہے یا لندن اور واشنگٹن کے قریب ہوگئی ہے، وہ کہاں چلی گئی؟ اس کی سوچ کہاں کھو گئی ہے؟ آج کا نوجوان اور آج کی نسل کہاں کھڑی ہے؟ ہم اپنے مخصوص حلقوں میں رہ کر خوش فہمیوں اور غلط فہمیوں کا شکار ہیں کہ ہم بڑا کام کر رہے ہیں۔ یقیناً ہم بڑا کام کر رہے ہیں، لیکن ضرورت اس سے بھی بڑے کام کی ہے۔ یہاں پر چونکہ ہم ایک ہی دینی برادری کے لوگ بیٹھے ہیں، ایسے اجتماعات میں ہمیں خود احتسابی کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔ میں چند گزارشات درخواست کے عنوان پر آپ حضرات کے سامنے پیش کر رہا ہوں اور یہ میرے اپنے لئے بھی ہیں۔

رجوع الی اللہ کی ضرورت......پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارا اللہ کی طرف رجوع کم ہو گیا ہے۔

رجوع الی اللہ نہیں رہا، توبہ واستغفار میں کمی آ گئی ہے۔ ہمارا سب سے بڑا ہتھیار اللہ تعالیٰ سے تعلق ہے۔ دشمن اگر طاقتور ہو تو اس سے دوستی لگاؤ جو اس سے بھی زیادہ طاقتور ہو۔ ہمارا جتنا اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط ہونا چاہئے، توبہ واستغفار اور اوراد واذکار کا جتنا اہتمام ہماری زندگیوں میں ہونا چاہئے اب نہیں رہا۔ ہمارے حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اگر دن کو میدان میں نظر آتے ہیں تو رات کو مصلے پر بھی نظر آتے ہیں۔ ہم میں سے کتنے جو مصلے پر رات کو تہجد پڑھتے ہوں، ہماری تو فجر کی نماز قضا ہو جاتی ہے، ہم تو فرض نمازیں پابندی سے نہیں پڑھتے، ہم میں سے کتنے شب بیدار ہیں۔ کوئی مدرسے کا استاد ہو یا مہتمم، مسجد کا امام ہو یا خطیب یا کوئی عالم ہو جو بھی ہو اس پر کہیں شاگردوں کی ذمہ داری ہے، کسی پر نمازیوں کی ذمہ داری ہے تو کسی پر محلے کی ذمہ داری اور کسی پر پورے علاقے کے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ یہ ذمہ داریاں وہ تب ادا کر سکتا ہے جب اس کا اپنا تعلق اللہ تعالیٰ سے مضبوط ہوگا اور وہ اللہ سے مانگے گا۔ میں نے اپنے استاد قاری رحیم بخش صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہے، ان کے پاس جو بچے پڑھتے تھے، اگر وہ کمزور ذہن کے ہوتے تھے تو قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ رات کو اٹھ کر بارگاہِ خداوندی میں جھولی پھیلا کر مانگتے تھے کہ اللہ! میرا فلاں شاگرد کمزور ہے تو اس کا ذہن کھول دے کہ اس کو قرآن یاد ہو جائے۔ آج کتنے استاد ہیں جو اپنے شاگردوں کے لئے نام لے کر دعائیں مانگتے ہیں؟ آج کتنے خطیب اور امام ہیں جو اپنے علاقے کے بدمعاش لوگوں کی ہدایت کے لئے دعائیں مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ہمارا اپنا تعلق اتنا کمزور ہو گیا ہے کہ میں بتا نہیں سکتا۔ آج ہمارے ہاں سچائی اور دیانت کا معیار اتنا گر گیا ہے کہ ہم کسی کو کبھی نیچا دکھانے یا کبھی چندہ لینے کی غرض سے جھوٹ بولتے ہیں۔ ہمیں اللہ کی طرف متوجہ ہونا چاہئے، ہمارے اوپر جو آزمائشیں آ رہی ہیں ان میں ہمارا اپنا بھی حصہ اور دخل ہے۔

اللہ والوں سے تعلق...... ہمیں چاہئے کہ ہم کسی اللہ والے سے تعلق قائم کریں۔ ہم میں سے کتنے ہیں کہ جنہوں نے اپنا ہاتھ کسی اللہ والے کے ہاتھ میں دیا ہو، جن اکابر کا ہم نام لیتے ہیں اور ان کی نسبت پر فخر کرتے ہیں۔ کیا حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے علم میں کوئی کمی تھی؟ وہ حجۃ الاسلام اور قاسم العلوم والخیرات تھے۔ یہ الفاظ شاید ان کی علمی شان کی پوری ترجمانی نہ کر سکیں۔ یہ القاب کسی نے کوئی محبت میں نہیں دے دیئے تھے، وہ حقیقت میں حجۃ الاسلام اور قاسم العلوم والخیرات اور جبال علم تھے۔ مگر اس کے باوجود وہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس

جار ہے ہیں۔ قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ کے علم میں کوئی کمی تھی؟ وہ علم کا پہاڑ تھے، لیکن وہ بھی حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس جار ہے ہیں۔ حکیم الامت مجدد ملت والدین حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمتہ اللہ علیہ، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمتہ اللہ علیہ...... آپ کسی ایک عالم کو اٹھا کر دیکھ لیں کہ جس کا کسی اللہ والے سے تعلق نہ ہو اور آج ہم میں سے کسی نے اس بات کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی کہ ہم کسی نہ کسی بزرگ اور اللہ والے کے ساتھ اپنا تعلق قائم کریں۔ ہم کسی نہ کسی اللہ والے سے تعلق قائم کریں، پھر دیکھیں کہ ہمارے علم اور کمال کے اندر کیا نور آتا ہے۔ ہم خود محتاج اصلاح ہیں لیکن ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے دوسروں کو ٹھیک کرنا ہے۔ مگر دوسروں کو ٹھیک کرنے سے پہلے جب ہم خود ٹھیک ہوں گے تو ہم دوسروں کو ٹھیک کر سکیں گے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد اگر کوئی نبی ہوتا تو عمر بن خطاب ہوتے، جن کو اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگا، جو دعائے مصطفیٰ، مرادِ مصطفیٰ اور دعائے پیغمبر ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ جس دن میں نے کلمہ پڑھا، اس دن سے لے کر آج تک میں نے بائیں طرف والے فرشتے کو قلم اٹھانے کا موقع نہیں دیا۔ ہم میں سے کوئی کہہ سکتا ہے کہ جس دن میں نے کلمہ پڑھا، وہ دن گیا اور آج کا دن آ گیا، میں نے بائیں جانب والے فرشتے کو قلم اٹھانے کا موقع نہیں دیا۔

ہمارا عوام سے رابطہ کمزور ہے...... ہمارا عوام، معاشرے اور سوسائٹی کے لوگوں سے رابطہ بہت کمزور ہو گیا ہے، ہمارا رابطہ صرف ان طلباء سے ہے جو ہمارے پاس مدرسے پڑھنے آتے ہیں یا صرف ان نمازیوں سے ہے، جو جمعہ میں یا پانچ وقت نماز پڑھنے مسجد میں آجائیں، ان سے بھی برائے نام ہے یا صرف ان سے رابطہ ہے، جن سے ہم چندہ مانگنے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ کسی اور سے ہمارا رابطہ ہے؟ یہ تو اللہ کروڑوں رحمتیں فرمائے، حضرت مولانا الیاس رحمتہ اللہ علیہ کی قبر پر کہ جنہوں نے تبلیغ کا ایک عوامی سلسلہ شروع کیا، جس کے باعث عوام سے ہمارا رابطہ اور تعلق ہے۔ ورنہ مدارس اور مساجد کے لوگوں کی عوام سے رابطے کی کوئی صورت ہے؟ ہمیں ان حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہماری پشت پر اسباب کے درجے میں عوام کھڑی ہو۔ انتظامیہ یا حکومت کسی مدرسے پر ناجائز یلغار کرے تو آپ کے بازار کے تاجر، صنعت کار، آپ کے نمازی، آپ کے عوام، آپ کے محلے کے لوگ باہر نکل آئیں کہ یہ مدرسہ دہشت گردی کا مرکز نہیں ہے، یہ مولوی دہشت گرد نہیں ہے، تم غلط کہہ رہے ہو، ہم اپنی اس مسجد اور مدرسے پر کوئی آنچ

نہیں آنے دیں گے۔اس لئے عوام سے ہمارا رابطہ ہونا ضروری ہے۔اس کی کیا صورتیں ہیں؟
آپ خود سوچئے گا...... البتہ میرے ذہن میں جو صورتیں ہیں وہ میں عرض کر دیتا ہوں:
درس قرآن وحدیث اور اس کا طریقہ کار...... پہلے نمبر پر تو ہم اپنے ہاں درس قرآن شروع کریں۔مسلمانوں کی اصلاح کے لئے قرآن کا درس بہت ضروری اور بڑا مفید ہے،اس سے عقائد کی اصلاح ہوتی ہے۔شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمتہ اللہ علیہ جب مالٹا سے واپس آئے تو دو باتیں خصوصی طور پر فرمایا کرتے تھے۔ایک تو یہ کہ مسلمانو! اپنی صفوں میں اتحاد اور اتفاق پیدا کرو اور دوسرا یہ کہ قرآن کے درس کو عام کرو۔یہ پرواہ نہ کرو کہ دو چار یا پانچ آدمی ہیں۔فجر کے بعد یا جس نماز کے بعد آپ سمجھتے ہیں کہ لوگ زیادہ ہوں، اپنی اپنی مسجدوں میں درسِ قرآن دیں، اس سے انشاءاللہ العزیز عوام کا ایک حلقہ قائم ہوگا۔لوگوں کی نظریاتی تربیت کریں۔میں کہا کرتا ہوں کہ ایک انداز یہ ہے کہ آپ کہیں امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے یہ فرمایا...... امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ، امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے یہ کہا...... حضرت نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ، حضرت گنگوہی رحمتہ اللہ علیہ، حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ، حضرت مدنی رحمتہ اللہ علیہ نے یہ کہا...... اور ایک انداز یہ ہے کہ آپ کہیں کہ قرآن نے یہ کہا...... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا...... بات آپ کے بزرگوں کی ہوگی مگر ان کی باتوں کا ماخذ بھی تو قرآن اور حدیث ہی تو ہے! اصل ماخذ کو بیان کریں کہ قرآن نے یہ کہا...... حدیث نے یہ کہا...... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا...... یہ بات لوگوں کو زیادہ اپیل کرے گی۔بعد میں یہ کہہ دیں کہ جو بات قرآن اور حدیث کہہ رہے ہیں، یہی بات ہمارے فلاں بزرگ نے کہی ہے۔قرآن اور حدیث کا درس فی الفور شروع کریں۔حدیث میں سے کسی ایک کتاب کا انتخاب کر لیں۔مشکوٰۃ کا کر لیں...... کتاب الآداب شروع کر لیں...... ریاض الصالحین کا انتخاب کر لیں...... بہر حال درسِ حدیث بھی ہونا چاہئے۔
سماجی تعلقات میں پیش رفت...... دوسرے نمبر پر آپ کے محلے اور علاقے میں کوئی غمی ہو یا جنازہ ہو یا وفات ہو تو جنازہ میں ضرور شریک ہوں۔صرف وہ جنازہ نہ پڑھیں جو آپ کی مسجد اور مدرسے میں آتا ہے یا آپ کی قریب کی آبادی اور محلے میں کوئی فوت ہوا ہے، آپ اس کے ہاں افسوس کے لئے جائیں۔اپنے استادوں کو بھیجیں، وہاں جا کر تعزیت کریں، اپنے مدرسے میں ایصال ثواب کا اہتمام کریں۔ان کو بھی بلا لیں کہ ہمارے ہاں ایصال ثواب ہوگا، قرآن پڑھا جائے گا، دعا کروائی جائے گی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے پہلے تعارف جو سیرت طیبہ کے حوالے سے مجھے اور آپ

کوملتا ہے، جوسیدۃ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی زبانی ہے اور بخاری شریف کے پہلے یا دوسرے صفحے پر ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ تعارف سماجی تعلقات کے حوالے سے ہے کہ آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں، نہ کماسکنے والے کو کما کر دیتے ہیں، جو بوجھ اٹھا نہ سکے اس کو بوجھ اٹھا کر دیتے ہیں۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا پہلا تعارف ہے جو ہمیں حدیث کی کتابوں سے ملتا ہے، لہٰذا عوام سے ہمارا تعلق بڑھنا چاہئے۔

مدارس کے اجتماعات، رابطہ کا موثر ذریعہ...... اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ہمارے ہاں مدارس کے جو اجتماعات ہوتے ہیں۔ ختم بخاری، ختم مشکوٰۃ، بچوں کے حفظ قرآن یا ان کی دستار بندی کی تقریب، مدرسے کا سالانہ جلسہ یا سیرت کا جلسہ...... ہم ان اجتماعات میں سوسائٹی کے مختلف طبقات کے لوگوں کو دعوت دیں، ہم خود ان کو دعوت دینے جائیں۔ تاجروں، صنعت کاروں، سیاسی اور عوامی نمائندوں کو ہم خود لے کر آئیں۔ اس سے ہمارا رابطہ بڑھے گا۔ وہ مساجد اور مدارس کو دیکھیں گے تو انشاء اللہ العزیز ہمارے ترجمان اور وکیل بنیں گے، کیونکہ ہمارے پاس دلیل کی طاقت بھی ہے اور حقیقت بھی ہے۔ یہ چند صورتیں عوام سے رابطہ بڑھانے کی میں نے عرض کر دیں۔ ماشاء اللہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی ہم سے زیادہ سوچنے کا ذہن دیا ہے۔ آپ خود سوچیں کہ ہم عوام سے کیسے رابطہ زیادہ سے زیادہ بڑھا سکتے ہیں؟

اسکولز کا قیام اور ان کے فوائد...... اس کے علاوہ ایک گزارش یہ بھی ہے کہ اگر آپ کے پاس وسائل ہوں اور اگر نہ ہوں تو آپ کوشش کریں کہ عوامی تعلیم کے ادارے قائم کیے جائیں، اسکولز بنائے جائیں، کم از کم ہر مہتمم، ہر مدرسے والا اور بڑی مسجدوں والے اپنے قریب ترین علاقے میں ایک نہ ایک اسکول ضرور بنائیں۔ اسلامک اسکول بنائیں۔ یہ جو مغربی ثقافت اور تعلیم کی یلغار ہے، اس کا مقابلہ ہمیں مثبت اور تعمیری انداز میں کرنا ہے۔ ہم نے اس نئی نسل کو بچانا ہے۔ علماء کی نگرانی میں جو عصری تعلیم کے ادارے قائم ہوں گے، اگرچہ وہاں پڑھنے والوں کے چہرے پر داڑھی نہیں ہوگی، لیکن ان کے اندر داڑھی ضرور ہوگی۔ وہ اندر کا مولوی ضرور ہوگا اور انشاء اللہ یہ اندر کا مولوی ایک نہ ایک دن باہر بھی آجائے گا۔

ہمارے دادا جی حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے پاکستان میں سب سے پہلے آج سے پچاس سال قبل بچیوں کی دینی تعلیم کا مدرسہ قائم کیا، باقی یہ بنات کے مدرسے دس پندرہ سال کے عرصے میں بنے ہیں۔ آج سے پچاس سال پہلے ہمارے دادا جی نے جامعہ خیر المدارس

کے ساتھ جب شعبہ تعلیم النساء بنایا تو اس میں حفظ اور درس نظامی کا شعبہ تو تھا ہی، لیکن دادا جی رحمتہ اللہ علیہ نے ساتھ پرائمری اسکول بھی بنایا۔ بعض لوگوں نے پوچھا کہ بچیوں کے لئے پرائمری اسکول بنانے کی کیا ضرورت تھی؟ دادا جی نے فرمایا کہ یہ بچیاں ہمارے پاس اسکول میں پرائمری کرنے آئیں گی، اردو، حساب اور انگریزی پڑھنے کے لئے آئیں گی، ہم ان کو قرآن وسنت بھی پڑھائیں گے۔ ہم ان کو صحیح اسلامی عقائد دیں گے۔

ہم نے ملتان میں ایک انگلش میڈیم اسکول بنایا، وہاں پر آپ یقین مانیں کہ تاجروں، صنعت کاروں، پولیس اور فوج کے افسران نے اپنے بچے بھیجے اور الحمدللہ جب وہ بچے واپس اپنے گھر جاتے تو اپنی ماں سے کہتے کہ امی آپ نماز کیوں نہیں پڑھتیں؟ ابا جان آپ گانے کیوں سنتے ہیں؟ قرآن سنا کریں۔ یہ نعت کی کیسٹ مجھے اسکول سے ملی ہے، اسے سنا کریں۔ ایک بچہ جسے ہمارے اسکول میں آئے ہوئے ایک ہفتہ ہی ہوا تھا، ایک دن صبح کے وقت اس کے باپ نے آکر بتایا کہ میری بیوی اس کو جوتی پہنا رہی تھی، یعنی وہ ابھی اتنا چھوٹا تھا کہ خود جوتی بھی نہیں پہن سکتا تھا، ماں شوز پہنا رہی تھی تو وہ بچہ اپنی ماں سے کہتا ہے کہ امی تم مجھے بائیں پاؤں میں پہلے پہناتی ہو، دائیں میں بعد میں پہناتی ہو، کل میری ٹیچر نے کہا تھا کہ دائیں پاؤں میں جوتی پہلے پہننی چاہئے۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اس لئے امی! تو مجھے دائیں پاؤں میں پہلے جوتی پہنایا کر، بائیں میں بعد میں پہنایا کر، جب بچے کے ذہن میں پانچ سال میں آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ڈال دی تو انشاء اللہ ساٹھ ستر سال تک بھی اس کے ذہن میں اسے کوئی نہیں نکال سکتا۔

ایک بینک آفیسر تھے، انہوں نے وہاں اسکول میں اپنی بچی کو داخل کروایا۔ ابھی دو ہی ہفتے گزرے ہوں گے، وہ ہمارے پاس شکریہ ادا کرنے کے لئے آئے، کہاں کہ میں لاہور سے ملتان آرہا تھا۔ میری بیوی میرے ساتھ گاڑی میں آگے بیٹھی تھی اور میری یہ بچی پیچھے بیٹھی ہوئی تھی۔ میں نے بیٹی سے کہا، بیٹی! مجھے ذرا ٹشو پیپر تو دینا۔ ٹشو پیپر کا ڈبہ پچھلی سیٹ پر تھا۔ جب میری بیٹی نے مجھے ٹشو پیپر دیا تو میں نے کہا، تھنک یو بیٹی! تو فوراً میری بیٹی نے کہا کہ ابا جان آپ نے مجھے تھنک یو کہہ کر کوئی دعا نہیں دی، اگر آپ مجھے جزاک اللہ کہتے کہ اللہ تجھے جزائے خیر دے تو یہ میرے حق میں دعا تھی۔ اب جس بچی کے ذہن میں چار پانچ سال کی عمر میں جزاکِ اللہ ڈال دیا گیا وہ ساٹھ ستر سال کی عمر میں بھی اللہ کو یاد رکھے گی۔

گجرات، جہلم اور چکوال میں میری یہ خواہش ہے کہ یہاں پر جو مدارس موجود ہیں، وہ مزید ترقی کریں۔ دینی تعلیم کے میدان میں اپنا نام پیدا کریں۔ یہ علاقہ دینی تعلیم کے حوالے سے پسماندہ نہیں رہنا چاہئے، تعلیمی معیار کو بلند کیا جائے۔ اگر آپ ضرورت سمجھتے ہیں تو ضرور مدرسہ بنائیں، یہ معاشرے کی ضرورت ہیں لیکن اب مدرسے ماشاء اللہ کافی ہو چکے ہیں، اب اسکول بنائے جائیں اور ہم اس پر سوچ رہے ہیں کہ وفاق کی طرف سے پورے ملک میں ایک اسکول سسٹم قائم کیا جائے۔ ان اسکولوں میں وہ بچے آئیں گے جو عام طور پر مدرسوں میں نہیں آیا کرتے۔ ہم ان کے اندر دین کو پہنچائیں گے، ان کی اسلامی تربیت کریں گے، ان کو اسلامی عقائد ونظریات دیں گے۔ آپ سائنس پڑھائیں گے اور ایک عام آدمی پڑھائے گا، دونوں کے پڑھانے میں فرق ہوگا، وہ کہے گا کہ بارش اس لئے آتی ہے کہ دریاؤں، سمندروں اور نہروں سے بخارات ہوا کے ذریعے اوپر اڑتے ہیں۔ اوپر جا کر یہ جم جاتے ہیں، پھر پگھلتے ہیں تو بارش ہوتی ہے اور جب آپ پڑھائیں گے تو آپ کہیں گے کہ یہ سب کچھ اللہ کرتا ہے تو آپ کی سائنس اور اس کی سائنس میں فرق ہوگا۔ آپ بچے کا ذہن مادیت کی بجائے اللہ کی طرف لے کر جائیں گے، لہٰذا میری آپ حضرات سے درخواست ہے کہ آپ زیادہ سے زیادہ اسکول قائم کریں۔

میڈیائی یلغار کا مقابلہ...... اس کے علاوہ میری ایک درخواست یہ ہے کہ آپ میڈیا سے رابطہ رکھیں، اپنے اندر لکھنے والے پیدا کریں، یہ آج کی بڑی ضرورت ہے، اس لئے کہ دن رات ہمارے خلاف پرنٹ اور الیکٹرونک میڈیا میں زہر اگلا جا رہا ہے، ہمیں اس کا جواب دینے کے لئے ایسے علماء کی ضرورت ہے جو آج کی زبان میں بات کر سکتے ہوں، جو آج کی اصطلاحات سے واقف ہوں، وہ حکمت عملی سے گفتگو کر سکتے ہوں اور اپنی بات دوسروں کے دلوں میں اچھے انداز میں اتار سکتے ہوں، ہمیں افراد چاہئیں...... اچھا لکھنے والے! اچھا بولنے والے...... مسجدوں اور جلسوں میں نہیں، بلکہ ٹیلی ویژن اور میڈیا پر، انگریزی پریس ہمارے خلاف، اسلام اور قرآن کے خلاف، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اور مدارس کے خلاف جو زہر اگل رہا ہے اور عام لوگوں کا ذہن خراب کر رہا ہے اس کا جواب دینا ہمارا فرض ہے۔ اس لئے ہمیں مدارس میں ایسے شعبے قائم کرنے چاہئیں جو ہر میدان کے لئے رجال کار فراہم کریں۔

وسعت مطالعہ اور وسعت فکر ونظر کی کمی...... اس کے ساتھ ساتھ ایک درخواست یہ بھی ہے کہ ہم مولویوں میں وسعت مطالعہ بھی ہونی چاہئے، وسعت علم، وسعت فکر ونظر اور وسعت قلب، یہ

چیزیں خصوصیت سے علماء میں ہونی چاہئیں، فکر ونظر بڑی وسیع ہونی چاہئے۔آج ہمارے جمعوں میں لوگ کیوں نہیں آتے؟ اس لئے کہ ہم روایتی موضوع پر بات کرتے ہیں۔آج معاشرے اور سوسائٹی کے زندہ مسائل میری تقریر کا موضوع نہیں بنتے۔ میں پرانے قصے لے کر بیٹھ جاتا ہوں۔ میں آج کے حالات اور قوم کی نبض پر ہاتھ نہیں رکھتا اور میں آج کے اسلوب میں بات نہیں کرتا۔ کیوں...... کیوں نہیں کرتا......؟؟؟ اس لئے کہ میرا اپنا مطالعہ نہیں ہے۔ میں مطالعہ نہیں کرتا اور سوچتا ہوں کہ بس وقت گزار لوں گا۔ میں نے دیکھا ہے کہ جب علم ہو، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمتہ اللہ علیہ خیر المدارس کے سالانہ جلسے میں جب تقریر کرتے تو ایسے ایسے لوگ بیان سننے کے لئے جمع ہوتے جو کبھی مدرسے کے جلسوں میں نہیں دیکھے گئے تھے اور وہ قاری طیب صاحب کی ڈھائی تین گھنٹے کی تقریر دھوپ میں بیٹھ کر سنتے تھے۔ میں نے کئی خطیبوں کو دیکھا کہ انہوں نے قاری صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی پوری ڈیڑھ گھنٹے کی تقریر کھڑے ہو کر سنی۔ کیوں......؟ اس لئے کہ وہاں علم ہوتا تھا۔لوگوں کو پتا تھا کہ ہم جائیں گے تو ہمیں علم ملے گا۔آج میں اور آپ قاری طیب تو نہیں بن سکتے، لیکن کوشش تو کر سکتے ہیں کہ مطالعہ کریں۔اگر ہم اپنے اکابر کے علوم ہی کا مطالعہ کرنا شروع کر دیں تو ہمیں بڑے موتی مل جائیں گے، مگر ہم مطالعہ نہیں کرتے۔ روایتی موضوع پر رہتے ہیں، زندہ مسائل پر گفتگو نہیں کرتے اور نہ اس کی تیاری کرتے ہیں۔ہمیں تمام حالات اور چیزوں پر تیاری کرنی چاہئے اور اپنے مطالعے کو وسعت دینی چاہئے۔آپ ناراض نہ ہونا کہ میں خیر المدارس کا بھی تیس سال سے مہتمم ہوں، میں اکثر اپنے استادوں سے کہتا رہتا ہوں کہ یہ کتب خانہ اور یہ لائبریری آپ کا انتظار کرتی رہتی ہے کہ کب کوئی آئے اور کتب کا مطالعہ کرے۔آج تک مجھے یاد نہیں ہے کہ کسی استاد نے یہ کہا ہو کہ مولانا آپ کی لائبریری اور کتب خانے میں فلاں کتب نہیں ہے اور ہمیں اس کی ضرورت ہے۔ یہ چیٹ تب آئے گی جب مطالعہ کریں گے۔آپ خوبصورت لائبریری بنالیں اور اس میں کتابیں لا کر رکھ دیں...... کیا فائدہ، اگر ان کو کوئی پڑھتا نہیں ہے۔ کتنے لوگ ہیں، جو کتب خانوں اور لائبریریوں میں آکر مطالعہ کرتے ہیں، کتابوں کو جمع کرنے سے زیادہ ان کے مطالعے کا شوق پیدا کریں۔ ہزار کتاب جمع کرلو، پڑھو ایک نہیں، بہتر ہے کہ نو سو ننانوے جمع نہ کرو، ایک ہی لے آؤ، مگر اس کو پڑھو، لہٰذا ہمیں اپنے اندر ذوقِ مطالعہ اور ذوقِ علم پیدا کرنا چاہئے۔

اکابر واسلاف پر اعتماد...... کامیابی کی دلیل: اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی گزارش کر رہا ہوں کہ

اپنے اسلاف اور اکابر پر اعتماد کریں۔ ہمیں تو سورۃ الفاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے یہی حکم دیا ہے کہ:
﴿اھدنا الصراط المستقیم، صراط الذین انعمت علیھم﴾ اس کی تشریح میں میرے دادا فرماتے تھے کہ اللہ نے سورۃ فاتحہ میں ہی تقلید کا حکم دے دیا ہے۔ ﴿اھدنا الصراط المستقیم﴾ کے بعد یہ نہیں فرمایا کہ خود ہی اجتہاد کرلو، خود ہی قرآن وحدیث کو اٹھا کر پڑھ لو۔ بلکہ فرمایا کہ ﴿صراط الذین انعمت علیھم﴾ یعنی ان لوگوں کا راستہ دکھا، جن پر تو نے انعام کیا۔ یہی تو تقلید ہے اور آج میں چند لفظ سیکھ جاتا ہوں تو اپنا نیا مذہب پیدا کر لیتا ہوں اور کہتا ہوں کہ جو میں سمجھا ہوں، وہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی سمجھ نہیں آیا تھا۔ ہم تو ان اکابر کے پاؤں کی مٹی کے برابر بھی نہیں ہیں، ہمیں اپنے اکابر اور اسلاف پر اعتماد کرنا ہوگا۔ جو اکابرین چلے گئے، ان کی تحریرات میں ہمارے لئے رہنمائی موجود ہے۔ رب کعبہ اور رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ جس شخص نے بھی اپنے اکابر سے ہٹ کر کوئی نیا راستہ اختیار کیا، اس کو اللہ نے دنیا میں ہی دکھا دیا کہ اس کا نقصان ہی ہوا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ جس طالب علم نے اپنے استاذ یا مدرسے والوں کی اور جس شخص نے اپنے اکابر کی بات نہیں مانی، اللہ نے دنیا میں اسے دکھا دیا کہ اس کی الگ رائے قائم کرنے سے اسے نقصان ہوا۔ ہمارے تو بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں اپنے اکابر اور اسلاف پر اندھا اعتماد ہے۔ اکابر کا احترام اور ان پر اعتماد ہی کامیابی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

موجودہ حالات اور ہماری حکمت عملی...... یہ وقت جذبات اور جوش کا نہیں، بلکہ ہوش کا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ نائن الیون کے بعد اب دس سال کا عرصہ ہونے کو ہے جو جبر ہم پر دینی مدارس کے نظام تعلیم، نصاب تعلیم، نظام امتحان اور نظام مالیات کو تبدیل کرنے کا اب تک چلا آرہا ہے اور ہمیں مجبور کیا جارہا ہے کہ ہمیں مداخلت کا حق دو۔ ہم تمہارا یہ نصاب بدلنا چاہتے ہیں اور ہم نے ان تمام حالات کا ان دس سالوں میں اللہ رب العزت کے فضل وکرم اور آپ حضرات کے تعاون سے جو مقابلہ کیا ہے اور کامیابی حاصل کی ہے اس کی دو بنیادی وجوہات ہیں:

ایک تو یہ کہ ہم نے ٹکراؤ اور تصادم سے گریز کیا ہے۔ کتنے مشکل وقت آئے۔ کیا کبھی وفاق المدارس کی طرف سے کوئی اپیل آپ کے سامنے آئی کہ آپ تمام طلباء کو لے کر سڑکوں پر آجائیں یا ہم نے آپ سے کہا ہو کہ جلوس نکالو؟ ہماری حکمت عملی یہ تھی کہ یہ وقت دشمن سے ٹکرانے اور تصادم کا نہیں ہے، ہمیں اپنی قوت اور طاقت کا احساس ہے۔ ایک طاقت دفاع کے لئے اور ایک

طاقت اقدام کے لئے ہوتی ہے، دونوں میں فرق ہے۔ ابھی تک ہم اپنی دفاعی طاقت پوری طرح منظم اور مستحکم نہیں کر سکے۔ چہ جائیکہ ہم اقدام کی طرف آگے بڑھیں۔ جب ہمارے پاس اقدام کی طاقت انشاء اللہ آئے گی تو ہم آگے بھی بڑھیں گے۔ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ وہ تیرہ سال مکۃ المکرّمہ میں اسی بیت اللہ اور خانہ کعبہ میں اور اسی کی طرف رخ کر کے نماز پڑھ رہے ہیں، جہاں سینکڑوں بت پڑے ہوئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکی زندگی میں ایک بت کو بھی نہیں توڑا، کیونکہ ابھی بت شکنی کا وقت ہی نہیں آیا، ابھی تو اپنی طاقت بنانی تھی۔ مدینہ طیبہ گئے، ریاست بنی، ہجرت کا حکم ہوا، پوری دنیا سے مسلمان آئے، ایک جگہ اکٹھے ہو کر طاقت بنی، پھر حملہ کیا اور پھر جا کر ان بتوں کو توڑا۔ ورنہ تیرہ سال مکۃ المکرّمہ میں اور سات آٹھ سال مدینہ طیبہ میں اسی خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی ہے، جس کے اندر بت رکھے ہوئے تھے۔ دفاعی اور اقدامی طاقت دونوں کے اپنے اپنے تقاضے ہوا کرتے ہیں۔ ان مساجد اور مدارس کا دفاع جو ہم الحمدللہ کر رہے ہیں، اللہ کے فضل سے تحدیث بالنعمت کے طور پر کہتا ہوں کہ ہم اس میں کامیاب ہیں، عالمی قوتیں، پاکستان کی حکومتیں خواہ وہ آمر یا ڈکٹیٹر ہوں یا جمہوری دور حکومت ہو، مدرسوں کے نصاب سے کسی ایک کتاب کی کسی ایک سطر کو بھی نہیں نکال سکے۔ مدارس کا نصاب تعلیم، نظام تعلیم، مالیاتی اور امتحانی نظام محفوظ ہے اور الحمدللہ یہ برکت اور نتیجہ ہے، اسباب کے درجے میں اس حکمت عملی کو جو ہم نے اپنائی کہ ہم نے اپنی طاقت کو بچانا ہے، ضائع نہیں کرنا، تصادم، محاذ آرائی اور ٹکراؤ سے گریز کرنا ہے۔

دوسری ہماری پالیسی یہ تھی کہ ہم نے اپنی صفوں میں اتحاد اور اتفاق کو برقرار رکھنا ہے۔ وفاق المدارس کے اندر بہت سی جماعتیں ہیں، مختلف خیالات کے لوگ ہیں، ہم ان کو کس طرح اکٹھا رکھتے ہیں، اس کی تفصیلات میں آپ کو بتا نہیں سکتا کہ ہم کس طرح اپنے آپ کو مار کر ان کو اکٹھا کرتے ہیں کہ آؤ، اس درخت کے سائے میں ہم اکٹھے بیٹھ جایا کریں اور الحمدللہ بیٹھتے ہیں۔ ایک تو اپنی صفوں میں اتحاد اور پھر دوسرے مکاتب فکر کے ساتھ بھی اتحاد۔ ان مکاتب فکر کے دماغ میں یہ بات ڈالی گئی ہے کہ تم ان کا کیوں ساتھ دے رہے ہو اور کیوں ان کے ساتھ کھڑے ہو؟ تم نشانہ نہیں ہو نشانہ یہ ہیں، تم ان کو چھوڑ دو۔ لیکن ہم نے ان کو اپنے ساتھ جوڑ کر رکھا ہے اور ان کو یہ بتایا ہے کہ یہ باری ہے، اگر آج ہماری باری لگی ہے تو تم بھی مطمئن نہ ہو جاؤ، کل تمہاری باری بھی آئے گی۔ افغانستان کے بعد عراق کا نمبر لگا اور اب عراق کے بعد کسی اور کا نمبر لگایا جائے گا، ہمیں

مل کر اس کا مقابلہ کرنا ہے، لہٰذا تصادم سے گریز، جوش کی بجائے ہوش، جذبات پر کنٹرول اور اس کے بعد اتحاد و اتفاق...... یہ ہماری دوسری مرکزی پالیسی ہے بدگمانی سے بچیں۔

آپ کا تعلق جس بھی جماعت سے ہو لیکن دوسروں کا احترام کریں۔ آج ہم بڑی جلدی بدگمان ہو جاتے ہیں کہ یہ بک گیا ہے اور یہ فروخت ہو گیا ہے۔ میں آپ کو ایک جملہ سناتا ہوں اور اس جملے کو مجھے اور آپ سب کو پلے باندھ لینا چاہئے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بدگمانی کے لئے صرف دلیل نہیں بلکہ مضبوط اور قوی دلیل کی ضرورت ہے جب کہ حسن ظن اور اچھے گمان کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مسلمان کے بارے میں اچھا گمان رکھا کرو، آپ کے پاس کوئی دلیل ہو یا نہ ہو بس یہی دلیل کافی ہے کہ وہ مسلمان، مومن اور آپ کا اسلامی بھائی ہے۔'' اچھے گمان کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی اور بدگمانی کے لئے صرف دلیل نہیں بلکہ مضبوط دلیل کی ضرورت ہوتی ہے اور حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے اس مقدمے پر سورۃ النور کی آیت سے استدلال کیا ہے کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر منافقوں نے تہمت لگائی اور کچھ مخلص صحابہ نے بھی اسے سن کر ان کی ہاں میں ہاں ملا دی تو اللہ نے یہ آیت اتاری کہ:

﴿ ولولا اذ سمعتموہ قلتم مایکون لنا ان نتکلم بھذا سبحانک ھذا بھتان عظیم ﴾ ''میرے پیغمبر کے صحابہ! تم نے سنتے ہی یہ کیوں نہ کہہ دیا تھا کہ یہ بہتان ہے۔ کسی دلیل کی ضرورت نہیں تھی، تمہیں تو اچھے گمان میں رہنا چاہئے تھا۔''

تو یہ آیت بتاتی ہے کہ حسن ظن کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ آج ہمارا حال کیا ہے؟ آج ہم حسن ظن کے لئے دلیل مانگتے ہیں، جب کہ بدگمانی کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے ہیں۔

وراثتِ انبیاء کا تقاضا...... لہٰذا میرے بھائیو اور دوستو! میری آخری گزارشات یہی ہیں کہ ہم تصادم سے گریز کریں، اتحاد و اتفاق پیدا کریں، اپنی حکمت عملی کو منظم کریں، حالات کی نزاکت کو سمجھیں، امت کی رہنمائی ہم ہی نے کرنی ہے۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ علماء میرے وارث ہیں، بلکہ فرمایا کہ علماء تمام نبیوں کے وارث ہیں۔ حالانکہ براہ راست تو علماء نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی وارث ہیں۔ مگر جملہ یہ نہیں فرمایا کہ ''العلماء و رثتی'' بلکہ فرمایا کہ: ''العلماء ورثۃ الانبیاء'' کہ تم ایک پیغمبر کے وارث نہیں، بلکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں اور پیغمبروں کے وارث ہو۔ اس سے اس طرف بھی ہمیں اشارہ ملتا ہے کہ ان

انبیاء کو جن حالات کا سامنا ہوا تمہیں بھی ان تمام حالات کا سامنا ہوگا، تمہیں بھی ان تمام آزمائشوں سے گزرنا ہوگا۔ ابراہیم علیہ السلام کو اگر نارِ نمرود میں ڈالا گیا تو آج کے مسلمان مولوی اور عالم کو بھی بارود اور میزائل کی آگ میں ڈالا جارہا ہے، آج ان پر آگ برسائی جارہی ہے۔ اس لئے ہمیں اپنے اندر وہ تمام صفات پیدا کرنا ہوں گی جو ان تمام انبیاء میں تھیں۔ اللہ ہمیں اس منصب کی لاج رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حرف آخر...... یہ میں نے کچھ تلخ باتیں بھی آپ سے کہہ دیں اور پورے احترام کے ساتھ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ مقصد صرف یہ تھا کہ ہم ذرامل کر اپنی ذمہ داریوں کو بھی سوچا کریں اور اس طرح کے اجتماع روز روز نہیں ہوا کرتے۔ عوامی اجتماعات میں تو جانے کا موقع ملتا ہی رہتا ہے لیکن اگر اہل علم کا اجتماع ہو، اہل مدارس اور امت کے قائدین کا اجتماع ہو تو یہ کبھی کبھار ملتا ہے۔ میں گجرات کے علمائے اکرام خصوصاً جمعیت علمائے اہل سنت والجماعت ضلع گجرات کے رہنماؤں مولانا محمد عمر عثمانی صاحب، مولانا وسیم عباس صاحب، مولانا صہیب صاحب اور مولانا جواد احمد فاروقی صاحب اور ان کے دیگر جتنے رفقائے کار ہیں، ان سب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے یہ موقع مرحمت فرمایا اور آپ حضرات کا بھی شکر گزار ہوں کہ آپ نے ایک طالب علم کی باتیں بڑے غور سے سنیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اور آپ کو بھی اپنی ذمہ داریوں کو سمجھ کر ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنے اکابر پر پورا اعتماد رکھتے ہوئے ہمیں ان کا صحیح معنوں میں نمائندہ بنائے اور ہمیں زندگی کے آخری سانس تک دین کی خدمت سے وابستہ رکھے۔

واخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العلمین

° ° °

ختمِ بخاری شریف کی تقریبِ سعید سے خطاب

ملک اور عالم اسلام کی ممتاز اور عظیم دینی یونیورسٹی ''جامعہ خیر المدارس ملتان'' میں عموماً ہر سال تعلیمی سال کا آغاز اصح الکتب بعد کتاب اللّٰہ ''بخاری شریف'' کی پہلی حدیث سے ہوتا ہے اور اختتام بھی اسی کتاب کی آخری حدیث کے درس سے ہوتا ہے۔ اس سال بھی مورخہ ۲۰ رجب ۱۴۱۶ھ بروز بدھ صبح دس بجے ''ختم بخاری شریف'' کی تقریب منعقد ہوئی جس میں جامعہ کے تمام اساتذہ کرام، طلباء حضرات، منتظمین، متعلقین اور دیگر معزز مہمانوں نے شرکت کی۔ تقریب کا آغاز حضرت مولانا قاری محمود احمد صاحب کی تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ بعد ازں جامعہ کے مہتمم حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری مدظلہ نے خطاب فرمایا۔

حضرات اساتذہ کرام، معزز علماء کرام، بزرگان محترم، طلبہ عزیز اور برادران اسلام!
شوال کے مہینے میں ہم نے جس عظیم کتاب کی پہلی حدیث سے اپنے تعلیمی سال کا آغاز کیا تھا آج اسی عظیم کتاب بخاری شریف کی آخری حدیث مبارکہ کے درس پر تعلیمی سال کا اختتام ہو رہا ہے۔ میں اس مجلس ومحفل میں شریک تمام حضرات کو دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ الحمدللہ جامعہ خیر المدارس پورے عالم اسلام کی عظیم اور ممتاز دینی درس گاہ ہے۔ اس کی تمام شاخوں سمیت اس میں ڈھائی ہزار سے زائد طلباء اور طالبات علم دین حاصل کر رہے ہیں۔ دورہ حدیث شریف میں آج ''۱۱۶'' طلباء ہیں جو اس سال عالم بن کر پوری دنیا میں نکلیں گے۔ دعا ہے کہ اللہ ان سے پوری دنیا میں کام لے اور مرتے دم تک اسی سلسلۃ الذہب کے ساتھ وابستہ رکھے۔ دورۂ حدیث کے طلباء میں پاکستان اور آزاد کشمیر کے علاوہ انڈونیشیا، سری لنکا، ایران اور افغانستان کے طلباء بھی ہیں۔ باقی درجات میں بھی تقریباً ۱۴ ملکوں کے طلباء زیر تعلیم ہیں۔ آج فارغ التحصیل ہونے والے طلباء کو میں یہ احساس دلانا چاہتا ہوں کہ آج سے ان کی نئی، اہم ذمہ داریوں کا آغاز

ہو گیا ہے اور وہ اپنی زندگی کے آخری سانس تک اپنے آپ کو طالبِ علم ہی سمجھیں۔

● ......ہم نے جو کچھ علم حاصل کیا ہے وہ محدود ہے اور جو حاصل نہیں کر سکے وہ غیر محدود ہے۔ چوں کہ علم تو اللہ کی صفت ہے، جس طرح اللہ کی ذات لامحدود ہے، اسی طرح اس کی صفات بھی غیر محدود ہیں، (لہٰذا آج تم کامل دین نہیں پڑھ سکے) بلکہ ہمارے اندر صرف قرآن وحدیث کو سمجھنے کی استعداد اور صلاحیت پیدا ہوگئی ہے۔ آگے اس کو سمجھنا اور حاصل کرنا ہے۔

● ......دوسری گزارش یہ ہے کہ آج تم پر بلکہ دنیا کے تمام علماء پر ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے، چونکہ آج سب سے زیادہ آزمائش وامتحان میں مسلمان ہی مبتلا ہیں بالخصوص علماء کرام اور مذہبی لوگ، دنیا کی سازشوں اور منصوبوں کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ ساری دنیا میں بالخصوص بوسنیا، افغانستان، کشمیر، صومالیہ اور البانیہ میں مسلمانوں پر ہی ظلم ڈھایا جا رہا ہے۔ اس وقت پوری دنیا میں کفر کی سازش ہے کہ عوام کو علماء سے متنفر اور دور کر دیا جائے۔ علمائے کرام کو، جو اپنی عوام کو اسلام سکھاتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری سنت سمجھاتے ہیں، اتنا بدنام کر دیا جائے کہ عام آدمی ان کے قریب نہ آئے اور جب وہ قریب نہ آئے گا تو ہدایت نہ مل سکنے کی وجہ سے ان کا دین ختم ہو جائے گا۔

● ...... یہ علماء اور دینی مدارس پاور ہاؤس ہیں۔ عوام کا رشتہ ان سے توڑ کر ان کی دنیا، قبر اور آخرت کو تاریک کرنا چاہتے ہیں۔ ان حضرات سے ہی تو پوری دنیا کو دین کی روشنی ملتی ہے۔ اخلاص کے ساتھ ایمان کی پختگی پیدا کرو۔ اللہ نے جو علم دیا ہے اس پر عمل کرو۔ جو علم ہم نے پڑھا ہے، بالخصوص بخاری شریف اس کا اثر اور فائدہ سر سے لے کر پاؤں تک ہماری زندگی میں نظر آئے اور اپنے اندر کامل تقویٰ اور طہارت پیدا کرو۔

● ......قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے شفا فرمایا: ''انما هو شفاء'' یقیناً قرآن نسخہ شفا ہے، مگر یہ تب ہے جب اس نسخہ شفا پر عمل کیا جائے گا۔ آپ کسی اسپیشلسٹ ڈاکٹر یا حکیم سے نسخہ لکھوا کر صرف اسے پڑھتے ہیں تو اس سے شفا نہیں ہوگی، بلکہ دوائی لے کر استعمال کرنے سے ہی شفا ہوگی۔ اسی طرح قرآن وشریعت شفا ہے، مگر اس شخص کے لیے جو پڑھ کر اس پر عمل کرے گا، جنہوں نے اس کو استعمال کیا، اگر وہ عرب کے بدو تھے تو وہ عرب کے رہبر بن گئے۔ جو زمانہ جاہلیت کے لوگ تھے وہ اب دنیا کو علم دینے والے بن گئے۔ جو دین کے سخت مخالف تھے وہ دین کے محافظ بن گئے خدا نے ان کو ''صحابی'' رضی اللہ عنہم بنا دیا، انبیاء کرام کے بعد وہ سب سے اونچے

مرتبے پر فائز ہو گئے۔

● ...... اللہ کا وعدہ ہے کہ اگر مسلمان دین پر عمل کریں گے، تو ان کو غالب کر دوں گا۔ یہ سب اللہ کا تم پر احسان ہے، تمہارا دین پر، مدرسہ اور اساتذہ پر احسان نہیں، بلکہ ان کا تم پر احسان ہے۔ فرمایا: ''اگر بالفرض تم دین کا کام نہیں کرو گے، تو ہم تمہاری جگہ دوسرے لوگوں کو اس پر کھڑا کر دیں گے۔'' وان تتولوا یستبدل قوما غیر کم ثم لایکونوا امثالم ''آج کل ہمارے گھروں میں بے حیائی اور فحاشی کا سیلاب آ رہا ہے۔ اس کا مقابلہ تم علماء ہی نے کرنا ہے۔

● ...... یاد رکھو! علم اور عمل دونوں کا مجموعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت ہے۔ دنیا آج اسلام کے دروازے پر دستک دے رہی ہے اور اسلام کے لیے بے قرار ہے۔ اب صرف دروازہ کھولنے کی ضرورت ہے، چونکہ تمام نظام ناکام ہو چکے ہیں، جوں ہی تم دروازہ کھولو گے تو حضور علیہ السلام کی پیشین گوئی کہ: ''اسلام ہر کچے اور پکے گھر میں داخل ہو کر رہے گا۔'' پوری ہو جائے گی۔ اللہ مجھے اور آپ کو ذریعہ بنالیں۔ (آمین)

● ...... اللہ تعالیٰ آپ کے اس مادر علمی جامعہ ''خیر المدارس'' کو دن دگنی، رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ الحمد للہ! جس طرح ۱۱۶ علماء فارغ ہو رہے ہیں اسی طرح ہمارے دارالافتا سے بیس سے زائد علماء مفتی بن کر جا رہے ہیں۔ آپ کے شعبہ تعلیم النساء سے بھی اس سال الحمد للہ پچیس بچیاں عالمہ فاضلہ بن کر فارغ ہو رہی ہیں۔ اس سال جامعہ خیر المدارس سے ۱۲۰ بچے حافظ قرآن بن کر فارغ ہو رہے ہیں اور ۱۵ قاری قرآن بن کر جا رہے ہیں۔

تعمیری منصوبے......

● ...... اس کے علاوہ ہمارے تین تعمیری منصوبے ہیں جن میں سے دو شروع ہو چکے ہیں اور ایک ان شاء اللہ عنقریب شروع ہونے والا ہے۔

1 ...... ایک تو نیا دارالاقامہ جس کی دو سال سے تعمیر شروع تھی اس کے ۵۲ کمرے تیار ہو چکے ہیں۔ ان میں طلبہ کی رہائش شروع ہو چکی ہے اور ایک بہت بڑا مطعم جہاں بیک وقت پانچ سو طلبہ بیٹھ کر کھانا کھا سکتے ہیں وہ بھی زیر تکمیل ہے۔

2 ...... دوسرا منصوبہ نیو شالیمار کالونی میں شروع ہے۔ وہاں جامع مسجد زیر تعمیر ہے۔ جو ان شاء اللہ تکمیل کو پہنچنے والی ہے۔ ہمارے محترم حاجی محمد حسین صاحب کا اس جامعہ سے خاص تعلق ہے۔ فارغ ہونے والے آپ علماء کو وہاں انگریزی اور عربی زبان سکھائیں گے تاکہ دونوں زبانیں

سیکھ کر آپ کی دین کی زیادہ بہتر انداز میں ان زبان والوں کو تبلیغ کر سکیں۔آپ نے دنیا کی تمام زبانوں کو وسیلے کے طور پر سیکھنا ہے۔میرے عمرہ کے دورے پر مجھے بتایا گیا کہ ۱۱۸ زبانوں میں قرآن مجید کا ترجمہ اور تفسیر لکھی جا چکی ہے۔(اُردو والوں کیلئے ''تفسیر عثمانی'' کا انتخاب کیا گیا ہے۔)سعودی حکومت اسے لاکھوں کی تعداد میں چھپوا کر اہل زبان میں مفت تقسیم کر چکی ہے۔ مزید دس لاکھ چھپ رہی ہے۔یہ ہمارے اکابر کی عنداللہ قبولیت کی نشانی ہے۔

● ......تیسرا تعمیری منصوبہ مدرسہ تعلیم النساء کو نئے سرے سے تعمیر کرنے کا ارادہ ہے۔کیونکہ فی الحال یہاں رہائش کا انتظام نہیں ہے۔ بہت سے حضرات کا تقاضا ہے کہ ہم اپنی بچیاں بھیجنا چاہتے ہیں اس کے لیے رہائش کا انتظام کریں۔ان شاء اللہ رمضان المبارک تک نقشہ کی تیاری مکمل ہو جائے گی۔عربی کا ایک شاعر کہتا ہے: ''اگر تم نے ایک عورت کو تیار کر دیا تو گویا تم نے ایک مدرسہ کو تیار کر دیا۔'' چونکہ سب سے پہلا مدرسہ ماں کی گود ہوتی ہے۔الحمدللہ اس وقت سات سو بچیاں پڑھ رہی ہیں۔

ﮩ ﮩ ﮩ

مدارس دینیہ اور خیر المدارس

حضرات علماء کرام ! طلباء عزیز اور برادران اسلام، آج کا یہ دن ہم سب کے لیے انتہائی خوشی، مسرت وسعادت کا دن ہے۔ علماء صلحاء، اولیا، اکابر اور اہل اللہ کے مجمع میں اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح بخاری شریف کی آخری حدیث کے درس کے موقع پر جامعہ ہذا میں اس پروقار تقریب میں ہم جمع ہیں اور سب سے بڑی سعادت یہ ہے کہ محدث اعظم، یادگار اسلاف، دارالعلوم دیوبند کے عظیم، قابل فخر فرزند، استاذ العلماء، حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر دامت برکاتہم شیخ الحدیث جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ یہاں پر تشریف فرما ہیں اور ابھی بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس دیں گے۔ نصیحت فرمائیں گے۔ میں ذاتی طور پر اور آپ سب کی طرف سے حضرت کا شکر گزار ہوں کہ اپنی علالت اور پیرانہ سالی کے باوجود ذرہ نوازی فرماتے ہوئے یہاں تشریف لائے۔

چند سالوں میں ہمارے اکابر اور اسلاف کی پے در پے وفات نے ہمیں یتیم کر دیا ہے۔ حضرت کا وجود ہم سب کے لیے اللہ کی نعمت ہے، آپ مسلک علماءِ دیوبند کے محافظ بھی ہیں اور ترجمان بھی، داعی بھی ہیں اور وکیل بھی۔ اس ادارے کے بانی جد امجد حضرت مولانا خیر محمد صاحب نور اللہ مرقدہ کے ساتھ آپ کا گہرا قریبی اور قلبی تعلق تھا۔

ہم خوش قسمت ہیں کہ حضرت سے آخری سبق بھی پڑھیں گے اور دعائیں بھی لیں گے۔ اللہ آپ کو عالی سند عطا فرما رہے ہیں...... یہ تمام طلباء علماء قرآن وحدیث پڑھنے والے، دین سے محبت کرنے والے، خوش نصیب افراد کا مجمع ہے۔ دعا فرمائیں۔ کاروبار چھوڑ کر آنے والے اس گھڑی کو غنیمت سمجھیں۔ اللہ تعالیٰ اسے باعث نجات بنا دیں۔ مدینہ منورہ سے مولانا عبدالمنان تشریف لائے ہیں اور یہ اسی دارالعلوم دیوبند کا فیضان ہے جس نے برصغیر میں بلکہ پوری دنیا میں الحمد للہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا جھنڈا لہرایا ہے۔ آپ دنیا کے کسی بھی ملک میں چلے

جائیں خواہ عرب کے ممالک ہوں، خواہ افریقہ کے ممالک ہوں، امریکہ اور یورپ کے ممالک ہوں۔ آپ کو وہاں دارالعلوم دیو بند کا فیضان بلاواسطہ یا بالواسطہ نظر آئے گا۔ کہیں تبلیغی جماعت کی شکل میں نظر آئے گا، کہیں دینی مدارس، دینی جماعتوں کی شکل میں نظر آئے گا، کہیں ان کی تحریروں اور تصانیف کی شکل میں نظر آئے گا۔ بہت سے گرجے مساجد میں تبدیل ہو گئے، بہت سے عیسائیوں کی عبادت گاہیں تثلیث کی اذان سے نکل کر توحید کی اذانوں سے گونج اٹھیں۔ الحمد للہ یہ فیضان ہے ان دینی مدارس کا۔

دینی مدارس اسلام کے قلعے ہیں۔ دنیا ان مدارس کے خلاف سازش کرتی ہے۔ کبھی انہیں دہشت گرد کہتی ہے۔ کبھی ان پر فرقہ وارانہ فسادات پھیلانے کا الزام لگاتی ہے۔ کبھی کہا جاتا ہے یہ تو دقیانوسی اور رجعت پسند لوگ ہیں۔ لیکن یاد رکھیے کہ پوری دنیا میں دین کا تحفظ قرآن وحدیث کے علوم کو پھیلانے کا کام ان ہی بوریا نشینوں نے اور ان ہی مدارس کی چٹائیوں پر بیٹھنے والے ''ملاؤں'' نے کیا ہے، آج یہ ''ملا'' جس کو حقارت سے مُلا کہا جاتا ہے ہمارے لیے یہ اعزاز کا لفظ ہے۔ آج آپ کے چہروں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا جو نور چمک رہا ہے۔ آپ کی اولادوں میں، جو دین داری نظر آ رہی ہے۔ یہ ان ہی دینی مدارس کی برکت سے ہے۔ پاکستان بنے پچاس سال گزر گئے، مگر کراچی سے پشاور تک، کوئٹہ سے مظفر آباد (آزاد کشمیر) تک پاکستان کی حکومت کوئی ایسا پرائمری اسکول، ہائی اسکول و کالج اور یونیورسٹی دکھائے، جس نے پاکستان بننے کے بعد قرآن کا کوئی حافظ پیدا کیا ہو۔ ہماری ضرورت قرآن ہے۔ سائنس، ریاضی اور جغرافیہ یہ تمام دنیا کے لیے ہیں، علم نہیں ہیں۔ علم تو وہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر غار حرا میں نازل ہوا۔ ﴿اقراء باسم ربک الذی خلق﴾ صرف یہی نہیں کہا کہ پڑھیے، بلکہ فرمایا کہ اس رب کا نام لے کر پڑھیے، جس نے پیدا کیا ہے۔ یہ اس لیے کہا کہ پڑھنا، وہ ہے جس سے حلال وحرام کا پتہ چلتا ہے اور اسی سے اللہ کے احکام معلوم ہوں گے اور ان احکام پر عمل کر کے اللہ سے تعلق نصیب ہوگا۔

دینی مدارس اسلام کے قلعے ہیں...... یہ دینی مدارس اللہ کی نعمت ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ دینی مدارس دہشت گردی نہیں کرتے، بلکہ دینی مدارس والوں پر دہشت گردی کی جاتی ہے اور دشمنان اسلام ایک تیر سے دو شکار کرتے ہیں کہ وار (حملہ) بھی ان دینی مدارس پر کرتے ہیں، شہید بھی انہیں کرتے ہیں اور پھر الزام بھی ان پر لگا دیتے ہیں۔ لیکن ان شاء اللہ قرآن اور قرآن والے

ہمیشہ رہیں گے۔ یہ لوگوں کو دین سے دور کرنے کی سازش ہے۔ طریقہ یہ ہے کہ جہاں سے دین ملتا ہے، وہاں سے دور کر دیں۔ مدرسہ اور علماء سے دور کر دیں مگر دین تو بڑھتا جائے گا۔ آپ نے دیکھا کہ ان مدارس کی چٹائی پر بیٹھنے اور پڑھنے والوں نے افغانستان کے جہاد کے اندر دنیا کی ایک سپر طاقت کو صفر طاقت کر دیا اور جہاد افغانستان کی برکت سے خود سویت یونین میں آٹھ اسلامی ریاستیں اور ملک بن گئے ہیں۔

''طالبان'' دینی مدارس کے طلباء ہی تو ہیں۔ طالبان کے کنٹرول میں جو علاقے ہیں، وہاں مثالی امن ہے اور مکمل اسلامی نظام نافذ ہے۔ گانے کی آواز نہیں، عورتیں باپردہ نکلتی ہیں۔ حقوق سارے دیے ہیں اور اسلام کو نافذ کیا ہے۔

ریڈیو اسٹیشن کا نام بھی ''صدائے دین'' (دین کی آواز) رکھا ہے۔ اللہ کرے پورے افغانستان پر ان کو حکومت مل جائے۔ آج پاکستان سمیت کوئی اسلامی ملک بھی ان کو نہیں مان رہا۔ اس لیے کہ امریکہ رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ لیکن اللہ کا دین جو کہ طوفان کی طرح ہے، یہ اپنا راستہ خود بنا لے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان دینی مدارس سے وابستہ رکھے۔ آمین۔

یہ اجتماع اس لیے بھی ہوتا ہے تا کہ آپ کو بتایا جائے کہ آپ جوان دینی مدارس پر خرچ کرتے ہیں، وہ ضائع نہیں جاتا۔ یہ آپ کو حافظ قرآن، عالم اور دین کے داعی دیتے ہیں۔ آپ نے جو امانت ان کو دی انہوں نے اس امانت کو بنا سنوار کر آپ کے حوالے کیا۔

فیضان خیر المدارس...... خیر المدارس کا ۱۹۳۱ء میں حکیم الامت، مجدد الملت والدین حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کے دست مبارک سے سنگ بنیاد رکھا گیا (یہ ہندوستان میں ہوا) پاکستان بننے کے بعد ۱۹۴۷ء میں خیر المدارس ملتان بنا۔ الحمد للہ اس ادارے کو بنے ہوئے ۶۵ سال ہو گئے اب تک ہزاروں علماء، ہزاروں حافظ پڑھ کر نکلے۔ اللہ تعالیٰ نے اتنی مقبولیت سے نوازا کہ پوری دنیا میں حتیٰ کہ مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ میں اور حرمین میں بیٹھ کر قرآن پڑھانے والے اکثر اساتذہ خیر المدارس ملتان کے فضلاء ہیں۔ یہ فیضان ہے ہمارے استاذ، مجدد القراءت، استاذ القراء حضرت قاری رحیم بخش صاحب نور اللہ مرقدہ کا جنہوں نے چالیس سال اس خیر المدارس میں پڑھایا اور اب اسی خیر المدارس کے قبرستان کے اندر ہمیشہ کے لیے آرام فرما ہیں۔ جن کا اوڑھنا، بچھونا قرآن تھا، جن کو اللہ نے پیدا ہی قرآن کی خدمت کے لیے کیا تھا۔

ہمارے جدامجد حضرت مولانا خیر محمد جالندھری کا لگایا ہوا باغ جس کی آبیاری محدث العصر حضرت مولانا علامہ محمد شریف کشمیری رحمہ اللہ نے کی ہے اور انہوں نے یہاں ساری عمر بخاری شریف کا درس دیا ہے۔ اس ادارے کے بننے میں مجاہد الملت حضرت مولانا محمد علی جالندھری کی بھی کوششوں کا دخل ہے اور اس ادارے کی برکت سے ملتان کے پورے علاقے کو صحیح قرآن پڑھنا نصیب ہوا۔

خیر المدارس میں پڑھنے والے طلباء کے اجمالی کوائف...... اس سال خیر المدارس کے مختلف شعبوں میں جو طلباء مصروف تعلیم رہے، ان کی تعداد جامعہ کے شعبہ کتب میں 565 ہے۔ شعبہ حفظ وقرات میں 347۔ جامعہ کی شاخوں میں زیر تعلیم طلباء کی تعداد 645 ہے۔ تعلیم النساء میں 104 بچیاں درجہ کتب میں پڑھ رہی ہیں۔ قرآن پڑھنے والی بچیوں کی تعداد 154 ہے۔ پرائمری میں طالبات کی تعداد 369 ہے اور مدرسہ کی شاخوں میں بچیوں کی تعداد 280 ہے۔ کل طلباء اور طالبات جو اس سال جامعہ خیر المدارس میں زیر تعلیم ہیں ان کی تعداد 2452 ہے (الحمدللہ)۔ دورہ حدیث سے فارغ ہونے والے طلباء کی تعداد 76 ہے۔ طالبات جو آج حضرت سے بخاری شریف کا آخری درس لے رہی ہیں ان کی تعداد 25 ہے۔ جو بچیاں قرآن حفظ کر کے جارہی ہیں ان کی تعداد 25 ہے۔ لڑکوں میں شعبہ حفظ سے فارغ ہونے والے طلباء کی تعداد 118 ہے، جو طلباء قاری بن کر فارغ ہورہے ہیں ان کی تعداد بھی 18 ہے۔ آپ کے اس ادارے میں پاکستان کے چاروں صوبوں اور آزاد کشمیر کے علاوہ تیرہ ممالک کے طلباء بھی پڑھ رہے ہیں۔ برطانیہ، متحدہ عرب امارات، کینیا، یوگنڈا، انڈونیشیا، روانڈا، تنزانیہ، موزنبیق، تھائی لینڈ، فلپائن، افغانستان، سعودی عرب، ایران۔

میں جامعہ کے تمام معاونین کا شکر گزار ہوں، جامعہ کا سالانہ خرچ تقریباً نوے لاکھ روپے ہے۔ اللہ کے فضل سے اور آپ کے تعاون سے یہ خرچہ پورا ہورہا ہے کوئی مستقل آمدنی کا ذریعہ نہیں۔

جہاں آج یہ خوشی کا مقام ہے، وہاں ہمارے لیے افسوسناک اور غم کی خبر بھی ہے کہ ہمارے دادا حضرت مولانا خیر محمد جالندھری کی صاحبزدی اور ہماری پھوپھی آج رات بقضاء الٰہی انتقال فرما گئی ہیں۔ ﴿اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ﴾ ظہر کی نماز کے بعد حضرت ان کی نماز جنازہ پڑھائیں گے۔ وہ مجاہد ملت حضرت مولانا محمد علی جالندھری کی بہو تھیں، مرحومہ صالحہ، صابرہ اور شاکرہ خاتون تھیں۔ سب حضرات ان کے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ سکون

نصیب فرمائیں اور ہم سب کو صبر جمیل نصیب فرمائے۔ آمین۔

عجیب اتفاق...... حضرت مولانا فیض احمد صاحب بتا رہے تھے کہ مرحومہ کی والدہ بھی اس رات فوت ہوئی تھیں، جب خیر المدارس میں اکابرین کا مجمع تھا۔ مولانا سید سلیمان ندوی وغیرہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ درس کے بعد جنازہ پڑھایا گیا۔ یہ سعادت کا مقام ہے۔

اب آپ آرام سے بیٹھیں۔ حضرت کا درس سنیں۔ حضرت کا ایک ایک حرف آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ حضرت ہمارے لیے اللہ کی بڑی نعمت ہیں۔ اللہ حضرت کو صحت، عافیت، ایمان کی سلامتی اور اسی علم کے فیضان کو پہنچاتے ہوئے لمبی عمر عطا فرمائیں۔ (آمین)

○ ○ ○

برائے اجلاس مجلسِ عاملہ واہم شخصیات

منعقدہ ۱۷/۱۸، جنوری ۲۰۱۰...... بمقام جامعہ فاروقیہ، کراچی

قابلِ صد احترام حضرات علماء کرام اربابِ مدارسِ دینیہ اور معزز اراکین مجلسِ عاملہ
وفاق المدارس العربیہ پاکستان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

سب سے پہلے آپ حضرات کو اس اہم ترین اجلاس میں مختصر اطلاع پر اپنی تمام تر مصروفیات کے باوجود تشریف لانے پر خوش آمدید کہتا ہوں اور صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

ملک کی عمومی صورت حال دن بدن سنگین تر اور پیچیدہ تر ہوتی جا رہی ہے۔ جہاں ایک طرف ملک کی اسلامی نظریاتی تشخص اور حیثیت کو مجروح کرنے کی سازشیں مسلسل جاری ہیں وہاں ملک کی سالمیت، قومی خودمختاری اور ایٹمی صلاحیت کے لیے بھی خطرات کا دائرہ دن بدن پھیلتا جا رہا ہے اور اسی پس منظر میں ملک کے ریاستی نظام تعلیم کو اسلامی مواد اور دینی اثرات سے محروم کرنے کے ساتھ ساتھ دینی مدارس کے آزادانہ دینی تعلیمی نظام کو غیر مؤثر بنانے کے لیے ہر سطح پر منصوبہ ساز اور ادارے متحرک نظر آ رہے ہیں۔

دینی مدارس کا تعلیمی امتیاز و تشخص اور ان کی آزادانہ حیثیت ملکی اور بین الاقوامی سیکولر حلقوں کو ہمیشہ سے کھٹکتی آ رہی ہے اور ان حلقوں کی ایک عرصہ سے یہ کوشش ہے کہ قومی دھارے میں لانے کے خوشنما عنوان اور جدید تعلیم کے امتزاج کے بظاہر دلفریب نعرے کے ساتھ دینی مدارس کے اس آزادانہ نظام کو کسی نہ کسی طرح سرکاری کنٹرول یا کم از کم مداخلت کے دائرے میں لایا جائے تاکہ دینی مدارس کے آزادانہ اور امتیازی تعلیمی نظام ونصاب کی وجہ سے مسلم معاشرہ میں اسلامی احکام وقوانین کے ساتھ عام مسلمانوں کی بے لچک وابستگی اور قرآن وسنت کے علوم سے استفادہ

کا جو ماحول قائم ہے اسے خدانخواستہ ختم کیا جا سکے اور عام مسلمانوں کی دینی وابستگی اور قرآن وسنت کے ساتھ جذباتی تعلق کو کمزور کر کے انہیں مغربی تہذیب وثقافت اور فلسفہ ونظام کو قبول کرنے کے لیے آمادہ کیا جا سکے۔

سیکولر حلقے خواہ وہ بین الاقوامی ہوں یا مقامی سب یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک عام مسلمانوں کو دینی تعلیم کا ماحول میسر ہے، مدرسہ ومسجد کا ماحول قائم ہے اور ان کے ذاتی، خاندانی اور معاشرتی مسائل میں دینی رہنمائی کا نظام موجود ہے اس وقت تک مسلم معاشرہ میں مغرب کے فلسفہ وثقافت کو پذیرائی نہیں مل سکتی اس لیے دینی مدارس کے اس آزادانہ سسٹم کو توڑنے یا کم از کم غیر مؤثر بنانے کی ہر سطح پر سرتوڑ کوششیں جاری ہیں۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان دراصل اہل السنّت والجماعت حنفی دیوبندی مسلک کے دینی مدارس کے درمیان رابطہ وتعاون کے فروغ، تعلیمی نظام ونصاب میں یکسانیت پیدا کرنے، تعلیمی معیار کو بہتر کرنے اور امتحانات کے نظام کو معیاری بنانے کے لیے قائم ہوا تھا اور بحمد اللہ تعالیٰ ان اہداف کی طرف کامیابی کے ساتھ پیش قدمی کر رہا ہے لیکن ظاہر ہے کہ وہ اپنے اہداف ومقاصد کے حوالہ سے دینی مدارس کے تحفظ، ان کے تشخص اور خودمختاری کو درپیش خطرات کے سدباب کی ذمہ داری سے بھی غافل نہیں رہ سکتا اور اس کے ساتھ ساتھ اسلامی ثقافت وعقیدہ کے تحفظ اور مسلمانوں کو عمومای تناظر میں درپیش ملی اور قومی خدشات ومسائل سے بھی وہ لاتعلق نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اپنے دائرہ کار کو قائم رکھتے ہوئے وفاق المدارس العربیہ پاکستان نے اپنے پلیٹ فارم پر بھی اور دوسرے مسالک کے مدارس کے وفاقوں کے ساتھ مل کر بھی ہمیشہ یہ کوشش کی ہے کہ:

- ......دینی مدارس کا آزادانہ تعلیمی نظام اور ان کا جداگانہ تعلیمی تشخص اپنی پوری روایات کے ساتھ قائم رہے اور اسے مجروح ومتاثر کرنے کی کوئی سازش کامیاب نہ ہونے پائے۔
- ......دینی مدارس کا تعلیمی معیار زیادہ سے زیادہ بہتر ہو اور وہ قوم کی زیادہ بہتر طریقہ سے خدمت کر سکیں۔
- ......زمانے کے بدلتے ہوئے حالات اور تقاضوں کے پیش نظر مدارس کے نظام ونصاب میں جو تبدیلی، تغیر اور ترمیم ان کے اہداف ومقاصد کی طرف پیش رفت میں معاون ہو اسے قبول کرنے سے گریز نہ کیا جائے اور اصلاح وترمیم کی جو تجویز یا پروگرام اُن کے دائرۂ کار اور تعلیمی اہداف سے متصادم ہو اس کی پوری قوت کے ساتھ مزاحمت کی جائے۔

●......عام مسلمانوں کے عقیدہ واخلاق، عبادات ومعاملات اور ذاتی وخاندانی مسائل میں انہیں دینی رہنمائی مسلسل ملتی رہے اور دینی، اخلاقی اور تہذیبی فتنوں کے مقابلے کے لیے ان کی حوصلہ افزائی ہوتی رہے۔

یہ جدوجہد آج کی نہیں ہے بلکہ قیام پاکستان سے قبل بھی ہوتی رہی ہے اور وطن عزیز کے قیام کے بعد بھی مسلسل جاری ہے۔

اسی پس منظر میں آج کے حالات کی سنگینی کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں اپنی صف بندی کا از سر نو جائزہ لینا ہے اور اپنی فکری، علمی اور تعلیمی جدوجہد کو زیادہ سے زیادہ مؤثر بنانے کے لیے پورے حوصلہ وتدبر اور حکمت ودانش کے ساتھ اپنی ترجیحات طے کرنی ہیں۔

میری رائے یہ ہے کہ جہاں تک ملک کی عمومی صورت حال کا تعلق ہے اور قومی خود مختاری کی بحالی اور پاکستان کے اسلامی دستوری تشخص کے تحفظ کا مسئلہ ہے اس پر عوامی جدوجہد، سیاسی ودینی جماعتوں کے دائرۂ کار میں شامل ہے اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے لیے اس میں کوئی تحریکی کردار ادا کرنا اس کی ذمہ داریوں سے مناسبت نہیں رکھتا لیکن علمی وفکری رہنمائی اور دین قوم کے مفاد میں حق بات کی مؤثر حمایت ضرور ہونی چاہیے اور اس مقصد کے لیے مجلس عاملہ کی قرارداد اور وفاق کے قائدین واکابرین کے بیانات اور مضامین ایک بہتر ذریعہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ البتہ ملک کے عصری، سرکاری وپرائیویٹ نظام تعلیم کی اصلاح، دینی مدارس کے آزادانہ کردار کا تحفظ اور مغربی ثقافت کی ہمہ جہت یلغار کا مقابلہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے اہداف ومقاصد کا حصہ ہیں اور ان کے لیے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے فورم پر عوامی جدوجہد کی نہ صرف یہ کہ ضرورت موجود ہے اور بڑھتی جا رہی ہے بلکہ یہ ہمارے دینی فرائض کا بھی حصہ ہے۔ اس لیے میری تجویز ہے کہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کو:

●......عصری تعلیمی نظام کو سیکولرائز کرنے کے اقدامات کی مزاحمت۔

●......مغربی تہذیب وثقافت کی مسلسل یلغار کے مقابلہ اور

●......دینی مدارس کے نظام ونصاب کے تحفظ اور ان کے آزادانہ کردار کے تسلسل کو برقرار رکھنے کے عنوان پر ایک منظّم اور مربوط عوامی جدوجہد کا پروگرام طے کرنا چاہیے۔

اس کے لیے:

●......علماء کرام اور اربابِ مدارس کے علاقائی کنونشنوں کا انعقاد۔

دروس وخطبات اور بیانات ومضامین میں ان اہداف ومقاصد کی ترجیحی شمولیت۔

- ......اس کے لیے تمام مکاتب فکر کے علماء کرام اور کارکنوں کے وسیع تر اتحاد کا اہتمام اور
- ......دیگر مؤثر طبقات مثلاً وکلاء، تاجروں، اساتذہ کی تنظیموں، طلبہ کی جماعتوں، ذرائع ابلاغ کے سب شعبوں اور دینی وسیاسی جماعتوں کے رہنماؤں کے ساتھ رابطہ ومفاہمت کے فروغ جیسے اقدامات کیے جاسکتے ہیں اور اس کے لیے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مجلس عاملہ کو ٹھوس منصوبہ بندی اور اقدامات کرنے چاہئیں۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ دینی مدارس کے منتظمین اپنے دائرۂ کار اور دائرۂ اثر میں وسعت پیدا کرنے کے لیے اپنے حالات وظروف کے مطابق مؤثر اقدامات کریں جس کے لیے سرکاری ملازمین اور تاجروں وغیرہ کے لیے فہم دین کے مختصر کورسز، اسکولوں اور کالجوں کے طلبہ کو تعلیمی رہنمائی فراہم کرنا، عام لوگوں کے لیے عربی گرامر اور ترجمہ قرآن کریم کی کلاسیں، مختلف طبقات کے لیے پیشہ ورانہ رہنمائی کی غرض سے ریفریشر کورسز کا انتظام اور دیگر اقدامات کیے جاسکتے ہیں۔

آپ حضرات جن حالات میں اور جس جذبہ کے ساتھ یہاں جمع ہیں اس کی روشنی میں مجھے امید ہے کہ آپ قوم وملک کو درپیش سنگین چیلنجز میں قوم کی صحیح سمت رہنمائی کے خطوط متعین کرنے میں کامیاب ہوں گے اور ہم سب مل کر اپنی دینی وقومی ذمہ داریوں سے صحیح طور پر عہدہ برآ ہوسکیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

• • •

دینی مدارس اور استحکام پاکستان

جامعہ خیر المدارس کے مہتمم حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری زید مجدھم نے ۲۶ ستمبر ۱۹۹۷ء کو جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد میں اساتذہ کرام، علماء ،طلباء اور عوام کے ایک بہت بڑے اجتماع سے خطاب فرمایا، جس میں انہوں نے علماء امت کی دینی خدمات اور دینی مدارس کے کردار کے علاوہ نظریہ پاکستان پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ اس وقت ایک مرتبہ پھر علمائے کرام اور دینی مدارس کا کردار زیر بحث ہے۔ حضرت مہتمم صاحب کا یہ خطاب ان شاء اللہ بہت سے حضرات کے لیے چشم کشا اور حق نما ثابت ہوگا۔

اجتماع خاص...... خطبہ مسنونہ کے بعد ارشاد فرمایا: تمام حضرات ذوق، شوق اور عقیدت کے ساتھ با آواز بلند ایک دفعہ درود شریف پڑھ لیں۔ اللهم صلی علی محمد... الخ.

صدر اجلاس مخدوم العلماء حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ مرکزی صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان، میرے استاد جامعہ اسلامیہ امدادیہ کے مہتمم اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مرکزی مجلس عاملہ کے رکن حضرت مولانا نذیر احمد صاحب دامت برکاتہم، علمائے کرام، طلبائے عزیز اور برادران اسلام! آج بتاریخ ۲۶ ستمبر ۱۹۹۷ء بروز جمعۃ المبارک بعد نماز مغرب پاکستان بلکہ عالم اسلام کے ایک عظیم اور قابل فخر ادارے جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد میں پاکستان کے قیام کے پچاس سال مکمل ہونے پر ''نفاذ اسلام اور استحکام پاکستان'' کے حوالے سے منعقد ہونے والی اس تاریخ ساز عظیم الشان کانفرنس میں حاضری اور کچھ کہنا میرے لیے بہت بڑی سعادت ہے۔ میری نظر میں آج کا یہ ہزاروں کا اجتماع دنیا بھر میں ہونے والے لاکھوں، کروڑوں، انسانوں کے مجموعوں پر بھاری ہے۔ اس لیے کہ آج کے اس کنونشن اور اجتماع میں اکثریت علمائے کرام، دین کے طلباء، ان سے محبت کرنے والوں اور

پاکستان سے پیار رکھنے والوں کی ہے۔ان کے علاوہ تاجر،صنعت کار، وکلاء، سیاسی و دینی جماعتوں سے وابستہ رہنما اور کارکن غرض کہ تمام شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے حضرات خواہ عوام ہوں، یا حکام ہوں، یہاں موجود ہیں اور جس منظّم اور پرسکون انداز میں آپ تشریف فرما ہیں، یہ ہمارے شیخ حضرات مولانا نذیر احمد صاحب دامت برکاتہم اور ان کے رفقائے کار اور اس ادارے کے اساتذہ اور ان تمام حضرت جنہوں نے اس اجتماع کے انعقاد اور کامیاب بنانے میں تعاون کیا یہ ان کے حسن انتظام کی واضح دلیل ہے۔ دعا ہے کہ اللہ کرے یہ اجتماع اپنے مقاصد کو بھی حاصل کرے اور اپنے مقاصد میں کامیاب بھی ہو، آمین۔ اگرچہ آپ کے اور ہمارے درمیان بہت بڑا فاصلہ ہے، ہم ذرا بلندی پر ہیں، لیکن آپ نیچے بیٹھے ہیں، لیکن یہ اونچائی اور نیچائی کا فاصلہ ہمارے اور آپ کے سوال و جواب، گفتگو، یا بات کو سمجھنے میں حائل اور رکاوٹ نہیں بننا چاہیے۔

علماء امت آخرت میں بھی سر بلند ہوں گے...... یہ تو دراصل اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جس طرح یہ اسٹیج اونچا ہے، کچھ حضرات نیچے بیٹھے ہوئے ہیں، یہ ایک ترتیب اور نظام ہے، جنت میں بھی ایسا ہی ہوگا جب میدان لگا کرے گا، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنا دیدار کرایا کریں گے، تو وہاں نور کے ممبر بھی ہوں گے اور وہاں کچھ منبر اونچے اور کچھ منبر نیچے ہوں گے۔ کچھ لوگ کافور کے ٹیلوں پر بیٹھے ہوئے ہوں گے، مگر وہ سارا جنت کا میدان اور دیدار خداوندی کا منظر ہوگا۔ اللہ کی کرسی درمیان میں آئے گی، اسی طرح دربار لگے گا، اللہ مجھے اور آپ کو اس دربار کی حاضری نصیب فرمادے، لیکن آج اس بات کی طرف بھی اشارہ کرنا مقصود ہے کہ جس طرح آج حسی طور پر آپ کو یہ نظر آرہا ہے کہ علماء اسٹیج پر بیٹھے ہیں، علماء بلند بیٹھے ہیں اور آپ حضرات بھی یا عالم بننے والے ہیں، یا بعض عالم بن چکے ہیں، یا علماء سے محبت کرنے والے ہیں۔

یاد رکھیں قیامت میں بھی ایسا ہوگا کہ عوام الناس، عام مسلمان لوگ جو ہوں گے، وہ نچلی منزلوں میں ہوں گے، علماء اوپر کی منزلوں میں ہوں گے اور لوگ سر اٹھا کر علماء کو جنت کے اونچے درجات میں دیکھیں گے۔ اللہ آپ کو بھی بلندیاں عطا فرمائے، آپ سب نے بھی ان شاء اللہ عالم بننا ہے۔

پاکستان ہماری مشترکہ متاع ہے...... یہ اجتماع پاکستان کے پچاس سال مکمل ہونے پر ہورہا ہے۔ اسے گولڈن جوبلی سال کا نام دیا جارہا ہے اور آپ نے دیکھا ملک اور بیرون ملک پاکستانی، پچاس سال کے مکمل ہونے پر خوشی اور جشن کا مظاہرہ کررہے ہیں، تقریبات منعقد کررہے ہیں۔ قیام پاکستان کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈال رہے ہیں۔ یہ پاکستان ہم سب کا

پاکستان ہے، یہ پاکستان غریبوں کا بھی پاکستان ہے، یہ پاکستان امیروں کا بھی پاکستان ہے اور یاد رکھیے، جہاں یہ پاکستان ایوانوں میں بیٹھنے والوں کا پاکستان ہے، میدان سیاست میں کام کرنے والوں کا پاکستان ہے، تجارت وصنعت سے وابستہ لوگوں کا پاکستان ہے، کسی بھی میدان میں کام کرنے والوں کا پاکستان ہے، جس طرح یہ پاکستان ان جماعتوں کا ہے کہ جنہوں نے اس کی تحریک میں حصہ لیا، اسی طرح یہ پاکستان کوئٹہ سے لے کر مظفر آباد تک، کراچی سے لے کر پشاور تک، پاکستان کے چاروں صوبوں اور آزاد کشمیر میں ہزاروں کی تعداد میں پھیلے ہوئے دینی مدارس اور وہاں پڑھنے والے اور پڑھانے والے لوگوں کا پاکستان بھی ہے۔اس لیے کہ پاکستان جب بنا تھا، جب اس کی تحریک چلی تھی، تو قائداعظم کے دائیں بائیں علماء نظر آتے تھے، ایک طرف شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نظر آتے ہیں تو دوسری طرف مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نظر آتے ہیں۔ میں اپنے طالب علم بھائیوں سے کہا کرتا ہوں کہ اس پاکستان کو اپنے اکابر کی جائیداد سمجھو، اس پاکستان کو اپنی وراثت سمجھو، اس پاکستان کو اپنا ترکہ سمجھو، یہ ہماری متاع عزیز ہے۔اس کا اعتراف خود قائداعظم نے کیا تھا جب پاکستان بنا تو سب سے پہلا پاکستان کا جھنڈا لیاقت علی خان نے نہیں لہرایا، پاکستان کا پہلا جھنڈا قائداعظم نے نہیں لہرایا، پاکستان کا جھنڈا کسی اور لیڈر نے نہیں لہرایا، بلکہ پاکستان کا پہلا جھنڈا کراچی میں علامہ شبیر احمد عثمانی اور ڈھاکہ میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہم اللہ نے لہرایا تھا۔اور یہ فیصلہ خود قائداعظم کا تھا اور یہ اس بات کا واضح اعلان تھا کہ پاکستان ان علماء کی دواؤں اور دعاؤں کا نتیجہ ہے، ان کی محنتوں اور کوششوں کا نتیجہ ہے، سرحد کا ریفرنڈم نہ جیتا جا سکتا تھا، اگر یہ علماء وہاں دن رات محنت نہ کرتے۔

قائداعظم کی نظر میں حکیم الامت رحمہ اللہ کا مقام......ایک بار قائداعظم سے پوچھا گیا کہ آپ کے ساتھ کوئی عالم بھی ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ میرے ساتھ تحریک پاکستان میں اتنا بڑا عالم ہے کہ اگر ہندوستان کے تمام علماء کے علم کو ایک پلڑے میں رکھا جائے اور اس اکیلے عالم کا علم دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو اس کے علم کا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔ پوچھا گیا وہ کون ہے؟ کہا: حکیم الامت مجدد الملت والدین حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے اگر آپ خطوط پڑھیں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ حضرت رحمہ اللہ نے باقاعدہ مسلم لیگ کی قیادت کی راہنمائی کی ہے۔ ہر موقع پر اپنے خطوط کے ذریعے اور اپنے وفود کے ذریعے ان کی رہنمائی کی ہے۔ اگر یہ اکابر اور علماء ساتھ نہ دیتے یہ پاکستان کبھی نہ بن

سکتا، یہ پاکستان کبھی وجود میں نہ آتا، یہ پاکستان ان اولیاء اللہ کی، ان اکابر بزرگوں کی جوتیوں کا صدقہ اور محنتوں کا نتیجہ ہے۔

پاکستان مسجد کی مانند ہے...... آپ کہیں گے آپ کے کچھ اکابر علماء ایسے تھے، جنہوں نے پاکستان کے بننے کی مخالفت کی، وہ ان کی اپنی ایک رائے تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ پاکستان بننے سے ہندوستان صرف تقسیم نہیں ہوگا، مسلمان تقسیم ہو جائے گا۔ کچھ مسلمان ادھر رہ جائیں گے، کچھ اُدھر رہ جائیں گے۔ یہ پاکستان، مسلمانوں کے لیے بہتر نہیں ہوگا۔ لیکن ان کا اختلاف اس وقت تک تھا، جب تک پاکستان معرض وجود میں نہیں آیا تھا۔ لیکن جب دنیا کے نقشے پر پاکستان کے نام سے یہ ملک وجود میں آ گیا، تو ہمارے ان ہی اکابر اور بزرگوں نے شیخ العرب والعجم سید حسین احمد مدنی نے، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمہم اللہ نے اور دیگر اکابرین نے کہا کہ پاکستان اب ایک مسجد کی طرح ہے۔ مسجد کے بننے سے پہلے اختلاف ہو سکتا ہے کہ یہاں بنے، یا وہاں بنے۔ لیکن جب بن جائے تو اس کی حیثیت اللہ کے گھر کی ہو جاتی ہے، جہاں نماز قائم کرنا ضروری ہے، وہاں اس کی حفاظت ضروری ہے۔ تو ہمارے اکابر نے پاکستان کو مسجد کے ساتھ تشبیہ دی کہ اب اس کا تحفظ اور بقا پورے عالم اسلام کا تحفظ ہے۔ تمام مسلمانوں کی بقا اس میں ہے۔ یہ پاکستان اس لحاظ سے منفرد ہے اور آپ بھی کہا کرتے ہیں کہ یہ وہ ملک ہے، جس کا نظریہ پہلے بنا اور ملک بعد میں بنا ہے۔

پاکستان نظریہ کی بنیاد پر وجود میں آیا...... دو ملک ایسے ہیں جو نظریے کی بنیاد پر بنائے گئے ہیں۔ ایک یہودیوں نے اسرائیل بنایا، مسلمانوں کی زمین پر غاصبانہ قبضہ کر کے اور دوسرا یہ پاکستان جو قربانیوں اور جدوجہد کے نتیجے میں اپنی زمین پر بنایا گیا۔ جس کے نظریے کا اعلان پہلے کیا گیا کہ پاکستان کا مطلب کیا "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" یہ ملک نظریے کی بنیاد پر وجود میں آیا۔ غلط ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ پاکستان معاشی مسائل کے حل کے لیے بنایا گیا، پاکستان اقتصادی مسائل کے لیے بنایا گیا، نہیں...... نہ پاکستان جمہوریت کے لیے بنا، نہ اقتصادیات کے لیے بنا، نہ معاشی مسائل کے حل کے لیے بنا، پاکستان جمہوری بنیاد پر نہیں، بلکہ اسلامی بنیادوں پر بنا ہے، اگر پاکستان نہ بنتا، تو ہندوستان میں بھی ووٹ کی بنیاد پر مسلمان کو حکومت تو مل سکتی تھی، مگر پاکستان اسلام کی حکومت کے لیے بنایا گیا، صرف مسلمانوں کی حکومت کے لیے نہیں۔ اس لیے نظریے کی بنیاد پر لوگوں نے قربانیاں دیں، ورنہ کوئی قربانی نہ دیتا اور

پاکستان کو نظریاتی ریاست بنانے میں علمائے کرام کا کردار ہے۔اسی لیے پاکستان منفرد ہے اور پھر میں یہ بات ایسے ہی نہیں کہہ رہا۔ میں آنکھوں کے دیکھے حالات اور کانوں کے سنے حالات کی روشنی میں کہہ رہا ہوں کہ پاکستان اس وقت بھی اور آج بھی اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے، اس نعمت پاکستان کا ہمیں ابھی اتنا احساس نہیں۔ میں آج سے کچھ سال پہلے ہندوستان گیا، جب میں نے واہگہ بارڈر سے ہندوستان کی سرزمین پر پاؤں رکھا تو آپ یقین کریں مجھے یوں محسوس ہوا، میرے دل کی دنیا اتنی تبدیل ہوئی کہ مجھے یوں لگا کہ اب میں ہندوستان کی سرزمین میں پاکستانی نہیں ہوں، خود پاکستان ہوں، یہاں میری کوئی خامی میرے ملک کی خامی ہوگی، میری کوئی خوبی، میرے ملک کی خوبی سمجھی جائے گی۔

پاکستان عظیم نعمت ہے...... میں اس وقت یورپ، افریقہ، عرب اور بہت سے ایشیا کے ملکوں میں گیا ہوں۔ رب کعبہ کی قسم! اللہ کو حاضر ناظر جان کر اس مقدس سرزمین اور مدرسے میں جہاں دن رات قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں بلند ہوتی ہیں، یقین سے، ایمان سے کہتا ہوں کہ مکۃ المکرمہ اور مدینہ منورہ کے بعد، حرمین الشریفین کے بعد پوری دنیا میں خواہ اسلامی ملک ہو یا غیر اسلامی ملک ہو، پاکستان اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ عالم اسلام کا مضبوط قلعہ ہے۔ پوری دنیا کا مظلوم مسلمان پاکستان کی طرف دیکھتا ہے۔ بوسنیا میں ظلم ہو، اس کی نگاہیں پاکستان کی طرف اٹھتی ہیں، اگر برما میں ظلم ہو، تو اس کی نگاہیں پاکستان کی طرف اٹھتی ہیں، اگر نائیجیریا میں ظلم ہو، تو نگاہیں پاکستان کی طرف اٹھتی ہیں، فلسطین کا مسلمان اپنی آزادی کی تحریک کے لیے پاکستان کی طرف دیکھتا ہے، افغانستان کا مسلمان پاکستان کی طرف دیکھتا ہے، ہندوستان کا مظلوم مسلمان پاکستان کی طرف دیکھتا ہے۔ ہندوستان کا مسلمان اپنی طاقت پاکستان کی طاقت میں سمجھتا ہے۔ جہاں کہیں بھی ظلم ہوتا ہے، مسلمان پستا ہے، اس کو سب سے زیادہ اللہ کے بعد اگر امداد کی امید ہوتی ہے، تو پاکستان سے ہوتی ہے۔ اس کی نظریں پاکستان پر ہوتی ہیں۔ پاکستان ساری دنیا کے مسلمانوں کا مرکز ہے۔ میں ابھی ساؤتھ افریقہ گیا۔ آپ یقین کریں، وہاں کے لوگ زیادہ تر انڈیا سے آئے ہوئے ہیں۔ گجرات، سورت کے رہنے والے ہیں، بڑے خوش حال مسلمان ہیں، پاکستان کے برائے نام لوگ وہاں رہتے ہیں، لیکن میں جہاں بھی گیا، ''جوہانسبرگ'' میں ''ڈربن'' میں ''میرزبرگ'' میں، پورے ساؤتھ افریقہ میں، جہاں مسلمانوں کے اجتماع ہوئے، میرے بیانات ہوئے، ان سے ملاقاتیں ہوئیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم دن

رات پاکستان کی سلامتی کی دعائیں کرتے ہیں۔ ہماری ہمدردیاں پاکستان کے ساتھ ہیں۔ ہمیں کوئی مشکل یا تکلیف ہوتی ہے، تو ہم سب سے پہلے یہ چاہتے ہیں کہ پاکستان کے علماء اور پاکستان کی حکومت ہمارے حق میں آواز اٹھائے۔

لوگو! اس ملک کی قدر کرو، اس کو غنیمت جانو۔ پاکستان کو اپنا ملک نہیں، اپنا گھر سمجھو اور میں یہ کہنا چاہوں گا کہ کوئی پاکستان کو اس لیے پسند کرتا ہوگا کہ اس کے سیاسی مفادات اس سے وابستہ ہیں، کوئی اس لیے پسند کرتا ہوگا کہ شاید وہ یہاں اقتدار کی دوڑ میں شریک ہوگا، کوئی اس لیے پسند کرتا ہوگا کہ وہ یہاں تجارت اور کاروبار کرتا ہے، کوئی اس لیے پاکستان کو چاہتا ہوگا کہ اس کے کارخانے، فیکٹریاں یہاں ہیں۔ کوئی اس لیے چاہتا ہوگا کہ اس کا بینک بیلنس ہے۔ اگر چہ اب تو اکثر باہر رہنے لگا ہے، لیکن علماء، طلباء، دین کے داعی اس لیے پاکستان سے محبت کرتے ہیں کہ یہ پاکستان اسلام کے نام پر لیا گیا اور یہ پاکستان اس وقت بھی پوری دنیا میں اسلام کے پھیلانے کا ذریعہ بن رہا ہے۔ یہ پاکستان کس مقصد کے لیے حاصل کیا گیا تھا، ذرا بلند آواز سے کہیے۔ روٹی، کپڑا اور مکان کے لیے نہیں۔ جو کہتے ہیں کہ اسلام کی صحیح غرض اور پاکستان کا اصل مقصد ہمیں پتہ ہے، وہ بیک زبان اتنی زور سے آواز دیں، ایسا جواب دیں کہ اکابر کو خوشی ہو۔ معلوم ہو کہ زندہ لوگوں کا مجمع ہے، بلند آواز سے کہیں کہ پاکستان کس لیے حاصل کیا گیا تھا...... پاکستان اسلام کے لیے حاصل کیا گیا تھا۔ پاکستان نظریاتی ملک ہے۔ پاکستان اسلام کے نام پر بنا۔ پاکستان کا قبلہ اسلام اور ہمارے جن اکابر نے پاکستان کی تحریک میں نمایاں حصہ لیا، انہوں نے کراچی میں بریلوی، دیوبندی، اہل حدیث تمام مکاتب فکر کو جمع کر کے قرارداد مقاصد کی شکل میں پاکستان کا آئین دیا۔ اس کا قبلہ متعین کیا، اس کا رخ متعین کیا۔

دین کی خدمت علماء نے کی...... میں ایک سوال کرتا ہوں، مجھے بتائیں کہ جب پاکستان اسلام کے نام پر لیا گیا، پاکستان کی منزل اسلام ہے، پاکستان کے قیام کا مقصد اسلام کی بالادستی ہے، تو اسلام کہاں پڑھایا جاتا ہے۔ ذرا اونچی آواز سے بتائیں اسلام کہاں پڑھایا جاتا ہے؟ اسلام کون پڑھاتا ہے؟ آپ نے کبھی دیکھا کہ نواز شریف صاحب دین پڑھا رہے ہیں؟ کبھی آپ نے دیکھا کہ کوئی حکمران دین پڑھا رہا ہو؟ مذہبِ اسلام پڑھانا، دین اسلام پڑھانا، دینِ اسلام پڑھنا، دین اسلام کو پھیلانے کی کوشش کرنا، دین اسلام جاننے والے افراد، قوم اور ملک کو دینا، یہ آپ بتائیے کہاں ہوتا ہے؟ دینی مدارس میں ہی ہوتا ہے۔ فیصل آباد ڈویژن میں بڑے کالج

ہیں، بڑی یونیورسٹیاں ہیں، اسکول اور کالج ہیں، چپے چپے پر کالج اور یونیورسٹیاں ہیں، تعلیم کے نام پر ادارے ہیں، لیکن میں سوال کرتا ہوں، فیصل آباد والوں جواب دو، کیا تمہارے اس پورے ڈویژن میں کوئی ایک ایسا ادارہ بھی ہے، جو حکومت نے بنایا ہو کہ وہاں کے لوگوں کو اسلام پڑھایا جائے گا۔ عصری تعلیم تو یہودیوں اور عیسائیوں کے اداروں میں بھی ہے۔ آپ کا فرق کیا ہوا؟ آپ مجھے بتائیں کیا عیسائی انجینئر نہیں بنتے، سائنس دان نہیں بنتے، ان کے اسکولوں اور کالجوں میں، یہ سلیبس اور نصاب نہیں ہے؟ یقیناً ہے، لیکن اگر آپ اپنے ملک کو اسلامی ملک بنانا چاہتے ہیں، تو آپ کو ذرا مختلف ادارے بنانے ہوں گے اور ''اسلام'' پڑھانا ہوگا اور الحمدللہ یہ دینی مدارس یہی کام کر رہے ہیں، جو پاکستان کے بننے سے پہلے بھی اور پاکستان کے بننے کے بعد ساٹھ سال تک اپنی خدمات کا یادگار روشن باب رکھتے ہیں، امریکہ، روس اور ساری دنیا مل کر اس کے تاریخی روشن باب کو اندھیرے میں نہیں بدل سکتے۔ پاکستان کے دینی مدارس، دراصل پاکستان کی بقا اور تحفظ کا ذریعہ ہیں...... پاکستان اور دینی مدارس لازم وملزوم ہیں۔ پاکستان کا قیام، مدارس کے علماء اور سیاست دانوں کی اکٹھی تحریک کا نتیجہ تھا۔ اس لیے استحکام پاکستان میں بھی تمام طبقوں کے ساتھ، یہ طبقہ ہوگا، تو پاکستان کا استحکام اور سلامتی ہوگی۔

دینی مدارس پر جھوٹے الزامات...... میں آخر میں دو تین باتیں کر کے اجازت چاہوں گا، کیونکہ ابھی بہت سے حضرات نے بیان کرنا ہے، ہمارے اکابر موجود ہیں۔ آج کل صرف پاکستان نہیں، پوری دنیا میں دینی مدارس کو بدنام کیا جا رہا ہے۔ پوری دنیا میں دینی مدارس پر حملے کیے جا رہے ہیں۔ برطانیہ میں، افریقہ میں، جہاں کہیں بھی ہیں، ہندوستان میں مدارس ہیں، ان کو بھی بدنام کیا جا رہا ہے۔ کہیں کسی عنوان اور بہانے سے، کہیں کسی عنوان اور بہانے سے۔ میں نے آپ کو بتایا کہ میں ساؤتھ افریقہ سے ہو کر آیا۔ بڑے بڑے دارالعلوم وہاں بنے ہیں۔ وہاں باقاعدہ ایک مدرسے میں، وہاں کی پولیس امریکی سفیر کے کہنے پر گئی۔ اس مدرسے میں جا کر انہوں نے مداخلت کی۔ پوری دنیا میں امریکہ کے نیوورلڈ آرڈر کا ایک حصہ ہے۔ سوویت یونین کے ٹوٹنے کے بعد اب امریکا کا سب سے بڑا دشمن اور حریف اسلام اور مسلمان ہیں۔ ان کا مزاج یہ ہے کہ وہ اپنا ایک دشمن رکھنا چاہتے ہیں اور اب انہوں نے انتخاب کیا ہے اسلام کا اور مسلمانوں کا۔ اس لیے پوری دنیا میں مسلمانوں پر ظلم ہے، کسی نہ کسی عنوان اور حوالے سے، لیکن انہوں نے سمجھا کہ پہلے کے دشمنوں کی طرح ہم اسے بھی زیر کر لیں گے مگر ''اِلاسلام یعلو ولا یعلی''

اسلام تو غالب رہا کرتا ہے۔ اسلام کو انہوں نے اپنا دشمن بنایا۔ اس کو زیر کرنے کا طریقہ کیا اختیار کیا کہ جہاں سے ان لوگوں کو اسلام ملتا ہے، جہاد کا سبق ملتا ہے، قرآن اور حدیث کی تعلیم ملتی ہے، اس کو بدنام کرو۔ اتنا بدنام کرو کہ مسجد کی طرف کوئی بھی نہ جائے۔ مدرسہ کی طرف کوئی بچہ نہ بھیجے۔ مسجدوں میں بم پھینکواؤ، علماء کو قتل کرواؤ۔ ہم دوہری تہری تلوار سے ذبح کیے جا رہے ہیں کہ قتل بھی ہمارے لوگوں کو کرایا جاتا ہے اور الزام بھی ان ہی پر لگا دیا جاتا ہے۔ یہ دراصل ایک بہت بڑی عالمی سازش ہے کہ مدارس کو بدنام کر کے لوگوں کا دین سے رشتہ توڑا جائے۔ آپ مجھے بتائیے کہ کسی اسکول میں، کالج میں، یونیورسٹی میں آپ کا بچہ قرآن کا حافظ بن کر آتا ہے، قرآن کا عالم بن کر آتا ہے؟ ساٹھ سال پاکستان کو بنے ہوئے ہو گئے ہیں، میں نے چیلنج دے کر اسلام آباد میں کہا تھا کہ ایک ادارہ ایسا بتاؤ کہ جس نے ساٹھ سال کے عرصے میں کراچی سے پشاور تک چاروں صوبوں بشمول آزاد کشمیر ایک پرائمری، مڈل، یا ہائی اسکول، کالج، یونیورسٹی، کوئی ادارہ بتاؤ، جس نے ساٹھ سال کے عرصے میں پاکستان کی قوم کو ایک بھی قرآن کا حافظ دیا ہو۔ آپ بتائیں فیصل آباد ڈویژن میں کتنے اسکول ہیں، کیا ایک حافظ قرآن بھی وہاں سے نکلا؟ کوئی عالم نکلا؟ کوئی دین کا مفتی نکلا؟ شرعی عدالت میں بیٹھ کر شریعت کے مطابق فیصلہ کرنے والا نکلا؟ شرعی قانون کو جاننے والے وکیل نکلے؟ صنعت و تجارت شریعت کے اصولوں کے مطابق کرنے کے لیے بتانے والے نکلے؟ ہاں اگر آپ مولانا نذیر احمد صاحب مدظلہ سے پوچھیں گے کہ جامعہ امدادیہ نے چند سالوں میں، اس ادارے کو بنے (ساٹھ سال نہیں ہوئے، چالیس سال نہیں ہوئے، بیس سال نہیں ہوئے، پندرہ سال نہیں ہوئے) تیرہ چودہ سال ہوئے ہیں۔ میں نے اس لیے پوچھا، تاکہ آپ کو یاد رہے تیرہ چودہ سال ہوئے ہیں۔ آپ پوچھیں کتنے حافظ بنائے؟ کتنے قاری بنائے؟ کتنے عالم بنائیں؟ کتنوں کو وہ نعمت دی، جو دنیا میں بھی کام آئے اور قبر میں بھی کام آئے، آخرت میں بھی کام آئے، تو حضرت حدیث بالنعمت کے طور پر سر فخر سے اونچا کر کے کہیں گے کہ تیرہ سال کے عرصے میں سینکڑوں حافظ، سینکڑوں قاری اور سینکڑوں عالم، ایک مدرسے نے دیے اور فیصل آباد تو منڈی ہے، مرکز ہے مدارس کا۔ جگہ جگہ ایسے مدارس ہیں، جنہوں نے یہ خدمات سر انجام دیں۔

دینی مدارس وحدت کی علامت ہیں...... یہ بات بھی کہنا چاہوں گا کہ پاکستان کے مدارس وہ مدارس ہیں، جو پاکستان کو ایک لڑی میں پرو دیتے ہیں۔ جنہوں نے پاکستان کی وحدت کو قائم رکھا

ہے۔ سندھ کے طلباء سندھ میں پڑھیں گے۔ وہاں کی یونیورسٹیوں میں، سرحد کے طلباء سرحد میں پڑھیں گے، اکادکا دوسرے صوبے میں جائیں گے۔ ان کے کوٹے ہوں گے۔ مگر ہمارے مدرسوں میں کوئی کوٹہ مقرر نہیں۔ یہاں بلوچستان کے طلباء بھی پڑھتے ہیں، سندھ کے طلباء بھی پڑھتے ہیں، سرحد کے طلباء بھی پڑھتے ہیں، پنجاب کے بہاولپور سے، میانوالی سے لے کر پنڈی تک کے طلباء بھی پڑھتے ہیں، آزاد کشمیر کے بھی پڑھتے ہیں۔ پاکستان کے اندر بسنے والے مختلف زبانوں، علاقوں، قوموں کو اگر محبت اور پیار کا سبق دیتے ہیں، تو دینی مدارس دیتے ہیں۔ پاکستان کی وحدت ان دینی مدارس کی برکت سے ہے اور لوگو! یادرکھو پاکستان کو توڑنے کی بڑی سازشیں ہوئی ہیں۔ اس کونا کام کرنے کی سازشیں ہوئیں، لیکن اب تک پاکستان قائم ہے اور ان شاء اللہ قیامت تک قائم رہے گا۔ اس میں ان مدارس کے طلباء علماء کا بہت بڑا دخل اور حصہ ہے۔ جہاں قرآن پڑھا جائے، وہاں اللہ کی رحمت آئے گی، یا نہیں آئے گی؟ قرآن اللہ کی حفاظت میں ہے، تو قرآن والے بھی اللہ کی حفاظت میں ہیں۔ یہ ہمیں کہتے ہیں کہ آپ دہشت گرد اور تخریب کار پیدا کرتے ہیں۔ یہاں مختلف طبقہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگ آئے ہوں گے۔ میں ان کی خدمت میں عرض کروں گا کہ اگر پاکستان کے مدارس قتل وغارت اور دہشت گردی میں ملوث ہوتے تو یہ دہشت گردی چند سال سے نہ ہوتی، یہ پاکستان جس دن سے بنا تھا اس دن سے ہوتی۔ اس لیے کہ یہ مدارس تو پاکستان بننے سے پہلے کے ہیں۔ ملتان میں ہمارا خیر المدارس ۱۹۴۷ء سے ہے۔

دوسری بات بہت سی ایجنسیوں کے لوگ ہمارے مدارس میں آتے ہیں، میں ان سے پوچھتا ہوں کہ آپ اللہ کو حاضر ناظر جان کر بتائیں کہ کبھی کسی استاد نے آپ کو کہا کہ مخالف فرقے کے آدمی کو قتل کردو؟ کبھی یہ سبق کسی استاد نے پڑھایا؟ ہم تو ایک انسان کا ناحق قتل پوری دنیا کا قتل سمجھتے ہیں۔ میں نے حضرت مولانا سے پڑھا ہے، میرے استاد ہیں، آج تک پیار و محبت کا سبق سکھایا ہے اور ہم حضرت کو زمانہ طالب علمی میں کہا کرتے تھے، یہ تو محبت عام کرنے والے استاد ہیں۔ آج تک کبھی کسی نے ہمیں قتل کا سبق نہیں پڑھایا۔

اختلاف رائے زندگی کی علامت ہے...... اختلاف رائے ضرور ہے۔ دلائل کی بنیاد پر ہے۔ یہ حق ہے، زندہ قوموں کا نشان ہے۔ ان کو بھی ہم سے اختلاف ہوسکتا ہے۔ سیاسی دنیا میں بھی اختلاف رائے ہے۔ کسی کا نظریہ ہے کہ کالا باغ ڈیم بننا چاہیے، کوئی کہتا ہے، نہیں بننا چاہیے۔ کوئی کہتا ہے ججوں کی تعداد میں اضافہ ہونا چاہیے اور کوئی کہتا ہے نہیں ہونا چاہیے۔ اپنے اپنے

نظریات ہیں، دلائل کی بنیاد پر ہیں، مگر آج تک ہم نے یہ نہیں کہا کہ مخالف فرقے کے آدمی کو مار ڈالو۔ یہ کہتے ہیں آپ کے مدرسوں میں اسلحہ ہے، کراچی سے پشاور تک، کوئٹہ سے مظفر آباد تک۔ ذمہ دار ہونے کی حیثیت سے کہہ رہا ہوں، وفاق المدارس جس میں چار ہزار کے قریب مدارس ہیں اور پچھلے سال پینتالیس ہزار طلباء نے اس کے تحت امتحان میں شرکت کی ہے اور ''وفاق'' سے ملحق مدارس میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ طلباء پڑھتے ہیں۔ میں دعویٰ سے کہتا ہوں اور یہ دعویٰ آپ کے سامنے نہیں۔ فیصل آباد کے اس تاریخی اجتماع میں نہیں، میں نے پچھلی حکومت کے وزیر داخلہ نصیر اللہ بابر کو ان اکابر کی موجودگی میں اور موجودہ وزیر داخلہ چودھری شجاعت حسین کے سامنے بھی کہا ہے کہ ایک مدرسہ ایسا بتاؤ کہ جس میں کلاشنکوف تو کیا، ہینڈ گرنیڈ تو کیا، وہاں غیر قانونی ایک ریوالور بھی آپ کو ملا ہو۔ ہمارے مدرسوں میں ذرا برابر کوئی اسلحہ نہیں۔ ہمارا سب سے بڑا ہتھیار، اللہ کا قرآن ہے، جب مشکل آتی ہے تو ہم بزرگوں سے کہتے ہیں تو یہ مصلیٰ پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دعا کرتے ہیں۔ بڑے فرعون جو تخت پر ہوتے ہیں، وہ پھر تختے پر نظر آتے ہیں۔

کہا جاتا ہے، یہ فرقہ واریت پھیلاتے ہیں۔ کیسے فرقہ واریت پھیلاتے ہیں؟ فرقہ وارانہ فسادات کو کون ابھار رہا ہے؟ وہ خود جانتے ہیں، ہم سے زیادہ جانتے ہیں اور یہ کہتے ہیں، جناب پاکستان میں سو کے قریب ایسے مدرسے ہیں کہ جن کے بارے میں ہماری ایجنسیوں کی رپورٹیں ہیں کہ وہ دہشت گردی میں مبتلا ہیں۔ وہ قتل و غارت میں شریک ہیں، وہ فرقہ واریت پھیلاتے ہیں۔ میں نے وزیر داخلہ کے سیکرٹری سے کہا کہ آپ ہمیں ان سو مدارس کے نام بتائیں، اگر وہ ہمارے وفاق کے ممبر ہوئے تو ہم تحقیق کریں گے اور اگر وہ مجرم پائے گئے تو آپ کارروائی بعد میں کریں گے، ہم ان کے خلاف کارروائی پہلے کریں گے۔ ہم کسی بھی ایسے شخص کو اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتے۔ لیکن میں نے کہا، ہم یقین سے کہتے ہیں، آپ کی رپورٹیں غلط ہیں، آپ کی اطلاعات غلط ہیں، آپ کی ایجنسیاں، جس طرح کی رپورٹیں دیتی ہیں، ہمیں سب معلوم ہیں۔ ہم نے جمعہ میں تقریر ہی نہیں کی، سفر میں تھے، رپورٹ چلی جاتی ہے کہ آج مولانا محمد حنیف نے اپنی تقریر میں یہ کہا، جب کہ ہم تھے ہی نہیں۔ یہ ایجنسیوں کا حال ہے۔ یہ رپورٹیں غلط ہیں۔

دینی درس گاہوں اور دنیوی اداروں میں فرق......ایک مدرسہ میں بھی الحمد للہ اب تک یہ ثابت نہیں کر سکے۔ آپ مجھے بتایئے، کیا کبھی آپ نے سنا کہ فیصل آباد کے کسی مدرسے میں طلباء میں لڑائی ہوئی ہو، اسلحہ نکل آیا ہو، کلاشنکوفیں نکل آئی ہوں، پولیس کو آنا پڑا ہو، ایف آئی آر درج ہوئی

ہو، کوئی ایک مدرسہ پورے پاکستان میں پچاس سال کے عرصے میں آپ نہیں بتا سکتے کہ طلباء نے استادوں کو اندر داخل نہ ہونے دیا ہو۔ طلباء نے استادوں کو گریبان سے پکڑا ہو۔ میں آپ کو دکھاتا ہوں، جن اداروں پر آپ ہمارا پیسہ خرچ کرتے ہیں، ان یونیورسٹیوں میں وہاں کے طلباء استادوں کا گریبان پکڑتے ہیں، وہاں کی درس گاہوں کو تالے لگتے ہیں، کئی یونیورسٹیاں مہینوں بند رہتی ہیں، وہاں سے کلاشنکوفیں نکلتی ہیں، جدید اسلحہ نکلتا ہے اور وہاں سے آپ کو ہینڈ گرنیڈ ملتے ہیں۔ کئی قتل وہاں ہوئے ہیں۔ کئی ایف آئی آر درج ہوئی ہیں، اور ڈکیتیوں میں بھی ملوث پائے جاتے ہیں۔ کیا کبھی آپ نے کسی کالج، یا یونیورسٹی سے یہ مواد ملنے کے بعد اعلان کیا ہے کہ ہم اس کالج کو ہمیشہ کے لیے بند کر دیں گے، اس یونیورسٹی کو ہمیشہ کے لیے بند کر دیں گے۔ اگر آپ کسی ایک آدھ مدرسہ کا نام لیتے ہیں، غیر ذمہ دار کا لیتے ہیں، لیکن آپ جب کارروائی کرنے کی بات کرتے ہیں، تو سارے مدارس کی بات کرتے ہیں۔ یہ آپ نے فرق کہاں سے سیکھا ہے؟

آخری بات کہتا ہوں کہ دینی مدارس اللہ کے دین کے مدرسے ہیں۔ یہاں کیا پڑھایا جاتا ہے، وہ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفہ پر پڑھایا تھا۔ وہ جو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر وعمر، عثمان وعلی رضی اللہ عنہم کو پڑھایا تھا۔ یہاں دین پڑھایا جاتا ہے۔ زندگی کس طرح گزارنی ہے، یہ پڑھایا جاتا ہے۔ یہاں انسان کو انسانیت سکھائی جاتی ہے اور یہ پرامن شہری ہیں۔ خدانہ کرے، خدانہ کرے، خدانہ کرے اگر کبھی پاکستان پر کوئی برا وقت آیا، ہندوستان نے حملہ کیا، کسی دشمن نے حملہ کیا، تو صف اول میں یہی درویش کھڑے ہوں گے۔ ان شاء اللہ ہم پاکستان کے چپے چپے کی حفاظت کرنا اپنا ایمانی فریضہ سمجھتے ہیں۔ ہم جان دے کر وطن کی حفاظت کریں گے۔

جہاد افغانستان اور دینی طلباء...... اپنے ملک کی بات تو بعد کی ہے۔ ان طلباء نے تو ہمسایہ ملک پر اسلامی رشتے کی بنیاد پر وہاں جا کر اپنی جانیں دے دیں۔ افغانستان ہمارا ملک نہیں ہے، نہ ہم وہاں پیدا ہوئے، نہ ہم وہاں رہتے ہیں، نہ کبھی رہیں گے، نہ افغانستان نے ہمیں غلہ دیا، نہ اناج دیا، نہ افغانستان نے ہمیں علم دیا، نہ افغانستان میں ہمارا کوئی استاد ہے، لیکن وہ ہمارا برادر اسلامی ملک ہے اور ہمارا مسلمان بھائی ہے۔ ہمارے ان طلباء نے، جوانوں نے، بوڑھوں نے، استادوں نے، شاگردوں نے اس کے محاذوں پر جا کر روس سے مقابلہ کرتے ہوئے، جہاں افغانستان کی سرزمین میں افغانیوں کا خون بہا، وہاں پاکستان کے علماء اور طلباء کا بھی خون بہا۔ ایک بات کہتا ہوں، ان طلباء کو ایسا ہی نہ سمجھو، ان کی ڈائریکٹ لائن اللہ میاں کے ساتھ ہے۔ ان

سے مخالفت مول نہ لینا۔ ان کا بستر تم کیا گول کرو گے، تمہارا اپنا بستر گول ہو جائے گا۔" من عادی لی ولیا فقد آذنته بالحرب" اللہ کی طرف سے اعلان جنگ ہوگا اور ایک بات کہتا ہوں، اللہ مجھے اس پر سچا ثابت کرے اپنے اکابر کی برکت سے کہ جس طرح دنیا میں دو طاقتیں تھیں، سپر طاقتیں کہی جاتی تھیں، سوویت یونین اور امریکہ، لیکن افغانستان کے جہاد کی برکت سے بوریا نشینوں کی برکت سے، مدرسوں کے طلباء کی برکت سے، جن کے لیے تم نے چندے دیے، تعاون کیے، انہوں نے جا کر ماؤں، بہنوں کی عصمتوں اور جانوں کو بچایا۔ جب ہم افغانستان گئے تو ہرات کے لوگوں نے بتایا کہ جب پہلی مرتبہ روس کی فوجیں اس شہر ہرات میں داخل ہوئیں، تو ایک رات میں پچیس ہزار مسلمانوں کو روس نے شہید کیا، زندہ لٹکا کر ٹینک چلا دیے۔ لیکن ان کے جہاد کی برکت سے روس وہاں سے نکلا، افغانستان اس کا قبرستان بنا۔ وہ سپر طاقت صفر طاقت بنی اور دنیا کے نقشے سے ایک طاقت سوویت یونین کا نام مٹ گیا۔

رب کعبہ کی قسم! ان شاء اللہ جہاد کشمیر کی برکت سے دنیا کے نقشے پر امریکہ کا نام مٹے گا اور امریکہ کی اب موت قریب ہے۔ اس نے ان درویشوں کو للکارا ہے اور ان کو جو للکارتا ہے وہ اپنی موت کو دعوت دیتا ہے۔ جو جتنا بڑا ہوتا ہے اس کا زوال اتنا ہی عبرتناک ہوتا ہے اور ان شاء اللہ اب وہ اپنے آخرت دموں پر ہے۔ یہ مدارس کے خلاف اس کی سازش ہے۔ میں ایک بات کہوں گا کہ مدارس سے رشتہ مضبوط کرو۔ آپ جو پیسہ مدارس کو دیتے ہیں، ضائع نہیں جا رہا، قیمتی بن رہا ہے۔ یہ ملک کی فوج ہے، ملک کے سپاہی ہیں، دنیا میں جہاں جاتے ہیں، پاکستان کے سپاہی ہوتے ہیں۔ یہ پاکستان کی وحدت کا نشان ہیں۔ یہ چاروں صوبوں کو ملاتے ہیں۔ کوئی کشمیری نکلے گا، کوئی بلوچی نکلے گا، کوئی افغانی نکلے گا، کوئی امریکی نکلے گا، کوئی انڈونیشیا کا ہوگا، کوئی ملائیشیا کا ہوگا، کوئی سندھ سے آیا ہوگا، کوئی پنجاب سے آیا ہوگا۔ یہ سارے اپنے پاکستان کی فوج ہیں اور دینی مدارس ان کی چھاؤنیاں ہیں اور میں بتا دوں کہ اگر کسی نے دینی مدارس کی طرف میلی آنکھ سے دیکھا، چھاپے مارے، ان کو تنگ کیا تو وہ سوچ لے کہ اس کے اقتدار کے اب آخری دن ہیں، اس کو نکلنا ہوگا۔ ہمارے ساتھ رب ہے، ہمارے ساتھ علماء ہیں، ہمارے ساتھ پوری دنیا کے دین دار مسلمان ہیں، کیوں کہ ہم ملک کے لیے جیتے ہیں، ملت اور دین کے لیے جیتے ہیں۔

﴿ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین○﴾

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین○

اصلاح امت میں دینی مدارس کا کردار

حضرت علمائے کرام، بزرگان محترم، طلبائے عزیز اور برادران اسلام!

جمعیت طلبہ عربیہ پاکستان کو اس عظیم الشان اجتماعِ عام کے انعقاد پر دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

اس نشست کا جو موضوع اور عنوان منتظمین حضرات کی طرف سے تجویز کیا گیا وہ ''اصلاح امت میں دینی مدارس کا مطلوبہ کردار'' ہے۔ میرے مخاطب وہ طلباء کرام ہیں، جو آج معروف معنی کے اعتبار سے طالب علم ہیں اور ان شاءاللہ کل اور مستقبل میں یہ فاضل اور عالم کہلائیں گے، آج شاگرد ہیں کل معلم اور استاد کے منصب پر ان شاءاللہ فائز ہوں گے، آج یہ مقتدی ہیں، کل یہ مقتدا اور پیشوا ہوں گے۔

آج آپ اپنے اساتذہ کی مان کر زندگی گزاریں گے، تو کل امت کی اصلاح کا فریضہ آپ کو سرانجام دینا ہوگا۔ میں چند گزارشات آپ سے اس حوالے سے کرنا چاہوں گا کہ آپ جانتے ہیں کہ دینی مدارس صرف درس گاہوں اور تعلیمی اداروں کا نام نہیں ہے، پڑھنے پڑھانے کے ایک سلسلے اور تعلیم و تعلم کا نام نہیں ہے، بلکہ دینی مدارس اسلام کی تحریک کا نام ہے، یہ اسلام کے تحفظ اور بقا کا نام ہے، یہ اسلام کی اشاعت کے بڑے مراکز اور اسلام کے مضبوط قلعے ہیں۔ برصغیر میں گزشتہ تین صدیوں میں ان دینی مدارس نے جو کردار ادا کیا ہے، وہ تاریخ کا روشن باب ہے۔ ان کا ماضی بڑا روشن ہے، ان کا حال شاندار ہے اور ان کے مستقبل کو جاندار اور موثر بنانے کی ذمہ داریاں آپ کے کندھوں پر آنے والی ہیں۔ اسٹیج پر آئے ہوئے وہ اکابر جن کے بال آپ کو سفید نظر آتے ہیں، انہوں نے روکھی سوکھی کھا کر، عسر و یسر اور فقر و فاقہ کو برداشت کر کے دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت آپ تک پہنچائی ہے اور اب آپ نے اس امانت کو پورے عالم اور پورے جہاں میں پہنچانا ہے۔ یہ صرف لفظ نہیں کہ یہ اسلام کے مضبوط قلعے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ آج

دنیا میں، جو اسلام آپ کو نظر آ رہا ہے، احیائے دین کی جتنی تحریکیں ہیں، اقامت دین کے جتنے سلسلے ہیں، یہ تمام کے تمام دینی مدارس کی برکت سے ہیں۔

آج ماں اور بہن کا فرق دینی مدارس کی وجہ سے زندہ ہے۔ آج لوگوں کی نظر میں پارلیمنٹ کی ایک حیثیت ہے، فوجی چھاؤنیوں اور فوجی اداروں کی اہمیت ہے، آج پاکستان کے آئین کے اعتبار سے فوج کو تنقید کا نشانہ نہیں بنایا جاسکتا، آج پاکستان کے قانون کے اعتبار سے عدلیہ مقدس ہے، پاکستان کے دوسرے ادارے مقدس ہیں، لیکن یاد رکھیے میری نظر میں پارلیمنٹ سے زیادہ، عدلیہ سے زیادہ اور انتظامی اداروں سے زیادہ مقدس مساجد اور مدارس ہیں۔ یہ مساجد اور مدارس آج دنیا کے طاغوتی ایجنڈوں کی نظر میں نمبر ایک پر ہیں، آپ پر اور مجھ پر بہت سے کیمرے نصب ہیں، پوری دنیا کی دوربینیں ہمارے اوپر لگی ہوئی ہیں، وہ ہمیں واچ کر رہے ہیں، آج دینی مدارس کو ان تمام تر خامیوں کا مرکز قرار دیا جا رہا ہے، جن سے ان کا دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہے۔

میرے نوجوان ساتھیو! دینی مدارس کے مثبت کردار کو معاشرے میں لانا اور پھر معاشرے کو دینی مدارس اور مساجد کے قریب لانا، یہ آپ کی ذمہ داری اور فرض ہے، اس لیے کہ جب تک مسلمان کا رشتہ مدرسے سے قائم رہے گا، مسجد سے قائم رہے گا اور جب تک اس کا رشتہ اسلام سے قائم رہے گا، اس وقت تک طاغوتی قوتیں اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہوسکیں گی۔ جس کو جو کچھ اسلام اور دین سے ملا ہے، وہ اسکول سے نہیں ملا، وہ کالج سے نہیں ملا، وہ یونیورسٹی سے نہیں ملا، کسی اور ادارے سے نہیں ملا۔ رب کعبہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مسلمانوں کی اکثریت کو سب سے زیادہ دین اگر ملا ہے، تو مسجد سے، مدرسے سے، منبر محراب سے اور ''مُلّا'' سے ملا ہے۔ جب تک مسلمان کا رشتہ اپنے ان مراکز سے قائم رہے گا، دین کے ان سرچشموں کے ساتھ قائم رہے گا، وہ مسلمان رہے گا، اس کے اندر جہاد کا جذبہ رہے گا، اس کے عقائد و نظریات صحیح رہیں گے، اس کو کوئی نہ بیچ سکے گا، نہ خرید سکے گا اور جب، اسلام اور دینی مدارس سے اس کا رشتہ کمزور ہو جائے گا تو اسلام بھی کمزور ہو جائے گا۔ اس لیے آج مسلمانوں کے دلوں میں نفرت پیدا کی جا رہی ہے۔ مدارس کو دہشت گردی کا مرکز، تنگ نظری کے حامل اور عدم برداشت کے طعنے دیے جاتے ہیں۔ کون سا اعتراض ہے، جو ان پر نہیں کیا گیا؟

ہم آج پاکستان کے اس دارالحکومت میں پوری ذمہ داری سے کہتے ہیں کہ مدرسے نہ آسمان پر قائم ہیں، نہ زمین کے نیچے قائم ہیں، یہ زمین کے اوپر قائم ہیں۔ اگر ان مدارس میں کوئی دہشت

گردی، کوئی فرقہ واریت، کوئی تنگ نظری، کوئی تخریب کاری اور کوئی عدم برداشت کی بات ہے تو ثبوت کے ساتھ سامنے لایا جائے، جو آج تک نہیں لا سکے۔ یہ مدرسے آج نہیں بنے، پاکستان بننے کے بعد نہیں بنے، بلکہ پاکستان بننے سے پہلے تین سو سال پہلے سے برصغیر اور جنوبی ایشیا میں موجود ہیں۔ ہر گاؤں اور ہر محلے میں موجود ہیں، ہر چھوٹے اور بڑے شہر میں موجود ہیں۔ دینی مدارس پر اعتراض دراصل اسلام پر اعتراض ہے، مسلمانوں پر اعتراض ہے۔ آج اس بات کو عام کرنے کی ضرورت ہے۔ آج مسلمان کو تنگ نظر کہا جا رہا ہے، اسلام کو تنگ نظر کہا جا رہا ہے۔

میرے نوجوان طلبہ ساتھیو! دین کے ابابیلو! میں آپ سے کہوں گا کہ سب سے زیادہ وسعت نظر کا حامل اور مالک اسلام اور مسلمان ہے اور اس کا سب سے بڑا سبق دینی مدارس میں دیا جاتا ہے۔ ہمارا ایمان نہ مکمل ہوتا ہے اور نہ معتبر ہوتا ہے، اس کا کوئی اعتبار ہی نہیں ہے، جب تک ایک لاکھ تیئس ہزار نوسو ننانوے نبی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آئے، ان پر ایمان نہ لایا جائے۔

ہم کہاں تنگ نظر ہیں؟ ہم اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا رہے ہیں، تو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک سب نبیوں پر ایمان لا رہے ہیں۔ ہمارا ایمان اس وقت تک معتبر نہیں، جب تک کہ قرآن کے ساتھ ساتھ ہم تورات، انجیل اور زبور کو اور آسمانی کتب اور صحائف کو حق نہ مانیں۔ ہم کہاں تنگ نظر ہوئے؟ جس کتاب کو عیسائی مانتا ہے، مسلمان بھی مانتا ہے، جس کتاب کو یہودی مانتا ہے، مسلمان بھی مانتا ہے، پھر کس طرح مسلمان کو تنگ نظر کہا جاتا ہے۔ میں نے غیر مسلم دنیا میں کہا کہ آپ کی صفوں میں ایسا کوئی نظر نہیں آئے گا، جس کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہو، جس کا نام احمد ہو، ہم آپ کو دکھاتے ہیں کہ مسلمانوں میں جہاں اپنے پیغمبر، صحابہ اور اہل بیت کے نام ہیں، وہاں مسلمان بچوں میں عیسیٰ نام ہے، موسیٰ نام ہے، یحییٰ نام ہے، زکریا نام ہے، یعقوب نام ہے، یوسف نام ہے، یہ ہمارے پیغمبر کے نام نہیں ہیں پہلے آنے والے نبیوں کے نام ہیں، اگر مسلمان تنگ نظر ہوتا، تو وہ اپنا نام موسیٰ اور عیسیٰ کیوں رکھتا؟ قرآن کریم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے نام کی سورۃ نہیں ہے، جو اسلام کی سب سے بڑی محسنہ ہیں، پیغمبر کو جس نے سب سے قریب سے دیکھا ہے۔ قرآن میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے نام کی سورۃ نہیں ہے، قرآن میں حضرت فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا نام کی سورۃ نہیں ہے، جو جنتی عورتوں کی سردار ہیں۔ قرآن کریم میں اگر عورت کے نام پر سورۃ آتی ہے، تو وہ حضرت مریم علیہا السلام کے نام پر آئی ہے، جو عیسائیوں کے ایمان کا مرکز ہیں اور ہمارے بھی ایمان، عقیدت اور

احترام کا مرکز ہیں۔ مسلمان کو کیسے تنگ نظر کہا جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا، اس کو مہمان خانہ بنایا، ان کی عبادت کا وقت آیا تو ان کو اپنے مذہب کے مطابق عبادت کرنے کی اجازت دی۔

یاد رکھیے! سب سے زیادہ وسعت نظر کا حامل اسلام ہے اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور آپ کو یہ سکھایا ہے کہ جس کی قرآن نے آج سے چودہ سو سال پہلے دعوت دی:

﴿یا اهل الکتٰب تعالوا الیٰ کلمة سواء بیننا و بینکم الّا نعبدألا اللّٰه﴾

اور عالمِ پیغمبر کا وارث ہے، جس طرح پیغمبر نے محبت کو عام کیا، پیار کو عام کیا، برداشت کو عام کیا، مدرسے ان ہی علوم نبوی کے وارث ہیں اور عالم اسی کا وارث ہوتا ہے، اس کا بھی فرض ہے کہ وہ محبت کو عام کرے۔ میں زیادہ وقت نہیں لینا چاہتا، اس لیے کہ بہت سے اکابر یہاں موجود ہیں۔ میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ امت کی اصلاح کا سب سے بڑا فرض علماء پر عائد ہوتا ہے اور آپ نے کل اس منصب پر آنا ہے، آپ اپنے پڑھنے کے بعد پڑھانے کے دور میں آئیں گے۔ آپ کو امت کی اصلاح کا فریضہ سرانجام دینا ہے، مگر امت وہی امت کہلائے گی کہ جس کی بنیاد قرآن پر ہوگی، سنت پر ہوگی، شریعت پر ہوگی اور شریعت کے مطابق اس کا مزاج بنانے والے شریعت جاننے والے ہوں گے۔ آج کوشش کی جارہی ہے کہ امت کو علماء سے دور کر دیا جائے، حالانکہ امت اور علماء کا چولی دامن کا ساتھ ہے، یہ یک جان و یک قالب ہیں۔ امت کی اصلاح کے لیے نبی آئے اور ان کے بعد علمائے کرام ان کے وارث و جانشین ہیں اور ان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ امت کی نبض پر ہاتھ رکھیں اور جدید دور کے جو تقاضے ہیں ان سے ہم آہنگ ہوں، کیونکہ صحیح معنوں میں عالم دین وہ ہوتا ہے، جس کے علم کا ایک کنارہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے ملتا ہو۔

ہم سب سے پہلے مسلمان ہیں، پھر پاکستانی ہیں، پھر ڈاکٹر ہیں اور پھر انجینئر ہیں۔ ایک نوجوان ساتھی کہنے لگا، مولانا پہلے میری روٹی کا مسئلہ حل کرو، بعد میں اسلام کی بات کرنا۔ قرآن اور اسلام بھی یہی کہتا ہے۔ سات سال کی عمر کا بچہ ہو، تو پھر اس کو نماز پڑھنے کا کہو، دس سال کا ہو نہ پڑھے تو اس کو تنبیہ کی جائے، تو جب سات سے پہلے تک اسلام نماز کا نہیں کہتا، دین کا نہیں کہتا، بلکہ روٹی کی فکر کرتا ہے، تو اس سے میں نے کہا کہ آپ سات سال کی کیا بات کرتے ہیں، بچہ پیدا ہو تو اسلام کہتا ہے، اس کے منہ میں کوئی چیز نہ جائے، پہلے اس کے ایک کان میں اذان کہو اور دوسرے کان میں تکبیر کہو، تو سب سے پہلے اسلام ہے، سب سے پہلے دین ہے، پھر روٹی ہے۔

ائمہ مساجد اور خطباء کا کردار

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى. أما بعد. فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم○ بسم الله الرحمن الرحيم﴿ادع الىٰ سبيل ربک بالحكمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتي هي احسن. ان ربک هو اعلم بمن ضل عن سبيله وهو اعلم بالمهتدين○﴾ (۱۶:۱۲۵)

وقال النبي صلى الله عليه وسلم: "إنما بُعثت معلما."

صاحب صدر، حضرات ائمہ کرام، خطباءِ عظام و حاضرین مجلس!

اپنی معروضات سے قبل میں دعوہ اکیڈمی کو اس تقریب بالخصوص تربیت ائمہ مساجد کے مفید ترین سلسلہ پر مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ ایک عرصے سے جو خلا محسوس ہو رہا تھا اور جس کی ضرورت روز بروز بڑھتی جا رہی تھی اس ضرورت کو پورا کرنے کا احساس کچھ دلوں میں بیدار ہوا اور نہ صرف بیدار ہوا، بلکہ عمل کے زیور سے آراستہ ہوا۔

ہماری مساجد کے ائمہ کرام، خطباء و عظام ہمارے لیے حد درجہ قابلِ عزت و احترام ہیں۔ ان کے لیے عزت و اکرام کے جتنے لفظ استعمال کیے جائیں، سب برمحل اور عقیدت کے جتنے پھول پیش کیے جائیں سب بجا ہیں۔ ان کے مقام کو کوئی نادان نہ جانے تو اس سے ان کے مقام و مرتبہ میں ہرگز کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ اگر عدالت کا نائب قاصد یا خاکروب چیف جسٹس کے مقام و مرتبہ سے بے خبر ہو تو اس سے چیف جسٹس کے منصب و وقار میں ذرہ برابر کمی واقع نہ ہوگی، اس لیے کہ بڑے بڑے قانون دان، صاحبِ علم و فضل، قابل وکلا اور اہل علم چیف جسٹس کے مقام سے آگاہ ہیں۔

اسی طرح تمام اہل علم، اصحاب دانش اور دین کا علم و مطالعہ رکھنے والے 'امام' کے مقام سے باخبر ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اس مصلے پر کھڑا ہونے والا کس کی نمائندگی کر رہا ہے؟ مسجد کا سلسلہ

کس مقدس مقام سے قائم ہوتا ہے؟ یہ محض محلّہ کی ایک مسجد کی امامت نہیں، منصب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت ہے۔ یہ وہ جگہ ہے جس کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفات میں نہایت تاکید کے ساتھ حکم فرمایا تھا کہ "مروا أبابكر فليصل بالناس" اس مصلیٰ پر کھڑے ہونے والے صرف "پیش امام" نہیں جہانگیر و جہانبان تھے۔ بڑی بڑی سلطنتوں کے سربراہ اعظم، صوبوں کے گورنر اور اعلیٰ عدالتوں کے قاضی القضاۃ اپنے جلیل القدر مناصب کے باوجود مسجد کی امامت کو اپنے لیے صرف سعادت نہیں، اعزاز اور وجہ فخر سمجھتے تھے۔

لیکن آپ حضرت جانتے ہیں کہ منصب جس قدر اونچا، عمدہ جتنا بلند اور کرسی جتنی بڑی ہو، ذمہ داریوں کا بوجھ اسی قدر زیادہ ہوتا ہے۔ امامت کوئی پیشہ نہیں، دعوت دین کا محاذ ہے۔ مسجد محض عبادت گاہ نہیں، اشاعت اسلام کا مرکز ہے اور امام تنخواہ دار ملازم نہیں، داعی و مبلغ اسلام ہے۔ اور اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ عوام کے ساتھ جس قدر مستحکم و پائیدار رشتہ ایک امام وخطیب کا ہوتا ہے، کسی شخص کا نہیں ہوسکتا۔ درس قرآن، درس حدیث، خطبہ جمعہ، پنجگانہ نماز، غرض یہ کہ ہفتہ کے سات دنوں میں بیسیوں مرتبہ امام اور اس کے مقتدیوں کو آپس میں ملنے کے مواقع ملتے ہیں۔ اگر ان مواقع کو صحیح سمت دی جائے اور دعوت وتبلیغ دین کے لیے استعمال کیا جائے تو حیرت انگیز مثبت نتائج نکلیں گے۔

آپ حضرات! یقیناً ان مواقع کو تبلیغ دین اور اپنے پیغام کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے استعمال کرتے ہوں گے۔ لیکن اگر اس کی ترتیب وطریق کو اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلاف کے طرز کے مطابق ڈھال لیا جائے، تو معاشرہ میں ایک صالح انقلاب لایا جاسکتا ہے۔ سورہ نحل کی جو آیت کریمہ آپ حضرات کے سامنے پڑھی گئی اس میں ایک امام، ایک خطیب، ایک داعی کو دعوت وتبلیغ دین کا طریقہ کار بتایا گیا ہے۔ یہاں بظاہر "اُدعُ" کا خطاب اور دعوت دینے کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے، مگر یہ حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور نائبین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب اس کے مخاطب ہیں۔ مؤمن عامل اور داعی ہونا انبیاء علیہم السلام کا طریق کار ہے۔ حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قرآن پاک نے فرمایا: ﴿داعياً الى الله باذنه و سراجاً منيرا﴾ (الاحزاب) یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی طرف دعوت دینے والے اور روشن چراغ ہیں۔ اسی طرح عام اہلِ ایمان کے بارے میں فرمایا: ﴿ومن احسن قولا ممن دعا الى الله﴾ (حم

السجدہ) اس شخص سے اچھی بات کس کی ہوسکتی ہے، جو اللہ کے راستے کی دعوت دیتا ہو، خود بھی ایمان رکھتا ہو اور عامل بالا حکام بھی ہو۔

بہر حال اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دعوت کے تین طریقے بیان کیے ہیں۔ حضرات مفسرین فرماتے ہیں کہ اسی طرح حقائق کو سمجھنے کی صلاحیت اور استعداد کے لحاظ سے بھی لوگوں کی تین قسمیں ہیں۔

دعوت کا پہلا طریقہ ''بالحکمت'' حکمت اور دانائی کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دیں۔ امام مالک رحمہ اللہ نے سنت کو حکمت سے تعبیر فرمایا ہے۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام صحیح، یقینی اور قطعی باتیں حکمت میں داخل ہیں۔ ان کے ذریعے شکوک وشبہات دور ہوتے ہیں اور دل میں یقین پیدا ہوتا ہے۔ سورۂ بقرہ میں ہے: ﴿ومن یؤت الحکمة فقد اوتی خیراً کثیراً﴾ جس کو حکمت دے دی گئی، سمجھ عطا کردی گئی، اسے بہت بڑی بھلائی مل گئی۔ جب حکیم اور دانا لوگوں کے سامنے حقائق بیان کیے جائیں تو وہ فوراً سمجھ جاتے ہیں اور یقین کر لیتے ہیں۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا میں سکھایا: ''اللھم أرنا الحقائق کماھی'' ''اے اللہ! ہمیں چیزوں کی حقیقت سمجھا دے جیسے کہ وہ واقع میں ہیں۔'' یہ پہلے درجے کے لوگ ہیں جن کے سامنے کوئی چیز پیش کی جائے تو وہ فوراً سمجھ جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں تک دین کی بات پہنچانے کے لیے امام وخطیب کو قرآن وسنت کی تعلیمات سے بخوبی آگاہی، گہرے مطالعہ، وسیع معلومات اور عصر حاضر کے مسائل وحالات سے باخبر ہونا ضروری ہے۔ یہ لوگ سطحی معلومات یا بے سند قصوں اور حکایات سے متاثر نہیں ہوتے۔ گویا کلموا الناس علی قدر عقولھم کا مطلب جہاں یہ ہے کہ معمولی عقل رکھنے والوں کے سامنے اعلیٰ حقائق اور علمی باریکیاں بیان نہ کی جائیں، وہاں یہ مطلب بھی ہے کہ اہل علم وبصیرت کے سامنے حقائق ودقائق اور دلائل و براہین کے ساتھ بات رکھی جائے۔

دوسری قسم کے لوگ وہ ہوتے ہیں جو پہلے درجے کی عقل وفہم نہیں رکھتے۔ ان کے سامنے حقائق کے ساتھ کوئی مثال، کوئی حکایت، اچھا کلام، یا کوئی اچھا شعر پیش کیا جائے، جس سے ان کی طبیعت متاثر ہو تو وہ بات کو سمجھ لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے الموعظة الحسنة کا طریقہ کارآمد ہوتا ہے۔ إن من البیان لسحرا۔ ''اچھا بیان جادو اثر ہوتا ہے۔'' اچھے اشعار بھی بعض اوقات بڑے موثر ثابت ہوتے ہیں۔ ماضی قریب میں مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ کو اپنی تحریر

وتقریر میں کمال حاصل تھا۔ آپ کوئی چیز پیش کرنے کے بعد اس کے مناسب حال شعر نقل کرتے تو ساری بات ذہن میں اتر جاتی۔

اسی طرح مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے کمال ملکہ عطا فرمایا تھا۔ آپ اپنے مواعظ وتقاریر میں ایسے برمحل اشعار پیش کرتے تھے کہ ایک ان پڑھ آدمی بھی لطف اندوز ہوئے بغیر نہ رہتا تھا۔ گویا عمدہ الفاظ اور اعلیٰ بیان کے ذریعے کسی چیز کو پیش کرنا موعظہ حسنہ یا اچھی نصیحت کہلاتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ کسی بھی موضوع پر خاطر خواہ تیاری کے بغیر نہ بولیں۔ اسی طرح اپنے وعظ میں طعن وتشنیع اور دوسروں کو سخت سست کہنے سے احتراز کریں۔ ''الفتح الربانی'' حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے ہفتہ وار مواعظ ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ نے کمال درجے کا اثر رکھا ہے۔ عربی زبان میں یہ نصائح دل میں اترتے چلے جاتے ہیں۔ عمدہ طریقے اور نرمی سے نصیحت کی مثال خود قرآن نے بیان کی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس جا کر تبلیغ کا حکم دیا تو ساتھ فرمایا ﴿فقولا له قولا لینا﴾ اس سے نرم لہجے میں بات کرنا تاکہ وہ نصیحت پکڑے یا ڈر جائے۔

ایک دیہاتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا: إني سائلك فصدق علينا. حضرت! میں ایک سائل ہوں، دیہاتی آدمی ہوں، ادب وآداب سے ناواقف ہوں، لہٰذا سختی سے سوال کروں گا۔ آپ ناراض نہ ہوں، بلکہ میرے سوالوں کا جواب دیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''پوچھ کیا پوچھتا ہے؟'' اس نے سوالات کیے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت نرمی سے جواب دیے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے دوران سفر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی مہار پکڑ لی اور کہا پہلے میری رہنمائی کریں، پھر آگے جائیں۔ چنانچہ اس نے سوالات کیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت خندہ پیشانی سے جواب دیے۔ جب سائل کی تسلی ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خل، یعنی اب مہار چھوڑ دے اور ہمیں جانے دے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز تبلیغ وتعلیم کے بارے میں ایک صحابی کہتے ہیں: ''خدا کی قسم! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ میں نے آج تک ایسا شفیق معلم نہیں دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو مجھے ڈانٹ ڈپٹ کی، نہ مارا پیٹا اور نہ ہی کسی قسم کی زجر وملامت کی، بلکہ نہایت اچھے طریقے سے بات سمجھا دی۔'' غرض یہ کہ تبلیغ کا دوسرا طریقہ ''اچھی نصیحت'' ہے جو عمدہ پیرائے میں کی گئی ہو۔

تبلیغ دین کا تیسرا طریقہ وجادلھم بالتی ھی احسن ہے۔یعنی اگر مخاطب سے بحث ومباحثہ کی ضرورت پیش آجائے، سوال وجواب کا موقع ہو تو سختی اور تند خوئی کی بجائے نرمی اور حکمت عملی سے کام لیں۔یعنی مجادلہ حسنہ ہو سیئہ نہ ہو۔''حکمت'' کے ساتھ ''حسنۃ'' کی قید نہیں لگائی، کیونکہ اپنے دعویٰ کی دلیل بیان کرنے میں کسی کو ناگواری نہیں ہوتی۔لیکن اگر دوسرے کے دعوے کو رد کیا جائے تو اس میں کبھی انقباض بھی ہوتا ہے، اور مجادلہ میں دوسرے کے دعویٰ کو رد کرنا ہوتا ہے اس لیے مجادلہ کے ساتھ حسنہ کی قید لگادی کہ اگر وہ ہو تو احسن طریق سے ہو، جس سے کسی کو رنج وکلفت نہ ہو۔

ہمارے ہاں بعض حضرات دوسرے مسلک والوں کو مغلوب کرنے کی فکر میں اس قدر غلو کرتے ہیں کہ اخلاقی حدود کو پامال کرتے ہوئے گالی گلوچ اور طعن وتشنیع تک نوبت پہنچادیتے ہیں، جو کسی طرح بھی احسن طریقہ نہیں۔ یہ طریقہ تبلیغ ہرگز اسلامی نہیں، اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔تقریر وتحریر میں دوسرے کے خلاف گندی زبان وقلم کا استعمال قطعاً پسندیدہ نہیں۔انبیاء علیہم السلام کے بارے میں مخالفین نے سخت ترین الفاظ استعمال کیے، انہیں جسمانی اور ذہنی اذیتیں پہنچائیں، مگر انہوں نے اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہمیشہ نرم گفتاری کو اپنا شعار بنایا۔اپنی قوم کی طرف سے ''گمراہ'' اور ''پاگل'' کے خطابات سننے کے بعد بھی حضرات انبیاء علیہم السلام نے کسی اشتعال کے بغیر نہایت متانت سے یہ جواب دیا: ﴿لیس بی ضللة﴾ اور ﴿ماصاحبکم من جنة﴾

غرض یہ کہ تمام انبیاء علیہم السلام نے تبلیغ دین کے لیے ہمیشہ نرم خوئی کو اختیار کیا اور یہی طریقہ اللہ والوں نے اختیار کیا۔ہمارے دور کے حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اس طریقہ تبلیغ کے مجسم نمونہ تھے کہ آپ کے قلم اور زبان سے کسی بڑے سے بڑے مخالف کے لیے بھی نازیبا الفاظ نہیں نکلے۔تبلیغ دین کے سلسلے میں حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ ہی کی ایک زریں نصیحت پر میں اپنی معروضات کو ختم کرتا ہوں، جس میں آپ رحمہ اللہ نے دوسرے مسلک والوں کے بارے میں دو چیزوں سے بطور خاص احتیاط کا مشورہ دیا۔ایک کسی کے بارے میں بدگمانی نہ کی جائے، دوم کسی کے بارے میں بدزبانی نہ کی جائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین○

• • •

مدارس کا مزاحمتی کردار جو مغرب اور مغرب نواز قوتوں کو کھٹکتا ہے

(جمادی الثانیہ، ۱۴۲۶ھ)

جامعہ خلفائے راشدین، ڈیرہ غازی میں علماء، وکلاء، پروفیسرز اور ڈاکٹرز سے خطاب

صدر اجلاس، معزز محترم علمائے کرام، برادران اسلام اور طلبائے عزیز! وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ضلع ڈیرہ غازی خان اور ضلع راجن پور کے مسئول مولانا مفتی خالد محمود صاحب کا میں شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے یہ موقع فراہم کیا کہ میں آپ حضرات کے سامنے دینی مدارس کے متعلق کچھ معروضات پیش کروں۔

آپ حضرات جانتے ہیں کہ عالمی طاقتوں کے ایجنڈے پر اس وقت جو چیزیں سب سے زیادہ اہم ہیں اُن میں دینی مدارس بھی شامل ہیں، آپ مسلسل وقفے وقفے کے ساتھ مدارس دینیہ کے بارے میں پاکستان اور باہر کی حکومتوں کے ذمہ دار لوگوں کے بیانات پڑھتے رہتے ہوں گے، اس سے پہلے کہ وہ ہمارے مدارس کے بارے میں کیا سوچتے ہیں اور اُن کو ہمارے دینی مدارس پر کیا اعتراضات ہیں، میں تمہید کے طور پر، یاددہانی کے طور پر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ برصغیر میں دینی مدارس، اللہ تبارک وتعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہیں۔ جنگ اخبار میں لکھنے والے معروف دانشور عبدالقادر حسن کے بقول ''اگر یہ مدارس اور جامعات، اوران میں پڑھنے والے اور پڑھانے والے یہ علمائے کرام نہ ہوتے، تو شاید ہم مسلمان بھی نہ ہوتے''۔ اور یہ کوئی مبالغہ نہیں، کوئی خلاف واقعہ نہیں، اگر آپ اپنے حالات میں غور کریں، تو ہمیں اسلام کے معنی، ایمان کا مطلب، قرآن کا تعارف، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا تعارف، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا اور علوم نبوت کا تعارف، اللہ کی توحید، پیغمبر کی رسالت، عقیدۂ آخرت، جنت اور جہنم، جزا وسزا غرضیکہ جتنی بھی ہماری دنیا اور آخرت سے وابستہ دینی اور ایمانی چیزیں ہیں وہ اگر ہمیں بتائی ہیں تو، مدرسے نے بتائی ہیں، مدرسے کے مولویوں نے بتائی ہیں۔

غالباً ۲۰۰۰ء میں اسلام آباد میں یہ سب سے پہلے ہمارے مذاکرات تھے جس میں جنرل پرویز مشرف صاحب موجود تھے اور کئی سارے جنرل موجود تھے، دینی مدارس پر گفتگو ہو رہی تھی تو میں نے وہاں گفتگو کے دوران پرویز مشرف صاحب سے کہا آپ جتنا دین کو جانتے ہیں کہ پانچ نمازیں ہیں، فجر کی دو رکعتیں ہیں، ظہر کی چار ہیں، عصر کی چار ہیں یا جو آپ کو معلومات دین کے بارے میں ہیں یہ آپ کو کہاں سے حاصل ہوئیں، کیا آپ نے کسی کالج، یونیورسٹی میں یہ معلومات حاصل کیں، یہ دین اور اسلام کے بارے میں جو کچھ آپ کو پتہ چلا تو کہاں سے پتہ چلا؟ تو وہ کہنے لگے: مولانا سچی بات یہ ہے کہ میں اپنی فوج کے جس یونٹ میں تھا، اسی یونٹ کی مسجد کا جو خطیب تھا اُس سے جو کچھ قرآن کریم پڑھایا سیکھا یا جتنا مجھے دین کا پتہ چلا ہے وہ مجھے اپنی فوجی چھاؤنی کے یونٹ کے اس خطیب مولوی سے پتہ چلا اور کہیں سے نہیں۔ آپ پورا جائزہ لے لیں، آرمی اور فوجی افسران میں دیکھ لیں، تاجروں کو دیکھیں، صنعت کاروں کو دیکھیں، بیورو کریسی کو دیکھیں، ایسے بہت کم لوگ ہوں گے جنہوں نے ذاتی دلچسپی کی بنا پر مطالعہ کیا ہوگا۔

اکثریت کو دین کے بارے میں جو پتہ چلا ہے، وہ مدرسے سے چلا ہے، مسلمان ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک یعنی دنیاوی منصب کے اعتبار سے جتنا کچھ انسان جانتا ہے وہ مدارس کی برکت سے جانتا ہے، اُس کو جو کچھ دین کے بارے میں پتہ چلا ہے یہ اس کو مدرسے نے بتایا ہے، مدرسہ کے مولوی نے بتایا ہے، مسجد کے خطیب نے بتایا ہے، مسجد کے امام نے بتایا ہے۔

اگر یہ مدرسہ نہ ہوتا تو...... اسباب کے درجے میں کہہ رہا ہوں...... کسی کو اسلام کا پتہ ہی نہ ہوتا، ایمان کا پتہ نہ ہوتا، اُس کو اسلامی احکام کا پتہ ہی نہ ہوتا، اسے قرآن کا پتہ نہ ہوتا، وہ قرآن کریم کے لفظ پڑھنا بھی شاید نہ جانتا، اس کو فرائض اور واجبات اور مستحبات کا پتہ بھی نہ چلتا۔ یہ اللہ کا کرم ہے، ان مدرسوں کا احسان ہے کہ ان مدرسوں نے مجھے اور آپ کو اسلام بتایا، مجھے اور آپ کو حضور علیہ السلام کا تعارف کروایا، مجھے اور آپ کو اللہ کا تعارف کرایا ہے، اس لیے پوری قوم ان مدرسوں کے احسان کا بدلہ نہیں دے سکتی۔

ایک شخص نے چوری کی اور اس کے بعد اس کو خیال آیا، اس نے آ کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے پاس اقرار کیا کہ میں نے چوری کی ہے، اب ڈرتا ہوں کہ اگر دنیا میں سزا نہ پائی، تو آخرت کی سزا زیادہ خطرناک ہے، تو آپ مہربانی کریں، مجھے اس جرم کی سزا دے دیں تا کہ میں آخرت کی سزا سے بچ جاؤں۔ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اس کے اقرار کرنے کے بعد شرعی

اصولوں کے مطابق اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔اس کا ہاتھ کاٹا گیا اور کٹے ہوئے ہاتھ کے ساتھ جارہا تھا، اس کو راستے میں سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ملے، انہوں نے پوچھا: تمہارا ہاتھ کس نے کاٹا؟ ان کو تفصیل کا پتہ تھا، اِن کا خیال یہ تھا کہ شاید کسی نے ظلم کیا اور اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا، پوچھا کہ ترا ہاتھ کس نے کاٹا؟ وہ کہنے لگا: میرا ہاتھ کاٹا ہے اسلام کے ایک ستون نے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد نے میرا یہ ہاتھ کاٹا ہے، حضور علیہ السلام کی بیٹی کے خاوند نے۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے اس سے کہا کہ جس نے تیرا ہاتھ کاٹا ہے، یہ فطرت اور انسانی طبیعت ہے وہ اس سے ناراض ہوجایا کرتا ہے اگرچہ کسی وجہ سے کاٹا ہو، لیکن وہ اس کی اس طرح تعریف نہیں کرتا، یہ عجیب بات ہے کہ تیرا ہاتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کاٹا اور تو پھر بھی ان کی تعریف کررہا ہے، میری سمجھ سے بالاتر ہے، تیری زبان سے تو ایسے الفاظ نکلتے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان کے خلاف ہوتے، تُو تو حضرت علی کی شان بڑھا چڑھا کر بیان کررہا ہے، مجھے تعجب ہورہا ہے جس نے تیرا ہاتھ کاٹا تو اس کی تعریف کررہا ہے؟ تو وہ جواب میں کہتا ہے: میں کیوں نہ حضرت علی کی تعریف کروں، انہوں نے میرا ہاتھ کاٹ کر مجھے جہنم کی سزا سے بچایا ہے، مجھے اللہ کی ناراضگی سے بچایا ہے، اس لیے میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی تعریف کرتا ہوں، وہ میرے محسن ہیں کہ انہوں نے میرا ہاتھ کاٹ کر مجھے آخرت کے عذاب سے بچایا۔

میں کہتا ہوں مسلمانو! یہ مدرسے آپ کے اور میرے محسن ہیں کہ انہوں نے مجھے توحید بتا کر، رسالت بتا کر، قیامت بتا کر، اللہ کی تقدیر اور قرآن، حضور علیہ السلام کی سنت، شریعت کے احکام بتا کر اللہ کی ناراضگی سے بچایا ہے، جہنم کے عذاب سے بچایا ہے، ہمیں کفر کے اندھیروں سے نکال کر ایمان کی روشنی دی ہے۔ جب وہ چور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تعریف کررہا ہے تو یہ مدرسے بھی تعریف کے مستحق ہیں جنہوں نے میری اور آپ کی دنیا اور آخرت بہتر بنانے میں کردار ادا کیا ہے۔اس لحاظ سے یہ دینی مدارس مجھے اور آپ کو جو دین دے رہے ہیں یہ کہیں اور نہیں ملتا۔

ابھی دو دن قبل کی بات ہے، اسی منگل کی رات کو دس بجے سے لے کر گیارہ بجے تک وائس آف امریکہ نے ایک انٹرویو لیا اور وہ ریڈیو پر براہ راست پوری دنیا میں نشر ہورہا تھا، اس میں موضوع تھا ''پاکستان کے دینی مدارس'' اور اُس میں میرے علاوہ شریک گفتگو جو لوگ تھے ان میں ہمارے وزیر تعلیم جاوید اشرف قاضی بھی تھے، سابق وزیر داخلہ معین الدین حیدر اور آئی ایس آئی کے سابق سربراہ جنرل حمید گل بھی تھے۔ابتدائی طور پر جو گفتگو کی وہ وزیر تعلیم نے کی اور مجھے

بڑا تعجب ہوا، پاکستان کے وزیر تعلیم کی گفتگو سُن کر اور الحمدللہ! اللہ نے مجھے موقع دیا کہ میں جواب دوں۔ انہوں نے ایک بات تو اپنی گفتگو میں یہ کہی کہ ''ہم دینی مدارس سے کوئی پریشان نہیں ہیں، دن بدن دینی مدارس کی تعداد کم ہو رہی ہے'' میں نے کہا: ''مجھے افسوس ہے کہ ہمارے وزیر تعلیم کو صحیح اعداد و شمار کا پتہ ہی نہیں ہے۔ نا معلوم وہ کس دنیا میں رہتے ہیں، میں ان کو بتاتا ہوں اور وائس آف امریکہ کے تھرو امریکہ اور پوری دنیا کو بتاتا ہوں کہ الحمدللہ! دن بدن ہمارے مدارس کی تعداد بڑھ رہی ہے، ہمارے ہاں پڑھنے والے طلباء کی تعداد بڑھ رہی ہے، لڑکیوں کے مدارس میں لڑکیوں کی تعداد بڑھ رہی ہے''۔ یہ تمام مہتممین اور علماء بیٹھے ہیں ان سے پوچھیں یہ پاکستان اور بیرون ملک سے چندے کر کے پیسے لا لا کر (سمیٹ کر) جتنے کمرے بناتے ہیں وہ اگلے سال کم ہو جاتے ہیں، درسگاہیں، دارالاقامہ کم ہو جاتے ہیں۔ مطبخ چھوٹا، مسجد چھوٹی ان کے لیے تمام جگہیں کم، اساتذہ کے مکانات کم پڑ جاتے ہیں۔

میں نے کہا: وفاق المدارس جو پاکستان کے مدارس کی سب سے بڑی مؤثر تنظیم ہے، نو ہزار (۹۰۰۰) مدرسے اس کے ممبر ہیں، اور آپ حیران اور خوش ہوں گے کہ ہر سال امتحان دینے والی تعداد میں بیس سے تیس ہزار طلباء کی تعداد کا اضافہ ہو رہا ہے اور ۱۹۹۰ء سے لے کر آج ۲۰۰۵ء تک ان پندرہ سال کے عرصے میں جو مدارس پاکستان بننے سے پہلے تھے وفاق میں شامل کیے ہوئے اور جو مدرسے ۱۹۹۰ء تک وفاق میں تھے ان سے تین گنا زیادہ ان پندرہ سال کے عرصے میں وفاق میں شامل ہوئے ہیں اور نئے بنے ہیں۔

ہمارے وفاق کے تحت گزشتہ سے پیوستہ سال ایک لاکھ بیس ہزار طلباء نے امتحان دیا تھا، اور پچھلے سال ہمارے وفاق کے تحت ایک لاکھ چالیس ہزار طلباء نے امتحان دیا ہے اور آپ خوش ہوں گے کہ ان ایک لاکھ چالیس ہزار طلباء میں جو وفاق میں شامل مدرسوں نے قرآن کے حافظ اور قاری تیار کر کے پاکستان کی قوم کو دیئے ہیں ان کی ایک سال کی تعداد باون ہزار ہے جو پورے قرآن کے حافظ ہوئے اور وفاق میں امتحان دیا اور حفظ قرآن کے ایسے طلباء جنہوں نے پندرہ، بیس یا پچیس پارے حفظ کیے وہ اس میں شامل نہیں۔ ایک سال کے عرصے میں جو عالم تیار ہوئے تقریباً ان کی تعداد دس ہزار ہے، جس میں چھ ہزار لڑکیاں ہیں، جو عالمہ بنی ہیں۔

وفاقی وزیر تعلیم کہنے لگے: ''ان کے مدرسوں میں اکثر افغانستان کے طلباء ہیں، جب افغانستان کے حالات بہتر ہو گئے اور ہم نے ان افغان مہاجرین کو واپس بھیجا تو آدھے مدرسے

بند ہو جائیں گے''۔ میں نے کہا: ''وفاقی وزیر تعلیم بالکل غلط بیانی کر رہے ہیں، دن بدن مدارس کی تعداد بڑھ رہی ہے، طلباء کی تعداد بڑھ رہی ہے، طالبات کی تعداد بڑھ رہی ہے اور لوگوں میں دینی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے کا رجحان بڑھ رہا ہے اور ماشاءاللہ مسلمانوں میں ایک بیداری آئی ہے۔ خاص طور پر گیارہ ستمبر کے بعد جہاں برائی کی قوتیں بھی زور پر ہیں وہاں خیر کی قوتیں بھی زور پر ہیں۔ اگر آپ جائزہ لیں عالمی حالات کا تو گیارہ ستمبر کے بعد جن مسلمان ملکوں کے اندر انتخابات ہوئے ہیں ان میں یمن بھی ہے، الجزائر بھی ہے، مراکش بھی ہے، آپ کا پاکستان بھی ہے۔ جب ان ملکوں میں الیکشن ہوئے، کبھی ماضی میں اتنی بڑی طاقت دینی جماعتوں کو اور علماء کو نہیں ملی جتنی گیارہ ستمبر کے بعد ہونے والے انتخابات میں علمائے کرام کو کامیابی ہوئی، یہ تبدیلی ہے پوری دنیا میں۔'' میں نے کہا: ''حکومتیں اور ہیں، عوام اور ہیں۔ اکثر مسلمان ملکوں کی حکومتیں امریکہ کا ساتھ دے رہی ہیں جبکہ مسلمان ملکوں کے عوام مجاہدین کا ساتھ دے رہے ہیں۔''

وزیر تعلیم نے اپنی گفتگو میں یہ بات بھی کہی کہ ''دینی مدرسے سوائے مؤذن، امام اور خطیب کے کچھ پیدا نہیں کر رہے ہیں'' تو میں نے ان سے سوال کیا تھا: ''ذرا بتا دیں تمام پاکستان میں ہزاروں لاکھوں مسجدیں ہیں، کیا ان مسجدوں کے لیے امام اور مؤذن، خطیب اور علماء تیار کر کے قوم کو دینا ملک کی ضرورت نہیں؟ آپ لوگ کس کے پیچھے نماز پڑھیں گے، اگر ہم امام تیار کر کے نہ دیں تو آپ کس کی اذان پر مسجدوں میں آئیں گے، ہم نے مسجدوں میں مؤذن تیار کر کے آپ کو تو دیے؟'' اور میں نے کہا دیکھو: ''جس طرح ملک کا سرمایہ اور اثاثہ ڈاکٹر ہیں، انجینئر ہیں، تاجر ہیں، صنعت کار ہیں، بیوروکریسی کے لوگ ہیں، ویسے ہی مؤذن اور علماء اس ملک کی سب سے بڑی ضرورت ہیں جو دینی رہنما ہیں۔ جس طرح پاکستان اور اس کی قوم کو ڈاکٹر کی ضرورت ہے، انجینئر کی ضرورت ہے، صنعت کاروں کی ضرورت ہے، سیاست دانوں کی ضرورت ہے، سائنس دانوں کی ضرورت ہے، تاجروں کی ضرورت ہے، افسروں کی ضرورت ہے، اس سے زیادہ مسلمان قوم کو علماء کی ضرورت ہے۔

اگر ڈاکٹر پوری قوم کا سرمایہ ہیں تو عالم دین بھی پوری قوم کا سرمایہ ہے، میڈیکل کالج، انجینئرنگ یونیورسٹی، ملک کی ضرورت ہے تو مدرسہ بھی مسلم قوم کی ضرورت ہے۔ مدرسے کی ضرورت کا انکار وہی شخص کر سکتا ہے جس کی نظر میں اسلام کی ضرورت نہ ہو، جس کی نظر میں قرآن کی ضرورت نہ ہو، جس کی نظر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی ضرورت نہ ہو، جس کی

نظر میں اللہ تعالیٰ کی شریعت کی ضرورت نہ ہو، جس کی نظر میں پیغمبر علیہ السلام کے علوم کی ضرورت نہ ہو، جو قرآن کو ضروری سمجھتا ہے، اسلام کو ضروری سمجھتا ہے، حضور علیہ السلام کی احادیث کو ضروری سمجھتا ہے، شریعت کو ضروری سمجھتا ہے، وہ کبھی بھی مدرسے کی ضرورت کا انکار نہیں کرسکتا۔ بلکہ مدرسہ تو اس طرح حیثیت رکھتا ہے جیسے میرے اور آپ کے جسم میں روح کی حیثیت ہے۔ انسانی سوسائٹی میں اگر مدرسہ نہیں ہے تو وہ ایک بے روح جان ہے، وہ ایک بے روح لاشہ ہے، اس کے اندر بدبو ہے، اس میں کوئی زندگی کے آثار نہیں ہیں، جب تک یہاں مدرسہ نہیں ہوگا، یہاں مسجد نہیں ہوگی۔ وہ بے روح ہے، وہ لاش ہے، ان مدرسوں کا احسان ہے کہ انہوں نے مجھے اور آپ کو دین بتایا ہے۔"

وہ کہنے لگے: "مولانا! آپ کے جو مدرسے ہیں وہ صرف مذہب کی تعلیم دیتے ہیں اور صرف مذہبی ادارے ہیں، وہ صرف دینی دارے ہیں اور آپ صرف قرآن اور حدیث پڑھتے ہیں اور ہم چاہتے ہیں کہ آپ انگریزی پڑھائیں، سائنس اور ریاضی پڑھائیں، مطالعہ پاکستان پڑھائیں، معاشرتی علوم پڑھائیں جب کہ آپ صرف دین پڑھاتے ہیں؟" میں نے کہا: "اس میں دو باتیں ہیں: ایک تو یہ کہ ہم سائنس، معاشرتی علوم، مطالعہ پاکستان، ریاضی، انگریزی پڑھائیں، ہمیں ان کی ضرورت سے انکار نہیں اور اپنی ضرورت کی حد تک اپنے نصاب میں ان کو ہم نے شامل بھی کیا ہے لیکن دوسری بات ذہن میں رکھیں کہ آپ لوگوں کو عوام میں زیادہ سے زیادہ یہ بات پھیلانی چاہیے کہ مدارس میں دینی وعصری دونوں قسم کی تعلیم دی جاتی ہے۔ آپ لوگ عوام میں مدارس کے بارے میں منفی تاثر پیدا کرتے ہیں کہ مدارس صرف مذہب کی تعلیم دیتے ہیں، صرف اسلام پڑھاتے ہیں، اس سے ہمیں انکار نہیں ہے، ہمارے مدرسے بزرگوں نے بنائے ہیں، کس لیے؟ اسلام کے لیے، مذہب کی، دین کی تعلیم کے لیے بنائے ہیں لیکن میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا اسلام صرف عقائد، ایمانیات اور عبادات کا نام ہے، یا اسلام زندگی کے دستور کا نام ہے؟"

یہی سوال میں نے وزیر تعلیم سے کیا اور چند دن پہلے امریکہ کا ایک وفد آیا، مجھ سے کہنے لگا: مولانا آپ صرف مذہبی تعلیم دیتے ہیں، میں نے کہا: ہاں ہم مذہب کی تعلیم دیتے ہیں لیکن مذہب اسلام کا اور اسلام صرف عقائد کا اور نظریات کا اور ایمانیات کا نام نہیں ہے۔ اسلام صرف نماز، روزہ، زکوۃ، حج کا نام نہیں ہے بلکہ اسلام ایک مکمل نظام زندگی کا نام ہے۔ اسلام کا تعلق ایک اللہ کے آئین کا نام ہے، اسلام میں جہاں عبادات اور ایمانیات ہیں وہاں پوری زندگی ہے، ہم

اپنے مدرسوں میں جہاں عبادات، نظریات، ایمانیات اور عقائد پڑھاتے ہیں وہاں ہم اپنے مدرسوں میں اسلام کا عدالتی نظام بھی پڑھاتے ہیں، ہم حکومتی نظام پڑھاتے ہیں۔

ہم کتاب البیوع کے اندر اسلام کا اقتصادی، معاشی اور قانون کا نظام پڑھاتے ہیں۔ کتاب الامارۃ اور قضا میں اسلام کا حکومتی اور عدالتی نظام پڑھاتے ہیں، کتاب الحدود اور قصاص پڑھا کر جرائم اور کرائم اور جوان پر سزائیں ہیں جو انسانی معاشرے کو تباہ کرتی ہیں ہم وہ جرائم اور کرائم اور ان کی سزائیں پڑھاتے ہیں۔ ہم کتاب الشھادات میں گواہی کے اصول اور طریقے اور فیصلے کی بنیاد پڑھاتے ہیں، ہم اپنے مدارس میں اسلام پڑھاتے ہیں، اخلاقیات پڑھاتے ہیں، عورتوں کے حقوق پڑھاتے اور بتاتے ہیں، انسانی حقوق پڑھاتے ہیں، اقلیتوں کے حقوق پڑھاتے ہیں۔

کتاب المغازی اور کتاب الجہاد کے، ابواب میں جنگ کے اصول بتاتے ہیں، ہم بین الاقوامی تجارت، بین الاقوامی تعلقات پڑھاتے ہیں۔ ہم کتاب الربوا پڑھا کر سود کے مسائل بیان کرتے ہیں، اسلامی بینکنگ کا نظام پڑھاتے ہیں۔ ہم مضاربت پڑھاتے ہیں، مرابحہ پڑھاتے ہیں جس میں اسلام کا مالیاتی نظام بتاتے ہیں، ہم باہر کی دنیا سے تعلقات قائم کرنے کی تعلیم اپنے مدرسوں میں دیتے ہیں، ہم غیر مسلموں کے حقوق کی تعلیم اپنے مدرسوں میں دیتے ہیں، ہم پورا نظام زندگی اپنے مدرسوں میں پڑھاتے ہیں۔ ہم نے الحمدللہ! جس مذہب اسلام کی تعلیم دی ہے یہ نہیں کہ وہ اندر کی دنیا سے تعلقات رکھتا ہے، باہر کی دنیا سے تعلق نہیں رکھتا۔ ہم مدرسوں میں وہ اسلام پڑھاتے ہیں جس کا بازار سے بھی تعلق ہے، عدالت اور کچہری سے بھی تعلق ہے، تھانے سے بھی تعلق ہے، جیل سے بھی تعلق ہے اور ہماری پارلیمنٹ سے اور سیاسی نظام سے بھی اس کا تعلق ہے۔ یہ تم نے عدالت سے اسلام کو نکالا ہے، پارلیمنٹ سے نکالا ہے، بازار سے نکالا ہے، اگر تم اسلام کو بازار لے آؤ، بینکوں کے اندر لے آؤ، عدالتوں میں لے آؤ، پارلیمنٹ میں لے آؤ تو آپ کو ہر جگہ مدرسے کے مولوی کی ضرورت پڑے گی اور ہر جگہ مدرسے کا مولوی ہوگا۔

میں آپ سے پوچھتا ہوں، علماء بیٹھے ہیں: ہم صرف نماز، روزہ پڑھاتے ہیں؟ ہم پورا ایک نظام زندگی پڑھاتے ہیں اور تم جو پڑھاتے ہو دنیا کی باتیں ہیں، ہم تو دنیا کے بعد مرنے کے بعد، جو قبر کا بیان ہے اور آخرت کا جہاں ہے اس سے متعلق بھی پڑھاتے ہیں اور معلومات دیتے ہیں۔ ہماری تعلیم زیادہ جامع ہے، مگر اس کی پریکٹس نہیں ہے۔ ہمارے ملک میں اسلام کا آئین نہیں

ہے، اگر اسلامی نظام نافذ ہو تو مولوی آپ کو عدالت میں وکیل اور جج کے طور پر نظر آئے گا۔

آپ کو مولوی بینکوں کے اندر ملازمت کرتا ہوا نظر آئے گا، آپ کو پارلیمنٹ میں قرآن وسنت کے مطابق قانون سازی کرنے کے لیے نظر آئے گا، آپ کو اپنے پورے نظام کے اندر اور فوج میں مولوی نظر آئے گا، پولیس میں مولوی نظر آئے گا، آپ کو ہر جگہ مولوی نظر آئے گا، ہمارے پیغمبر نے مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست قائم کی ہے، اس لیے ہمارے پیغمبر نے ہمیں پورا حکومتی نظام دیا ہے، پورا ملکی نظام دیا ہے، یہ پروپیگنڈہ ہے کہ یہ صرف مذہب پڑھاتے ہیں۔ یہاں مدرس بیٹھے ہیں، علماء بیٹھے ہیں، آپ ان سے پوچھیں: کیا یہ کتاب البیوع نہیں پڑھاتے؟ کتاب الربا یہ نہیں پڑھاتے؟ یہ مضاربت کے کاروبار اور بزنس کے احکام نہیں پڑھاتے؟ یہ مزارعت اور کاشت کاری کے احکام پڑھاتے ہیں۔ آپ نے اگر زمین دینی ہے، آپ نے باغ دینا ہے تو کس طرح دینا ہے، مزارعت کے لیے کیا اصول ہیں، مالک کے لیے کیا شرطیں ہیں آپ کن شرائط پر دے سکتے ہیں۔ پانی کیسے ہو گا، زمینیں کیسی ہوتی ہیں، نہری زمین کون سی، بارش کے پانی سے سیراب ہونے والی کیسی، ان پر کیا ٹیکس آتا ہے؟ یہ پورا نظام ہے جو ہمارے مدرسے میں پڑھایا جاتا ہے۔

لوگ سمجھتے ہیں مدرسے میں صرف نماز، روزہ پڑھایا جاتا ہے، نہیں بلکہ نماز، روزہ بھی پڑھایا جاتا ہے اور باقی نظام زندگی بھی پڑھایا جاتا ہے۔ اس میں معاشی نظام، اقتصادی نظام، عدالتی نظام، سیاسی نظام، اس میں حکومتی نظام، اس میں بین الاقوامی تعلقات، اس میں بین الاقوامی سیاست، تاریخ یہ تمام چیزیں ہیں جن کی مدرسوں میں تعلیم دی جاتی ہے۔

چنانچہ وزیر تعلیم نے کہا: یہ مدرسے تو صرف دین پڑھاتے ہیں، میں نے کہا: نہیں ہم سب کچھ پڑھاتے ہیں۔ اس نے کہا کہ: آپ تو صرف مسجدوں میں نظر آتے ہیں، میں نے کہا: نظر اس لیے آتے ہیں کہ آپ نے عدالت سے اسلام کو نکالا ہوا ہے، آپ کی کچہریاں عدالتی فیصلے انگریز کے قانون کے مطابق کرتی ہیں، اگر وہ اسلام کے قانون کے مطابق فیصلے کریں، آپ سچی بات بتائیں ان عدالتوں میں، مولوی کی ضرورت پڑے گی کہ نہیں پڑے گی؟ وفاقی شرعی عدالت بنی، سپریم کورٹ میں شریعت بینچ بنا، وہاں مولوی کی ضرورت پڑی۔ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب گئے، علماء گئے، وہاں کام کیا۔ انہوں نے وہاں ایسے فیصلے کیے ہیں کہ یہ لوگ خود اس کی تعریف کرتے ہیں۔

میں آج ہی اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا کہ تاریخی حقائق کی روشنی میں اگر کوئی شخص دیکھے تو چودہ سو سال پہلے جو دنیا میں امن وامان، سلامتی، عدل، انصاف، محبت، پیار، ہمدردی، خیر خواہی، ایثار، دوسروں کا خیال کرنا، یہ وہی چیزیں ہیں جو پہلے دور میں تھیں اور آج کے مدرسوں میں بھی ہیں، تو مولوی جب کہتا ہے: ہم آپ کو پیچھے لے جانا چاہتے ہیں تو گویا وہ پیچھے لے جا رہا ہے آگے لے جانے کے لیے، تمہیں اندھیرے سے نکال کر روشنی میں لے جانا چاہتا ہے، اس روشنی کی طرف لے جانا چاہتا ہے جو حقیقی روشنی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان مدارس کو قائم ودائم رکھے۔

لوگ کہتے ہیں کہ آج یورپ اور امریکہ اور ان کے نمائندوں کو آپ کے مدرسوں سے کیا تکلیف ہے؟

یہی سوال انٹرویو میں بھی ہوا کہ: مولانا آپ کے مدرسوں کے بارے میں جو باتیں ہوتی ہیں اس کی وجہ کیا ہے؟ میں نے کہا: دیکھیں عام طور پر ہمارے مدارس کو بدنام کیا جاتا ہے کہ یہ دہشت گرد ہیں اور قتل وغارت میں ملوث ہیں۔ میں نے کہا: ہم قتل وغارت میں ملوث نہیں بلکہ قتل وغارت میں تو وہ لوگ ملوث ہیں جو انہوں نے خود پیدا کیے ہیں۔ وہ لوگ جن کا تعلق عرب ملکوں سے ہے جن کو انہوں نے ملزم بتایا ہے اور جن لوگوں پر الزام لگایا ہے ان میں سے ایک بھی پاکستان کا نہیں، افغانستان کا نہیں، اور بنگلہ دیش کا نہیں ہندوستان کا نہیں اور ان کی وجہ سے ان مدرسوں پر دہشت گردی کا الزام کیا انصاف کے مطابق ہے؟ تو وزیر تعلیم صفائی دیتے ہوئے فوراً کہنے لگے: نہیں نہیں، بین الاقوامی دہشت گردی میں ان کا کوئی تعلق نہیں، بین الاقوامی دہشت گردی میں آپ کے مدرسوں کا کوئی تعلق نہیں، لیکن جو پاکستان میں دہشت گردی ہو رہی ہے اس میں آپ کے لوگ ہیں۔ تو میں نے کہا: جو ہمارے لوگ ہیں وہ ہمارے نہیں ہیں، آپ ہمارے اوپر ڈال دیتے ہیں، یہ وہ ہیں جن کو آپ نے خود پالا ہے، تو آج آپ ان کو ہمارے کھاتے میں ڈال رہے ہیں اور اگر کسی مدرسے میں پڑھے ہوئے شخص نے کوئی ناحق قتل کیا ہے تو مدارس کے علماء نے کب اس کی تائید کی ہے اور کب روکا ہے کہ آپ اس کے خلاف کارروائی نہ کریں۔

مدرسوں کا نہ پاکستان سے اور نہ باہر کی کسی دہشت گردی سے تعلق ہے، کسی بھی دہشت گردی میں مدرسے کا کوئی تعلق نہیں، اگر کوئی تعلق ہے تو ثبوت کے ساتھ لائیں، ہم نے بارہا حکومت کے لوگوں سے کہا کہ آپ یہ جو کہتے ہیں کہ: جی اکثر مدرسے ٹھیک ہیں بعض مدرسے خراب ہیں تو آپ ان بعض مدرسوں کا نام کیوں نہیں لیا کرتے، کون سی رکاوٹیں ہیں کہ آپ ان کا نام نہیں لیتے

اور بعض کہہ کر آپ سب کو بدنام کر رہے ہیں اس لیے کہ ہر ایک کے بارے میں گمان ہوگا کہ یہ مدرسہ شاید اُس بعض میں آتا ہو، ہر مدرسے کو آپ مشکوک بناتے ہیں ہم سے وعدہ کیا گیا کہ آئندہ ہم ایسا نہیں کریں گے، لیکن پھر بھی یہ وعدے کر کے ہمارے اوپر آئینی طور پر کوئی پابندی نہیں لگائی جاسکتی کہ آپ یہ نہیں پڑھا سکتے، فلاں چیز نہیں پڑھا سکتے، ہم ملک کی سلامتی کے خلاف کوئی چیز نہیں پڑھاتے اور جو ملکی سلامتی کے خلاف نہیں اس کو پڑھانے سے ہمیں کوئی نہیں روک سکتا، اور اگر کوئی چیز ایسی ہے جس سے ملک کی سلامتی کو نقصان پہنچتا ہے لیکن وہ شریعت اور دین کی تعلیم ہے تو یاد رکھیے! ہمارے نزدیک اسلام پہلے ہے، ملک بعد میں ہے۔ یہ بات میں نے اس لیے کہی کہ اگر کل کو کوئی ہم سے کہتا ہے کہ آپ جہاد کی آیات نہ پڑھائیں، جہاد کے احکام نہ پڑھائیں، ہمارے ملک کو خطرہ ہے تو آپ کا کیا خیال ہے کہ ہم مان لیں گے؟ ہم یہ بات نہیں مان سکتے۔ کہنے لگے کہ: لوگ آپ کے مدرسوں کے خلاف کیوں ہیں، یعنی خواص وعوام تو ہمارے ساتھ ہیں، ملک کی اکثریت تو ہمارے ساتھ ہے، وہ اپنے بچے الحمدللہ! ہمارے یہاں بھیجتے ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ لوگ ہمارے خلاف ایک ہی وجہ سے ہیں، وہ یہ ہے کہ ہمارے مدرسوں میں جو اسلام اور جو دین پڑھایا جاتا ہے اس کے اندر ایک بنیاد جو ہم اپنے پڑھنے والوں کو دیتے ہیں کہ اگر کوئی ہمارے اوپر ظلم کرتا ہے تو تم نے اس ظلم کو مقابلہ کرنا ہے۔ ہم ظلم اور زیادتی کے خلاف مقابلہ کرنے کی تعلیم دیتے ہیں اور یہ ہمارے اسلام کی تعلیم ہے کہ اگر کوئی تم پر ظلم کرتا ہے تو تم بزدلی کا مظاہرہ نہ کرو، پشت نہ دکھاؤ، سینہ تان کر کھڑے ہو جاؤ اور ظلم کا مقابلہ کرو، آج دنیا میں امریکہ ظلم کر رہا ہے۔

آج افغانستان اور عراق میں اور فلسطین میں، کشمیر میں اور ہندوستان میں بھی ظلم ہو رہا ہے اور مدرسوں سے پڑھا ہوا مولوی اس ظلم کا مقابلہ اور مزاحمت کر رہا ہے اور ان کو پتہ ہے کہ یہ مزاحمت کی تعلیم صرف مدرسہ دیتا ہے اس لیے اس مدرسہ کے خلاف ہیں اور مدرسے کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا: میں آپ سے پوچھتا ہوں: کیا ظالم کے خلاف مزاحمت ہونی چاہیے یا نہیں ہونی چاہیے؟ ہمارا یہی ایک کردار ہے جو کھٹکتا ہے باہر کی دنیا کو، اس لیے کھٹکتا ہے کہ ہم ان کے ظلم کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں اور مزاحمت کرتے ہیں۔

اور اندر والوں کو کیا کھٹکتا ہے؟ اندر والوں کو کھٹکتا یہ ہے کہ ہم ان کی روشن خیالی چلنے نہیں دیتے، ہم ان کی آزاد خیالی چلنے نہیں دیتے۔ یہ کہتے ہیں کہ جناب فلاں! چیز اسلام میں منع نہیں

ہے، اگر تم بسنت مناؤ تو اس سے پاکستان کا اعتدال پسندانہ امیج دنیا کے سامنے آتا ہے، تو ہم کہتے ہیں کہ: یہ بسنت ہندوؤں کا تہوار ہے، اسلام میں اس کی اجازت نہیں ہے، یہ مرد اور عورت کو سڑکوں پر اکٹھے دوڑانا چاہتے ہیں، مولوی رکاوٹ بن جاتا ہے، ہم نہیں دوڑنے دیں گے، عورت کو مرد کے ساتھ مل کر باہر سڑکوں پر آنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا، ہم اس کو روکیں گے، ہم چونکہ شریعت کے خلاف کاموں کو روکتے ہیں اس لیے ہم ان کی نظر میں انتہا پسند ہیں اور یہ ہمارے خلاف ہیں۔

اس کے علاوہ کوئی بات ہے تو بتاؤ، آپ بتایئے اس کے علاوہ کوئی بات ہے؟ میں آپ سے پوچھتا ہوں: آج اگر مولوی حلال کو حلال، حرام کو حرام کہنا چھوڑ دے اور جس حرام کو یہ لوگ حلال کہیں ہم چپ ہو کر زبانیں بند کر لیں، تو یہ ہمارے خلاف نہیں ہیں؟ میں آپ سے پوچھتا ہوں کیا ہم زبانیں بند کر لیں، ہم خاموش ہو جائیں دل سے کہتا ہوں: اگر ہماری زندگی میں وہ دن آنا ہے کہ حق بول نہ سکیں تو اللہ اس سے پہلے ہمیں موت دے دے، اس سے پہلے اللہ ہمیں موت دے دے، یہ ہمارے اکابر کی امانت ہے، ہم اپنا فرض ادا کریں گے اور ان دینی مدارس کا تحفظ اور دفاع کریں گے ان شاء اللہ۔ یہی ایک کردار ہے اُن کا، ایک مزاحمتی کردار، ظلم کے خلاف آواز اٹھانا اور خلاف شریعت باتوں کے خلاف آواز اٹھانا، ان کو یہ کھٹکتا ہے اس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے۔

اگر ہم آرام سے پڑھتے رہیں، پڑھاتے رہیں تو دنیا میں بے شمار تحقیقی اور ریسرچ کے ادارے ہیں، دنیا میں بے شمار تعلیم اور ایجوکیشن کے ادارے ہیں، کوئی ان کو کچھ نہیں کہتا، وہ کیوں؟ اس لیے کہ وہ ان کے راستے کی رکاوٹ نہیں ہیں اور مولوی ان کے راستے کی رکاوٹ ہے، دیوار ہے۔ یہ دینی مدارس، اللہ کی بڑی نعمت ہیں، ان دینی مدارس نے ہمیں اسلام سکھایا ہے، ہمیں ماں اور بیٹی کا فرق بتایا ہے۔ آج جتنا بھی دین باقی ہے، یقین کریں ان مدرسوں کی وجہ سے ہے، یہ اسلام کے محفوظ اور مضبوط قلعے ہیں، آپ کا فرض ہے کہ آپ اس کو زیادہ سے زیادہ مضبوط کریں۔ پوری دنیائے کفران کے خلاف ہے، اب دنیائے اسلام کا فرض ہے کہ وہ ان کو مضبوط کرے۔ دوسری بات میں نے یہ عرض کی کہ مدرسہ صرف مذہب کی، عبادات کی تعلیم کا نام نہیں ہے بلکہ مدرسہ مذہب کی جامع تعلیم کا نام ہے، مدرسہ ایک پورے مکمل دستور حیات، دستور کائنات کی تعلیم گاہ کا نام ہے جس میں پورا وہ سسٹم، پورا وہ نظام دیا جاتا ہے جو پوری زندگی سے تعلق رکھتا ہے۔

اور تیسری بات جو میں نے آپ سے کہی وہ یہ کہ ان مدرسوں کا ایک ہی کردار ہے جو کھٹکتا ہے وہ ان کا مزاحمتی کردار ہے، وہ ان کا شریعت سے قطعی اور لازوال رشتہ ہے۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے پاس ایک شخص تحریر لائے کہ اس پر دستخط کر دو، حضرت نے پڑھا تو اس میں یہ لکھا تھا: ''آج کے زمانہ میں سود حلال ہے، بینک سے آپ سود لے کر فیکٹریاں اور کارخانے لگا سکتے ہیں، اگر نہیں لگائیں گے، مسلمان پیچھے رہ جائے گا''۔ یہ اس تحریر کا خلاصہ تھا۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''میں اس پر دستخط نہیں کروں گا''۔ اس نے کہا: کیوں نہیں کریں گے؟ آج ضرورت ہے مسلمانوں کی، آپ مفتی ہیں، دستخط کریں، آپ کی بات چلتی ہے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''بھائی! سود حرام ہے اور تم اس تحریر میں اس کو حلال کہہ رہے ہو، میں اس پر دستخط نہیں کر سکتا۔'' انہوں نے بڑا اصرار کیا تو حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے بڑی پیاری بات فرمائی: فرمانے لگے:

> ''آپ کا یہ خیال ہے کہ اگر میں اس تحریر پر دستخط کر دوں گا تو اللہ کا حرام حلال ہو جائے گا، سنو! ایک اشرف علی نہیں لاکھوں اشرف علی بھی اللہ کے حرام کے حلال ہونے پر دستخط کریں تو وہ حلال نہیں ہوگا، اللہ کا حرام حرام ہی رہے گا، لاکھ دنیا کہے، یہ چیز جائز ہے، وہ اگر ناجائز ہے تو جائز نہیں بنے گی۔ یاد رکھیے! حلال اور حرام کے فیصلے جائز اور ناجائز کے فیصلے، جواز اور عدم جواز کے فیصلے فرش پر نہیں عرش پر ہوئے ہیں، یہ اختیار اللہ تعالیٰ نے کسی ولی تو کیا، کسی مفتی تو کیا، کسی عالم تو کیا، اللہ نے اپنے نبی اور پیغمبر کو بھی یہ اختیار نہیں دیا، پیغمبر کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وما ینطق عن الھویٰ إن ھو إلا وحی یوحی﴾ ''یہ وہ بولے گا جو ہم بلوائیں گے''۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس صحابہ مسئلہ لے کر حاضر ہوئے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''اس کے بارے میں ابھی تک اللہ کا کوئی حکم نہیں آیا، اللہ کی وحی نہیں آئی، جب اللہ کی وحی آئے گی، اللہ حکم دے گا، میں تمہیں بتا دوں گا، میں دین بنانے والا نہیں، میں تو دین بتانے والا ہوں''۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

• • •

دینی مدارس کا دہشت گردی سے کوئی تعلق نہیں

روزنامہ نوائے وقت کے ایوان وقت میں اظہار خیال

مدارس میں نصاب اور دینی مدارس میں غیر نصابی سرگرمیوں کے حوالے سے وقتاً فوقتاً نہ صرف میڈیا میں بازگشت سنائی دیتی ہے، بلکہ ان کے حوالے سے اب بھی بحث وتمحیص جاری ہے۔ گزشتہ دنوں مولانا حافظ فضل الرحیم نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور، رکن مجلس عاملہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان اور مولانا محمد حنیف جالندھری سیکریٹری جنرل وفاق المدارس العربیہ پاکستان مرکزی رہنما، اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ پاکستان کے ساتھ ایوان وقت میں جو گفتگو ہوئی وہ نذر قارئین ہے۔

محمد حنیف جالندھری کہتے ہیں...... ''وفاق المدارس العربیہ پاکستان'' وطنِ عزیز کے دینی مدارس اور جامعات کی سب سے پرانی اور بڑی تنظیم ہے۔ اس کا وسیع نیٹ ورک کراچی سے پشاور چاروں صوبوں، اسلام آباد، آزاد کشمیر، شمالی علاقہ جات کے دینی مدارس میں شامل ہیں، ان کی تعداد نو ہزار ہے، جس میں لڑکے لڑکیاں دونوں شامل ہیں۔ پرائمری سے لے کر پی ایچ ڈی تک کے مدارس ہیں، جہاں قرآن کریم کے علاوہ درس نظامی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ ان مدارس میں تقریباً سات لاکھ طالب علم ہیں۔ ہر سال سالانہ امتحانات میں، جو طالب علم شریک ہوتے ہیں، ان کی تعداد دو لاکھ ہے۔

پاکستان کے دینی مدارس پرائیویٹ سیکٹر میں تعلیم اور کفالت کا ایک ایسا نیٹ ورک ہیں جس کی مثال پوری دنیا میں نہیں ملتی اس وقت پاکستان میں پندرہ سے بیس ہزار مدارس ہیں، جن میں تقریباً ڈیڑھ سے دو ملین طالب علم ہیں۔ یہ مدارس پندرہ سے بیس لاکھ انسانوں کو مفت تعلیم دیں، ان کی کفالت کریں، علاج معالجہ اور کھانے کے علاوہ ماہانہ وظیفہ دیں اور کتب مہیا کریں۔ یہ دنیا کی سب سے بڑی این جی او ہے۔

شرحِ خواندگی میں اضافہ اور تعلیم کے فروغ میں بغیر سرکاری وسائل کے یہ ادارے خدمات انجام دے رہے ہیں۔ بالخصوص پسماندہ اور دور افتادہ ودشوار گزار علاقے جہاں پرائمری اسکول بھی نہیں، وہاں علم کی روشنی پھیلا رہے ہیں۔ان مدارس نے خواتین میں بھی تعلیم کو عام کیا ہے ان کی شرحِ خواندگی اور تعلیم میں نمایاں کردار ادا کیا۔اس وقت لڑکوں کی تعداد کم اور لڑکیوں کی زیادہ ہے۔ان مدارس میں صرف دینی تعلیم ہی نہیں ہے، اگرچہ ان کا بنیادی مقصد قرآن وحدیث اور دین علوم کی تعلیم واشاعت اور فروغ ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم بھی ان مدارس میں دی جارہی ہے اور میٹرک تک تمام مضامین انگریزی، سائنس، ریاضی اردو، پاکستان اسٹیڈی، معاشرتی علوم بھی پڑھائے جارہے ہیں، اسی طرح کمپیوٹر کورسز بھی کرائے جارہے ہیں۔

دینی مدارس کا نصابِ تعلیم یعنی سلیبس کبھی بھی جامد نہیں رہا، بلکہ متحرک اور وقت کے تقاضوں سے ہم آہنگ رہتا ہے اور ہمارا نظامِ تعلیم اور نظام امتحان بھی مثالی ہے۔ایک عرصے سے بالخصوص نائن الیون کے بعد دینی مدارس عالمی ایجنڈے پر ہیں اور مسلسل ان کے خلاف پروپیگنڈہ جاری ہے، ملک اور دنیا بھر میں کہیں بھی کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آتا ہے، ان کے تانے بانے جوڑنے کی مدارس سے ناکام کوشش کی جاتی ہے۔

نائن الیون کے ذمہ داران کا جو بھی عالمی ایجنسیوں نے تعین کیا، ان میں سے کسی ایک نے بھی مدرسے سے تعلیم حاصل نہیں کی، اس طرح سیون سیون کے واقعات میں ملوث افراد بھی یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ تھے مدارس کے نہیں۔

دراصل میں یہ سمجھتا ہوں، دینی مدارس کے خلاف منفی رویہ اس لیے ہے کہ یہ دینی مدارس اسلام کے مضبوط قلعے ہیں، حق گوئی، انصاف وعدل کی ان میں تعلیم دی جاتی ہے اور ظلم سے سمجھوتہ نہیں، بلکہ ظلم کے خلاف مزاحمت کی طرف راغب کیا جاتا ہے۔دینی مدارس کا دہشت گردی سے کوئی تعلق نہیں اور آج تک تمام تر کوششوں کے باوجود کسی ایک مدرسے کے خلاف بھی کوئی ٹھوس ثبوت پیش نہیں کیا جاسکا۔دینی مدارس پاکستان کی نظریاتی سرحدیں ہیں اور نظریہ پاکستان کے تحفظ اور اشاعت کے علمبردار ہیں۔ان کی خدمات، نہ صرف پاکستان، بلکہ پوری دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔

دینی مدارس میں غیر ملکی طلبہ کی تعلیم پر پابندی، ان کی اسناد کو غیر مؤثر کرنے اور غیر معتبر کرنے کے فیصلے، ہراساں اور خوفزدہ کرنے کے لیے ان پر چھاپے، یہ تمام اقدامات، خود پاکستان کے

اپنے مفاد میں نہیں۔

حال ہی میں باجوڑ کے ایک مدرسہ پر حملہ کی جو بے جوڑ کارروائی کی گئی، وہ انتہائی ظالمانہ، سفاکانہ اور سنگدلانہ ہے۔ اگر حکومت کے پاس کوئی ایسی اطلاعات تھیں کہ وہاں دہشت گرد ہیں، یا دہشت گردی کی تربیت دی جارہی ہے، وہاں گراؤنڈ آپریشن بھی کیا جاسکتا تھا اور زمینی آپریشن کے ذریعے گرفتار کر کے عدالت میں مقدمہ چلایا جاتا۔ طاقت کے اندھا دھند استعمال کا فلسفہ عالمی قوتوں نے ایجاد کیا ہے۔ یہ عالمی امن کے لیے بہت بڑا خطرہ ہے، جو انصاف کے تقاضوں کے خلاف ہے۔ اس کارروائی کا شکار ہونے والوں میں زیادہ تر تعداد آٹھ سے پندرہ سال کے بچوں کی تھی، کیا یہ دہشت گرد تھے؟ پھر ہم سمجھتے ہیں، یہ کارروائی غیر ملکی افواج کی ہے، جو پاکستان کی سلامتی پر حملہ ہے اور حکمران غیروں کی جنگ اپنی سرزمین پر لڑ رہے ہیں۔ دینی مدارس کے لیے بھی وارننگ ہے۔

ہم اس صورت حال پر غور کرنے کے لیے آئندہ دو ہفتوں میں وفاق المدارس کی مجلس شوریٰ اور اس کے بعد اتحاد تنظیمات مدارس پاکستان کی سپریم کونسل کا اجلاس بھی طلب کریں گے اور اس صورتحال پر غور کر کے آئندہ کے لیے لائحہ عمل طے کریں گے۔

ایک عرصے سے حکومت کے ساتھ دینی مدارس کی اسناد اور دینی مدارس کے وفاقوں کو خودمختار تعلیم و امتحانی بورڈ کا درجہ دینے، غیر ملکی طلبہ کی تعلیم، دینی مدارس کو درپیش مسائل کے حوالے سے مسلسل مذاکرات جاری ہیں اور حکومت پاکستان سے بھی متعدد بار مذاکرات ہو چکے ہیں، اب وہ فیصلے کن مرحلے میں داخل ہو گئے ہیں۔ ہم امید رکھتے ہیں کہ اب ان کو نتیجہ خیز بنایا جائے گا۔ ہم مذاکرات اور مکالمہ پر یقین رکھتے ہیں، مزاحمت پر نہیں، پاکستان میں کچھ ایسی نادیدہ قوتیں ہیں، جو ہر حال میں دینی مدارس اور حکومت کا تصادم چاہتی ہیں، ملک کے موجودہ حالات کی روشنی میں حکمرانوں سے درخواست کرتے ہیں، وہ دانشمندی کا مظاہرہ کریں اور ایسی قوتوں کے عزائم ناکام بنائیں۔ باجوڑ پر حملہ بھی معاہدے کی خلاف ورزی ہے۔

صدر پاکستان سے مذاکرات میں یہ طے پایا تھا کہ اگر کسی مدرسے کے خلاف کوئی اطلاع ہو تو مدرسے کی متعلقہ تنظیم اور وفاق کو اعتماد میں لیا جائے گا اور بات چیت سے مسئلے کا حل نکالا جائے گا، پولیس یا فوج کی کارروائی سے گریز کیا جائے گا اور باجوڑ پر حملہ ان مذاکرات کی خلاف ورزی ہے۔

ہمارا نصاب تعلیم اور نظام تعلیم اس وقت عالمی قوتوں کی نظر میں ہے وہ اسے سیکولر بنانا چاہتے

ہیں، اس لیے عمومی نصاب تعلیم ہے، اسے تبدیل کرنے اور اسلام کی بنیادی باتوں کو نکالنے کے اعلانات ہوتے رہتے ہیں۔ پاکستان نظریاتی ملک ہے، ہم اس کے نصاب تعلیم اور نظام تعلیم کو سیکولر بنانے کی اجازت ہرگز نہیں دیں گے۔

مولانا حافظ فضل الرحیم کہتے ہیں...... میں عینی گواہ ہوں صدر پاکستان سے مذاکرات کا، جس میں انہوں نے کہا تھا کہ وہ غیر ملکی طالب علموں کو سہولتیں دیں گے اور کسی مدرسے کے خلاف کارروائی نہیں کریں گے، علماء نے تو یہاں تک کہا تھا کہ اگر کسی مدرسے کے بارے میں شکایت ہو کہ وہ دہشت گردی میں ملوث ہے، ہم خود اس کے خلاف کارروائی کریں گے، کیونکہ یہ ملک ہمارا بھی ہے۔ ہمارے اکابرین اور بزرگوں نے بنایا ہے۔ اس ملک کو بنانے میں جن علماء نے غیر معمولی کردار ادا کیا وہ سارے مدارس کے پڑھے ہوئے ہیں۔ کیا یہ سبق قوم کو یاد نہیں ہے، سب سے پہلے پرچم کشائی ڈھاکہ اور کراچی میں کرائی گئی۔

قائداعظم نے کراچی میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ کے ہاتھوں کروائی تھی اور ڈھاکہ میں حضرت ظفر احمد عثانی رحمہ اللہ کو جہاز پر خاص طور پر بھیجا گیا تھا، جو اس بات کا بین ثبوت ہے اور تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے کہ علماء اور طالب علموں نے گلی گلی، محلے محلے میں یہ پیغام پہنچایا کہ:

''پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ''

میں پاکستانی قوم کو پیغام دینا چاہتا ہوں کہ قائداعظم کی مسلم لیگ نے قیام پاکستان سے پہلے جو لیٹر ہیڈ چھاپا تھا، اس پر واضح لکھا تھا: ترجمہ: ''ہماری نمازیں، ہماری قربانیاں، ہمارا جینا، ہمارا مرنا صرف اللہ کے لیے ہے، جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔''

ان علماء اور اکابرین کے بنائے پاکستان کے مدارس کو آج تختہ مشق بنا کر طرح طرح کے مسائل میں الجھا دیا جا رہا ہے۔ جہاں تک یہ طعنہ دیا جاتا ہے نصاب پرانا ہے میں بتا تا چلوں کہ میں وفاق سلیبس کمیٹی کا ممبر ہوں، جس کی ڈیوٹی میں یہ بات شامل ہے کہ وقت کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ نصاب میں تبدیلی کی جاتی رہے۔ ان مدارس میں میٹرک کی تعلیم کے ساتھ کمپیوٹر، ایف اے، بی اے، پی ایچ ڈی کی تعلیم اس بات کا ثبوت ہے کہ وقت کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے عصری تعلیم بھی جاری رکھی ہوئی ہے۔ میں یہ بات واضح اور دو ٹوک کہتا ہوں کہ ہمارے مدارس میں جو درس نظامی قرآن و حدیث، فقہ کی سو کے قریب کتابیں ہیں، جو میٹرک کے بعد آٹھ سال میں ان

طالب علموں کو پڑھائی جارہی ہیں، ہم اس نصاب سے سو فیصد مطمئن ہیں۔

ان مدارس کا مقصدِ اولین ایسے علماء پیدا کرنا ہے، جو قوم کی دینی، روحانی رہنمائی کرسکیں۔ اگر ساری دنیا کے نقشے پر نظر دوڑائیں تو سوائے حرمین شریفین کے پاکستان کے مدارس میں پڑھنے والوں کی مثال کہیں نہیں ملے گی۔

اللہ کا بڑا کرم ہے آج دنیا میں ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا مسئلہ ہو یا ختم نبوت کا، آواز حق صرف پاکستان کے ان مدارس کے پڑھے لکھے درویشوں کی ہی سنائی دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان مدارس کو تا قیامت قائم و دائم رکھنا ہے۔ چودھویں پارے کے پہلے رکوع میں فرمادیا: ترجمہ: ''یہ قرآن ہم نے اتارا ہے، ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ ساری دنیا اکٹھے ہوکر اس کو مٹانے کی کوشش کرے۔''

خدا کا فرمان کبھی جھوٹا نہیں ہوسکتا۔

• • •

جہاد اور مدارس......مغرب کی بدگمانیاں

علمائے کرام کے وفد کا دورہ امریکہ کے تاثرات

وفاق المدارس پاکستان کے ناظم اعلیٰ اور جامعہ خیر المدارس کے مہتمم اعلیٰ مولانا قاری محمد حنیف جالندھری امریکہ سے ایک ماہ کے دورہ کے بعد وطن واپس پہنچے ہیں۔ چودہ افراد پر مشتمل ان ارکان میں پاکستان، بھارت، بنگلہ دیش اور افغانستان کے دانشور، اسکالر، علمائے کرام اور صحافی تھے۔ یہ دورہ امریکہ کی لوئی پل یونیورسٹی کی دعوت پر کیا گیا۔ مولانا قاری حنیف جالندھری نے اس دورے کو انتہاء مفید معلوماتی اور دلچسپ قرار دیا ہے۔ (ماہنامہ الخیر نے اس سے متعلق جو اداریہ لکھا جو نذر قارئین ہے۔

قاری صاحب نے ایک سوال پر بتایا کہ ہم نے لیکچروں میں واضح کیا کہ جہاد، اسلام کا بنیادی رکن ہے اور اسے کوئی بھی اسلام و قرآن سے نہیں نکال سکتا اور نہ کسی کے پاس یہ اختیار ہے۔ اسلام اور دہشت گردی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ بغیر کسی وجہ کے اسلام کسی شخص کے قتل کی اجازت نہیں دیتا، کیونکہ اسلام میں ایک بے گناہ کا قتل ساری انسانیت کا قتل ہے اور کسی انسان کی زندگی بچانا پوری انسانیت کی زندگی بچانے کے مترادف ہے۔ آپ اسلام کو اور جہاد کو مغربی میڈیا کے ذریعے نہیں، بلکہ اسلامی کتب اور قرآن سے پڑھیں اور سمجھیں۔

مولانا قاری محمد حنیف جالندھری نے بتایا کہ ہم نے مغرب پر واضح کیا کہ اسلام ایک امن پسند مذہب ہے۔ اسلام، سلامتی اور ایمان، امن سے نکلا ہے۔ یہ وسیع النظر مذہب ہے، جس طرح ہم مسلمان تمام انبیاء علیہم السلام کو مانتے ہیں، ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں۔ اگر لوگ (اہلِ مغرب) بتائیں کہ آپ آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں نہیں مانتے۔ ہم الہامی کتابوں توریت، بائبل اور زبور کو بھی مانتے ہیں تو آپ قرآن پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔ آپ ہمیں طعنہ دیتے ہیں کہ اسلام تنگ نظر ہے، لیکن آپ خود اندازہ

لگائیں کہ تنگ نظر کون ہے۔ مسلمان درود شریف میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اوران کی آل پر سلام بھیجتے ہیں۔ آپ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی عبادات میں کیوں شامل نہیں کرتے اور قرآن مجید میں حضرت مریم علیہا السلام کے نام پر پوری سورۃ ہے، جن کی پاک دامنی قرآن بیان کرتا ہے، ہم نے حضرت یوسف علیہ السلام، زکریا علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے نبیوں کے ناموں پر اپنے بچوں کے نام رکھے ہوئے ہیں لیکن آپ لوگ محمد اور احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام اپنے بچوں کے کیوں نہیں رکھتے۔

ایک واقعہ سناتے ہوئے انہوں نے کہا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے نجران سے ایک عیسائی وفد آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مسجد نبوی کی ایک جگہ پر عبادت کی اجازت دے دی، پھر مسلمان انتہا پسند اور تنگ نظر کیسے ہوسکتا ہے، ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین پر سزائے موت رکھی ہے، تو کیا مغرب نے ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرنے والے پر کوئی سزا رکھی ہے؟

ایک سوال پر انہوں نے کہا کہ ہم نے اس دورہ میں امریکن اور کرسچین میڈیا کے متاثرہ لوگوں کو اسلام کا تصور اور صحیح تصویر پیش کی۔ ان کے شکوک وشبہات دور کیے، مغرب کے پروپیگنڈہ کا جواب دیا۔ نوستمبر کے واقعہ کے بعد امریکہ میں بسنے والے مسلمانوں میں جو مایوسی پھیلی تھی اس کو دور کیا۔

عراق پر امریکہ کے حملے کے سوال پر انہوں نے کہا کہ ہم نے ہر فورم پر یہ بات اٹھائی ہے اور امریکہ کی اس پالیسی کی عوام میں شدید مخالفت ہے، بلکہ ایک تقریب میں ایک دانشور ڈاکٹر جانسن نے کہا کہ امریکہ کی عراق کے خلاف جنگ دہشت گردی کے خلاف نہیں تھی، بلکہ یہ سیاسی جنگ ہے۔ اقتصادی اور اکانومی (معیشت) کی جنگ تھی، کیونکہ اب امریکہ کا یورپی دنیا، چین، جاپان اور انڈیا سے معیشت کا مقابلہ ہے۔ اس اکانومی (معیشت) کی خاطر امریکہ افغانستان اور عراق گیا اور یہاں، سے وہ روس کو کنٹرول کرے گا۔ مسلم دنیا اور عرب ریاستوں پر کنٹرول کرے گا۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ نے اس مقصد کے لیے دہشت گردی کے خاتمے کا غلط استعمال کیا، مغربی ممالک اس پر سوچیں کہ اس سے دنیا میں کتنا امن ہوا اور کتنا خون بہہ رہا ہے۔

انہوں نے کہا کہ ہم نے ہر فورم پر امریکہ کی عراق کے خلاف کارروائی کو بند کرنے کا مطالبہ کیا، کیونکہ ان اقدامات سے کبھی آپس کے فاصلے کم نہیں ہوں گے۔ مغرب میں سوال کیا گیا کہ دینی مدارس دہشت گردی کے مراکز ہیں، جس کے جواب میں انہیں بتایا گیا کہ اس کا حقیقت سے

کوئی تعلق نہیں۔ دینی مدارس ۱۴۰۰ سال سے قائم ہیں اور برصغیر میں ۳۰۰ سال سے دینی مدارس، اسلام کی تبلیغ، دینی تعلیم کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں اور اگر دینی مدارس نے دہشت گرد پیدا کرنے ہوتے تو دنیا میں ۲۰۰ سال سے دہشت گردی ہو رہی ہوتی، جب کہ یہ دہشت گردی گزشتہ پندرہ سالوں سے شروع ہوئی ہے، اس لیے دینی مدارس کا دہشت گردی سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی مدارس کے پاس وسائل ہیں کہ وہ اسلحہ خرید کر مسلح ٹریننگ دے سکیں۔ یہ مدارس چندہ کے بل بوتے پر چلتے ہیں۔ مخیّر حضرات مدد کرتے ہیں تب ان کے اسٹاف کی تنخواہیں ادا کی جاتی ہیں اور طلبا کے اخراجات پورے کیے جاتے ہیں اگر دینی مدارس اس دہشت گردی میں ملوث ہوتے، تو عوام ان پر اعتبار نہ کرتے اور تعاون نہ کرتے۔ حکومت ان مدارس پر اعتماد کرتی ہے، یہی اس کی بڑی دلیل ہے۔ انہوں نے کہا کہ مسلمانوں کے مدارس مذہبی، تعلیمی ریسرچ کے ادارے ہیں، وہاں پر اسلام کی بنیادی تعلیم کے ساتھ قرآن وسنت کی تعلیم دی جاتی ہے۔

ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ ہم جس ملک اور معاشرہ میں رہ رہے ہیں، عصرِ حاضر کے تقاضوں سے ہمیں آنکھیں بند نہیں کرنی چاہئیں۔ دینی مدارس میں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیاوی علوم کا پڑھانا ضروری ہو گیا ہے، تاکہ ہمارے فارغ التحصیل طلباء بہتر انداز میں اسلام کی تبلیغ واشاعت کا فریضہ سرانجام دے سکیں۔ ویسے بھی نصاب میں ہمیشہ تبدیلی ہوتی رہی ہے۔ ہم یہ تبدیلی کسی دباؤ کے تحت نہیں کر رہے، ہم نے قرآن وسنت اور شریعت کے مطابق تعلیم کو عام کرنا ہے۔ میٹرک تک عصری مضامین طلباء کے لیے اور دینی علوم کے لیے فائدہ مند ثابت ہوں گے۔ خدمت کا دائرہ بڑھ جائے گا، ہم اسلامی تعلیم، اسلامی ماحول میں دے رہے ہیں اور اپنے نصاب سے ہم نے جہاد کو نہیں نکالا ہے، جو قرآنی آیات طلباء پڑھ رہے تھے، اب بھی اسی سلیبس کے تحت پڑھ رہے ہیں، جب کہ جو سلیبس وفاقی حکومت نے جاری کیا ہے، اس میں عام تعلیمی اداروں میں اسلام کی بنیادی چیزیں نکال کر اخلاقیات کو شامل کیا گیا ہے، جب کہ اسلام کی اصل بنیاد عقائد، نظریات اور احکامات پر ہے۔ اخلاقیات پر نہیں، اس لیے حکومت فوری طور پر پرانا نصاب جاری کرے۔

ایک اور سوال کے جواب میں مولانا قاری محمد حنیف جالندھری نے کہا کہ نو ستمبر کے واقعہ کے بعد مسلمان امریکہ میں خود کو غیر محفوظ سمجھتے ہیں، وہ مشکلات کا شکار ہیں، ہمارے جانے سے ان میں حوصلہ پیدا ہوا ہے اور اب ہم ان کی مشکلات کے تدارک کے لیے بہت سے منصوبے سوچ رہے ہیں۔

مغربی دنیااورامریکہ میں اسلام کی اشاعت اور تبلیغ کے لیے کن خطوط پر کام ہونا چاہیے، وہاں جانے سے معلوم ہوا ہے کہ وہاں پر تعلیم کا مسئلہ بہت اہم ہے، وہاں پر دینی تعلیم حاصل کرنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔ اداروں میں مذہب کی تعلیم نہیں دی جاتی، وہ لوگ اسلام کی تعلیم سے محروم ہیں، اب اس کے حل کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ وہاں پر مسلمانوں کے ادارے کام کر رہے ہیں، لیکن چونکہ ان اداروں کو حکومت سپورٹ نہیں کرتی، اس لیے ان کے اخراجات بہت زیادہ ہیں۔ حکومت کی طرف سے مفت تعلیم ہے اور دوسری طرف مذہب کی تعلیم کے لیے، اخراجات بہت زیادہ ہیں۔ مسلمان بچے مذہبی تعلیم سے محروم ہیں، اس سلسلے میں مسلمان حکومتیں اور تنظیمیں ان کو سپورٹ کریں۔ وہاں کا ماحول اسلامی نقطہ نظر سے خطرناک ہے، قدم قدم پر مشکلات ہیں، ہمیں چاہیے کہ ہم ادارے بنائیں، جہاں پر غیر ملکی مسلمانوں کو تعلیم دی جائے۔ یہاں سے لٹریچر بھیجا جائے، اس طرح ہم یہاں بیٹھ کر امریکہ کے مسلمانوں کی خدمت کر سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے انہیں مزید بتایا کہ آپ لوگ اپنے ووٹ کی پاور کو استعمال کریں، اپنا دباؤ اور پریشر گروپ بنائیں، جو لوگ امریکہ کی پالیسیوں کے مخالف ہیں ان کے ساتھ مل جائیں اور مسلمہ امہ کے لیے کام کریں، متحد ہو جائیں۔ وہاں اسلامی تعلیمات کو گھر گھر پہنچانے کی ضرورت ہے۔ یہ مسلمان قوم اور نسلوں کو بچانے کے لیے ضروری ہے۔

بعض دینی مدارس میں عسکری تربیت کے سوال پر انہوں نے کہا کہ کسی بھی دینی مدرسہ میں عسکری تربیت نہیں دی جاتی، اگر کوئی دینی مدرسہ اس میں ملوث ہے تو ہمارا مطالبہ ہے کہ اس کی نشاندہی کی جائے۔ عوام کے سامنے لایا جائے۔ جن مدارس میں دہشت گردی، فرقہ واریت اور عسکری تربیت دی جاتی ہے، ان کے نام صیغہ راز میں نہ رکھے جائیں۔ حکومت کارروائی کرے۔ انہوں نے اس کو محض الزام قرار دیا اور کہا کہ یہ مدارس کو بدنام کرنے کی ایک سازش ہے۔

مولانا قاری محمد حنیف جالندھری کے امریکہ کے دورے کو متحدہ مجلس عمل کی جانب سے شدید تنقید کا نشانہ بنایا گیا، جب ان سے، اس کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ متحدہ مجلس عمل کے میرے بھائیوں کو میرے اس دورے کی اہمیت کا اندازہ نہیں تھا۔ ورنہ وہ یہ بیانات نہ دیتے اور ہر ملک ہمارا ملک ہے، کیونکہ وہ خدا کا ملک ہے اور امریکہ میں بھی سات سے آٹھ ملین مسلمان رہتے ہیں۔ ان مسلمانوں سے ملنا، ان کی رہنمائی کرنا، ان کی مشکلات حل کرنا، انہیں دین کی تعلیم

دینا، ہمارے فرائض میں شامل ہے۔ اگر حق بات کہنے کے لیے کہیں بھی جانا پڑے تو ایسے مواقع ضائع نہیں کرنے چاہئیں۔

آخر میں انہوں نے کہا کہ امریکہ عراق جنگ کے خلاف وہاں کے عوام میں نفرت پائی جاتی ہے، تو حکمران کو بھی اپنی پالیسی پر نظر ثانی کرنی چاہیے۔ مظلوم کا ساتھ دینا چاہیے اور ظالم کے خلاف آواز بلند کرنی چاہیے اور میں اپنے سفر کے تاثرات کے متعلق حکام کو آگاہ کروں گا اور گزارشات بھی ان تک پہنچانے کی کوشش کروں گا۔

• • •

دینی مدارس میں سرکاری مداخلت قبول نہیں

مختلف مکاتبِ فکر کے وفاق المدارس کے ناظمین کا ''ایکسپریس'' کو انٹرویو

میزبان......اجمل ملک

پاکستان میں اس وقت دینی مدارس کا ایک بہت بڑا نیٹ ورک موجود ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق پاکستان کے چاروں صوبوں اور آزاد کشمیر میں تقریباً تیرہ ہزار دینی مدارس کام کررہے ہیں۔ جن میں زیر تعلیم طلباء وطالبات کی تعداد دس لاکھ سے زیادہ ہے۔ نائن الیون کے بعد پاکستان کے ان دینی مدارس کو خاص طور پر تنقید کا نشانہ بنایا جاتا رہا۔ انہیں جہاد کی نرسریاں قرار دیا گیا۔ اس وقت سے اب تک دینی مدارس ملکی وغیر ملکی انٹیلی جنس ایجنسیوں کا فوکس ہیں۔ چند روز قبل حکومت نے ان مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے غیر ملکی طلباء کو ملک چھوڑنے کا فرمان بھی جاری کیا، حالانکہ آئندہ چند روز میں ان طلباء کے سالانہ امتحانات ہونے والے ہیں۔ دینی مدارس کے حوالے سے ایک بہت بڑا مسئلہ رجسٹریشن کا بھی ہے، جو گزشتہ کئی سالوں سے چلا آرہا ہے، لیکن اب اس مسئلے نے شدت اختیار کرلی ہے۔ گزشتہ دنوں ''ایکسپریس فورم'' میں دینی مدارس کے حوالے سے مذاکرے کا اہتمام کیا گیا، جس میں اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ پاکستان کے رہنماؤں اور مختلف مکاتب فکر کے وفاق المدارس کے ناظمین نے اظہار خیال کیا۔ مذاکرات میں ہونے والی گفتگو نذر قارئین ہے۔

پاکستان کے دینی مدارس اس وقت عالمی ایجنڈے پر ہیں، بلکہ میں یہ کہوں تو مبالغہ نہ ہوگا کہ عالمی ایجنڈے کی تکمیل کی خاطر ہر دور میں دینی مدارس کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ فرق صرف یہ ہے کہ پہلے دینی مدارس خفیہ ایجنڈے پر ہوتے تھے، لیکن آج اوپن ایجنڈے پر ہیں۔ اگر ہم ماضی

کی طرف جائیں تو ہمیں اس بات سے آ گاہی حاصل ہوتی ہے کہ کوئی دور ایسا نہیں تھا، جس دور میں دینی مدارس کو اپنی بقا اور تحفظ کی جنگ نہ لڑنا پڑی ہو۔ یہ ایک حقیقت ہے جس کو جھٹلایا نہیں جاسکتا کہ برصغیر میں مغربی استعمار کے خلاف سب سے نمایاں کردار دینی مدارس نے ہی ادا کیا ہے۔ اس خطے سے انگریزوں کو نکالنے کے لیے جس قدر جدوجہد دینی مدارس نے کی تھی، اتنی جدوجہد کسی اور نے نہیں کی۔ اس لیے مغرب اسلام کے ان مراکز سے خوفزدہ ہے اور دینی مدارس اس کے ٹارگٹ ہیں۔

ہمیں یہ بات بھی مدِ نظر رکھنی چاہیے کہ برصغیر میں ''مسٹر'' اور ''ملا'' کی تفریق بھی مغربی استعمار نے پیدا کی ہے۔ مغربی استعمار نے ہی اپنے مخصوص مقاصد کی خاطر ہمارے تعلیمی نظام کو دو طبقوں، دینی علوم اور عصری علوم میں تقسیم کیا۔

ایکسپریس...... مغرب کے آخر ایسے کون سے مقاصد تھے، جس کے لیے اسے ہمارے ملک میں طبقاتی نظام تعلیم متعارف کرانا پڑا؟

قاری حنیف جالندھری...... وہ مقصد یہ تھا کہ اس خطے میں انگریز اپنا نظام تعلیم لانا چاہتے تھے تاکہ مسلمانوں کو اسلامی علوم، عقائد، روایات، تہذیب وتمدن سے دور اور محروم کیا جاسکے۔ دینی مدارس نے اپنے قیام کے پہلے دن سے اپنے وجود کو باقی رکھنے کی جنگ لڑی ہے۔ کوئی دور ایسا نہیں گزرا، جس میں ان مدارس کو اپنے تحفظ اور بقاء کی جنگ نہ لڑنی پڑی ہو۔

ایکسپریس...... اس کی کیا وجہ ہے؟

قاری حنیف جالندھری...... اس کی وجہ یہ ہے کہ دینی مدارس کا مقصد اسلامک ایجوکیشن ہے، لیکن یہ لوگ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات سے دور رکھ کر مغربی تعلیم کی طرف راغب کیا جاسکے۔ میں ایک بات واضح طور پر کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہر چیز پر سمجھوتہ ہوسکتا ہے، لیکن اسلامی نظام تعلیم پر سمجھوتہ نہیں ہوسکتا۔ جس وقت ہیروشیما ناگاساکی پر بم مارے گئے تھے اور جاپان کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کیا گیا تھا۔ جاپان کے حکمرانوں سے معاہدے پر دستخط لیے جارہے تھے، اس وقت جاپان کے سربراہ نے معاہدے پر دستخط کرنے سے پہلے پوچھا تھا کہ ''اس معاہدے میں ہمارے نظامِ تعلیم کے بارے میں پابندیاں تو شامل نہیں ہیں؟'' جاپانی حکمران مصیبت کے وقت بھی اپنے نظامِ تعلیم سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں تھے۔

ہمیں بھی اس بات کو اچھی طرح سمجھنا چاہیے کہ کسی بھی قوم کے لیے اس کا نظام تعلیم کلیدی اور

بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی لیے آپ دیکھیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے جو مقاصد بتائے گئے ہیں، ہمیں وہ تمام مقاصد، تعلیم کے اردگرد گھومتے نظر آئیں گے۔

میری نظر میں دینی مدارس اس لیے ایجنڈے پر ہیں کہ ان مدارس نے اپنے اسلامی نظام تعلیم کو ختم نہیں ہونے دیا، اسلامی عقائد، نظریات، افکار، تہذیب، کلچر، تمدن، اقدار، اخلاق اور علوم کو ختم نہیں ہونے دیا۔ ان کو مردہ نہیں ہونے دیا، بلکہ ان کو زندہ رکھا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جس مذہب کا علم باقی رہتا ہے، وہ مذہب باقی رہتا ہے۔ دینی مدارس نے انتہائی نامساعد حالات میں بھی اسلامک ایجوکیشن سسٹم کو زندہ رکھا ہے، اسی بنا پر دینی مدارس آج پھر لادین، سیکولر اور اسلام دشمن قوتوں کے نشانے پر ہیں۔ جب سوویت یونین کے ٹکڑے ہوئے اس کے بعد پوری دنیا نے اسلام کو غیر اعلانیہ طور پر اپنا حریف بنالیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں کہیں بھی اسلام اور مسلمان کی بات آتی ہے، وہاں پوری دنیا اکٹھی ہو جاتی ہے۔ جب اسلام اور مسلمانوں کو اپنا حریف بنالیا گیا، تو ظاہر بات ہے کہ اسلامی تعلیم وتہذیب کے مراکز کو بھی نشانہ بنالیا گیا۔ میرا اپنا مشاہدہ ہے کہ اسلام اپنی سچائی کی بنا پر اس وقت پوری دنیا میں پھیل رہا ہے۔

آپ مغربی ممالک کے گزشتہ دس سال کا ریکارڈ اٹھا کر دیکھ لیں، جہاں اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے، آج سے دس پندرہ سال پہلے امریکہ اور یورپ میں مساجد اور اسلامی سینٹرز کی اتنی بڑی تعداد نہیں تھی، جتنی بڑی تعداد آج وہاں موجود ہے۔ اس صورت حال کے پیش نظر امریکہ اور یورپ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ ''اسلام کو کیسے بدنام کیا جائے، اس مذہب کے بڑھتے ہوئے قدم کیسے روکے جائیں؟'' اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے مختلف محاذوں پر کام کیا گیا۔ فکری محاذ پر کام کیا گیا، عسکری محاذ پر کیا گیا، سیاسی محاذ پر کیا گیا، معاشی محاذ پر کیا گیا اور سب سے بڑھ کر اسلام کے علمی مراکز پر کام کیا گیا، کیونکہ ان کی سوچ تھی کہ ''اسلام کے ان علمی مراکز کو بدنام کیا جائے تو ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔'' میں یہ سمجھتا ہوں کہ دینی مدارس کی بدنامی کی مہم درحقیقت اسلام کو بدنام کرنے کی سازش ہے۔ مدارس کے خلاف ہونے والی کارروائیوں کو اتفاقی حادثہ نہیں سمجھتا، بلکہ ایک منصوبہ سمجھتا ہوں کہ آج دینی مدارس دنیا کے ایجنڈے پر ہیں۔

ایکسپریس...... آپ کیا سمجھتے ہیں کہ ان مدارس کو ختم کرنے کے لیے کوششیں بھی کی جارہی ہیں؟

قاری حنیف جالندھری...... اس وقت پوری دنیا کے حالات کا جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اس وقت اگر کسی چیز کو فوکس کیا جارہا ہے تو وہ مسلم ممالک کا نظام تعلیم ہے۔ اسلامی ممالک کے

نظام تعلیم پر دو طرح سے حملہ کیا جا رہا ہے۔ ایک تو یہ کہ ہمارے عصری تعلیم کے اداروں کو آغا خان بورڈ کے حوالے کیا جا رہا ہے۔ اس بورڈ کے بارے میں کہا گیا تھا کہ اس کا کام صرف امتحانات لینے تک محدود ہوگا۔ لیکن آپ آگے چل کر دیکھ لیجیے گا کہ نصاب سازی، کتب کے مواد کی فراہمی اور تیاری کی ذمہ داریاں بھی اسی بورڈ پر ڈال دی جائیں گی۔ اس ملک کے عام تعلیم کے نظام کو بھی تبدیل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اسکولوں اور کالجوں میں جو اسلامی مضامین نصاب کا حصہ ہیں ان کو بھی کم کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔

ایکسپریس...... کیا یہ دباؤ صرف پاکستان پر ہے؟

قاری حنیف جالندھری...... جی نہیں! یہ دباؤ صرف پاکستان پر ہی نہیں، بلکہ سب کے سب اسلامی ممالک پر ہے۔ مصر پر دباؤ ہے کہ وہ جامعۃ الازہر کا سلیبس تبدیل کر دے۔ سعودی عرب پر دباؤ ہے کہ وہ مدینہ یونیورسٹی کا سلیبس تبدیل کر دے۔ اس سے بڑھ کر ہمیں یہ اطلاعات بھی ملی ہیں کہ ہمیں کہا جا رہا ہے کہ ''آپ قرآن پاک سے جہاد کے متعلق آیات کو نکال دیں۔'' اگر ہم نے یہ دباؤ قبول کر لیا تو اگلے مرحلے میں ہم پر یہ دباؤ بھی ڈالا جائے گا۔ جس کی وجہ سے آپ کسی کو اسلام کی دعوت و تبلیغ بھی نہیں دے سکیں گے۔

میری نظر میں اس وقت ساری مسلم امہ پر دباؤ ہے کہ وہ اپنا نظام تعلیم تبدیل کر دے اور اس دباؤ کے تحت مغربی دنیا اقدامات بھی کر رہی ہے۔ اسلامی ممالک کو نظام تعلیم تبدیل کرنے کے لیے سرمایہ بھی فراہم کیا جا رہا ہے۔ اس وقت کسی بھی ملک کو ڈویلپمنٹ کے نام پر اتنا پیسہ نہیں دیا جا رہا، غربت اور بے روزگاری کو ختم کرنے کے لیے اتنا پیسہ نہیں دیا جا رہا، جتنا پیسہ نظام تعلیم کو تبدیل کرنے کے لیے دیا جا رہا ہے۔ ہمیں اس خوش فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہیے کہ وہ پیسہ دیں گے اور اپنا ایجنڈا نہیں دیں گے۔ وہ پیسہ بعد میں دیتے ہیں، پہلے اپنا ایجنڈا دیتے ہیں۔

ایکسپریس...... آپ کے اس سارے سسٹم کو بچانے کے لیے اور اپنے دینی مدارس کے دفاع کے لیے کیا اقدامات ہوں گے؟

قاری حنیف جالندھری...... ہم نے پہلے بھی دینی مدارس کا دفاع کیا ہے اور الحمدللہ اب بھی کریں گے۔ اپنے نظام تعلیم اور ان اداروں کو بچانے کے لیے ہم کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ دینی مدارس کی آزادی، حُریّت اور خود مختاری کسی فرد کے لیے نہیں، بلکہ اسلامی علوم کی حفاظت کے لیے ضروری ہے۔ اس لیے ہم ان اداروں کو سرکاری مداخلت سے

آزاد رکھیں گے۔ ہم نے اب تک جو اقدامات کیے ان پر قائم رہیں گے۔

ایکسپریس......اب تک آپ نے کیا اقدامات کیے؟

قاری حنیف جالندھری: سب سے پہلے تو ہماری کوشش ہے کہ معاملات کو ڈائیلاگ کے ذریعے حل کیا جائے۔ ہم اپنی حکومت سے گزشتہ چار سالوں سے مذاکرات میں ہیں۔ ہم نے ان کو مدرسے کا ایجوکیشن سسٹم سمجھایا ہے، ان کو سلیبس کے بارے میں بتایا ہے۔

ایکسپریس......جو وزراء دینی مدارس کے حوالے سے بیانات دے رہے ہیں، کیا ان کو مدرسے کے ایجوکیشن سسٹم اور سلیبس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم؟

قاری حنیف جالندھری......ہمارے وزراء کے بیانات لاعلمی اور بے خبری کی بنیاد پر ہوتے ہیں۔ ان کو پتہ ہی نہیں کہ ہمارا ایجوکیشن سسٹم کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دینی مدارس میں زیرتعلیم غیر ملکی طلباء کی بے دخلی کے احکامات ''صادر'' فرما دیے گئے۔ جب صدر پرویز سے رابطہ کیا گیا تو انہیں بتایا گیا کہ جن غیر ملکی طلباء کو آپ ڈی پورٹ کر رہے ہیں، دو ہفتوں بعد ان کے سالانہ امتحانات ہیں، اگر انہیں فوری ڈی پورٹ کر دیا گیا، تو ان کی ساری محنت برباد ہو جائے گی۔ جس پر صدر نے کہا کہ ''مجھے معلوم نہیں تھا اور نہ مجھے کسی نے بتایا کہ ان کے سالانہ امتحانات ہیں۔'' صدر پرویز کے ایک وزیر نے اُن سے سوال کیا کہ آپ نے کبھی مدرسے کا وزٹ کیا ہے، جس پر موصوف نے جواب دیا کہ میں نے تو پوری زندگی کسی مدرسے کا وزٹ نہیں کیا۔

ہم نے صدر مشرف سے کہا ہے کہ آپ سنی سنائی باتوں کو حقیقت تسلیم کرنے کے بجائے براہ راست ہم سے بات کریں۔ ہم نے دینی مدرسوں کے امیج کو بہتر کرنے کے لیے، ان کے ایجوکیشن سسٹم اور سلیبس کے بارے میں آگاہ کرنے کے لیے حکومت سے مذاکرات کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ ہم خود مغربی دنیا سے ڈائیلاگ چاہتے ہیں۔ ہم اس بات پر غور کر رہے ہیں کہ ان سے مختلف فورمز پر بات چیت کا سلسلہ شروع کیا جائے اور ان سے براہ راست پوچھیں کہ آپ لوگوں کے دینی مدارس کے بارے میں اعتراضات، تحفظات کیا ہیں؟ ہماری انفرادی دعوت پر کئی غیر ملکی سفیروں نے ہمارے دینی مدارس کا دورہ کیا ہے۔ امریکی سفیر نے جامعہ نعیمیہ، خیر المدارس، جامعہ اشرفیہ کا وزٹ کیا۔ اسی طرح برطانیہ، فرانس، جرمنی، کینیڈا اور کئی دیگر ممالک کے سفیروں کو بھی دینی مدارس کا دورہ کرنے کی دعوت دی ہے۔

اس کے علاوہ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم دینی مدارس کے حوالے سے رائے عامہ ہموار کریں

گے، اسی لیے ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ہم اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ پاکستان کو مرکز سے ضلع اور تحصیل کی سطح پر لائیں گے۔ ایک ماہ کے اندر ہم تمام ضلعوں اور تحصیلوں میں اس کی باڈیاں مکمل کرلیں گے۔

ایکسپریس......اس اقدام کا مقصد کیا ہے؟

قاری حنیف جالندھری......اس کا مقصد یہ ہے کہ ہم نچلی سطح تک عوام کو اپنے مؤقف سے آگاہ کریں۔ ہم ملک بھر میں سیمینار منعقد کریں گے، جس میں صحافیوں، وکلاء، تاجروں، صنعتکاروں، کسانوں اور مختلف لوگوں کو بلائیں گے اور انہیں اپنا ایجوکیشن سسٹم بتائیں گے، تاکہ دینی مدارس پر لگائے جانے والے الزامات کے مقابلے میں حقائق کو عوام کے سامنے پیش کرسکیں۔ غیر ملکی طلباء کے مسئلے پر بھی ہم صدر اور وزیر اعظم سے بات چیت کرنا چاہتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ انتہائی غیر دانشمندانہ فیصلہ ہے، جو عجلت میں کیا گیا ہے۔ جو غیر ملکی طلباء مشکوک ہوں، یا جن کے پاس این او سی نہ ہو، جن کے پاس ویزے نہ ہوں، ان طلباء کو ڈی پورٹ کردیا جائے، تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں، لیکن جن کے پاس قانونی دستاویزات ہوں، این او سی ہوں، ویزے ہوں اور سب سے بڑھ کر ان کی اپنی حکومت کو کوئی اعتراض نہ ہو، انہوں نے پاکستانی قانون کی کوئی خلاف ورزی نہ کی ہو، ان طلباء کو ڈی پورٹ کرنا بہت بڑی زیادتی اور ظلم ہے۔

ایکسپریس......جالندھری صاحب! وزیر داخلہ کہتے ہیں کہ باقیوں کا تو پتہ نہیں، لیکن افغانستان کے طلباء کو تو ہر صورت میں جانا ہوگا۔ آخر افغانستان کے طلباء کا کیا قصور ہے؟

قاری حنیف جالندھری......حکومت کے وزراء کے بیانات میں یکسانیت نہیں ہے۔ وفاقی وزیر تعلیم اور دوسرے وزراء کے بیانات آئے کہ ''ہم افغانی طلباء کو تو پڑھنے دیں گے، لیکن باقی غیر ملکی طلباء کو ڈی پورٹ کردیں گے''۔ ہمیں سمجھ نہیں آرہا کس کی بات کو مانیں اور کس کی بات کو نہ مانیں۔ حکومت کے وزراء میں کوآرڈینیشن نہیں ہے۔ ایک دن وزیر داخلہ بیان دیتے ہیں کہ افغانی طلباء کو ڈی پورٹ کردیں گے اور اگلے ہی روز وزارت داخلہ کے ترجمان بیان جاری کرتے ہیں کہ افغان طلباء کو ڈی پورٹ نہیں کریں گے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ کوئی بھی غیر ملکی طالب علم، خواہ وہ افغانی ہو یا غیر افغانی، اگر وہ اس ملک میں مکمل دستاویزات کے ساتھ ملک کے قوانین پر عمل کرتے ہوئے حصول علم کے لیے کوشاں ہے تو اسے ڈی پورٹ نہیں کرنا چاہیے۔ حکومت نے 25 لاکھ افغان مہاجرین کو واپس بھیجنے کا فیصلہ کرلیا ہے، تو پھر یہ افغان طلباء بھی واپس چلے

جائیں گے۔ اگر 25 لاکھ افغان مہاجرین پاکستان میں ہوں تو کیا آپ ان افغان طلبہ کو واپس افغانستان بھیج سکیں گے؟

ایکسپریس...... کہا جاتا ہے کہ دہشت گرد تو دینی مدارس بناتی ہے؟

قاری حنیف جالندھری...... دینی مدارس تو اس خطے میں ڈھائی سو سال سے موجود ہیں۔ دینی مدارس اگر طلباء کو دہشت گرد بناتے، تو مجھے بتایا جائے کہ ڈھائی سو سال میں کتنے دہشت گرد ہیں، جو دینی مدارس کی پیداوار ہیں۔ اب تک پاکستان میں دہشت گردی کے جتنے واقعات ہوئے، ان میں ملوث کتنے دہشت گرد ہیں، جنہوں نے مدرسوں سے تعلیم حاصل کی ہو۔ اب تک جتنے بھی دہشت گرد سامنے آئے ہیں، ان میں سے کسی ایک نے بھی مدرسے سے تعلیم حاصل نہیں کی۔ مدرسوں پر بے بنیاد الزام ہے۔ میں اس حوالے سے دو باتیں کہنا چاہتا ہوں: ایک تو یہ کہ حکومت دینی مدارس اور تنظیموں کے معاملات کو گڈمڈ کرنے کے بجائے الگ الگ رکھے۔ دوسری بات یہ کہ اگر دہشت گردی کے کسی واقعے میں کوئی فرد ملوث ہے تو اسے صرف فرد کا فعل ہی رہنے دیا جائے، اسے کسی ادارے کے ساتھ منسلک نہ کیا جائے۔ آپ مجھے بتائیں کیا ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھے ہوئے طلباء نے ڈاکے نہیں مارے، قتل نہیں کیے؟ کیا کبھی یہ کہا گیا کہ کیمبرج اور آکسفورڈ یونیورسٹی میں ڈاکے کی تعلیم دی جاتی ہے، قتل وغارت کی تعلیم دی جاتی ہے۔ کسی ایک فرد کے فعل کو اداروں پر نہیں ڈالا جاسکتا اور نہ ہی ادارے اس قسم کی تعلیم دیتے ہیں۔ ہمیں اس امتیازی رویے کو ترک کرنا ہوگا جس کے تحت مدارس کے کسی طالب علم کے فعل کو اداروں کے کھاتے میں ڈال دیا جاتا ہے اور کسی کالج یونیورسٹی کے طالب علم کے فعل کو فرد واحد کا ہی فعل قرار دیا جاتا ہے، یہ ناانصافی ہے۔ دہشت گردی کو کسی ملک کے ساتھ کسی قوم کے ساتھ کسی ادارے کے ساتھ نہیں جوڑنا چاہیے۔

ایکسپریس...... دینی مدارس کی رجسٹریشن پر آپ کو کیا اعتراض ہے؟

قاری حنیف جالندھری: ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ دینی مدارس نے رجسٹریشن سے کبھی انکار نہیں کیا۔ پاکستان میں 3-1952ء سے دینی مدارس کی رجسٹریشن ہوتی رہی ہے۔ 1994ء میں اس وقت کی وزیراعظم بے نظیر بھٹو نے رجسٹریشن پر پابندی لگادی، جو 2004ء تک برقرار رہی۔ ان دس سالوں میں بے نظیر بھٹو کا دور بھی رہا، میاں نواز شریف کا دور بھی آیا اور جنرل پرویز مشرف کا دور بھی رہا۔ ہم ہر دور میں مطالبہ کرتے رہے کہ دینی مدارس کی رجسٹریشن پر عائد پابندی

کو ختم کیا جائے۔دینی مدارس کی رجسٹریشن سے انکار حکومتیں کرتی رہی ہیں، دینی مدارس نے کبھی انکار نہیں کیا، پھر 2004ء میں جب ہمارے اصرار پر یہ پابندی ختم کی گئی، اس وقت سے آج تک ایک دینی مدرسے کو رجسٹرڈ نہیں کیا گیا۔دینی مدارس کی رجسٹریشن کی درخواستیں حکومت کے پاس التواء کا شکار ہیں۔اب تک رجسٹریشن میں سستی، تاخیر یا نہ ہونے کی تمام تر ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے اس کا الزام کسی بھی صورت دینی مدارس کو نہیں دیا جا سکتا۔

ایکسپریس......رجسٹریشن کے حوالے سے آپ کا حکومت کے ساتھ اختلاف بھی تو ہے؟

قاری حنیف جالندھری......پہلے تو حکومت نے کہا کہ ہم رجسٹریشن کے لیے نیا قانون لائیں گے۔پہلے آٹھ نو سال تک تو کوئی نیا قانون ہی نہیں آیا۔2002ء میں رجسٹریشن اینڈ ریگولیشن آرڈیننس لایا گیا۔رجسٹریشن اینڈ ریگولیشن آرڈیننس دراصل دینی مدارس کو بند کرنے کا آرڈیننس تھا۔میں یہ کہوں تو غلط نہ ہوگا کہ وہ آرڈیننس انسداد دینی مدارس آرڈیننس تھا۔جس کا مقصد دینی مدارس میں سرکاری مداخلت اور انہیں مکمل طور پر کنٹرول میں لینا تھا۔اس آرڈیننس کو تمام دینی مدارس کے وفاقوں نے مسترد کر دیا تھا۔اتحاد تنظیمات نے اس پر حکومت سے مذاکرات کیے۔حکومت نے ہمارے مؤقف کو درست قرار دیا اور اس آرڈیننس کو واپس لے لیا۔ بعد میں کہا گیا کہ آپ لوگوں کے مشورے کے بعد رجسٹریشن کے لیے نیا قانون بنایا جائے گا، لیکن اب تک کوئی نیا قانون بھی نہیں بنا، اوپر سے صدر پرویز مشرف نے قوم سے خطاب کے دوران 31 دسمبر تک کی ڈیڈ لائن دے دی۔تعجب کی بات ہے کہ آپ ایک ایسے کام کی ڈیڈ لائن دے رہے ہیں، جس کے لیے ابھی تک آپ قانون بھی نہیں بنا سکے، کوئی طریقہ کار وضع نہیں کر سکے۔ڈیڈ لائن دینے سے پہلے ہمیں بتایا جانا چاہیے تھا کہ فلاں محکمہ رجسٹریشن کرے گا، فلاں قانون کے مطابق رجسٹریشن کی جائے گی اور اس کا فلاں طریقہ کار ہوگا۔

ایکسپریس......آپ کیا سمجھتے ہیں کس قانون کے تحت رجسٹریشن ہونی چاہیے؟

قاری حنیف جالندھری......ہمارا مؤقف یہ ہے کہ دینی مدارس کی رجسٹریشن کے لیے کسی نئے قانون کی ضرورت نہیں ہے۔۱۸۶۰ء کے سوسائٹی ایکٹ کے تحت دینی مدارس کی بڑی تعداد پہلے ہی رجسٹرڈ ہے، اسی قانون کے مطابق اب بھی رجسٹریشن کی جائے۔اگر حکومت اس میں کوئی ترمیم چاہتی ہے تو اس کے لیے ہم سے کیے گئے معاہدے کے مطابق اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ سے مذاکرات کرے، انہیں اعتماد میں لے کر ترامیم کرے۔جو ترامیم ملک کے مفاد میں ہوں گی،

جس ترمیم سے مدارس کی آزادی پر کوئی حرف نہیں آئے گا، ہم اس ترمیم کو قبول کریں گے۔

ایکسپریس......آپ نے اس مسئلے پر صدر پرویز سے مذاکرات کی خواہش کا اظہار کیا تھا، لیکن ابھی تک حکومت کی طرف سے کوئی مثبت جواب نہیں آیا، اس کی کیا وجہ ہے؟

قاری حنیف جالندھری......میں سمجھتا ہوں کہ حکومت کو فوری طور پر ہماری پیشکش کا مثبت جواب دینا چاہیے۔ ہماری جب بھی صدر پرویز مشرف سے بات چیت ہوئی، انہوں نے نہ صرف بڑے اطمینان سے ہمارا موقف سنا، غور کیا، بلکہ اپنے بہت سے فیصلے تبدیل کیے اور ہمارے موقف کو درست تسلیم کیا۔ صدر صاحب کے اردگرد ایسا حلقہ ہے، جو ہماری ان سے ملاقات نہیں ہونے دیتا۔ صدر پرویز نے 7 ستمبر 2004ء کو کہا تھا کہ میں آپ لوگوں سے براہ راست رابطے میں رہوں گا۔ ایک سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے، مگر ہمارا ان کے ساتھ ایک مرتبہ بھی رابطہ نہیں ہوسکا۔ میرے خیال میں اسٹیبلشمنٹ، بیوروکریسی اور حکومت میں ایسے لوگ موجود ہیں، جو ہر حال میں دینی مدارس اور حکومت کے درمیان ٹکراؤ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارا کوئی سیاسی ایجنڈا نہیں ہے، ہمارے کوئی عزائم نہیں ہیں۔ ہم تعلیمی لوگ ہیں اور اپنے چلتے ہوئے تعلیمی نظام میں خلل برداشت نہیں کرسکتے۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ معاملات کو افہام و تفہیم سے حل کیا جائے۔ یہ وقت طاقت کے استعمال کا نہیں ہے، بلکہ حکمت کا ہے۔ پاکستان اپنی تاریخ کے نازک ترین دور سے گزر رہا ہے۔ اس وقت تمام قوتوں کو چاہیے کہ وہ ملک کی سلامتی اور بقا کے لیے دانشمندی کا مظاہرہ کریں۔ اگر ماضی میں صدر پرویز نے ہمیں بلایا ہے اور ہمارا موقف سنا ہے تو ہمیں امید ہے کہ وہ اب بھی تاخیر نہیں کریں گے، جن لوگوں کو مدارس کے ایجوکیشن سسٹم کا ہی پتہ نہیں ہے اور جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ملک میں انتشار پیدا ہو، صدر پرویز ایسے لوگوں سے مشورہ کرنے کی بجائے ہم سے براہ راست بات چیت کریں۔

ایکسپریس......جالندھری صاحب! آپ نے تو حکومت کے ساتھ معاملات کو مذاکرات کے ذریعے طے کرنے کی خواہش کا اظہار کردیا ہے، اس کے لیے تجاویز بھی دی ہیں، لیکن اگر حکومت آپ کی پیشکش کو ٹھکرا دے تو پھر آپ کا ردعمل کیا ہوگا؟

قاری حنیف جالندھری......اس کا فیصلہ کرنے کے لیے ہم اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ کا اجلاس بلائیں گے اور اگر ضرورت پڑی تو ملک کی دینی و سیاسی جماعتوں سے بھی رابطہ کیا جائے گا۔ یہ بات طے ہے کہ ہم دینی مدارس کا تحفظ ہر حال میں کریں گے، کیوں کہ دینی مدارس کا تحفظ

پاکستان کی نظریاتی، وجغرافیائی سرحدوں کا تحفظ ہے۔ ہم پاکستان کے ان نظریاتی اداروں کو کمزور نہیں ہونے دیں گے۔ ان کے تحفظ کے لیے ہر قربانی دیں گے۔ جس طرح مسلم امہ کو سائنس، انگریزی، ریاضی، میڈیکل، آرٹس اور دیگر مضامین کی تعلیم کی ضرورت ہے، ان سب سے بڑھ کر ایک مسلمان کے لیے قرآن وسنت کی تعلیم کی ضرورت ہے۔ جس طرح قوم کو ڈاکٹرز، انجینئرز، سائنس دان، سیاست دان، وکلاء کی ضرورت ہے، میری نظر میں اس سے زیادہ علماء کرام مفتیان کرام، ماہرین شریعت اس قوم کی اور ملک کی ضروت ہیں۔

ہمارے ملک میں جو جگہ جگہ مساجد ہیں ان کو امام، خطیب اور مؤذن مہیا کرنے کی ذمہ داری دینی مدارس نے اپنے سر لی ہے۔

ہمیں عام طور پر طعنہ دیا جاتا ہے کہ دینی مدارس امام ومؤذن پیدا کرتے ہیں۔ مجھے بتائیں کہ حکومت کا کون سا ادارہ ہے، جو اپنے ملک کی آبادی کے مذہبی فرائض کی ادائیگی کے لیے امام اور مؤذن مہیا کرتا ہے؟ کیا مفتیان کرام جو قوم کو حرام اور حلال کا فرق بتائیں، وہ ملک کی ضرورت نہیں؟ دینی مدارس نے کوئی شعبہ ایسا نہیں چھوڑا، جہاں خدمت انجام نہ دی ہوں۔

○ ○ ○

مدارس کا نصابِ تعلیم

برطانوی وزیراعظم نے اپنے پاکستانی ذورے کے دوران مدارس کے نصابِ تعلیم میں اصلاحات لانے کی بات کی تھی، جس پر وفاق المدارس العربیہ کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری صاحب دامت برکاتہم نے بی بی سی کو انٹرویو دیتے ہوئے ان کے اس بیان پر حقیقت پسندانہ تنقید کی جو پیش خدمت ہے۔

نمائندہ......قاری صاحب! ٹونی بلیئر اور صدر مشرف آپ کے مدارس میں اصلاحات لانا چاہتے ہیں، آپ اس کے لیے تیار ہیں۔

مولانا محمد حنیف......گزارش یہ ہے کہ مدارس کے نصاب کی اصلاح اور اس کی بہتری کے لیے ہمیں کسی سے تجاوز لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے دینی مدارس ایک آزاد اور خودمختار تعلیمی ادارے ہیں۔ ان اداروں کے نصاب جامد نہیں، بلکہ متحرک اور وقت کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہیں۔ ہمارے علماء، ماہرین اور اکابر وقت کے ساتھ ساتھ ہمارے نصاب میں اصلاح کرتے رہتے ہیں۔ ہمیں اس سلسلے میں ٹونی بلیئر اور پرویز مشرف صاحب سمیت کسی سے بھی ڈکٹیشن لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیا وہ ہمیں اس بات کا حق دیں گے کہ ہم ان کی یونیورسٹیوں میں نصاب کی تبدیلی کی بات کریں۔

نمائندہ......قاری صاحب! آپ کے مدرسوں کا جو نصاب ہے وہ پاکستان کے مختلف اسکولوں سے ہم آہنگ نہیں ہے۔

مولانا محمد حنیف......پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارے مدارس دینی تعلیمی ادارے ہیں، جہاں اسلام اور قرآن وسنت، فقہ اور اسلامی علوم کی تعلیم ہے، وہاں ساتھ ساتھ عصری تعلیم بھی دی جارہی ہے۔ اور ہمارے ہاں انگلش، سائنس اور ریاضی کے مضامین بھی ایک حد تک پڑھائے جاتے ہیں، جہاں تک اسکولوں اور مدارس میں نصاب کے مختلف ہونے کی بات ہے تو یہ اسپیشل ایجوکیشن کے ادارے

ہیں۔ دنیا کے ہر ملک میں مختلف ادارے ہوتے ہیں، جن میں بعض مذہبی بھی ہوتے ہیں۔ خود آپ کے برطانیہ میں اور یورپ وامریکہ کے ملکوں میں بھی ایسے ادارے موجود ہیں۔

نمائندہ......قاری صاحب! ٹونی بلیئر چاہتے ہیں کہ آپ اپنے مدرسوں میں بچوں کو سائنس و ٹیکنالوجی کی تعلیم دیں، جہاد کی تعلیم نہ دیں، جس سے وہ جہاد شروع کر کے دوسروں ملکوں میں افراتفری پھیلاتے ہیں۔

مولانا محمد حنیف......جیسا کہ میں نے بتایا، بات یہ ہے کہ ہمارے مدارس میں سائنس وٹیکنالوجی کی تعلیم بھی دی جارہی ہے، لیکن ہمارے مدارس کا بنیادی مقصد دینی علوم میں مہارت اور قرآن وحدیث میں مہارت ہے اور دوسری بات یہ کہ جہاں تک جہاد کی تعلیم کا تعلق ہے، تو جہاد ہمارے دین کی بنیاد ہے، ہم جہاد کی تعلیم دیتے ہیں، کسی فن کو پڑھانا غلط نہیں ہے۔ اگر آپ کے ہاں یا کسی بھی ملک کے کسی ادارے میں ایٹم بم بنانے کا طریقہ سکھایا اور پڑھایا جاتا ہے، تو دنیا کا کوئی عقل مند شخص اسے غلط نہیں کہے گا۔ ہم تو جہاد کی تعلیم دیتے ہیں اور پرویز مشرف جہاد کی تربیت دیتے ہیں، آپ یہ سوال پریذیڈنٹ پرویز مشرف صاحب سے کریں کہ تمام پاکستان کی فوجی چھاؤنیوں پر لکھا ہوا ہے: ''ایمان، تقویٰ اور جہاد فی سبیل اللہ۔ اس جہاد سے کیا مراد ہے؟

نمائندہ......قاری صاحب! آپ جہاد غربت یا کسی سماجی بدعت وغیرہ کے خلاف کرسکتے ہیں، ضروری نہیں کہ آپ کسی ملک کے خلاف جہاد کریں۔

مولانا محمد حنیف......دیکھیں ہم نے آج تک کبھی بھی کسی ملک کے خلاف جہاد کی تعلیم نہیں دی ہے اور جہاد کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ جہاد ایک الگ چیز ہے اور دہشت گردی ایک الگ چیز مغرب کو اس کا مفہوم سمجھنا چاہیے اور وہ یہ دیکھیں کہ اس وقت دنیا میں افراتفری اور فساد کے بنیادی اسباب کیا ہیں۔

• • •

دینی مدارس......سوالات......جوابات

(شوال، ذیقعدہ، ذوالحجہ، ۱۴۲۲ھ)

دینی مدارس پر انتہا پسندی کا الزام بالکل غلط ہے، کوئی مدرسہ دہشت گردی میں ملوث نہیں ہے۔ حکومت فتوؤں کا جائزہ لینے کے لیے علماء کمیشن بنائے، ملک کو قاعدہ نہ پڑھنے والوں نے بے قاعدہ نظام سے تباہ کیا۔ جس دینی نصاب کو حکومت فرسودہ کہہ رہی ہے، وہ نہ صرف سابقہ حکمراں (ضیاء الحق) کے دور میں سرکاری نصاب تھا بلکہ حکومت پاکستان بھی اسے منظور کر چکی ہے۔ حکومت جو جدید نصاب مدارس میں پڑھانا چاہتی ہے وہ پہلے ہی مدارس میں پڑھایا جا رہا ہے۔ لسانی و نسلی دہشت گردی کا بھی خاتمہ ہونا چاہیے۔ ماڈل مدارس ایجوکیشن بورڈ نے جو نصاب تیار کیا ہے اس سے زیادہ جامع نصاب مدارس پڑھا رہے ہیں۔ مدارس کی خودمختار حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے مدارس آرڈیننس میں اصلاح کی ضرورت ہے۔ مدارس کا آڈٹ ہو رہا ہے۔ این جی اوز کے آڈٹ کی ضرورت ہے۔ غیر ملکی طلباء کے دینی مدارس میں تعلیم حاصل کرنے کا طریقہ کار آسان ہونا چاہیے۔

جو مدرسہ دہشت گردی، غیر ملکی حکومتوں یا تنظیموں سے امداد لینے یا کسی بھی غیر قانونی سرگرمی میں ملوث ہے حکومت ان کے نام شائع کرے۔ وفاق المدارس اس کے خلاف کارروائی کرے گا۔ ہمیں، انکار کے باوجود مدارس ایجوکیشن بورڈ کا ممبر بنایا گیا۔ حکومت اگر مدارس کی واقعی مدد کرنا چاہتی ہے تو مدارس کے پانی، بجلی اور گیس کے بل معاف کر دے۔ وزیر داخلہ کو خود پتہ نہیں کہ دہشت گردی میں کون کون سے مدرسے ملوث ہیں۔

وفاقی مذہبی امور ڈاکٹر محمود احمد غازی کہتے ہیں کہ مدارس کے سلسلے میں کنٹرول کے لیے امریکہ کی طرف سے کوئی امداد نہیں ملی، ہم کہتے ہیں کہ امداد نہیں ملی تو تردید کریں پھر وہ کہتے ہیں کہ وہ کس کس خبر کی تردید کریں۔ ''خبریں'' اخبار سے ناظم اعلیٰ وفاق المدارس حضرت مولانا محمد

حنیف جالندھری صاحب کا خصوصی انٹرویو سوالاً جواباً قارئین کی نذر ہے۔(ادارہ)

خبریں......حکومت کا الزام ہے کہ دینی مدارس میں فرقہ واریت انتہا پسندی کی تعلیم دی جاتی ہے۔اس طرح وہ دہشت گردی میں ملوث ہیں چونکہ تعلیمی نصاب انتہا پسندی کی تعلیم دیتا ہے اس لیے اسے بدلنے کی ضرورت ہے۔آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب......دینی مدارس پر انتہا پسندی کا الزام بالکل غلط ہے کوئی ایک کتاب ایسی نہیں پڑھائی جاتی جو فرقہ واریت کو ہوا دیتی ہو۔اگر دینی مدارس کا نصاب انتہا پسندی کی تعلیم دیتا ہے تو ضیاء دور میں وزارت تعلیم، یونیورسٹی گرانٹس کمیشن اس نصاب کو منظور کر چکا ہے اور مدارس کی شہادۃ العالمیہ کی ڈگری کو ایم اے عربی اور ایم اے اسلامیات کی ڈگری کے برابر کا درجہ دے چکا ہے، آج جس دینی نصاب کو حکومت کے بعض غیر ذمہ دار لوگ فرسودہ قرار دے رہے ہیں انہیں پتہ ہونا چاہیے کہ مُلّا نظام الدین رحمہ اللہ کے تیار کردہ اس نصاب کو سابقہ حکمراں کے دور حکومت میں باقاعدہ سرکاری نصاب کے طور پر پڑھایا جاتا تھا۔جہاں تک دینی مدارس کے انتہا پسندی و دہشت گردی میں ملوث ہونے کا سوال ہے تو یہ مدارس دس بارہ سال پہلے نہیں بنے جس سے دہشت گردی شروع ہوئی ہے۔یہ مدارس پاکستان بننے سے قبل کے موجود ہیں، اس وقت بھی ان کا نصاب تقریباً یہی تھا تو اس وقت مدارس کے اس نصاب نے نوجوانوں کو دہشت گردی کے لیے کیوں نہ ابھارا۔دینی مدارس کا نصاب قرآن وسنت پر مبنی ہے جس میں اعتدال، لچک، میانہ روی اور برداشت کا درس دیا جاتا ہے۔شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ، مفتی محمود رحمہ اللہ، مولانا غلام غوث ہزاروی رحمہ اللہ، مولانا ظفر علی خان رحمہ اللہ، مولانا شوکت علی رحمہ اللہ، مولانا محمد علی جوہر رحمہ اللہ، مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ، مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ یہ سب وہ لوگ ہیں جنہوں نے رواداری، اسلامی اقدار کا بے مثال درس دیا اور تحریک پاکستان کے لیے اپنا اپنا کردار ادا کیا۔یہ سب انہی مدارس اور مدارس کے اسی نصاب کے پڑھے ہوئے تھے۔

خبریں......گزشتہ دنوں وزیر داخلہ نے ۲۸۵ مدارس کے متعلق کہا تھا کہ وہ دہشت گردی میں ملوث ہیں؟

جواب:......ہماری وزیر داخلہ سے اس مسئلہ پر دو تین ملاقاتیں ہو چکی ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ ۹۹ فیصد مدارس صحیح کام کر رہے ہیں، صرف ایک فیصد یا اس کا بھی کچھ حصہ ہے جو دہشت گردی میں ملوث ہے۔ایک مرتبہ ملاقات میں انہوں نے کہا کہ شاید ملک بھر میں ۲۵ مدارس ہیں

جودہشت گردی کے جذبات کو فروغ دے رہے ہیں۔ جب ان سے ہم نے پوچھا کہ آپ ان کے نام لیں۔ ہم مدارس کی تنظیمات کے ذریعے انہیں اپنے نظام سے خارج کردیں گے تو انہوں نے کہا کہ انہیں خود پتہ نہیں ہے کہ وہ مدارس کون سے ہیں۔

خبریں...... مختلف مسالک کے مختلف مدارس میں اپنے اپنے مسالک کی تعلیم دی جاتی ہے، اپنے مسالک کو دوسرے پر برتر ظاہر کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جس سے ذہنی تفریق جنم لیتی ہے۔ آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب...... میں نے پہلے بھی کہا کہ مدارس میں جو نصاب رائج ہے اس میں کوئی ایک کتاب ایسی نہیں پڑھائی جاتی جس سے دوسرے مسالک کے خلاف نفرت پیدا ہوتی ہو، بلکہ مدارس کے نصاب میں تقابل ادیان ایک باقاعدہ تفصیلی مضمون ہے جس میں ایک ہی مسئلہ سے متعلق مختلف علمائے کرام کی تحقیقی رائے سے متعلق طلبہ کو پڑھایا جاتا ہے، جس میں طالب علم کو پڑھایا جاتا ہے کہ وہ ایک ہی مسئلے سے متعلق مختلف علمائے کرام کی رائے سے استفادہ کرسکتا ہے جب طالب علم کو یہ پڑھایا جاتا ہے کہ وہ ایک ہی مسئلے سے متعلق مختلف علمائے کرام کی رائے سے استفادہ کرسکتا ہے، تو اس سے ان کو وسیع القلب اور وسیع النظر بننے میں مدد ملتی ہے نہ کہ اس سے ذہنی تفریق پیدا ہوتی ہے۔ دینی مدارس کا اصل مقصد اسلامی تعلیم کے ماہرین اور علوم اسلامیہ میں گہری نظر پیدا کرنے والے علماء پیدا کرنا ہے۔ مختلف مکاتب فکر کا اسلامی تعلیمات سے متعلق جو تشریح وتوضیح میں الگ الگ نقطۂ نظر ہے تشریح وتوضیح کے اس اختلاف کو فرقہ واریت کا نام دینا قرین انصاف نہیں۔

مسئلہ کی تشریح میں نقطۂ نظر کا اختلاف مدارس کی پیداوار نہیں۔ تاریخ اسلام کے صدر اول کے زرّین دور سے لے کر اس عہد تک نقطۂ نظر کا یہ اختلاف جو کہیں بالکل جزوی اور فروعی اور کہیں ذرا وسیع ہے امت کے جلیل القدر علماء اور اصحابِ فکر میں رہا ہے۔ البتہ یہ درست ہے کہ ہر مکتب فکر میں بعض متعصب اور حدود سے تجاوز کرنے والے افراد ہوتے ہیں جن کی وجہ سے انتہا پسندی کے قابل افسوس واقعات پیش آجاتے ہیں لیکن مجموعی طور پر مسلمان معاشرہ میں اسلامی تعلیمات کے فروغ اور بھائی چارہ اور یکجہتی پیدا کرنے کے لیے مدارس کا کردار مثالی ہے۔ چند افراد کی وجہ سے سب کو مطعون کرنا عقلاً اور اخلاقاً درست نہیں۔

خبریں...... حکومت کا الزام ہے کہ وہ دہشت گردی ختم کرنا چاہتی ہے مگر علماء تنظیمیں اور مدارس تعاون نہیں کرتے؟

جواب...... ملی یکجہتی کونسل نے دہشت گردی کے خاتمے کے لیے جو کردار ادا کیا وہ سب کے سامنے ہے ہم نے ہمیشہ مذہبی دہشت گردی کے سلسلے میں ہر حکومت سے تعاون کیا ہے ہم ملی یکجہتی کونسل، متحدہ علماء بورڈ پنجاب میں دہشت گردی کے اسباب وتدارک کے لیے بھرپور کردار ادا کر چکے ہیں مگر کونسل یا بورڈ نے جو سفارشات تیار کیں ان کو حکومت نے قانونی شکل ہی دینا گوارا نہیں کیا۔ ہم کہتے ہیں کہ حکومت غیر جانبداری اور نیک نیتی سے اس سلسلے میں جو بھی کوشش کرے گی، ہم اس سے تعاون کریں گے، مگر ہم ساتھ ہی یہ بھی کہیں گے کہ پاکستان میں لسانی ونسلی دہشت گردی کی جڑیں زیادہ پرانی ہیں اور اس کے زیادہ لوگ شکار ہو چکے ہیں، مگر ان میں سے کسی ایک کو یا سب کو سیاسی ضرورت قرار دے کر پہلوتہی نہ کی جائے بلکہ جن نسلی ولسانی تنظیموں نے ملک میں دہشت گردی کی اور اب بھی کر رہی ہیں ان کے خاتمے کے سلسلے میں بھی حکومت کو اسی طرح کوشش کرنی چاہیے جیسے وہ مذہبی دہشت گردی کے خاتمے کے لیے کرنا چاہتی ہے۔

خبریں...... چند دن قبل وزیر داخلہ نے کہا تھا کہ وہ ملک کی باگ دوڑ چند قاعدہ پڑھے ہوئے لوگوں کے سپرد نہیں کر سکتے ہیں، کیا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مدارس کے فارغ التحصیل لوگوں میں یہ اہلیت ہی نہیں کہ وہ ملک کی باگ دوڑ سنبھالیں؟

جواب...... ملک کو قاعدہ نہ پڑھے ہوئے لوگوں نے بے قاعدہ نظام کے ذریعے چلایا تو آج ملک تباہ ہو چکا ہے، اگر یہ لوگ کسی قاعدے کے پڑھے لکھے ہوتے تو ملکی نظام کسی قاعدے سے چل رہا ہوتا مگر قاعدہ نہ پڑھے ہوئے لوگوں کے ہاتھ میں نظام ہونے کی وجہ سے آج ملک گروی رکھ دینے کے مترادف ہو چکا ہے۔ جہاں تک مدارس کے پڑھے ہوئے لوگوں کی اہلیت کا تعلق ہے تو علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ، مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اور مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے پاکستان کے آئین کو بنانے میں جو کردار ادا کیا سب کے سامنے ہے، کیا یہ لوگ ایف سی کالج کے پڑھے ہوئے تھے؟ یہ لوگ مدارس کے پڑھے لکھے تھے۔ اس لیے ملک کی باگ دوڑ قاعدہ پڑھے ہوئے لوگوں کے ہاتھ میں ہوگی تو وہ ملک کو قاعدہ وقانون کے تحت چلائیں گے تو ملک نہ صرف ترقی کرے گا بلکہ خودمختار، حقیقی اسلامی، فلاحی ریاست کا عکس بھی پیش کرے گا۔

خبریں...... ایک اطلاع یہ ہے کہ حکومت نے ماڈل دینی مدارس کے قیام اور اس کے مدارس ایجوکیشن بورڈ کے سلسلے میں مدارس کی تنظیمات کے رہنماؤں کو بلایا اور کہا کہ وہ بورڈ کے ممبر بنیں اور ماڈل دینی مدارس کے قیام کے لیے کردار ادا کریں مگر آپ لوگوں نے حکومت سے تعاون نہیں

کیا۔اس کے بعد آپ لوگوں کی مرضی کے بغیر بورڈ کا ممبر بنا دیا گیا۔آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب......ہم کہتے ہیں کہ حکومت جو ماڈل دینی مدارس قائم کرنا چاہتی ہے وہ ملک بھر میں پہلے سے موجود ہیں میرا مطلب ہے کہ ملک میں جتنے بھی مدارس ہیں وہ وفاق کی تنظیمات سے منسلک ہیں۔وفاق کی نصابی کمیٹیاں بنی ہوئی ہیں جو وقتی ضرورتوں کے تحت نصاب میں ترامیم کر کے اسے عصری تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کے لیے کوشش کرتی رہی ہیں۔حکومت جو ماڈل دینی مدارس اب قائم کرنے کا ارادہ رکھتی ہے وہ تو ہم پہلے سے قائم کر چکے ہیں اس لیے نئے ماڈل دینی مدارس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ دو چار مدارس کے قیام سے کیا تبدیلی آ جائے گی۔کیوں نہ وہ مدارس جو پہلے سے قائم ہو چکے ہیں ان کے مشورے سے اگر ان کے نصاب میں کسی تبدیلی کی ضرورت ہو اور مدارس بھی محسوس کریں تو صلاح ومشورہ سے ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں مگر یہ بات واضح رہے کہ ہم حکومتی دباؤ کے تحت کسی صورت ایسا نہیں کریں گے۔

یہ صحیح ہے کہ حکومت نے مدارس کے بعض ذمہ داران کو بلا کر ایک میٹنگ میں کہا کہ حکومت ماڈل دینی مدارس قائم کرنا چاہتی ہے اور آپ لوگ اس کے تعلیمی بورڈ کے ممبر بنیں، ہم سب نے اس وقت کہا کہ ماڈل دینی مدارس کی ضرورت ہی نہیں، لہٰذا ہم اس کے بورڈ کے ممبر نہیں بنیں گے مگر اس کے باوجود ہمیں بورڈ کا ممبر بنایا گیا تو پھر اجلاس کی اطلاع دی گئی۔ہم نے تحریری طور پر وزارت مذہبی امور کو آگاہ کیا کہ ہم اجلاسوں میں نہیں آئیں گے۔

خبریں......ماڈل دینی مدارس کے ایجوکیشن بورڈ نے ۳۵ فیصد دنیاوی اور ۶۵ فیصد دینی کی نسبت سے ماڈل دینی مدارس کے لیے جو نصاب تیار کیا ہے، وہ مدارس میں رائج الوقت نصاب سے بہتر نہیں ہے؟

جواب......ہم نے مدارس ایجوکیشن بورڈ کے تیار کردہ نصاب کا جائزہ لیا ہے مگر جو نصاب ہم پہلے مدارس میں پڑھا رہے ہیں، وہ مدارس بورڈ کے تیار کردہ نصاب سے کئی درجہ بہتر ہیں اس لیے نئے دینی نصاب کی بجائے اگر مدارس ضرورت سمجھیں تو پہلے سے موجود نصاب میں کسی چیز کا اضافہ کر لیں تو یہ بہتر ہوگا۔

خبریں......حکومت کا یہ الزام ہے کہ بعض مدارس کو بیرونی ممالک سے امداد مل رہی ہے، امداد دینے والے ممالک اپنے مقاصد کے لیے ان مدارس کو استعمال کرتے ہیں؟

جواب: ہمارا حکومت سے مطالبہ رہا ہے اور اب بھی ہے کہ ان ممالک اور مدارس کے نام

بتائے جائیں جو ایسا کرتے ہیں مگر آج تک ہمیں نہیں بتایا گیا۔ ہاں جس طرح مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی کے لوگ بیرون ملک میں موجود ہیں، وہ اپنی جماعتوں کو چندہ دیتے ہیں، اسی طرح بیرون ملک ہزاروں ایسے دینی سوچ رکھنے والے پاکستانی بھی ہیں جو اپنے ہی ملک کے مدارس کو چندہ دیتے ہیں، یہ کوئی جرم نہیں ہے۔ اگر کوئی مدرسہ کسی بیرونی حکومت یا تنظیم سے چندہ لے کر ان کے مقاصد کے لیے استعمال ہو رہا ہے تو حکومت اس کا نام بتائے ہم اس کو مدارس کی تنظیمات سے خارج کر کے حکومت کو سفارش کریں گے کہ اس کے خلاف کارروائی کی جائے۔

خبریں...... حکومت کا یہ بھی اعتراض ہے کہ مدارس آڈٹ کروانے کے لیے تیار نہیں ہیں؟

جواب...... حکومت مدارس کے آڈٹ کے بجائے ان این جی اوز کا آڈٹ کرے جو کروڑوں اربوں روپے بیرون ملک سے لیتی ہیں اور ملک و اسلام دشمن سرگرمیوں میں خرچ کرتی ہیں، یہ کئی مرتبہ سامنے بھی آ چکا ہے۔ جہاں تک مدارس کے آڈٹ کی بات ہے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ حکومت ہمیں دیتی کیا ہے جس کا ہم سے آڈٹ کرنا چاہتی ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ تقریباً تمام مدارس سوشل سیکورٹی ویلفیئر ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہیں اور این جی اوز شمار کیے جاتے ہیں۔ اس لیے آڈیٹر جنرل کے ہر ضلع کا نمائندہ مدارس کا سالانہ آڈٹ کرتا ہے، آڈٹ نہ کرانے کا صرف شور کیا جا رہا ہے حالانکہ آڈٹ ہو رہا ہے۔ کیا مدارس کسی نظام کے بغیر ہی ملک کے ۱۰ لاکھ طلبہ کو نہ صرف تعلیم دے رہے ہیں، بلکہ انہیں رہائش بھی دے رہے ہیں، وہ ملک میں جہاں کسی پرائمری اسکول کی تعمیر صرف ایک خواب ہے مدارس وہاں بھی کام کر رہے ہیں، اس طرح وہ شرح خواندگی میں اضافہ کر رہے ہیں جس پر حکومت کا ایک روپیہ بھی خرچ نہیں آتا ہے۔

خبریں...... موجودہ دور میں جب دنیا میں دہشت گردی کے خلاف جنگ کا شور ہے خاص طور پر اس موقع پر مدارس کو دہشت گردی میں ملوث ہونے کا الزام دشوار کن وجوہات کی بناء پر ہے، آپ کیا سمجھتے ہیں؟

جواب...... دراصل عالم کفر نے متحد ہو کر تہیہ کر لیا ہے کہ ''جہاد'' اور ''دہشت گردی'' میں فرق کو مٹا دیا جائے، یہی وجہ ہے کہ مشرقی تیمور میں ابھی آزادی کی تحریک نے خاص عروج بھی نہیں پکڑا تھا کہ اسے تحریک آزادی قرار دے کر آزادی دلا دی گئی جبکہ کشمیر، فلسطین میں وہی تحریک آزادی دہشت گردی کی تحریک سمجھی جاتی ہے۔ دراصل عالم کفر کے لیے ہر وہ مسلمان دہشت گرد ہے جو اللہ کو سپر پاور سمجھتا ہے۔ جہاں تک حال ہی میں مدارس اور دہشت گردی کے اکٹھے ذکر

کرنے کا تعلق ہے تو یہ بات واضح ہے کہ مدارس ہی وہ تربیت گاہیں ہیں جہاں سے وہ لوگ پیدا ہوتے ہیں جو جان تو دے سکتے ہیں مگر اللہ کے سوا کسی کو سپر پاور ماننے کیلئے تیار نہیں ہوتے، یہی وجہ ہے کہ عالم کفر اللہ کو سپر پاور ماننے والوں کی جڑوں پر ضرب لگانا چاہتا ہے، اس لیے آج کل یہ پروپیگنڈہ مدارس کے خلاف تیز ہو رہا ہے۔

خبریں...... یہ خبر بھی ہے کہ امریکہ نے مدارس کو کنٹرول کرنے کے لیے ۱۰۰ ملین ڈالر کی حکومت پاکستان کو امداد دی ہے؟

جواب...... ہاں! ہمیں بھی یہ معلوم ہوا ہے، مگر ہم نے وفاقی وزیر مذہبی امور ڈاکٹر محمود احمد غازی سے اس سلسلے میں بات کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے، یہ باتیں صرف اخبارات کی حد تک ہیں حکومت مدارس پر کنٹرول حاصل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتی۔ جب ہم نے انہیں کہا کہ اگر ایسی کوئی امداد امریکہ کی طرف سے حکومت کو نہیں ملی تو بجائے اس کے کہ عوام میں تشویش پھیلتی رہے آپ ان خبروں کی تردید کریں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ ہم کس کس خبر کی تردید کریں۔

خبریں...... بعض بیرونی ممالک اور خود حکومت پاکستان کو اعتراض ہے کہ مدارس میں غیر ملکی طلباء تعلیم حاصل کرتے ہیں جو بعد میں اپنے ملکوں میں جا کر اپنے ملک کے قوانین کے خلاف کام کرتے ہیں، اس طرح پاکستان سے پڑھے ہوئے طلباء کی وجہ سے پاکستان کی بدنامی ہوتی ہے؟

جواب...... ہم مدارس میں غیر قانونی طور پر غیر ملکی طلباء کو تعلیم نہیں دیتے جو بھی غیر ملکی طلباء پاکستان میں مدارس دینیہ میں تعلیم کی غرض سے آتے ہیں ان کے پاس ویزہ چیک کر کے ان کے قیام کی مدت کی تصدیق کے بعد ہی ہم ان کو مدارس میں داخلہ دیتے ہیں۔

خبریں...... دنیاوی تعلیمی اداروں میں دین کی تعلیم کے لیے آپ کیا تجاویز دیں گے، کیا دنیاوی تعلیمی اداروں میں دینی و اخلاقی تعلیم و تربیت موجود ہے؟

جواب...... ہم کہتے ہیں کہ یونیورسٹیوں میں اسلحے کے انبار لگے ہوئے ہیں مگر حکومت کسی ایک مدرسے میں اسلحہ دکھا دے، یونیورسٹیوں، کالجوں کے طلباء، تنظیمیں بنا کر آپس میں قتل و غارت کرتے ہیں۔ حکومت مدارس میں کوئی ایک ایسا واقعہ بتا دے۔ یہ بات افسوس سے کہنا پڑتی ہے کہ سی ایس ایس کرنے والے طلباء و طالبات کے دینی سوالات کے جوابات اس حد تک پریشان کن ہوتے ہیں کہ سر شرم سے جھک جاتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کا نام ''حضرت مریم'' بتایا جاتا ہے، لیکن اس کے باوجود ان دنیاوی تعلیمی اداروں میں دینی تعلیم کی

ضرورت محسوس نہیں کی جاتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ حکومت جو امداد مدارس کو دینا چاہتی ہے وہ ان کالجوں یونیورسٹیوں میں دینی تعلیم دینے کے لیے خرچ کردے اور انہیں دین کے پڑھے ہوئے علماء سے تعلیم دلوائے پھر تعلیم وتربیت کا معیار چیک کرے۔

خبریں......حکومت کہتی ہے کہ وہ دینی مدارس کی مالی مدد کرنا چاہتی ہے۔ مالی مدد کس طرح کی جائے کہ تمام مدارس کو ان کا حصہ برابر مل جائے؟

جواب......آسان فارمولا ہے ملک بھر کے دینی مدارس کی بجلی، پانی وگیس مفت کردی جائے، یہی بہت بڑی مدد ہے۔

سوال......دینی مدارس کے نصاب میں عصری ضرورتوں اور تقاضوں کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں سے نکلنے والے عموماً گردوپیش کے حالات سے بے خبر اور دوراندیشی کے جوہر سے عاری ہوتے ہیں؟

جواب......یہ تاثر دینی مدارس سے لاعلمی اور ناواقفی کے باعث ہے۔ دینی مدارس کے نصاب کے ابتدائی تین سالوں میں اردو، انگلش، سائنس، جغرافیہ اور معاشرتی علوم کے تمام مضامین کی کتابیں شامل ہیں۔ عصری اسکولوں کے مقابلہ میں ان مضامین کی تعلیم مدارس میں زیادہ محنت، توجہ اور دلجمعی سے دی جاتی ہے۔ اس ابتدائی نصاب کے علاوہ آٹھ سالہ نصاب میں بھی ضرورت کے مطابق وقتاً فوقتاً ترامیم ہوتی رہتی ہیں۔ قدیم فلسفہ، شمس بازغہ، صدرا وغیرہ کے بجائے جدید فلکیات اور نئے اسلوب کی حامل عربی ادب وانشاء کی کتابیں شامل نصاب کردی گئی ہیں۔ پھر ترمیم واضافہ کا یہ عمل رُکا ہوا نہیں، تدریجاً جاری ہے۔ جہاں تک کسی ''جوہر قابل'' کے نکلنے کی بات ہے تو عمومی طور پر یہ تنزل عصری علوم کی درسگاہوں میں زیادہ نمایاں ہے۔ آج بھی معاشرہ میں اسلامی اخلاق اور بلند اقدار کی جو جھلک نظر آتی ہے، وہ انہی افراد کے دم سے ہے جو دینی اداروں سے وابستہ ہیں اور یہاں سے نکلے ہوئے ہیں۔

سوال......سنا ہے مدارس میں بچوں کو زنجیروں سے باندھ کر سلاخوں اور بیدوں سے اس حد تک پٹائی کی جاتی ہے جو انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے زمرے میں آتی ہے اور اس پر ایمنسٹی انٹرنیشنل نے بھی تشویش کا اظہار کیا ہے؟

جواب......مدارس کا ایک مربوط تعلیمی نظام ہے۔ یہاں بچوں کو گلی کوچوں سے پکڑ کر نہیں لایا جاتا بلکہ بچوں کے والدین اور سرپرست انہیں داخل کرواتے ہیں۔ اگر ان مدارس میں انسانی

حقوق کی پامالی کی حد تک سزا دی جاتی تو اس کے خلاف سب سے پہلے ان بچوں کے والدین اور سرپرست آواز بلند کرتے۔ ان بچوں کے والدین اور سرپرستوں نے تو آج تک ان مدارس پر یہ الزام نہیں لگایا۔ جہاں تک ایمنسٹی انٹرنیشنل کی تشویش کا تعلق ہے تو آج وادیٔ کشمیر میں مسلمانوں کا خون بہہ رہا ہے۔ اسرائیل کی درندگی نے فلسطینیوں کی زندگی اجیرن کر دی ہے، الجزائر، بوسنیا اور چیچنیا میں مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہے۔ ان ستم رسیدہ مسلمانوں کے حق میں کوئی مؤثر آواز بلند کرنے کی بجائے ایمنسٹی انٹرنیشنل کو مدارس دینیہ کے طلبہ کی تادیب پر تشویش لاحق ہو رہی ہے۔ آپ اس تضاد اور دہرے معیار کو کیا کہیں گے؟!

سوال...... مدارس دینیہ سے نکلنے والے افراد معاشرہ کی کوئی مفید خدمت انجام نہیں دیتے؟

جواب...... بحمد اللہ! ہم سب مسلمان ہیں اور ایک مسلمان کی حیثیت سے ہماری یہ ذمہ داری ہے کہ ہم خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام اور اوامر ونواہی کو جانیں اور ان کے مطابق زندگی گزاریں۔ مدارس دینیہ کے فضلاء مسلمانوں کو قرآن وسنت کی تعلیمات سے آگاہ کرنے کی بہت بڑی ذمہ داری ادا کر رہے ہیں۔ خواہ وہ مدرسوں میں ہوں یا مساجد میں۔ آپ غور فرمائیں تو اسلامی علوم وفنون سے مسلم معاشرہ کے ربط وتعلق کو قائم رکھنے کا واحد ذریعہ یہی مدارس ہیں۔ مساجد کے لیے مناسب علمی صلاحیت کے خطباء اور ائمہ اور اسلامی تعلیمات کے لیے اساتذہ دینی مدارس سے پیدا ہوتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں روزمرہ کی زندگی میں پیش آنے والے مسائل کے فقہی جوابات کا ذریعہ انہی مدارس کے دارالافتاء ہیں، اصلاح احوال کے لیے معاشرہ میں جتنی تحریکیں اور جماعتیں کام کر رہی ہیں ان کا منبع یہی دینی مدارس ہیں۔ پاکستان میں شرح خواندگی کا تناسب افسوسناک حد تک کم ہے۔ ہزاروں کی تعداد میں پھیلے ہوئے یہ دینی مدارس شرح خواندگی کی اس کمی کو کافی حد تک کنٹرول کرنے میں معاون ہیں۔

◦ ◦ ◦

"مدرسہ آرڈیننس" مدارس کو سرکاری تحویل میں لینا ہے

(مدارس سے متعلق اسلام اخبار کو دیا گیا ایک انٹرویو)

(محرم، صفر، ربیع الاول، ۱۴۲۴ھ)

مولانا قاری محمد حنیف جالندھری مدظلہ کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے خلیفۂ خاص استاذ العلماء، حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ کے پوتے اور انہی کے قائم کردہ عظیم مدرسہ "جامعہ خیر المدارس" ملتان کے مہتمم ہیں۔ اللہ پاک نے انہیں علمی، عملی اور انتظامی صلاحیتوں سے نوزا ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ کئی سال سے وفاق المدارس العربیہ، جو پاکستان میں موجود مدارس کی سب سے بڑی تنظیم ہے، اس کے ناظم اعلیٰ ہیں۔ حالیہ دنوں میں مدارس کے خلاف عالمی اور حکومتی پروپیگنڈہ مہم کے سدباب کے لیے قاری صاحب نے جو بے باکی اور ثابت قدمی دکھائی وہ انہی کا حصہ ہے۔ انہوں نے حکومت سے مذاکرات کے دوران اہل مدارس کا مؤقف نہایت مدلل انداز میں پیش کیا۔ حال ہی میں حکومت نے مدرسہ آرڈیننس جاری کیا ہے جو یقیناً مداس دینیہ کی آزادی سلب کرنے کے مترادف ہے۔ چنانچہ اس حوالے سے حضرت قاری صاحب مدظلہ سے خصوصی انٹرویو کا اہتمام کیا جو نذر قارئین ہے۔

سوال...... دینی مدارس" معاشرے کا اہم ستون کس طرح ہیں؟

جواب...... جی وہ اس لحاظ سے کہ دیکھیے اسلامی معاشرہ اسلام کی بنیادوں پر استوار ہوتا ہے اور اسلام کے مراکز یہ دینی مدارس ہیں، مسلم معاشرہ وہی کہلائے گا جس کے اندر اسلام کی روح ہوگی جس میں اسلامی احکامات پر عمل ہوگا جس کا اسلام سے تعلق ہوگا وہی مسلم معاشرہ کہلائے گا اور اس مسلم معاشرے کو بنانے میں، اس کو سنبھالنے میں، اس کو آگے ترقی دینے میں، ان دینی مدارس کا بہت بڑا کردار ہے۔ پھر یہ دیکھیں کہ پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے اور جب پاکستان

ایک نظریاتی اسٹیٹ ہے تو اس نظریے کا دفاع، اس نظریے کا تحفظ، اس نظریے کا پرچار، اس نظریے کی اشاعت یہ سب دینی مدارس کرتے ہیں، تو پاکستان کی بنیاد اسلام پر ہے اور اسلام کی بنیاد دینی مدارس ہیں تو اس لحاظ سے دینی مدارس وطن عزیز کا اہم ستون ہیں۔ دینی مدارس کا ہمارے معاشرے میں اہم کردار ہے، برصغیر کی آزادی، پاکستان کے قیام اور پاکستان کے استحکام میں بھی دینی مدارس کا ناقابل فراموش کردار ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ برصغیر سے انگریز کو نکالنے میں اور استعمار کے خلاف علمائے حق کی مساعی اور دینی مدارس کا کردار چونکہ اتنا واضح ہے کہ جس کی بناء پر برصغیر میں آج ہم آزاد فضاؤں میں سانس لے رہے ہیں، یہ سب دینی مدارس کی برکت اور علماء حق کی قربانیوں کا نتیجہ ہے، دینی مدارس کے خلاف جو کچھ بھی اب ہو رہا ہے یہ شاید انہی قوتوں کے اپنے انتقام کا پروگرام ہے کہ جن مدارس نے، جن علماء نے ہمیں اس برصغیر سے نکالا ہے ہم ان سے انتقام لیں گے، تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ ساری انتقامی کارروائی ہے مدارس نے جو یہاں خدمات انجام دی ہیں ان میں سب سے بڑی بات دینی علوم اور اسلامی علوم کا تحفظ ہے، اسلامی علوم کی نشر و اشاعت ہے اور مسلمانوں کا اسلام سے اور دین سے والہانہ تعلق ہے اور ان کے اندر جذبہ جہاد اور اس کے اندر دین کے لیے قربانی اور مر مٹنے کا جذبہ ہے ان تمام چیزوں کو زندہ رکھنے میں تابندہ رکھنے میں دینی مدارس کا بڑا کردار ہے۔ یہ جو پاکستان میں دینی مدارس کے خلاف پابندیاں اور رجسٹریشن کا قانون ہے میں سمجھتا ہوں کہ مغرب کے دباؤ پر پاکستان کی آزادی اور دینی مدارس کی آزادی اور خود مختاری کو ختم کرنے کا پروگرام ہے اور دینی مدارس کو سرکاری کنٹرول اور سرکاری تحویل میں لینے کا منصوبہ ہے اور یہ منصوبہ آج سے نہیں بلکہ یہ منصوبے بڑے عرصے سے جاری ہیں۔

سوال...... عالمی میڈیا اور بہت سے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا ہے کہ دینی مدارس دہشت گرد پیدا کر رہے ہیں؟

جواب...... میں نے عرض کیا کہ یہ سب اس عالمی سازش کا حصہ ہے اور آج کل کا طریقہ واردات بھی یہی ہے کہ پہلے میڈیا کے ذریعے ذرائع ابلاغ سے وسیع پروپیگنڈہ کر کے ایک ذہن بنایا جاتا ہے تا کہ آنے والے حالات میں جو آپ نے اقدامات کسی کے خلاف کرنا ہیں تو اس اقدام کا جواز آپ پہلے سے مہیا کریں اور ذہن سازی کر لیں تا کہ اس سے کوئی اختلاف نہ کرے، کوئی اس کے خلاف آواز نہ اٹھائے، تو یہ منفی پروپیگنڈہ جو دینی مدارس کے خلاف ہے یہ

اصل میں اسی سازش کا حصہ ہے کہ ان کے چہرے کو داغ دار کیا جائے، حالانکہ دہشت گردی سے، فرقہ واریت سے، فرقہ وارانہ فسادات سے ان کا دور سے بھی تعلق نہیں ہے جتنے لوگ اس میں ملوث ہیں یا پکڑے گئے ہیں اور حکومت کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے یہ کیا ہے تو ان کا دینی مدارس سے کوئی تعلق نہیں ہے، حالانکہ یہ دہشت گردی دینی مدارس پر مسلط کی گئی ہے، دینی مدارس کے لوگوں کو دہشت گردی کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ اس کے باوجود دینی مدارس کو مجرم بنایا جا رہا ہے تاکہ ان کے خلاف ایک ذہن تیار ہو اور پھر دینی مدارس کے خلاف کوئی اقدام کیا جائے۔

عالمی طاقتیں بھی ایسا ہی کر رہی ہیں کہ جس ملک کے خلاف بھی کوئی کارروائی کرنی ہو اس کے خلاف پہلے عالمی میڈیا کے ذریعے جھوٹا پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے، پھر اس کے خلاف کوئی اقدام کیا جاتا ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ اس سازش کا ایک حصہ ہے۔

سوال...... دینی مدارس کا نصاب جو اس وقت پڑھایا جا رہا ہے، یہ عصری تقاضوں سے کہاں تک ہم آہنگ ہے؟

جواب...... دیکھیے! میں سمجھتا ہوں کہ ہمارا جو نصاب ہے یہ جامد نہیں ہے، ہمارے مدارس کے نصاب میں وقت کے ساتھ ساتھ الحمدللہ! تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں، ہمارے ہاں مستقل نصاب کمیٹی ہے اور آج کل بھی ہمارے نصاب پر نظر ثانی ہو رہی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ دینی مدارس کا جو نصاب ہے اس میں جہاں دینی علوم ہیں وہاں عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق عصری علوم بھی اس میں ہیں، متوسطہ یعنی مڈل تک ہمارے نصاب میں انگلش بھی ہے ریاضی بھی، معاشرتی علوم بھی اردو بھی اور اب وفاق المدارس کی مجلس عاملہ نے یہ طے کیا ہے کہ وہ میٹرک تک عصری علوم کو اپنے نصاب میں شامل کریں اور میٹرک تک ایک بنیادی تعلیم آ جاتی ہے اس کے بعد اسپیشلائزیشن ہے تو امید ہے کہ ان شاء اللہ آئندہ سال سے وفاق المدارس کے نصاب میں ثانویہ عامہ تک یہ عصری مضامین شامل ہوں گے، اسی طرح ہمارا ہر طالب علم میٹرک تک کی بنیادی تعلیم سے بھی آراستہ ہوگا اس سے ہمارا نصاب اور زیادہ عصرِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق ہو جائے گا۔

سوال...... عصری علوم تو پہلے بھی وفاق المدارس کے نصاب میں شامل ہیں تو اب مزید آپ ان عصری علوم کو کہاں تک وفاق کے نظام میں شامل کرنا چاہتے ہیں؟

جواب...... ہمارے نصاب میں جو عصری مضامین ہیں جیسے میں نے پہلے آپ کو عرض کیا کہ انگلش ہے، ریاضی ہے، اردو ہے، معاشرتی علوم ہے، یہ پہلے متوسطہ میں تھے مڈل تک، نویں اور

دسویں تک نہیں تھے، تو اب آئندہ نویں اور دسویں تک بھی وفاق المدارس کے نصاب میں شامل کر دیئے گئے ہیں اور یہ مضامین ثانویہ عامہ تک پڑھائے جائیں گے۔

سوال...... کیا یہ عصری علوم کی وفاق کے نصاب میں شمولیت حکومتی دباؤ کا نتیجہ نہیں ہے؟

جواب...... نہیں، یہ ہمارے اپنے پروگرام میں شامل ہے، یہ بات بالکل واضح ہے کہ ہم نے حکومت سے کہہ دیا تھا کہ ہم اپنے نصاب میں کوئی تبدیلی آپ کے دباؤ پر آپ کے کہنے پر نہیں کریں گے، البتہ جو بھی کوئی معقول تجویز ہوگی اس پر ہم ضرور غور کریں گے اور اس پر غور کرنے کے بعد فیصلہ جو کریں گے وہ آزادانہ طور پر خود کریں گے۔ وفاق المدارس کی عاملہ اور وفاق المدارس کے ذمہ داروں کے سامنے یہ بات آج سے کئی سال پہلے تھی کہ ہم ایک ضروری حد تک عصری مضامین اپنے نصاب میں ضرور شامل کریں گے، حکومت کہتی یا نہ کہتی، حکومت نے اب چھ ماہ پہلے زیادہ زور سے کہنا شروع کیا ہے، ورنہ وفاق المدارس کے نصاب میں تو یہ عصری مضامین ۷ سال سے شامل ہیں، جب ہم نے یہ مضامین متوسطہ میں شامل کیے تو ہمارے ذہن میں اس وقت تھا کہ ہم رفتہ رفتہ اس کو ثانویہ عامہ یعنی میٹرک تک کو ضرور لے کر جائیں گے تو یہ ہمارے پروگرام کا حصہ ہے۔

سوال...... میٹرک تک مضامین جو آپ وفاق المدارس کے نصاب میں شامل کر رہے ہیں، اس کیلئے آپ اپنا نصاب ترتیب دینگے یا وہی نصاب پڑھائینگے جو گرامر اسکولز میں پڑھایا جاتا ہے؟

جواب...... ہماری عاملہ کی نصاب کمیٹی اس پر غور کر رہی ہے اور حکومت سے مذاکرات میں بھی یہ معاملہ زیر بحث آیا تھا تو ہم نے حکومت سے یہ بات کہی تھی کہ آپ سرکاری سطح پر ایک کمیشن قائم کریں جس میں علماء بھی ہوں اور عصری تعلیم کے ماہرین بھی ہوں اور وہ پہلی سے لے کر دسویں تک کا ایک نصاب تیار کرے، وہی نصاب مدارس میں بھی پڑھایا جائے اور وہی نصاب اسکولز میں بھی پڑھایا جائے اور اس کے اندر جہاں عصری چیزوں کا خیال رکھا جائے وہاں دینی چیزوں کا بھی خیال رکھا جائے اور کوشش کی جائے کہ وہ نصاب دینی اقدار سے بھی ہم آہنگ ہو اور وہ نصاب شریعت کے مطابق ہو، قرآن وسنت کے مطابق ہو تو اس تجویز کو حکومت نے منظور کیا ہے اور طے کیا ہے کہ حکومت ایک ایسا کمیشن بنائے گی جس میں دینی علوم کے ماہر علماء بھی ہوں گے اور عصری علوم کے ماہرین بھی اور جب تک ایسا کمیشن نہیں بنتا اس وقت تک ہمارے ہاں زیر غور یہ ہے کہ جو مروج نصاب ہے ملک کے اندر، ہم اسی کو اپنے مدارس کے اندر پڑھائیں گے۔

سوال......دینی مدارس کا جو نصاب ہے اس کو آپ کیا سمجھتے ہیں کہ یہ مکمل ہے یا اس میں مزید ترمیم کی ضرورت ہے؟

جواب......میں سمجھتا ہوں کہ ہمارا نصاب الحمدللہ! جامع ہے اور اگر کوئی تھوڑی بہت تبدیلی کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ وقت کے ساتھ ہمارے اکابر ہمارے علماء غور وخوض کر کے کرتے رہتے ہیں۔ مجموعی اعتبار سے ہمارا نصاب جامع ہے، مکمل ہے، اس میں کسی قسم کی تبدیلی کی ضرورت نہیں۔

سوال......موجودہ دور کے علمی تقاضوں سے عہدہ برآ ہونے کے لیے آپ طلبہ کو کس طرح تیار کر رہے ہیں؟

جواب......دیکھیں جی سب سے پہلے تو ہم چاہتے ہیں اور کوشش کر رہے ہیں کہ طلبہ کا اپنے اللہ سے تعلق مضبوط ہو اور طلبہ کا ایمان اور یقین اور ان کا اپنے دین پر اعتقاد میں اضافہ ہو۔ دوسرا ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے طلبہ رسوخ فی العلم حاصل کریں، خوب محنت کے ساتھ شوق کے ساتھ پڑھیں، اس لیے کہ جتنے یہ مضبوط عالم بنیں گے اتنا ہی یہ قوم کی بہتر رہنمائی کر سکیں گے۔ تیسرا ہم اپنے طلبہ کو موجودہ حالات کے چیلنجز میں مستقبل کے جو خطرات ہیں وقتاً فوقتاً اس سے ان کو آگاہ بھی کر رہے ہیں باخبر بھی کر رہے ہیں، آنے والے حالات کے طوفانوں اور فتنوں کے لیے ہمارے اساتذہ ہمارے ادارے ان طلبہ کو تیار بھی کر رہے ہیں اور ان شاءاللہ اگر ان طلبہ نے اپنے اساتذہ کی نگرانی میں اپنے علم پر بھی توجہ دی اپنی تربیت پر بھی توجہ دی تو مجھے امید ہے کہ آنے والے جتنے بھی حالات ہیں چیلنجز ہیں ان سے ہمارے طلبہ مقابلہ کریں گے، سب سے بڑا چیلنج تو یہ ہے کہ مسلمان کا وجود خطرے میں ہے، اس کو کس طرح حکمت عملی کے ساتھ آگے لے کر چلنا ہے اس کے لیے ان شاءاللہ تعالیٰ یہ طلبہ اگر صحیح معنوں میں تیار ہوئے تو یہ ان حالات کا مقابلہ کریں گے۔

سوال......حکومت جو دینی مدارس کو سرکاری کنٹرول میں لینا چاہتی ہے آپ کیا سمجھتے ہیں کہ واضح طور پر اس کے پیچھے امریکی ہاتھ ہے؟

جواب......دیکھیں جی بات یہ ہے کہ چند دن پہلے یعنی چھ جولائی کو جب حکومتی ٹیم سے ہمارے مذاکرات ہوئے تو ہم نے اس وقت حکومتی ٹیم کو کھل کر یہ بات کہی کہ آپ جو کچھ بھی کر رہے ہیں یہ امریکا کے دباؤ پر کر رہے ہیں تو اس کا حکومت کے وزراء نے انکار کیا۔ ہم نے یہ کہا کہ آپ کا یہ انکار ہمیں صحیح نہیں نظر آتا، اس لیے کہ آپ رجسٹریشن کا جو قانون لا رہے ہیں اس سے پہلے دینی مدارس، سوسائٹی ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ ہوتے رہے اور ستر فی صد مدارس رجسٹرڈ

ہیں، صرف تیس فی صد مدارس رجسٹرڈ نہیں ہیں اور وہ بھی اس لیے کہ ۱۹۹۰ء سے حکومت نے رجسٹریشن پر پابندی لگائی ہوئی تھی۔

ہم نے حکومت سے یہ کہا کہ یہ قانون امتیازی طور پر آپ صرف ہمارے لیے لا رہے ہیں جبکہ این جی اوز اسی قانون کے تحت رجسٹرڈ ہو رہی ہیں اور تمام جماعتیں اور تنظیمیں اسی قانون کے تحت رجسٹرڈ ہو رہی ہیں۔ اس طرح اس قانون کے تحت جو ادارے پہلے رجسٹرڈ ہوتے تھے وہ اب بھی ہو رہے ہیں، کسی کے لیے بھی آپ رجسٹریشن کا نیا قانون نہیں بنا رہے، صرف آپ دینی مدارس کے لیے رجسٹریشن کا نیا قانون بنا رہے ہیں آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ لوگ تو پہلے بھی یہاں موجود تھے معلوم ہوتا ہے کہ آپ پر بیرونی دباؤ ہے جس کی بناء پر آپ یہ کر رہے ہیں، اس لیے کہ بیرونی دنیا جانتی ہے کہ جب تک یہ مدارس قائم ہیں اس وقت تک ہم مسلمانوں کو دین سے دور نہیں کر سکتے اور مسلمانوں کے اندر جو جذبۂ جہاد ہے ہم اس کو ختم نہیں کر سکتے۔

اس لیے حکومت لاکھ انکار کرے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بیرونی دباؤ ہے جس کے تحت حکومت یہ اقدام کر رہی ہے اور یہ دباؤ تو اب یوں کہنا چاہیے کہ سو فی صد ہے اور یہ دباؤ تو اس حد تک ہے کہ خود حکومتی ادارے بیرونی آقاؤں کے ہاں جواب دہ ہیں، وہ جہاں چاہتے ہیں اپنی مرضی سے جہاں چاہیں مداخلت کریں جس کو چاہیں وہ پکڑ کر یہاں سے لے جائیں تو اس لحاظ سے یہ نہ صرف پاکستان کی آزادی اور خودمختاری کے لیے خطرہ ہیں بلکہ یہ پاکستان کے وجود اور اس کی سلامتی کے لیے خطرہ ہیں، پاکستان کی خودمختاری کہاں رہی؟ اس لیے حکومت کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو ان بیرونی قوتوں کے چنگل سے آزاد کرائے جو پاکستان کے وجود کو ختم کرنا چاہتی ہیں۔

سوال...... آپ حکومت کے ساتھ مذاکرات میں شریک رہے ہیں تو رجسٹریشن کے حوالے سے حکومت کا کیا مؤقف تھا؟ اور علماء کرام نے اس کا کیا جواب دیا؟

جواب...... رجسٹریشن کے حوالے سے حکومت کا موقف یہ تھا کہ جو پرانا قانون سوسائٹی ایکٹ ہے وہ آج کل کے تقاضوں کے مطابق نہیں ہے اس لیے اس کو اب ہم اپ ڈیٹ کرنا چاہتے ہیں، نیا قانون ہم اس لیے لا رہے ہیں۔ دوسرا انہوں نے یہ کہا کہ ہمارے پاس دینی مدارس کے کوائف نہیں ہوتے، ہمیں نہیں معلوم کہاں کہاں کون کون کس کس درجے کا مدرسہ ہے تو نئے قانون کے تحت ہم یہ چاہتے ہیں کہ حکومت کے پاس یہ تمام کوائف موجود ہوں اس لیے ہم نیا قانون لا رہے ہیں۔ تیسرا ان کا یہ کہنا تھا کہ ہم دینی مدارس کے نصاب میں کوئی مداخلت نہیں

کریں گے، اس قانون سے ہم صرف یہ کریں گے کہ دینی مدارس کی رجسٹریشن کرنے کے بعد دینی مدارس کا اور حکومت کا ایک رابطہ ہو اور جس حد تک ہم دینی مدارس کی امداد کر سکتے ہیں اس حد تک ہم دینی مدارس کی امداد کریں، یہ حکومت کا مؤقف تھا۔

ہمارا مؤقف یہ تھا کہ جو قانون اس سے پہلے رجسٹریشن کا تھا جس کے متعلق میں نے عرض کیا کہ اس کے تحت ستر فی صد مدارس رجسٹرڈ ہیں، وہ آج کل کے حالات کے مطابق ہے اور وہ آج کل کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے اس میں کوئی کمی نہیں ہے اس لیے ہم کسی نئے قانون کی ضرورت نہیں سمجھتے، ہاں! البتہ اس قانون کے اندر آپ کو کوئی کمی نظر آتی ہے تو آپ اس کی نشاندہی کریں، مثال کے طور پر اس قانون کے اندر پہلے سے یہ بات موجود ہے کہ جہاں بھی کوئی مدرسہ بنے گا، اس مدرسہ کو جو باڈی چلانے والی ہے اس کے مکمل کوائف دیئے جائیں گے، اس مدرسہ کا جو نصاب تعلیم ہوگا وہ بتایا جائے گا کہ یہاں یہ نصاب پڑھایا جائے گا، اس مدرسہ کے جو قواعد وضوابط ہوں گے وہ اپنی درخواست کے ساتھ پیش کرنا ہوں گے، اسی طرح وہ سالانہ حسابات آڈٹ کرائے گا اور اس آڈٹ کی کاپی متعلقہ رجسٹریشن آفس ہر سال بھیجی جائے گی۔ یہ تمام چیزیں سابقہ قانون کے اندر موجود ہیں، اس کے اندر آج کے اعتبار سے کوئی کمی نہیں ہے، اگر کوئی کمی ہے تو حکومت اس کی نشاندہی کرے، اس قانون کے اندر کوئی ترمیم لائے، اس قانون کو بہتر کرے ہمارے مشورے سے، نیا قانون لانے کی کیا ضرورت ہے، نیا قانون جو لایا جا رہا ہے یہ بدنیتی پر مبنی ہے یہ صرف دینی مدارس کو کنٹرول کرنے کے لیے ہے اور ان کو سرکاری تحویل میں لینے کے لیے ہے اور ان کی خود مختاری کو ختم کرنے کے لیے ہے۔

ہمارا مؤقف یہ تھا کہ آپ نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ کوئی قانون اور اقدام بھی ہم آپ کے مشورہ کے بغیر نہیں کریں گے جبکہ اس قانون کی کابینہ نے منظوری بھی دے دی ہے اور ہمیں اعتماد میں نہیں لیا گیا، اس کے علاوہ آپ نے ہمیں یقین دہانی کرائی تھی، خود صدر پاکستان نے بھی، کہ ہم دینی مدارس کے اندر مداخلت نہیں کریں گے اس لیے کہ سرکاری مداخلت ہو تو ادارے تباہ ہو جاتے ہیں اور ہم یہ نہیں کرنا چاہتے بلکہ ہم تو ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہیں اور یہ جو آپ کا قانون ہے یہ پہلے لفظ سے لے کر آخری لفظ تک دینی مدارس کو مکمل سرکاری کنٹرول میں لینے کا ہے، اس کے بعد ''دینی مدارس کی آزادی'' کا لفظ بھی ختم ہو جاتا ہے تو اس طرح سے یہ ہمارا مؤقف تھا اور ہم نے حکومتی مؤقف مکمل طور پر مسترد کیا ہے۔

سوال......حکومت نے جامعہ عباسیہ کو اپنے کنٹرول میں لیا تھا جواب اسلامی یونیورسٹی ہے، اس سے پہلے وہ مکمل طور پر ایک اسلامی دینی مدرسہ تھا، کیا اب بھی حکومت کا پروگرام ایسا تو نہیں ہے کہ وہ ان مدارس کو اپنے کنٹرول میں لے کر اسی طرح کی کوئی نئی شکل دینا چاہتی ہے؟

جواب......دیکھیے جی، بات یہ ہے کہ حکومت کی تحویل میں جو بھی ادارے گئے خواہ وہ مذہبی ہوں، تعلیمی ہوں، صنعتی ہوں، وہ تباہ و برباد ہو گئے اور ان کا اعتراف خود جنرل مشرف نے ۱۲ جنوری کو قوم سے اپنے خطاب میں کیا اور انہوں نے یہ الفاظ کہے ''کہ حکومت جس ادارے کو اپنے کنٹرول میں لیتی ہے وہ تباہ و برباد ہو جاتا ہے، اس لیے ہم مدارس کو اپنے کنٹرول میں لے کر تباہ و برباد نہیں کرنا چاہتے۔''

میں مثال دیتا ہوں کہ آپ دیکھیے کہ پاکستان میں کچھ مسجدیں ایسی ہیں جو محکمہ اوقاف کے کنٹرول میں ہیں، ان مساجد کا اور ملک کی دوسری عام مساجد کا آپ فرق واضح طور پر محسوس کر سکتے ہیں، ان مساجد میں صفائی کا نظام، وہاں نمازوں کا اہتمام، وہاں نمازیوں کی رونق، وہاں پر درس حدیث اور درس قرآن، یہ چیزیں آپ کو اس طرح نظر نہیں آئیں گی جس طرح دوسری مساجد میں نظر آتی ہیں، بھٹو کے دور میں تعلیمی ادارے نیشنلائز کیے گئے، بہت سے اسکول جو پرائیویٹ سیکٹر میں تھے انہیں سرکاری کنٹرول میں لیا گیا، وہ تعلیمی ادارے ختم ہو گئے، وہاں پر تعلیم نام کی کوئی چیز نہیں رہی، ان کا معیارِ تعلیم اور پرائیویٹ سیکٹر میں چلنے والے اداروں کے معیارِ تعلیم میں آپ کو واضح طور پر زمین آسمان کا فرق نظر آئے گا، چنانچہ اب گورنمنٹ نے ان تمام تعلیمی اداروں کو واپس کرنے کا اعلان کیا ہے اور حکومت منتیں کر رہی ہے کہ مالکان ان کو واپس لے لیں۔ تو دیکھیے ایک طرف تو ان کی پالیسی یہ ہے کہ گورنمنٹ کی تحویل میں لیے گئے اداروں کو واپس کیا جائے تاکہ یہ تعلیمی معیار قائم کر سکیں، ہم نہیں اس کو چلا سکے اور دوسری طرف مدارس کو سرکاری کنٹرول میں کرنا چاہتے ہیں تو یہ آپ دیکھیں کہ حکومتی پالیسی میں بھی واضح تضاد ہے، عصری تعلیم کے ادارے آپ واپس کر رہے ہیں اور دینی اداروں کو آپ کنٹرول میں لینا چاہتے ہیں۔ اور اس کے بعد آپ دیکھیں بھٹو کے زمانے میں بہت سے صنعتی ادارے نیشنلائز ہوئے، کارخانے فیکٹریاں انہوں نے سرکاری تحویل میں لیں، آج وہ صنعتی ادارے بند پڑے ہیں، تباہ و برباد ہو چکے ہیں۔

جامعہ عباسیہ کی آپ نے مثال دی ہے، وہ ایک یادگار دینی علوم کی درسگاہ تھی اور بڑے جید لوگ وہاں پر موجود تھے، مگر آج وہ ایک عصری تعلیم کی درسگاہ بن کر رہ گئی ہے، دینی علوم کا وہاں

نام ونشان تک نہیں رہا۔

سوال......قاری صاحب! آپ یہ بتایئے کہ مدرسہ آرڈیننس میں بنیادی باتیں کیا ہیں؟

جواب......اس کی بنیادی بات صرف یہ ہے کہ دینی مدارس کو سرکاری کنٹرول میں لے لیا جائے، اس کا بنیادی نکتہ صرف ایک ہی ہے کہ دینی مدارس مکمل طور پر حکومت کے کنٹرول میں آجائیں، جہاں تک اس کی تفصیلات ہیں اس میں یہ ہے کہ دینی مدارس کا نصاب اوران کا امتحان وہ سرکاری بورڈ کی نگرانی میں ہوگا، اسی طرح مدارس کے مالیات کا نظام بھی مکمل طور پر سرکاری کنٹرول میں ہوگا، حتیٰ کہ یہاں پڑھانے والے اساتذہ جو ہوں گے وہ بھی ان کی مرضی سے رکھے جائیں گے۔تو میں سمجھتا ہوں کہ اس کا صرف ایک ہی نکتہ ہے کہ یہ مکمل طور پر دینی مدارس کو سرکاری کنٹرول میں لینے والا آرڈیننس ہے۔

سوال......ایکطرف تو حکومت کا یہ واضح اعلان ہے کہ ہم دینی مدارس کی آزادی کو ختم نہیں کرینگے؟

جواب......میں نے کہا کہ یہ آرڈیننس ان کے اپنے دعوؤں کی نفی ہے، ان کے اپنے قول اور عمل میں تضاد ہے، ان کے کہنے اور کرنے میں فرق ہے، ان کے عملی اقدامات اس بات کی نفی کررہے ہیں کہ وہ دینی مدارس کی آزادی برقرار رکھیں گے، حکومت کے عملی اقدامات سے یہ بات واضح ہورہی ہے کہ وہ دینی مدارس کی آزادی اور خودمختاری کو ختم کرنا چاہتی ہے۔

سوال......حکومت کی طرف سے دینی مدارس پر اس وقت کس قسم کا دباؤ ہے؟

جواب......حکومت کی طرف سے تو یہی دباؤ ہے کہ ہم نے یہ جو قانون رجسٹریشن کا بنایا ہے اس کے مطابق آپ رجسٹریشن کرائیں اور اگر نہیں کراتے تو مدرسہ بند کردیا جائے گا، قید ہوگی، جرمانہ ہوگا لیکن الحمدللہ! پہلے بھی ہم نے دفاع کیا ہے اور آئندہ بھی دینی مدارس کی آزادی اور خودمختاری کا دفاع کریں گے۔ہم نے متفقہ طور پر تمام مکاتبِ فکر کے مدارس کے وفاقوں نے اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ کے پلیٹ فارم سے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہم دینی مدارس کی آزادی، جو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ دینی مدارس کی آزادی ہم اپنے مفادات کے لیے نہیں چاہتے، بلکہ یہ ہم اسلام کے لیے چاہتے ہیں، ملک کے لیے چاہتے ہیں، ہر قیمت پر ہم اس کا دفاع اور تحفظ کریں گے، اس کے لیے ہمیں جس طرح بھی قربانی دینا پڑی، دیں گے، لیکن ہم ان شاء اللہ! اس دباؤ کے نتیجے میں دینی مدارس کی آزادی کو ختم نہیں ہونے دیں گے۔

سوال......مولانا! آپ نے فرمایا: ''دباؤ قبول نہیں کریں گے'' تو یہ دباؤ کس حد تک

برداشت نہیں کریں گے؟

جواب...... جہاں تک اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہمت دی اور طاقت، ہم اس سلسلے میں پیچھے نہیں ہٹیں گے، لیکن ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہمارا اور حکومت کا ٹکراؤ ہو، ہم تصادم نہیں چاہتے، ہم افہام و تفہیم اور مذاکرات سے اس مسئلے کو حل کرنا چاہتے ہیں، ڈائیلاگ کے ذریعے اس مسئلہ کو حل کرنا چاہتے ہیں اور ان غیر دانشمندانہ اقدامات سے جو ملک وملت کے مفاد میں نہیں ہیں، جو دین کے مفاد میں نہیں ہیں ان اقدامات سے حکومت کو روک رہے ہیں سمجھا رہے ہیں اور اگر خدانخواستہ ہم اس میں کامیاب نہ ہوئے اور صورت یہ بنی کہ ہمیں اس میں مزاحمت کرنا پڑی تو ہم مزاحمت بھی کریں گے۔

سوال...... کیا اس سلسلے میں آپ نے کوئی لائحہ عمل تیار کیا ہے؟

جواب...... اس کا لائحہ عمل خود اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ تیار کرے گا اس کا اجلاس جب ہوگا، اب جو ہمارے حکومت سے مذاکرات ہوئے ہیں اس میں یہ بات طے ہوئی کہ ہم دو ہفتے بعد دوبارہ ملیں گے۔ چونکہ اس سے پہلے تو انہوں نے ہمیں اس آرڈیننس کا مسودہ اور متن نہیں دیا تھا، جبکہ اصولی طور پر حکومت کو چاہیے تھا کہ وہ اس آرڈیننس کو وفاقی کابینہ میں پیش کرنے سے پہلے ہمارے ساتھ اس پر مشاورت کرتے اور اگر وہ حوالہ نہیں کیا تھا تو پھر جب ہمارا اجلاس بلایا تھا اس اجلاس میں ہمیں یہ آرڈیننس دیا ہوتا تو اب طے یہ ہوا کہ اس پر ہم اپنی عاملہ کے اجلاسوں میں غور کریں گے اور اپنا ایک متفقہ اور قطعی موقف تیار کر کے اگلے مذاکرات میں حکومت کو دیں گے، تو اب آنے والے مذاکرات میں ہم اپنا مؤقف پیش کریں گے۔ ہم نے اس غرض کے لیے ملتان میں ۷ا جولائی کو وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مرکزی مجلس عاملہ کا اجلاس طلب کیا ہے اور اس کے علاوہ ہم نے ملک کے بڑے بڑے مہتممین اور سربراہان کو بھی بلایا ہے اور ہم نے ملک کی اہم شخصیات کو بھی اس میں دعوت دی ہے۔

اجلاس میں ہم اس آرڈیننس پر تفصیلی غور کریں گے اور آنے والے بدھ کو ہم ان شاء اللہ تعالیٰ! اپنا ایک مؤقف تیار کریں گے، اس کے بعد ان شاء اللہ! اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ پاکستان کا اجلاس ہوگا اور اس میں ہم اپنا ایک متفقہ مؤقف تیار کرنے کے بعد آئندہ مذاکرات میں حکومت کو پیش کریں گے پھر اس کے نتیجے میں ہم دیکھیں گے کہ ہمارا کیا لائحہ عمل ہوگا۔

سوال...... ماڈل دارالعلوم کا جو منصوبہ حکومت تیار کر رہی تھی، اس کا کیا ہوا؟ اس میں حکومت کو کہاں تک کامیابی ہوئی؟

جواب...... ماڈل دارالعلوم کے منصوبے کو اتحاد تنظیمات مدارس پاکستان نے یہ کہہ کر مسترد کر دیا تھا کہ یہ منصوبہ اصل میں ہمارے دینی مدارس کو ناکام کرنے کا ایک پروگرام ہے۔ اس کے باوجود ہم نے حکومت سے کہا کہ آپ جو ماڈل دینی مدارس بنا رہے ہیں وہ بنائیں، اس لیے کہ جب پرائیویٹ طور پر کوئی شخص بنائے تو اس کو نہیں روکا جا سکتا تو حکومت کو کون روک سکتا ہے۔ آپ بنائیں بسم اللہ کریں، قوم کے سامنے ایک چیز لائیں، اس سے خود ہی قوم کو اور ہمیں نتائج دیکھ کر اندازہ ہو جائے گا کہ ہمارا نظام بہتر ہے یا آپ کا لایا ہوا نظام بہتر ہے۔ اب تک تو حکومت اپنے دعوؤں کے باوجود اس کا آغاز نہیں کر سکی، ہم تو کہتے ہیں کہ وہ کرے اور قوم کے سامنے ایک چیز لائے۔

سوال...... شاید حکومت نے تین ماڈل دارالعلوم قائم کیے ہیں، سکھر، اسلام آباد اور کراچی میں؟

جواب...... نہیں، اب تک تو کوئی ماڈل مدرسہ قائم نہیں ہوا، ہاں البتہ یہ اعلان ہوا تھا کہ یکم محرم سے شروع ہوں گے، لیکن نہ ہو سکے تا حال اعلان ہے، آغاز عملی طور پر نہیں ہوا۔

سوال...... ایف بی آئی کے لوگ جو دینی مدارس پر چھاپے مار رہے ہیں اس کو آپ کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

جواب...... ہم تو اس کو پاکستان کی آزادی اور سالمیت کے خلاف سمجھتے ہیں اور اس کو پاکستان کے اندرونی معاملات میں غیر ملکی مداخلت تصور کرتے ہیں، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے ملک میں انتشار پیدا ہوگا، پاکستان عدم استحکام سے دوچار ہوگا، حکومت پاکستان کو چاہیے کہ وہ فوراً اس کو روکے اور اس کا سدباب کرے۔ حکومت نے ہم سے یہ طے بھی کیا تھا کہ اگر کسی بھی مدرسہ کے خلاف ان کو کوئی شکایت ہوگی تو حکومت متعلقہ وفاق سے پہلے رابطہ کرے گی اور اس کو اعتماد میں لے گی اور اگر کسی کارروائی کی ضرورت ہوئی تو خود حکومتی ادارے کارروائی کریں گے، کیا حکومتی ادارے ختم ہو گئے ہیں یا مفلوج ہو گئے ہیں؟ جب پاکستان کی ایجنسیاں اور فورسز موجود ہیں تو پھر یہ غیر ملکی مداخلت کیوں؟ یہ تو میں سمجھتا ہوں کہ قوم اور حکومت کو لڑانے کی ایک خوفناک سازش ہے۔

سوال...... کیا حکومت نے یہ کارروائی وفاق کو اعتماد میں لے کر نہیں کی؟

جواب...... نہیں، ہم نے اس پر احتجاج کیا بلکہ حکومت سے براہ راست مذاکرات میں بھی ہم نے اس پر زبردست احتجاج کیا اور حکومت کا جواب یہ تھا کہ یہ خبر غلط ہے، کہیں بھی ایف بی آئی نے چھاپے نہیں مارے، وہ اس کا انکار کرتے ہیں، اس کی تردید کرتے ہیں۔ ہم نے پھر یہ بھی مطالبہ کیا کہ اگر یہ بات ایسے ہی ہے تو پھر آپ اخبارات میں اس کی تردید کریں تو انہوں نے کہا

کہ ہم اس کی تردید دیتے ہیں مگر اخبارات اس کو نمایاں شائع نہیں کرتے۔ حکومت اس سے انکار کرتی ہے کہ ایف بی آئی والے چھاپے مار رہے ہیں، ان کا مؤقف یہ ہے کہ ہماری فورسز ہی چھاپے مار رہی ہیں، حکومت کا مؤقف یہ ہے کہ ایف بی آئی ہر ملک میں موجود ہے، پاکستان میں بھی موجود ہے آج سے نہیں شروع سے موجود ہے اور یہ ہوتا ہے کہ ایف بی آئی کے ایجنٹوں کی مختلف ممالک میں تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔

اس وقت ان کے بقول بارہ تیرہ آدمی ان کے یہاں پاکستان میں موجود ہیں اور وہ صرف ہمیں تعاون مہیا کرتے ہیں، ہمارے کہنے پر، وہ ایسے کہ کچھ جدید مشینری ان کے پاس موجود ہے جو ہمارے پاس نہیں ہے، مثال کے طور پر ۶ جولائی کے مذاکرات میں وزیر داخلہ نے یہ کہا کہ اب جتنے بھی موبائل فون ہیں ان کو تو ہم کنٹرول کر لیتے ہیں، ہمیں پتہ چل جاتا ہے کہ یہ موبائل فون کس کے پاس ہے، کون اس کو استعمال کر رہا ہے اس کی پوزیشن ہمیں پتہ چل جاتی ہے اور اس کو ریکارڈ بھی ہم کر لیتے ہیں، لیکن جو سیٹلائٹ ہے اس کو کنٹرول کرنے کا ہمارے پاس سسٹم نہیں ہے جبکہ ایف بی آئی کے پاس یہ سسٹم موجود ہے اور جو لوگ ایسی سرگرمیوں میں ملوث ہیں جو ملک کے خلاف ہیں تو سیٹلائٹ کے ذریعے ان کا پتہ چلا کر ایف بی آئی ہمیں اطلاعات مہیا کرتی ہے۔ یہ ان کا مؤقف ہے، جو آپ کو بیان کر رہا ہوں۔

اسی طرح ان کا کہنا یہ ہے کہ ای میل کو کنٹرول کرنے اور چیک کرنے کا ہمارے پاس سسٹم نہیں ہے جبکہ ایف بی آئی کے پاس یہ سسٹم بھی ہے تو اگر کوئی انٹرنیٹ کے ذریعے ای میل کے ذریعے کسی کو میسج دیتا ہے تو وہ اس کو کنٹرول کر کے ہمارے حوالے کر دیتے ہیں، لیکن جہاں اقدامات کی بات ہے کسی کی گرفتاری کی بات ہے اس میں وہ لوگ شامل نہیں ہیں۔ ہم نے ان سے کہا کہ اگر یہ بات ایسی ہے تو روزانہ اخبارات میں یہ خبریں کیوں آ رہی ہیں، اس پر آرٹیکل کیوں لکھے جا رہے ہیں، اس پر اداریے کیوں لکھے جا رہے ہیں؟ تو آپ اس کی واضح طور پر تردید کریں، ہم نے اس پر احتجاج کیا ہے۔

سوال...... اگر حکومت مدارس کے خلاف کوئی کارروائی کرتی ہے اور مدارس اس کی مزاحمت کرتے ہیں تو آپ کیا سمجھتے ہیں کہ عوام کتنا ساتھ دیں گے مدارس کا؟

جواب...... دیکھیں عوام کو تو ساتھ دینا چاہیے اس لیے کہ یہ عوامی ادارے ہیں جہاں یہ دینی مدارس ہیں وہاں یہ عوامی ادارے بھی ہیں، عوام کے بچے یہاں پڑھتے ہیں یہاں پر غریبوں کے بچے پڑھتے

ہیں اور اگر خدانخواستہ انہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو غریب کے بچے کے لیے تعلیم حاصل کرنے کے دروازے بند ہو جائیں گے وہ کہیں بھی نہیں پڑھ سکے گا تو یہ ادارے معاشرے نے، سوسائٹی نے قائم کیے ہیں، قومی امانت ہیں یہ ادارے، تو قوم کا فرض ہے کہ وہ ان کا تحفظ اور دفاع کریں۔

سوال...... مدارس پر چھاپوں سے ملکی استحکام خطرے میں نہیں پڑے گا؟

جواب...... ہاں بالکل! وہ اس لحاظ سے کہ جب ملک کی آزادی اور خودمختاری متاثر ہوگی تو اس ملک کا استحکام بھی متاثر ہوگا اور یہ بھی کہ پاکستان کے اپنے ادارے کسی کے خلاف کارروائی کرنے کی بجائے بیرونی لوگ آکر کارروائی کریں گے تو اس سے عوام میں اشتعال پیدا ہوگا اور جب عوام میں اشتعال پیدا ہوگا تو عوام کب تک برداشت کریں گے ہوسکتا ہے کہ کسی وقت عوام کی برداشت ان کے ہاتھ سے نکل جائے اور وہ پاکستان میں سڑکوں پر نکل آئیں اور وہ احتجاج کا راستہ اختیار کریں تو اس سے ملک کا استحکام شدید خطرے میں ہوگا۔

س...... کیا ایسے زبردست احتجاج کے امکانات ہیں کہ جس سے ملک کا استحکام خطرے میں پڑ جائے؟

جواب...... دیکھیں بات یہ ہے کہ اس طرح کے اسباب جب بڑھتے جاتے ہیں تو برداشت ایک حد تک ہوتی ہے اور جب ایک حد سے چیز بڑھتی ہے تو پھر حالات خود یہ رخ اختیار کر لیتے ہیں، ماضی میں ہم نے دیکھا کہ حالات نہیں تھے لیکن جب ایک لاوا پکا اور وہ پھٹا تو دیکھتے ہی دیکھتے پورا ملک اس کی لپیٹ میں آ گیا۔

سوال...... موجودہ جو بے یقینی کی صورتحال ہے اس میں آپ اہلِ مدارس کو کیا پیغام دیں گے؟

جواب...... میں تو اہلِ مدارس سے یہی درخواست کروں گا کہ وہ زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اور انابت الی اللہ، استغفار اور وہ معمولات جو ہمارے اکابر کے تھے حفاظت کے لیے ان کا اہتمام کریں۔ دوسرا یہ کہ وہ اپنے اندر اتحاد، اتفاق اور یکجہتی پیدا کریں۔ تیسرا یہ کہ وہ آنے والے حالات میں ہر قسم کی قربانی کے لیے خود بھی تیار ہوں اور قوم کو بھی تیار کریں اور رائے عامہ ہموار کریں اور دینی مدارس کے مثبت کردار سے عوام کو آگاہ کریں، دینی مدارس کی خدمات کو زیادہ سے زیادہ اجاگر کریں اور عصرِ حاضر کے تقاضوں کو خوب سمجھیں اور ان کے مقابلے کے لیے اپنی جگہ پر اپنے آپ کو تیار کریں۔

• • •

دینی مدارس ...... مثالی اور قابل تقلید درس گاہیں

(ربیع الثانی، ۱۴۲۶ھ)

محترم جناب راشد بخاری صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

گرامی نامہ باعث تشکر ہوا،

گرامی نامہ کے ساتھ سوالنامہ بھی ملا۔ احقر اپنی مصروفیات کے باعث زیادہ تفصیل کی بجائے اصولی نکات اور اجمال پر ہی اکتفاء کر سکے گا، تاہم اُمید ہے کہ آپ کے سوالوں کے بنیادی جوابات اس میں آ جائیں گے۔

سوال...... آپ کے نزدیک اسلامی نظام تعلیم سے کیا مراد ہے؟

جواب...... اسلامی نظامِ تعلیم کے دو مصداق ہیں:

(الف)...... یہ کہ اس کا نظام اور نصابِ تعلیم دونوں اسلامی تعلیمات کے مطابق ہوں یعنی اس کا نصاب علومِ اسلامیہ، قرآن وسنت اور فقہ اور اس کے معاون علوم پر مشتمل ہو اور نظریہ تعلیم بھی قرآن وسنت کی ہدایت کے مطابق ہو جس کا مقصد قرآن وسنت اور دیگر اسلامی علوم کی حفاظت اور مسلم معاشرہ کا ان سے تعلق قائم رکھنا، مساجد ومدارس کے نظام کو قائم رکھنا، اس کے لیے رجالِ کار فراہم کرنا اور یورپ کی تہذیبی ونظریاتی یلغار کا مقابلہ کرتے ہوئے اسلامی طرز معاشرت اور عقائد کی حفاظت کرنا۔

(ب) ایسا نظام تعلیم جس میں عصری علوم کی تعلیم دی جائے، عقائد اور اسلامی احکام کی تعلیم واجبی حد تک ہو، تاہم اس میں لادینی نظریات اور مغربی تہذیب کی تعلیم نہ دی گئی ہو۔ اسلام کے مسلمہ عقائد ونظریات اور احکام ومسائل کے خلاف کوئی بات نہ ہو۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اس نظام تعلیم میں نصابِ تعلیم اگرچہ اسلامی نہیں، لیکن اس نظامِ تعلیم کا مقصد کسی کو بے دین یا سیکولر

بنانا بھی نہیں، نہ ہی سازش کے طور پر اسلامی عقائد ونظریات کو نشانہ بنانا مقصود ہے۔ بیشتر مسلم ممالک کے سرکاری ادارے اسی طرح کے نظامِ تعلیم کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

سوال...... پاکستان کے طبقاتی نظامِ تعلیم میں مدارس کی علیحدہ حیثیت، اسلامی نظامِ تعلیم کی طرف پیش رفت میں معاون ہے یا رکاوٹ، یا مزید طبقات پیدا کر رہی ہے؟

جواب...... مدارس طبقاتی نظامِ تعلیم کے حق میں نہیں ہیں۔ قیامِ پاکستان سے قبل علی گڑھ کے نظامِ تعلیم اور دیو بند کے نظامِ تعلیم دو مختلف بلکہ متضاد مقاصد کے لیے وجود میں آئے۔ دونوں طبقات نے نیک نیتی کے ساتھ قوم کے سامنے اپنا پروگرام رکھا۔ علی گڑھ کی نظر مسلمانوں کی قومی زندگی اور دنیاوی ترقی پر تھی، دیو بند نے مسلمانوں کی دینی فلاح اور علوم قرآن وسنت کی حفاظت کی طرف توجہ کی، لیکن قیام پاکستان کے بعد علی گڑھ اور دیو بند کی تحریکوں کو ایک دوسرے کے قریب آنا چاہیے تھا جس کے لیے ابتدائی لائحہ عمل یہ ہے کہ میٹرک تک تعلیم ہر شہری کے لیے لازمی قرار دی جائے اور اس کے لیے ایک طرز کے تعلیمی ادارے ہوں جن میں کسی قسم کی طبقاتی ترجیحات نہ ہوں۔ میٹرک کے بعد تعلیم کو انجینئرنگ، میڈیکل، تاریخ، قانون اور علم دین وغیرہ میں تقسیم کر دیا جائے۔ حکومت جس طرح میڈیکل کالج کے سند یافتہ کو کوالیفائیڈ تسلیم کرتی ہے، اسی طرح دینی مدارس کے فضلاء کی حیثیت کو بھی تسلیم کرے۔

سوال...... ہمہ جہت اسلامی شخصیت کی تشکیل میں مدارس کیا کردار ادا کر رہے ہیں؟ اور آپ کیا محسوس کرتے ہیں کہ کن پہلوؤں سے مدارس کے نظامِ تعلیم میں بہتری کی ضرورت ہے؟

جواب...... مدارس کے وسائل محدود اور مسائل بے شمار ہیں، ہمہ جہت اسلامی شخصیت کی تیاری کے لیے قوم، مدارس اور حکومت کا اشتراک واخلاص ضروری ہے، لیکن یہاں صورتِ حال یہ ہے کہ حکومت سرے سے مدارس کے وجود ہی کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں، جب مدارس کو اپنی جان ہی کے لالے پڑے ہوں، تو جامع شخصیات کی تیاری کیوں کر ممکن ہو گی؟ تاہم ہمیں یہ تسلیم ہے کہ مدارس کے فضلاء کے لیے کسی بین الاقوامی زبان میں مہارت، معاصر فلسفہ ہائے حیات کا مطالعہ، ابلاغ عامہ کے جدید ذرائع سے واقفیت اور اسلام کی دعوت، ترجمانی اور دفاع کی صلاحیتوں کا حامل ہونا ضروری ہے۔ مدارس اس طرف توجہ کر رہے ہیں، ان شاء اللہ! مستقبل قریب میں بہتر نتائج کی توقع ہے۔

سوال...... مدارس میں اصلاحات کے لیے حکومت کے اقدامات کو آپ: ① ...... مدارس

کے ایک نمائندے کے طور پر اور ② ......ایک مسلمان عالم اور شہری کی حیثیت سے کس انداز میں دیکھتے ہیں؟ (رجسٹریشن/ امداد/ جدید مضامین کی شمولیت/ ماڈل مدارس/ مدرسہ بورڈ)

جواب......مدارس میں اصلاحات کے حکومتی اقدامات سے متعلق ہمارا تجربہ کافی تلخ ہے، حکومتوں کے اپنے ایجنڈے ہوتے ہیں: امداد، رجسٹریشن اور جدید مضامین وغیرہ اس ایجنڈے کی تکمیل کے مدارج و مراحل ہیں۔ اس سلسلہ میں ہم نے حکومتی نمائندوں کو اپنے تحفظات سے آگاہ کر دیا ہے، باقی فی نفسہ ہم رجسٹریشن اور عندالضرورت جدید مضامین کو شاملِ نصاب کرنے کے مخالف نہیں ہیں۔

سوال......کیا مدارس کی رجسٹریشن ضروری ہے؟ اگر ہے تو کیوں؟ اگر نہیں ہے تو کیوں؟

جواب......ہم مدارس کی رجسٹریشن کے حق میں ہیں۔ مدارس کی رجسٹریشن سوسائٹی ایکٹ ۱۸۳۵ء کے تحت ہونی چاہیے جیسے کہ اب تک ہوتی چلی آئی ہے۔ اسی طرح ملک کے پانچوں مسلّمہ وفاقوں سے الحاق کو بھی رجسٹریشن تصور کیا جانا چاہیے۔

سوال......حکومتی اصلاحات کے ایجنڈے پر مدارس کے تحفظات کیا ہیں؟ کیسے دور ہو سکتے ہیں؟

جواب......ہمیں سب سے زیادہ اندیشہ یہ ہے کہ حکومت مختلف طریقوں سے مدارس کی آزادی و خودمختاری کو سلب کرنا چاہتی ہے۔ اگر حکومت کے ذمہ دار حضرات وارباب ''وفاق'' کو یہ ضمانت دیں کہ حکومت مدارس کے تعلیمی و انتظامی معاملات میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کرے گی اور وہ خیر خواہی کے ساتھ مدارس سے تعاون کرنا چاہتی ہے تو ہم اپنے قواعد وضوابط کے مطابق اس پر غور کریں گے۔

سوال......ماڈل مدارس اور اس کے حوالے سے اب تک کے تجربات کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب......ماڈل مدارس اپنی ناکامی کا خود منہ بولتا ثبوت ہیں، ابھی تک ان کی کوئی کارکردگی سامنے نہیں آئی، آئندہ بھی یہی توقع ہے۔ دنیاوی تعلیم کے سرکاری اداروں کی کارکردگی قوم کے سامنے ہے۔ دنیا پرائیویٹ تعلیمی اداروں کو ترجیح دیتی ہے، جو حکومت عصری تعلیمی اداروں کے معیار کو بلند نہیں کر سکی وہ ماڈل مدارس کیا قائم کرے گی؟

سوال......مدارس کے فارغ التحصیل طلبہ کا مستقبل؟ امام/ خطیب/ مفتی یا کچھ اور بھی؟

جواب......مدارس کے فضلاء کا فراغت کے بعد امام، خطیب، مفتی یا مدرس ہونا کچھ کم اعزاز

نہیں کہ اسے سوالیہ نشان بنایا جائے۔قوم وملت کی دینی رہنمائی کے لیے ان مناصب کے لیے افراد کی تیاری شرعاً اور عقلاً ضروری ہے۔حکومت کی مدارس اور مساجد کے بارے میں جو پالیسی ہے وہ سب پر عیاں ہے۔اس حال میں اگر ائمہ وخطباء اور مدرسین ومبلغین کی فراہمی بھی بند ہو جائے تو مساجد ومدارس کو کون آباد کرے گا؟

سوال......کیا موجودہ مدارس کا ڈھانچہ نو آبادیاتی دور کی وراثت ہے اور محض ردِ عمل اور تحفظات کی پالیسی پر گامزن ہے، جیسا کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے؟

جواب......مسلمانوں میں درس وتدریس کا سلسلہ دورِ نبوت سے جاری ہے، برصغیر میں انگریزوں کی آمد اور تسلط کے بعد علمائے کرام نے محسوس کیا کہ انفرادی سطح اور مسلم ریاستوں کے وظائف پر چلنے والے مدارس کی بجائے اجتماعی اور عوامی تعاون سے ایسے تعلیمی اداروں کی ضرورت ہے جو نہ صرف دینی علوم بلکہ مسلمانوں کی تہذیب ومعاشرہ کی حفاظت بھی کریں۔گویا مدارس دینیہ فی الحقیقت حفاظت دین کی ایک تحریک ہیں، انہیں محض نو آبادیاتی دور کی وراثت کہنا صحیح نہیں۔

سوال......اس سے قطع نظر کہ دوسرے خصوصاً مغرب والے ہم سے اور ہمارے نظام تعلیم سے کیا چاہتے ہیں؟ کیا ہم نے سوچا ہے کہ خود ہم اپنے نظامِ تعلیم اور خود سے کیا چاہتے ہیں؟ اور اپنے کردار کو مؤثر بنانے کے لیے ہم کیا کر رہے ہیں؟

جواب......دینی مدارس کے نظام تعلیم میں اصلاح وترمیم سے اہلِ مدارس نے کبھی صرف نظر نہیں کیا، ضرورت کے مطابق اس میں اصلاحات ہوتی رہتی ہیں۔تاہم یہ حقیقت قابل تسلیم ہے کہ ہمارے فضلاء دوسرے ادیان ومذاہب اور معاصر فلسفہ ہائے حیات کے تقابلی مطالعہ میں کمزور ہیں۔اسی طرح موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق ایک عالم دین میں اتنی لیاقت وصلاحیت ہونی چاہیے کہ وہ اپنے مافی الضمیر کو بین الاقوامی زبانوں عربی/انگلش میں ادا کر سکے یا کم از کم سمجھ سکے۔

سوال......خواتین کی تعلیم کے فروغ کے لیے مدارس نے کیا اقدامات کیے ہیں اور مدارس البنات میں خواتین کو کیا تعلیم دی جارہی ہے؟ اور وہ معاشرے اور گھر میں ان کے کردار کی ادائیگی کے لیے کس طرح معاون ہے؟

جواب......مدارس البنات میں مکمل درسِ نظامی بنین کے مقابلہ میں قدرے اختصار کے ساتھ پڑھایا جارہا ہے۔اس کی ترقی ومقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ گزشتہ سال

وفاق المدارس العربیہ کے عالمیہ کے امتحان میں طالبات کی تعداد طلبہ کے مقابلہ میں تقریباً ڈیڑھ گنا تھی۔ احکامِ شریعت سے پوری طرح باخبر ہونے کی وجہ سے بچیاں گھر اور معاشرے میں ایک مسلمان عورت کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریاں باحسن طریقے سے پوری کر رہی ہیں۔

سوال...... گزشتہ دنوں آپ کو ناروے/ امریکہ وغیرہ کا دورہ کرنے کا موقع ملا۔ وہاں پر آپ کی مصروفیات کی نوعیت کیا رہیں؟

• ...... آپ کے خیال میں وہاں کے لوگوں کی خاص طور پر دلچسپی کیا ہے؟ اور ان کے تحفظات کیا ہیں؟

• ...... وہ اس کے لیے کیا اقدامات کر رہے ہیں؟ اور ان اقدامات کے کیا نتائج نکلیں گے؟

جواب...... ناروے کا دورہ، گورنمنٹ آف ناروے کی دعوت پر تھا جس میں تمام مکاتب فکر کے علمائے کرام شامل تھے اور بنیادی مقصد مدارس کے بارے میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کا ازالہ تھا۔ اس کے ساتھ دوسرے مذاہب کے ساتھ ڈائیلاگ اور اسلام کا صحیح تعارف پیش کرنا تھا۔ امریکہ کے دورے کے مقاصد بھی یہی تھے، البتہ اس دورے میں طبقۂ علماء کی نمائندگی میں نے کی تھی۔ دونوں ممالک میں مختلف یونیورسٹیوں، کالجز اور مختلف مذاہب کی عبادت گاہوں میں خطاب اور علماء سے ملاقات اور تبادلہ خیالات میں زیادہ وقت صرف ہوا۔ اس کے علاوہ پاکستانی کمیونٹی کے مختلف طبقات سے ملاقات ہوئی۔

• ...... وہاں کے عوام، اسلام کے بارے میں جاننے کے خواہش مند ہیں، البتہ پروپیگنڈے کا شکار ہونے کی وجہ سے اسلام کی نشاۃ ثانیہ سے خائف ہیں۔

• ...... وہ اسلام کی اُن تمام اقدار کو اپنے اندر رائج ہونے نہیں دیتے جو ان کی روایات اور معاشرت سے اعلیٰ وارفع ہیں اور تقابل کی صورت میں مغربی معاشرت کی شکست لازمی ہے۔

سوال...... مدارس کی تعداد/ اعداد و شمار کیا ہیں؟

جواب...... پاکستان میں اس وقت مدارس دینیہ کی تعداد ساڑھے تیرہ ہزار ہے، جن میں ۱۲ لاکھ سے زائد طلبہ وطالبات تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور تقریباً ۵۳ ہزار اساتذہ ومعلّمات تعلیمی فرائض انجام دے رہے ہیں۔

سوال...... آغا خان بورڈ اور پاکستان کا نظامِ تعلیم، حکومتی اقدامات؟

جواب...... ہم آغا خان بورڈ کے قیام کو پاکستان میں نظام تعلیم بالخصوص اسلامی تشخص کے

لیے نہایت مضر اور سازش سمجھتے ہیں، اس کی مدافعت ہر ذی شعور پاکستانی پر لازم ہے، کیوں کہ اسلامی نقطۂ نظر سے لکھنے پڑھنے اور تعلیم یافتہ ہونے میں فرق ہے۔ مغرب ہمیں لکھنا پڑھنا تو سکھانا چاہتا ہے، لیکن تعلیم یافتہ نہیں دیکھنا چاہتا۔

سوال...... اتحاد تنظیمات مدارسِ دینیہ کا کردار؟

جواب...... ''اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ'' مختلف مکاتب فکر کے مدارس کا مشترکہ فورم ہے جس نے گزشتہ سالوں میں مدارس کے تحفظ و استقلال کے لیے قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں۔ اتحاد کی بدولت ہمیں بہت سے مسائل میں کامیابی حاصل ہوئی، ان شاء اللہ! یہ اتحاد آئندہ بھی اپنا کردار ادا کرتا رہے گا۔

سوال...... آئی پی ایس کے سیمینارز میں مدارس کے نمائندوں کی طرف سے بہت سی تجاویز سامنے آئیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

براہِ کرم ان پر اپنی رائے دیجیے۔

● ...... قومی سطح پر مدارس کی نمائندگی کے لیے ایک ایسے وسیع البنیاد ادارے کا قیام جو تمام مسالک و مدارس کی نمائندگی کرے اور مدارس کے وفاقوں کے لیے بھی ایک نگران سنڈیکٹ کے فرائض انجام دے۔

● ...... مجمع الفقہ، نصاب بورڈ (متفقہ جامع نصاب کو متعارف کروانا) تمام مدارس میں امہات الکتب کی تدریس۔

● ...... نصاب پر باقاعدہ نظر ثانی ہر پانچ سال بعد ہونی چاہیے۔

● ...... مدارس میں فنی تعلیم (مدارس میں انتظام/ دیگر پیشہ وارانہ اداروں کے ساتھ الحاق وغیرہ ہونا چاہیے)

● ...... تخصص، اجتہاد اور تحقیق کے لیے ادارتی تشکیلات (تحقیق وتصنیف اور دارالافتاء) کے لیے موجودہ نظام کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔

● ...... ایک دینی جرائد کونسل قائم کر کے اس کی جانب سے ایک معیاری سہ ماہی مجلّے کا اجراء جو مسلکی تفریق سے بالاتر ہو کر مختلف ملکی اور عالمی مسائل پر بحیثیت مجموعی مدارسِ دینیہ کے نقطۂ نظر کی وضاحت کرے۔

جواب...... قومی سطح پر مدارس کی نمائندگی کے لیے ایک وسیع البنیاد ادارے کے قیام کی تجویز

معقول ہے، اس سلسلہ میں ''وفاق المدارس العربیہ پاکستان'' مفوضہ خدمت انجام دینے کے لیے حاضر ہے۔

● ......متفقہ جامع نصاب کی ترویج مشکل ہے، امہات الکتب میں اختلاف ہے، ممکن ہے ایک مسلک کے نزدیک جو کتاب ''ام الکتاب'' کا درجہ رکھتی ہو، دوسرے کے نزدیک نہ ہو، اس لیے اپنے مسلک کے مطابق مرتب نصاب پڑھانا ہی مناسب ہے۔ البتہ مشترکہ مقاصد کے لیے یک آواز ہونا ضروری ہے۔

● ...... ہر پانچ سال بعد نصاب پر باقاعدہ نظر ثانی کی تجویز درست ہے۔

● ......مدارس کے بھاری بھرکم نصاب کے ساتھ مزید کسی فنی تعلیم کی گنجائش نہیں۔ دینی مدارس کا اصل مقصد معاشرہ میں مسجد و مدرسہ کے ادارہ کو قائم رکھنا اور جالِ کار فراہم کرتے رہنا ہے جو کہیں اور سے فراہم نہیں ہو سکتے، فنی اور پیشہ ورانہ تعلیم کی صورت میں یہ مقصد متاثر و مجروح ہوگا۔

● ......تحقیق وتصنیف اور تخصصات کے لیے مدارس کا اپنا نظام موجود ہے، موجودہ عالمی تناظر میں اس کے نصاب میں مشاورت کے ساتھ تبدیلی کی جا سکتی ہے۔

● ......دینی جرائد کونسل کے قیام اور اس کی طرف سے معیاری سہ ماہی مجلّہ کے اجراء کی تجویز بہت مثبت ہے، میری رائے میں اگر ممکن ہو تو سہ ماہی کی بجائے یہ مجلّہ ہر ماہ شائع ہونا چاہیے۔

• • •

دینی مدارس کا نصاب اور عصری تقاضے

(ایک حقیقت پسندانہ جائزہ)

(رجب،۱۴۲۶ھ)

حضرت ناظم اعلیٰ وفاق نے دینی مدارس کے موضوع پر ایک تفصیلی انٹرویو روزنامہ ''جناح'' اسلام آباد کے سعید نوابی کو دیا، جو اس کے ادارتی صفحے پر قسط وار شائع ہوا، یہ فکر انگیز انٹرویو قارئین وفاق المدارس کی نذر ہے۔

مدارس دینیہ میں آسمانی علوم کی تعلیم کے ساتھ ساتھ وقت کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے عصری علوم کی تعلیم کا ایک معقول انتظام کیا جاتا ہے، چونکہ مدارس کا اصل مقصد ایسے افراد تیار کرنا ہے جو دینی علوم میں مہارت رکھتے ہوں، اس لیے اس مقصد کے حصول کے لیے زیادہ زور دینی علوم پر ہی دیا جاتا ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ دینی مدارس میں مکمل عصری علوم کیوں نہیں پڑھائے جاتے؟ مدارس میں سائنس کی تعلیم کیوں نہیں دی جاتی؟ یہ بڑا اہم اور بنیادی سوال ہے، تقریباً تمام دانشور، صحافی اور صاحب اقتدار لوگ یہ سوال پوچھتے ہیں بلکہ نہ صرف یہ سوال پوچھتے ہیں، اس کے ساتھ مثالیں بھی دی جاتی ہیں کہ فلاں فلاں حضرات، مدارس سے نکلے مگر وہ سائنس دان، انجینئر اور طبیب بھی تھے۔

پہلی بات کا جواب تو یہ ہے کہ آج تخصیص کا دور ہے، ہر تعلیمی ادارہ اپنے اہداف اور مقاصد کو سامنے رکھ کر نصاب مرتب کرتا ہے اور یہ بات ہر صاحب علم اور صاحب عقل کی سمجھ میں آسانی سے آجاتی ہے۔ آج تک کسی نے نہیں کہا کہ کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج سے نکلنے والا ڈاکٹر عالم کیوں نہیں ہے؟ زرعی یونیورسٹی سے نکلنے والا ایٹم بم بنانے کا اہل کیوں نہیں ہے؟ غلام اسحاق خان انسٹی ٹیوٹ سے فارغ ہونے والا طالب علم ڈاکٹر کیوں نہیں، یہ انتہائی واضح اور آسانی سے سمجھ میں آجانے والی بات ہے کہ آج کے دور میں ایک آدمی بمشکل کسی ایک فیلڈ میں ہی ماہر ہوسکتا ہے، مگر جب بات ہوتی ہے مدارس کی، تو نہ جانے باشعور اور جہاں دیدہ قسم کے لوگ بھی

جذبات کی رو میں کیوں بہہ جاتے ہیں اور ایک اعتراض کی شکل میں پورے شدومد کے ساتھ یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ آج مدارس سے ڈاکٹر، انجینئر اور سائنس دان کیوں نہیں پیدا ہو رہے؟ اور گویا کہ مدارس صرف دینی تعلیم دے کر کسی جرم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

میں دنیاوی اداروں میں اعلیٰ تعلیم کی بات نہیں کر رہا، کیونکہ وہاں تو اپنی اپنی فیلڈ کی تعلیم دینا بالکل واضح ہے، میں پاکستان کے پرائمری، مڈل اور ہائی اسکولوں کی بات کرتا ہوں، کیا ان اسکولوں میں پڑھنے والے مسلمان بچوں کو دنیاوی تعلیم کے ساتھ اس قدر دینی تعلیم بھی دی جارہی ہے جو ان کی دینی ضروریات کو پورا کر رہی ہو؟ آپ خود اس بات کا مشاہدہ کرلیں کہ ایک بچہ جسے انگریزی میں ہفتے کے دنوں کے نام، سال کے مہینوں کے نام اور مختلف پرندوں اور جانوروں کے نام اور زبانی انگریزی نظمیں یاد کروائی گئی ہیں، کیا اس بچے کو پانچ کلمے، نماز کے فرائض اور وضو کے فرائض بھی یاد ہیں؟ کیا اسکول میں اسے نورانی قاعدہ پڑھانے کا انتظام کیا گیا ہے؟ کیا اس کے نصاب میں یہ شامل ہے کہ دائیں ہاتھ سے کھانا اور مسواک کرنا سنت ہے؟ آپ تمام سرکاری اور اکثر پرائیویٹ عصری تعلیمی اداروں کا نصاب دیکھ لیں، آپ کو خود معلوم ہو جائے گا کہ ہمارے اسلامی ملک میں ہمارے مسلمان بچوں کے ساتھ کیا ظلم ہو رہا ہے، انہیں اچھا مسلمان بنانے کے لیے نصاب میں کس قدر اہتمام کیا گیا ہے؟ پاکستان کے تمام ہائی اسکولوں میں آرٹس اور سائنس کے علیحدہ علیحدہ گروپس اپنی اپنی دلچسپی کے مطابق طلباء گروپ کا انتخاب کرتے ہیں اور یہ سہولت انہیں نظام تعلیم میں مہیا کی گئی ہے، اب وہ طالب علم صرف عصری علوم پڑھ رہا ہے اور اس کے پاس زیادہ وقت ہے، اسے کیوں نہیں مجبور کیا جاتا کہ وہ سائنس پڑھے، ایف ایس سی میں اور زیادہ گروپس ہیں۔ یعنی آرٹس، پری میڈیکل اور پری انجینئرنگ۔ اب جس طالب علم نے پری میڈیکل لیا ہے اسے کوئی طعنہ نہیں دیتا کہ تم ریاضی کیوں نہیں پڑھتے۔ کالج والوں کو اور وزارت تعلیم کو بھی کوئی نہیں کہتا کہ اس طالب علم کو بیالوجی، فزکس اور کیمسٹری کے ساتھ ریاضی بھی پڑھائی جائے۔ کہتے ہیں: اس نے ڈاکٹر بننا ہے اسے مزید ریاضی پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ اس طرح پری انجینئرنگ کے بارے میں کہا جاتا ہے: چونکہ اس نے انجینئرنگ میں جانا ہے اس لیے اس کو بیالوجی مزید پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ میں نے ذرا وضاحت کے ساتھ یہ بات اس لیے کی کہ مدارس کو سائنس یا مکمل عصری علوم دینے کا مشورہ دینے والے حقائق کو سمجھیں اور ایک ہی وقت میں مختلف قسم کے طرز عمل کا مظاہرہ نہ کریں۔ اس ضمن میں جو دوسری بات کہی جاتی ہے کہ فلاں

فلاں مدرسہ سے فارغ ہوا اور وہ مکمل عالم ہونے کے ساتھ انجینئر، سائنس دان یا طبیب بھی تھا۔

میرے خیال میں اس سلسلے میں مزید تحقیق کی ضرورت ہے میرے علم کے مطابق ان اشخاص کے نام اس حوالے سے لیے جاتے ہیں کہ وہ مکمل علماء نہ تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے آپ بتائیں جو مکمل دینی علم رکھنے کے ساتھ ساتھ انجینئر، طبیب یا سائنس دان بھی ہوں۔ صفہ میں پڑھنے والے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے اپنا مکمل وقت دینی علوم سیکھنے میں لگایا، ان کی شہرت صرف دینی علم کے ماہر ہونے کی حیثیت سے ہی ہے۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو دینی علم کے ماہر تھے، ان کا طبیب، انجینئر یا سائنس دان ہونا کہیں سے ثابت نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد ائمۂ اربعہ کی شہرت بھی دینی علوم کے حوالے سے ہے، نہ کہ ڈاکٹر یا سائنس دان کے حوالے سے۔ امام بخاری رحمہ اللہ، حافظ بن حجر رحمہ اللہ، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور اسی طرح دیگر بڑے بڑے علماء کی شہرت بھی دینی علوم میں مہارت کی بناء پر ہے۔ ہمارے نزدیک کے دور میں یعنی گزشتہ ایک سو سال میں کتنے علماء دنیا میں موجود تھے جو پختہ عالم ہونے کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر، انجینئر یا سائنس دان بھی تھے۔

ہمارے ایک دوست تبلیغی جماعت کے ساتھ گئے، گشت کے دوران ان کی ملاقات ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ انیس (۱۹) گریڈ کے افسر سے ہوئی، افسر صاحب کو یہ بات ناگوار گزری کہ انہیں دین کی دعوت کیوں دی جا رہی ہے، انہوں نے قدرے غصے میں ہمارے دوست سے کہا: تم جانتے ہو میں مسلمان ہوں اور مجھے سب معلوم ہے۔ جاؤ ہندوستان جا کر کسی ہندو کو تبلیغ کرو۔ ہمارا دوست بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ تھا اور ایک بڑے عہدے پر فائز تھا۔ اس نے بڑے پیار محبت سے ان صاحب کو سمجھانے کی کوشش کی کہ ہم مسلمان اور خاص کر ہماری نوجوان نسل دین سے بہت دور ہے۔ ۹۵ فیصد مسلمان فرض نماز نہیں پڑھتے، لوگوں کی ایک بڑی تعداد ہے جس پر زکوٰۃ فرض ہے مگر وہ زکوٰۃ نہیں دیتے، کتنے لوگ ہیں جو بلا وجہ روزے نہیں رکھتے، کتنے ہیں جو حج کی استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتے، کتنے ہیں جنہیں قرآن صحیح تلفظ کے ساتھ پڑھنا نہیں آتا، اسی طرح انتہائی اہم اور بنیادی باتیں ہمیں معلوم نہیں۔ ان صاحب کو ہمارے دوست کی ان باتوں سے اتفاق نہیں تھا، کہنے لگے: ٹھیک ہے لوگ عمل نہیں کرتے، مگر معلوم سب کو ہے، ہر کوئی

دین کے بارے میں علم رکھتا ہے۔

ہمارے دوست نے کہا: بات صرف علم کی نہیں، بلکہ ہمارے پاس تو موٹا موٹا دین کا علم بھی نہیں ہے۔ اگر آپ کو یقین نہیں تو آپ تھوڑی دیر کے لیے میرے ساتھ نیچے سڑک تک چلیں آپ کو خود ہی معلوم ہو جائے گا، دین کے حوالے سے حقیقی صورت حال کیا ہے؟ وہ صاحب کہنے لگے: چلئے سڑک تک چلتے ہیں، مگر آپ مجھے دکھانا کیا چاہتے ہیں؟ ہمارے دوست نے کہا کہ آپ آئیں اور خاموشی سے میرے پاس کھڑے ہو کر اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور کانوں سے سنیں۔ سڑک پر پہنچ کر ہمارے دوست نے قریب سے گزرنے والے کالج کے دو طلباء کو بلایا، ان طلباء کی عمریں تقریباً بیس سال تھیں۔ ہمارے دوست نے ان سے تعارف کیا اور پوچھا: آپ مجھے غسل کے فرائض بتائیں گے؟ یہ سن کر دونوں طالب علم پریشان ہو گئے اور خاموشی سے سر نیچے جھکا لیا۔ اس کے بعد ۲۹ افراد سے یہی سوال پوچھا گیا جن کی عمریں بیس سال سے لے کر پینتالیس سال تک تھیں۔ سوائے دو نوجوانوں کے کوئی بھی غسل کے فرائض نہ بتا سکا۔ یقیناً ان میں کئی شادی شدہ لوگ بھی ہوں گے اور ان میں سے کئی لوگوں کے بچے بھی ہوں گے۔ وہ صاحب یہ سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

یہ سوال کسی دیہات میں ان پڑھ لوگوں سے نہیں پوچھا گیا تھا، بلکہ ایک بڑے شہر کے ایک پوش علاقے میں تعلیم یافتہ لوگوں کی دین کے حوالے سے یہ معلومات تھیں۔ ان صاحب نے انتہائی عاجزی سے ہمارے دوست کا ہاتھ پکڑا اور بڑے ادب سے کہنے لگے: بھائی! مجھے معلوم ہو گیا، میں شرمندہ ہوں اور معذرت خواہ ہوں۔ آپ میرے ساتھ میرے دفتر چل کر عملے کے لوگوں کو تبلیغ کریں اور پھر ہم کھانا اکٹھے کھائیں گے۔

میرا عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ کسی کی بھی توجہ اس طرف نہیں ہے۔ ہمارے اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹی کے نصاب میں اس حوالے سے مجرمانہ غفلت برتی جا رہی ہے ایک آدمی اپنے والد کے جنازے میں کھڑا ہوتا ہے مگر اسے معلوم نہیں کہ اس نے پڑھنا کیا ہے۔ اس لیے کہ اس نے جو تعلیم حاصل کی ہے اس میں اس کا کہیں ذکر ہی نہیں۔ اکثر اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ جنازے میں کھڑے آنکھیں گھما گھما کر اپنے دائیں بائیں دیکھتے ہیں کہ کب کیا کرنا ہے۔ یہی حال عید کے موقع پر ہوتا ہے۔ اخلاقیات کے حوالے سے بھی عصری تعلیمی اداروں کے نصاب میں کوئی خاص کتابیں شامل نہیں کی گئیں۔ اسی طرح اپنے ماضی سے روشناس کرانے کے لیے اسلامیات

کی کتابوں میں تاریخِ اسلام کا بہت تھوڑا حصہ شامل ہے۔

میں تاریخِ اسلام کے مضمون کی بات نہیں کر رہا، اس لیے کہ وہ تو سارے طلباء نہیں پڑھتے، میں اسلامیات اختیاری اور خصوصاً اسلامیات لازمی کی بات کر رہا ہوں جو آرٹس اور سائنس کے سارے طلباء پڑھتے ہیں۔ اس میں اسلامی تاریخ کا اگر مختصر سا حصہ شامل بھی کیا گیا ہے تو اس میں اس بات کا بالکل اہتمام نہیں کیا گیا کہ وہ حصہ، تاریخ کی مستند کتابوں سے ہو بلکہ بعض درسی کتابوں میں تو اسلامی تاریخ کے ایسے ایسے واقعات شامل کیے گئے ہیں جو بالکل غلط ہیں اور کسی بھی مستند رائٹر کی لکھی ہوئی کتاب میں ان کا ذکر تک موجود نہیں۔

لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم سب مل کر عصری تعلیمی اداروں میں پڑھائے جانے والے نصاب کی اصلاح کریں اور اس میں اس قدر دینی مضامین شامل کیے جائیں جن سے طلباء کو زیادہ نہیں تو کم از کم دین کے حوالے سے بالکل بنیادی باتوں کا تو علم ہو جائے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ بچے ڈاکٹر، انجینئر یا سائنس دان بننے کے ساتھ مکمل دینی علوم بھی حاصل کریں، ہم تو یہ کہتے ہیں کہ جتنا دنیاوی علم ایک مدرسے سے فارغ ہونے والے طالب علم کے پاس ہوتا ہے کم از کم اتنا دینی علم ایک میڈیکل کالج، انجینئرنگ یا کسی یونیورسٹی سے ایم اے، ایم ایس سی کر کے نکلنے والے طالب علم کو بھی ہو۔ مدارس میں ہم تمام طلباء کو میٹرک تک مکمل عصری علوم پڑھاتے ہیں، میٹرک کے بعد طالب علم نے چونکہ دینی علوم میں تخصص کرنا ہوتا ہے اس لیے میٹرک کے بعد اسے دینی علوم ہی پڑھائے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ایک طالب علم نے اگر مدرسے میں داخلہ لے لیا ہے تو اس کا مقصد ڈاکٹر انجینئر نہیں، بلکہ عالم بننا ہے۔

جہاں تک بات ہے معاشرے میں مدارس کے کردار کی، تو یہ بات بڑے اعتماد سے کہی جا سکتی ہے کہ الحمد للہ! مدارس اپنی ذمہ داری احسن طریقے سے پوری کر رہے ہیں۔ آپ کی دینی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مدارس نے انتہائی ناگفتہ بہ حالات میں اپنی مدد آپ کے تحت بہت بڑا کام کیا ہے۔ آپ کو ہر گاؤں، ہر محلے میں حفاظ ملتے ہیں۔ آپ کے نکاح اور جنازے پڑھانے کے لیے ہر جگہ علماء موجود ہیں۔ آپ کا کوئی شرعی مسئلہ ہو، علماء بلا معاوضہ تحقیق کر کے آپ کو بتاتے ہیں۔ آپ اپنے بچوں کو حفظ کروانا چاہیں، آپ کے شہر میں کتنے مدارس ہوں گے جو بلا معاوضہ آپ کے بچے کو حفظ کروائیں گے۔ آپ اپنے بچے کو عالم بنانا چاہتے ہیں بغیر کسی فیس کے آپ کا بچہ عالم بن جاتا ہے۔ یہ مدارس ہی ہیں جن کی بدولت آپ کی مساجد سے پانچ

وقت تکبیر کی صدائیں بلند ہوتی ہیں، مصلیٰ پر کھڑا ہونے والا بھی کسی مدرسے سے ہی نکلا ہے۔
غرض جو ذمہ داری امت نے علماء پر ڈالی تھی، یا جن مقاصد کے لیے مدارس قائم کیے گئے تھے مدارس نے حتی المقدور اس ذمہ داری کو نبھایا ہے۔ اب اگر اچھے ڈاکٹر پیدا نہیں ہو رہے، اچھے افسران نہیں مل رہے، ماہر انجینئرز کی قلت ہے تو پوچھا جائے ان ذمہ داروں سے جن کے ذمہ یہ کام لگایا گیا تھا کہ وہ اپنے مقاصد میں کیوں ناکام ہیں؟ ان اداروں سے نکلنے والے افراد، فراڈ اور کرپشن میں کیوں ملوث ہیں؟ وہ اپنا کام دیانت داری سے کیوں نہیں کرتے؟ حالانکہ حکومت ان اداروں کے ساتھ ہر طرح کا تعاون کرتی ہے، ان کی تعمیر حکومت کرواتی ہے، ان کے اساتذہ کو تنخواہیں دیتی ہے، ان میں پڑھنے والے طلباء کو حکومت کی طرف سے اس کالرشپ ملتے ہیں۔ غرض وہ کون سی سہولت ہے جو حکومت انہیں مہیا نہیں کرتی۔
آج ہر طرف کرپشن کا شور ہے، عدالتوں سے انصاف نہیں ملتا، تھانوں میں رشوت کے بغیر ایف آئی آر تک درج نہیں ہوتی، کچہریوں میں انصاف کے متلاشی عوام کو لوٹا جاتا ہے، سڑکیں اور پل غیر معیاری بنائے جاتے ہیں، پرائیویٹ اسکول میں تعلیم ایک بڑا کاروبار بن گئی ہے، ہسپتالوں میں اچھا علاج نہیں ہوتا، دفاتر میں لوگ کام نہیں کرتے، سیاست دان بڑے بڑے گھپلے کرتے ہیں۔ غرض وہ کون سا شعبہ ہے جو ٹھیک چل رہا ہے، جہاں کرپشن نہیں، جہاں غریب عوام کے دکھوں کا مداوا ہوتا ہے، جہاں حق دار کو آسانی سے حق مل جاتا ہے، جہاں مسائل حل ہوتے ہیں، جہاں مشنری جذبہ سے لوگ کام کرتے ہیں، جہاں سفارش نہیں چلتی، جہاں فراڈ نہیں ہوتا، کوئی ایک شعبہ، کوئی ایک محکمہ، کوئی ایک وزارت، کیا کوئی مجھے بتلا سکتا ہے؟ ناممکن ہے! ہاں! سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان محکموں میں، ان عدالتوں، کچہریوں اور تھانوں میں، ان دفاتر اور اسکولوں میں کون لوگ کام کرتے ہیں/وہ کہاں کے تعلیم یافتہ ہیں؟ ان کی تربیت کن اداروں میں ہوئی؟ انہوں نے کون سا نصاب پڑھا؟
آپ کہیں گے میں جذباتی ہو گیا ہوں، نہیں، بالکل نہیں، میں بڑے ٹھنڈے دل و دماغ سے بات کر رہا ہوں۔ آپ حقائق کو دیکھیں، آپ کے سامنے نیب کی فہرست پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ اس ملک کو لوٹنے والے، کرپشن کرنے والے، رشوتیں لینے والے، اس پاک دھرتی کی جڑیں کھوکھلی کرنے والے، اس وطن عزیز کو دنیا کی قوموں کے سامنے بدنام کرنے والے، عوام کو بھیڑ بکریوں کی طرح ہانکنے والے وہی لوگ ہیں جنہوں نے مغربی نظام کو گلے لگایا، جنہوں نے

اسلامی تعلیمات سے منہ موڑا، جنہوں نے اپنی ثقافت، اپنی روایات، اپنی اقدار کو ٹھوکر ماری۔ ہاں! احساس کمتری کا شکار یہی وہ لوگ ہیں جو قرآن حدیث کے علم کو وقت کے تقاضوں سے ہم آہنگ قرار نہ دے کر اس کا حصول وقت کا ضیاع سمجھتے ہیں۔

آپ کہیں گے: علماء کو دینی مدارس سے پڑھ کر نکلنے والوں کو ان محکموں میں، ان دنیاوی اداروں میں کام کرنے کا موقع ہی نہیں ملا و گرنہ وہ بھی اسی طرح کرپشن میں مبتلا ہوتے۔ یہ بات درست نہیں، علماء بہت عرصہ سے پاکستان کی سیاست میں کسی نہ کسی طرح اپنا کردار ادا کر رہے ہیں، مگر کیا آپ کسی ایک عالم پر کسی طرح کی کوئی کرپشن ثابت کر سکتے ہیں؟ آج تو علماء کی اور دینی جماعتوں سے تعلق رکھنے والے لوگوں کی ایک بڑی تعداد اسمبلیوں میں ہے، مگر آج یا اس سے پہلے نیب کی پوری فہرست میں کسی عالم کا نام ہے؟ کوئی بوریہ نشین کسی طرح کی کرپشن میں ملوث ہے؟ میں دینی مدارس کے نمائندے کی حیثیت سے الحمد للہ! پوری ذمہ داری سے کہتا ہوں: آج بھی آپ ایک عالم مجھے ایسا نہیں بتلا سکتے جس پر کرپشن ثابت ہو۔ الزام لگانا، بہتان لگانا تو ویسے ہی ہمارے معاشرے کی بڑی بیماری ہے۔

یہ فرق یقیناً نصاب اور تربیت کا ہے۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ ہم اپنے معاشرے کو سدھارنا چاہتے ہیں، اگر ہم اس دھرتی سے کرپشن، رشوت، سفارش اور فراڈ ختم کرنا چاہتے ہیں، اگر ہم عوام کو ایک صاف ستھرا نظام دینا چاہتے ہیں جس نظام میں انصاف ہو، عدل اور مساوات ہو، تعلیم کے مواقع سب کے لیے یکساں ہوں، جہاں بحیثیت شہری ہر ایک کے حقوق برابر ہوں، جہاں امن ہو، تو پھر ہمیں فوری طور پر عصری تعلیمی اداروں کے نصاب اور ماحول پر سنجیدگی سے غور کرنا ہوگا، حکومت کو مدارس سے رہنمائی لینی چاہیے۔ اس وقت ملک میں تقریباً دس ہزار دینی مدارس کام کر رہے ہیں، ان میں سے تقریباً چھ ہزار مدارس دنیا میں مدارس کے سب سے بڑے وفاق، وفاق المدارس العربیہ سے منسلک ہیں۔ ہمارے اس وفاق سے منسلک تمام مدارس میں ایک جیسا نصاب پڑھایا جاتا ہے۔ گلگت سے لے کر کوئٹہ تک اور پشاور سے لے کر کراچی تک تمام مدارس کا نصاب ایک جیسا ہونا کوئی معمولی بات نہیں۔ کوئی بھی طالب علم کسی مجبوری کی بناء پر ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل ہو جائے تو اسے نصاب کے حوالے سے کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑتا، اس کے برعکس اگر اسکول یا کالج کا ایک طالب علم اسلام آباد سے ملتان جانا چاہے تو اس کے لیے پہلے تو مائیگریشن کا مسئلہ ہے، اگر مائیگریشن ہو جائے تو پھر اس کے لیے نصاب کا مسئلہ پیدا ہو جاتا

ہے، پاکستان میں ہر بورڈ کا علیحدہ نصاب ہے۔ پرائیویٹ تعلیمی اداروں میں بیسوں قسم کا نصاب چل رہا ہے، تو کیا ایسی صورت میں مدارس کا یہ کمال نہیں کہ ان میں پڑھایا جانے والا نصاب ہر جگہ ایک جیسا ہے؟

عصری تعلیمی اداروں میں طبقاتی تفریق ایک بڑی برائی کی شکل میں موجود ہے۔ امیروں کے لیے الگ تعلیمی ادارے ہیں اور غریبوں کے لیے الگ، افسران اور حکمرانوں کے بچے جن اسکولوں میں پڑھتے ہیں، غریب یا متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والا آدمی وہاں اپنے بچے کو پڑھانے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ الحمدللہ! مدارس میں جہاں نصاب ایک ہے وہاں کھلی آنکھوں سے یہ مشاہدہ کیا جا سکتا ہے کہ امیر اور غریب کی کوئی تفریق نہیں۔ ایک ریڑھی والے کا بچہ جس کلاس میں بیٹھا ہے، وہیں ایک کارخانے دار کا بچہ بھی بیٹھ کر تعلیم حاصل کر رہا ہے۔ مساوات کی یہ مثال آپ کو عصری تعلیمی اداروں میں ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گی۔ مدارس کا امتحانی نظام بھی عصری تعلیمی اداروں کے لیے ایک نمونے کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہمارا سالانہ امتحان پورے ملک میں بیک وقت ہوتا ہے، یعنی ایک ہی وقت میں پورا ملک ایک امتحانی سینٹر کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ محدود وسائل کے ساتھ اتنے بڑے پیمانے پر لاکھوں طالب علموں کا ہزاروں امتحانی سینٹرز میں امتحان لینا کیا غیر معمولی کام نہیں۔ ہر سینٹر تک سوالیہ پرچوں کی فراہمی، نگران عملے کی فراہمی ایک انتہائی مشکل کام ہے۔ اس بات کو صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہیں جو براہِ راست امتحان کے نظام سے منسلک ہیں۔ ایک بورڈ کو صرف ایک ڈویژن کی سطح پر امتحانات لینے میں کس قدر دشواریاں پیش آتی ہیں تو آپ خود سوچیں جب کسی بورڈ کو ایک ہی وقت میں پورے ملک میں امتحان لینا ہوگا تو اس کے لیے کس قدر دشواریاں ہوں گی۔ مگر الحمدللہ! مدارس بظاہر یہ ناممکن کام بڑے احسن طریقے سے کر رہے ہیں۔ ہمارے پرچے نہ لیک آؤٹ ہوتے ہیں اور نہ ہی ہمارے مدارس میں نقل کا رجحان ہے۔

تعلیم دینا ریاست کی ذمہ داری ہے، ریاست، پڑھنے والوں کے لیے مطلوبہ سہولتیں فراہم کرے اور یہ سہولتیں سب کے لیے یکساں ہوں، ایسا نہ ہو کہ شہروں میں اچھے سرکاری ادارے قائم کیے جائیں، وہاں اچھی عمارتیں اچھے اساتذہ اور اچھا فرنیچر فراہم کیا جائے جب کہ دیہاتوں میں بچے کھلے آسمان تلے ننگی زمین پر بیٹھے ہوں اور اسکول میں دو تین اساتذہ حاضری دیتے ہوں، اگر ایسی صورت حال ہوگی تو حکومت گویا کہ اپنی ذمہ داریاں ادا نہیں کر رہی۔ ریاست کی

حیثیت ماں کی سی ہے جب کہ عوام اس کے بچے ہیں، اب جیسے ماں بچوں میں تفریق نہیں کرتی اسی طرح ریاست کو یعنی حکمرانوں کو عوام بھی تفریق نہیں کرنی چاہیے۔ ہمارے ہاں طبقاتی نظام نے جو خرابیاں پیدا کی ہیں ان کا زالہ ہونا چاہیے، الحمدللہ! ہم نے مدارس میں ممکنہ حد تک اس تفریق کا ازالہ کیا ہے۔

آج پاکستان میں مدارس تقریباً پندرہ لاکھ بچوں کو مفت تعلیم دے رہے ہیں، نہ صرف یہ کہ تعلیم دے رہے ہیں اس کے ساتھ جیسے میں نے پہلے عرض کیا بچوں کو مفت رہائش اور کھانا فراہم کیا جاتا ہے، ان طلباء کو کتابیں بھی مفت فراہم کی جاتی ہیں۔ طلباء کے علاج معالجے کا انتظام بھی مدرسہ کرتا ہے، اکثر غریب طلباء کو لباس اور جیب خرچ بھی دیا جاتا ہے، دور دراز علاقوں سے شہروں کے بڑے مدارس میں تعلیم حاصل کرنے والے طلباء کو گھر آنے جانے کے کا کرایہ بھی مدرسہ دیتا ہے، غرض اکثر مدارس کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ طلباء کو تعلیم کے حوالے سے ہر ممکنہ سہولت مہیا کی جائے اور یہ سب کچھ مدارس اپنی مدد آپ کے تحت کرتے ہیں۔ مدارس کی انتظامیہ مخیّر حضرات کے تعاون سے دن رات کوشش کر کے ایک جذبے کے تحت یہ سب کچھ کرتی ہے۔

مدارس کے اساتذہ بھی بڑی قربانیاں دیتے ہیں بعض مدارس میں اساتذہ کو کئی کئی مہینے تنخواہ نہیں ملتی، اس کے باوجود وہ کام کرتے ہیں، اگر وہ چاہیں تو کوئی اور روزگار تلاش کر کے اچھی گزر بسر کر سکتے ہیں مگر یہ ان کی عظمت کی علامت ہے کہ وہ تدریس کو ترجیح دیتے ہیں اور روکھا سوکھا کھا کر گزارہ کر لیتے ہیں۔ مدارس کے طلباء بھی تعلیم کے لیے اچھی خاصی قربانی دیتے ہیں، انہیں بھی اکثر دال پر گزارہ کرنا پڑتا ہے۔ ایسا نہیں کہ ان کے والدین انہیں عصری تعلیمی اداروں میں نہیں پڑھا سکتے، وہ استعداد رکھتے ہیں مگر وہ مدارس میں تعلیم دلوانا اپنی سعادت سمجھتے ہیں۔ یہ بات بھی سب کو معلوم ہے کہ مدارس کے طلباء نے کبھی مدرسہ کی انتظامیہ یا اساتذہ کے خلاف جلوس نہیں نکالے، کبھی کھانے کے حوالے سے شکایت نہیں کی، کبھی پیریڈ نہ ہونے پر کلاسوں کا بائیکاٹ نہیں کیا، وہ اپنے اساتذہ کا انتہائی احترام کرتے ہیں بلکہ راتوں کو اٹھ کر اپنے مدرسہ کی کامیابی کے لیے، اساتذہ اور مدرسہ کی انتظامیہ کے لیے دعا کرتے ہیں۔

غرض مدارس کا نظام جو خصوصیات اپنے اندر رکھتا ہے وہ کہیں اور ملنا مشکل ہے، یہ ایسا بہترین تعلیمی نظام ہے جسے اگر وسعت دے کر عصری تعلیمی اداروں تک بڑھا دیا جائے تو حیران کن نتائج سامنے آ سکتے ہیں، مدارس میں تدریس کا طریقہ کار اتنا مفید ہے کہ اکثر طلباء کلاس میں سبق یاد

کر لیتے ہیں اس کے بعد ہوم ورک میں کچھ وقت ''تکرار'' کے لیے مخصوص ہوتا ہے۔ تکرار سے مراد یہ ہے کہ پانچ پانچ، چھ چھ طلباء گروپ میں بیٹھ کر سبق پر بحث کرتے ہیں اور اس بحث میں ہر طالب علم کو حصہ لینا ہوتا ہے اس طریقۂ کار کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ سبق انہیں اچھی طرح ذہن نشین ہو جاتا ہے۔

مدارس میں چونکہ چوبیس گھنٹے کا ایک نظام الاوقات مقرر ہوتا ہے اس لیے طلباء میں ایک ڈسپلن پیدا ہو جاتا ہے، وہ صبح سویرے بیدار ہوتے ہیں اور ان کی یہ عادت ساری زندگی ان کے ساتھ رہتی ہے، نمازوں کی پابندی، قرآن کریم کی تلاوت اور مقررہ وقت پہ کھیل، یہ سب کچھ مل کر انہیں ایک بہترین انسان بنا دیتا ہے، دینی علم کی وجہ سے وہ مشکل سے مشکل حالات کا مقابلہ کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں، اس لیے آپ نے کبھی نہیں سنا ہوگا کہ کسی عالم نے معاشی حالات یا گھریلو پریشانیوں کی وجہ سے خودکشی کر لی ہو۔

۱۵ مئی کو کنونشن سینٹر میں پانچ ہزار افراد کی موجودگی میں سابق وزیر اعظم جناب چوہدری شجاعت حسین نے کہا:

> ''جب میں وزیر داخلہ تھا، میں نے ۲۰ ہزار مدارس کا سروے کروایا، خفیہ ایجنسیوں کے ذریعے مکمل معلومات حاصل کیں، مگر ان ۲۰ ہزار مدارس میں سے کسی بھی مدرسہ سے نہ تو کوئی ایک پسٹل تک برآمد ہوا اور نہ ہی کوئی ایسی رپورٹ ملی کہ کوئی مدرسہ کسی قسم کی تخریب یا دہشت گردی کی تعلیم دیتا ہو۔ میں پورے یقین سے کہتا ہوں مدارس کے خلاف چلائی جانے والی مہم محض تعصب کی بنیاد پر ہے۔ مدارس انتہائی پرامن طریقے سے اور مثبت انداز میں اپنا کام کر رہے ہیں۔ یہ مدارس دنیا کی سب سے بڑی این جی اوز ہیں، مدارس کے نظام کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔''

انہوں نے اسٹیج پر بیٹھے آئی ایس آئی کے سابق سربراہ جنرل حمید گل کی طرف دیکھا: ''کیوں جنرل صاحب جو کچھ میں نے کہا ہے درست ہے نا''؟ جنرل صاحب نے تصدیق میں سر ہلایا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب ایک سابق وزیر داخلہ، سابق وزیر اعظم اور آئی ایس آئی کا سابق سربراہ ہزاروں کے مجمعے کے سامنے وضاحت سے یہ کہتے ہیں کہ ''پاکستان میں پوری کوشش کے باوجود بھی کسی مدرسہ سے ایک پسٹل تک برآمد نہیں ہوا اور نہ ہی کوئی مدرسہ کسی منفی سرگرمی میں ملوث پایا گیا ہے'' تو پھر آخر کیا وجہ ہے کہ مدارس کے خلاف پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے؟

مغرب اگر مدارس کے خلاف بات کرتا ہے تو اس کا ایسا کرنا سمجھ میں آتا ہے، بے دین اور شیطانی قوتوں کے عزائم کو ناکام بنایا جاتا رہے گا۔ مغرب کو معلوم ہے مدرسہ وہ جگہ ہے جہاں نہ بکنے والے اور نہ جھکنے والے افراد تیار ہوتے ہیں۔ مگر حیرت اس وقت ہوتی ہے جب ''اپنے'' بغیر کسی دلیل اور ثبوت کے مدرسہ اور علماء کے خلاف بلاوجہ کمربستہ ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات مغرب وہ کچھ نہیں کہتا جو ''اپنوں'' کی زبان سے سننے کو ملتا ہے۔

آج بچیوں کی تعلیم اور حقوق نسواں کی بات ہوتی ہے۔ آپ حیران ہوں گے کہ اس وقت پاکستان میں وفاق المدارس سے ملحق مدارس میں لڑکیوں کی تعداد لڑکوں سے زیادہ ہے۔ اس وقت کم و بیش پانچ لاکھ طالبات مدارس میں تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔ کیا دنیا کی این جی او زاتنی بڑی تعداد میں بچیوں کی تعلیم کا بندوبست کر رہی ہے جہاں بچیوں کو بالکل مفت زیورِ تعلیم سے آراستہ کیا جاتا ہو؟ میرے علم کے مطابق پوری دنیا میں کوئی بھی پرائیویٹ ادارہ بچیوں کی تعلیم کے حوالے سے اس طرح کا کارنامہ سرانجام نہیں دے رہا۔

عموماً لوگوں کے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ دینی تعلیم پڑھنے والا کیا کرے گا، یعنی اسے روزگار کیسے ملے گا؟ اگر غور کیا جائے تو معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے، عصری تعلیمی اداروں سے پڑھے ہوئے لوگ اعلیٰ ڈگریاں حاصل کرنے کے باوجود معمولی روزگار بھی حاصل نہیں کر پاتے۔ کسی ادارے میں ایک سیٹ نکلتی ہے تو اس کے لیے ہزاروں گریجویٹ اور ایم اے پاس درخواست دیتے ہیں، چاہے وہ سیٹ جونیئر کلرک کی ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے خلاف لوگ حفاظ اور علماء کی تلاش میں رہتے ہیں۔ لوگ ان کے پاس جا کے ان کی منت کرتے ہیں حضرت! آپ ہمارے پاس آجائیں، تنخواہ بھی دیں گے، رہائش کا انتظام بھی کریں گے، کھانا بھی ہماری طرف سے ہوگا۔ آپ صرف ہمیں نمازیں پڑھائیں، یا ہمارے بچوں کو تعلیم دیں۔

میں اپنی گفتگو کے آخر میں یہ کہنا چاہوں گا کہ ہمارے اپنے ذمہ دار حضرات، مدارس کے نظام کو قریب سے دیکھیں۔ ہمیں مل بیٹھ کر مسائل پر بات چیت کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں ایک دوسرے کی آراء کو سننا چاہیے۔ اس کے علاوہ میری یہ بھی تجویز ہے کہ صدر مملکت یا وزیر اعظم صاحب کسی ایسی کانفرنس کے انعقاد کا بندوبست کریں جس میں مغرب کے عیسائی اور یہودی اسکالرز کے ساتھ ساتھ وہاں کے ذمہ دار لوگ بھی موجود ہوں، اس کانفرنس میں ہم ایک دوسرے کا مؤقف سنیں اور دیکھیں کہ دنیا میں بدامنی کا ذمہ دار کون ہے، دہشت گردی کیا ہے؟ اور دہشت

گردکون ہے؟ ظالم کون ہے اور مظلوم کون ہے؟ اگر ہم صرف پچھلے سو سال کو سامنے رکھ کر بات کرلیں تو حقیقت دنیا کے سامنے آ جائے گی۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ پچھلے سو سال میں دنیا میں ہلاک ہونے والے کروڑوں انسانوں کی ہلاکت کے براہِ راست ذمہ دار یہودی اور عیسائی ہیں۔ پہلی جنگِ عظیم میں صرف ایک مسلم ملک شامل تھا جب کہ دوسری جنگِ عظیم میں ایک بھی مسلم ملک شامل نہیں تھا۔ عظیم ہٹلر جو یہودیوں کی چربی سے صابن بنواتا تھا اس کا مسلمان ہونا کہیں سے ثابت نہیں، اسی طرح نپولین، مسولینی، ہلاکو خان اور بش کا بھی اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ ہیروشیما پہ ایٹم بم مسلمانوں نے نہیں گرایا تھا۔ چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ میں یہودیوں یا عیسائیوں کا قتل عام مسلمانوں نے کیا ہو، اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ میرا خیال ہے اگر ہم مل بیٹھیں تو بہت سے مسائل حل ہو جائیں گے۔ میں ایک ذمہ دار کی حیثیت سے دنیا کے دیگر مذاہب کے ماننے والوں کو مذاکرات کی دعوت دیتا ہوں، کیا ایک مدرسہ سے تعلق رکھنے والے ایک مولوی کی اس فراخدلانہ پیشکش کو قبول کر کے کوئی مذاکرات کی میز پر بیٹھنے کا حوصلہ کرنے کو تیار ہوگا؟

○ ○ ○

غیر ملکی طلباء کو ویزہ نہ ملا تو مدارس کی رجسٹریشن روک دیں گے

(شعبان، ۱۴۲۷ھ)

مولانا قاری حنیف جالندھری مدظلہ سے ایک موقر ہفت روزہ جریدے نے دینی مدارس کی رجسٹریشن اور دیگر اہم ایشوز پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔اس گفتگو کا احوال نذرِ قارئین ہے۔

نمائندہ......قاری صاحب! مدارس کے غیر ملکی طلبہ کا معاملہ اب ایک بار پھر متنازعہ طور پر زیر بحث آرہا ہے، حکومت نے غیر ملکی طلبہ کو ویزہ جاری نہ کرنے کا اعلان کر دیا ہے۔اب اس حوالے سے مدارس کیا حکمت عملی اپنانے کا ارادہ رکھتے ہیں؟

قاری حنیف جالندھری......ہمارا موقف بڑا واضح ہے، حکومت کے حوالے سے جو حالیہ فیصلہ سامنے آیا ہے وہ صدر جنرل پرویز مشرف سے ہماری فروری 2006ء میں ہونے والی ملاقات کے طے شدہ اصولوں کی خلاف ورزی ہے، صدر مشرف نے بہت واضح الفاظ میں کہا تھا کہ اس معاملے پر تفصیلی بات ہوگی اور اس معاملے کو افہام و تفہیم سے حل کیا جائے گا۔اس کے لیے ایک قومی پالیسی کی تشکیل اور تمام امور کو اتفاق رائے سے حل کرنے پر اتفاق ہوا تھا، لیکن حکومت کی جانب سے وقتاً فوقتاً ہم سے طے ہونے والی باتوں کی مخالفت یا متنازعہ اقدامات سامنے آتے رہے ہیں اور حالیہ فیصلہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، ہم اس فیصلے کو مسترد کرتے ہیں یہ کسی طرح بھی آئینی، قانونی بات نہیں ہے، مدارس کے طلبہ خواہ وہ ملک کے اندر ہوں یا ملک کے باہر یہ سب دین کی تعلیم اور دین کی ترویج کے لیے سرگرم عمل ہیں، جو طالب علم تمام قانونی تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے مدارس میں داخلہ حاصل کر رہا ہے اس کو آپ کس طرح روک سکتے ہیں، یہ تو انسانی حقوق کی بھی خلاف ورزی ہے۔سرکاری جامعات میں کیا غیر ملکی طلبہ نہیں ہیں؟ صرف دینی مدارس کے حوالے سے اس قسم کے فیصلے امتیازی ہیں جو کسی طرح ملک وقوم کے

مفاد میں نہیں ہیں۔

نمائندہ......لیکن قاری صاحب! مدارس کے حوالے سے خود حکومت اور عالمی برادری کے تحفظات رہے ہیں، جامعات کے طلبہ کے حوالے سے ماضی میں ایسی شکایات نہیں رہیں لیکن مدارس کے طلبہ کے حوالے سے یہ اطلاعات رہی ہیں کہ مدارس کے طلبہ مسلح جدوجہد میں حصہ لیتے رہے ہیں، اوراسی بنیاد پراس طرح کے اقدامات کیے جارہے ہیں۔

قاری حنیف جالندھری......ہم سمجھتے ہیں کہ یہ مغرب کا پروپیگنڈہ ہے، جو بہت زیادہ رہا ہے، مغرب بالخصوص اسلام دشمن قوتوں کو مدارس سے خوف ہے، ہم نے بارہا کہا کہ مدارس کا دہشت گردی سے کوئی تعلق نہیں ہے، اگر کسی طالب علم کے انفرادی فعل کے حوالے سے کسی کے پاس ثبوت ہیں تو وہ سامنے لائے جائیں، ہم کسی بھی غیر قانونی سرگرمی میں ملوث فرد کی حمایت نہیں کریں گے، آپ دیکھیں مدارس کا کردار ہمیشہ سے فلاحی وتعمیری رہا ہے، ہم اپنی مدد آپ کے تحت کام کررہے ہیں۔ اسلام دشمن قوتوں کا یہ خوف ہے کہ جو طلبہ مدارس میں دین کی تعلیم حاصل کررہے ہیں وہ کل ان کے لیے مشکل صورت حال پیدا کرسکتے ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مدارس کے طلبہ نے کبھی بھی ایسی سرگرمیوں میں حصہ نہیں لیا، پاکستان کے ہر مدرسہ میں زیر تعلیم طالب علم اپنے نصاب سے وابستہ ہیں اور یہ طالب علم مکمل طور پر قانونی اور مدارس کے مروجہ قواعد وضوابط میں رہتے ہوئے اپنی تعلیمی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔

نمائندہ......گویا مدارس کے طالب علموں سے متعلق حکومت کے جو تحفظات ہیں کیا وہ سراسر بے بنیاد ہیں؟

قاری حنیف جالندھری......جی ہاں، یہ تحفظات محض الزامات پر مبنی ہیں، دیکھیں میں آپ کو بتاتا ہوں، آپ بتائیے مدارس میں کبھی طلبہ میں تصادم ہوا، مدارس میں کبھی ڈنڈے، گولیاں، خونریزی ہوئی، مدارس کے طالب علموں کے اغواء ہوئے، کبھی کسی مدرسے کے حوالے سے آپ نے سنا کہ وہاں رینجرز تعینات کرنا پڑی ہو؟ ایسا کبھی نہیں ہوا، مدارس کا ماحول پرامن، پرسکون ماحول ہے، مدارس سے کبھی دہشت گردی نہیں ہوئی، البتہ مدارس کے خلاف دہشت گردی ضروری ہوئی ہے، علماء شہید ہوئے، مدارس پر حملے ہوئے، ہم نے کبھی منفی سرگرمیوں میں حصہ نہیں لیا، آج ملک کے کسی بھی مدرسے کے حوالے سے حکومت نے یہ بات ثابت نہیں کی کہ اس مدرسے کے ٹریننگ کیمپ ہیں۔ اچھا! صرف یہی نہیں بلکہ مغرب جو ہمیشہ سے مدارس کے خلاف

متحرک رہا ہے، وہ بھی کبھی ثابت نہیں کر سکا اب محض الزامات اور خدشات کی بنیاد پر آپ پورے سسٹم کو ختم کر دیں، یہ سراسر انصاف کے خلاف ہے، ہم اس کی مذمت کرتے ہیں۔

نمائندہ..... قاری صاحب! مدارس کے اس تصور کو ختم کرنے میں بھی کوئی خاص اقدام نہیں ہوا ہے، مختلف مدارس کے درمیان رابطے نہیں ہیں، مسلکی اختلافات کی بنیاد پر تکفیر ہوتی رہی ہے، ایک دوسرے کو قبول نہ کرنے کی روایت کے سبب ہی مغرب نے مدارس کی کردار کشی کی ہے، کیا یہ درست نہیں؟

قاری حنیف جالندھری..... نہیں ایسا نہیں ہے، ماضی میں شاید ایسا رہا ہو، مگر آج الحمدللہ! تمام مدارس متحد ہیں، ہماری مشترکہ تنظیم جو مدارس کے تمام وفاق بورڈوں کا اتحاد''اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ'' کے نام سے، وہ کئی برس سے مشترکہ و متفقہ جدوجہد کر رہا ہے، ہم ایک دوسرے کے پروگراموں میں شریک ہوتے ہیں، ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر ایشوز پر بات کرتے ہیں، کوئی اختلاف نہیں ہے، سب اپنے اپنے عقیدے، نظریے پر اپنے اپنے طور پر چل رہے ہیں، لہٰذا یہ کہنا کہ اختلافات ہیں، یہ صحیح نہیں ہے۔

نمائندہ..... قاری صاحب اب! جب کہ حکومت نے واضح فیصلہ دے دیا ہے، ایسے میں آپ کیا کریں گے؟

قاری حنیف جالندھری..... دیکھیں ہم نے اپنے تمام قائدین سے مشاورت کی ہے، ہم تنظیمات کا اجلاس طلب کر رہے ہیں، حکومت سے بات چیت کے لیے رابطے ہوئے ہیں، وفاقی مذہبی امور اعجاز الحق صاحب کو تشویش و تحفظات سے آگاہ کر دیا ہے، ہم صدر مشرف سے ملاقات کے لیے کوشاں ہیں، ہم سمجھتے ہیں کہ اگر وہ دلچسپی لیں گے تو ماضی میں جس طرح کئی ایشوز افہام و تفہیم سے حل ہوئے یہ بھی حل ہو جائے گا۔ ہم احتجاج کر رہے ہیں مگر ہمارا احتجاج آئین و قوانین کے دائرے کے اندر ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں دیوار سے لگانے کا عمل ترک کر دیا جائے محض منفی پروپیگنڈہ کی بنیاد پر مدارس کے خلاف اقدامات ملک و قوم کے مفاد میں نہیں، ہم اپنے اجلاس میں تمام امور پر غور کریں گے اور جو اتفاق رائے سے طے ہوا اس پر عملدرآمد کریں گے۔

نمائندہ..... قاری صاحب! مدارس کے غیر ملکی طلبہ کے حوالے سے یہ شکایت بھی رہی ہے کہ غیر ملکی طلبہ مدارس میں داخل ہو کر بعض ایسی سرگرمیوں میں ملوث ہو جاتے ہیں کہ جس سے مدارس میں بیرونی مداخلت بڑھ جاتی ہے، اور طلبہ کا رجحان تبدیل ہوتا ہے؟

قاری حنیف جالندھری...... یہ سراسر بے بنیاد بات ہے، مدارس کے طلبہ صرف نصابی سر گرمیوں میں حصہ لیتے ہیں، ہاں! اگر ایک آدھ معاملے میں کسی طالب علم نے انفرادی طور پر منفی سرگرمی میں حصہ لیا بھی ہو تو اس کو پورے سسٹم پر لاگو نہیں کیا جانا چاہیے، کسی جامعہ کے ایک طالب علم کے منفی سرگرمی میں ملوث ہونے پر تمام جامعات و کالجز کو مطعون تو نہیں کیا جاسکتا، لہٰذا مدارس کے حوالے سے بھی ایسا ہونا چاہیے۔ اگر حکومت یونہی دہرا معیار رکھے گی تو یہ معاملہ بہت سے مسائل کو جنم دے گا، مدارس کبھی بھی حکومت پر بوجھ نہیں رہے۔ آج اگر مدارس کے کردار کو دیکھیں تو مدارس کا ماضی و حال شاندار ہے، ہمارے مدارس کے کسی طالب علم کو نوکری کے لیے سرکار کے دروازے پر جوتے چٹخانے کی ضرورت نہیں ہوتی، ہمارے طالب علم کسی کرپشن اور بد عنوانی کا حصہ نہیں بنتے، ہم دین کا کام کرنے والے لوگ ہیں۔ مساجد آباد کرنا، علم کی روشنی پھیلانا، قرآن وسنت کی تعلیم دینا ہمارا اولین فریضہ ہے، لہٰذا ہم سمجھتے ہیں کہ جو الزامات ہم پر لگائے جارہے ہیں، وہ ایک خاص ایجنڈا ہے، یہ ایجنڈا بیرونی ہے، تاوانی کہہ لیں، یہ خاص مفادات ہیں، بعض ہمارے لوگ بھی اس کا حصہ بن گئے ہیں۔

نمائندہ...... گویا آپ کہہ رہے ہیں کہ مدارس کے خلاف اقدامات بیرونی دباؤ اور خاص ایجنڈے کے تحت ہو رہے ہیں؟

قاری حنیف جالندھری...... بظاہر تو ایسا ہی لگ رہا ہے، آج محض یکطرفہ اقدامات ہو رہے ہیں ہم سے مشاورت کے بغیر اگر کوئی فیصلہ ہوتا ہے تو لامحالہ یہ بات اس کا بین ثبوت ہے کہ ان اقدامات کا مقصد مدارس کی کردار کشی ہے، آج عالم اسلام میں پاکستان سربراہانہ حیثیت کا حامل ہے، عالمی طور پر تمام مسلمان ممالک کی نظریں پاکستان کی جانب لگی ہوئی ہیں، پاکستان کا تشخص، اس کے اسلامی تشخص کو ختم کرنے اور کم کرنے کے لیے سازش ہوتی رہی ہیں، کبھی پاسپورٹ سے مذہب کا خانہ نکالنے کے ذریعے کوئی سازش سامنے آتی ہے اور کبھی نصابِ تعلیم میں ترامیم کے حوالے سے کوئی شوشہ سامنے آتا ہے، لہٰذا یہ سازش ایک گہری سازش ہے، جسے حکمرانوں کو بھی سمجھنا چاہیے۔

نمائندہ...... نصاب تعلیم کا آپ نے ذکر کیا، اس حوالے سے یہ کہا جارہا ہے کہ صرف مدارس کا ہی نہیں دیگر تعلیمی اداروں کا بھی نصاب مرتب کیا جارہا ہے، اس پر کیا اعتراض کی بات ہے، کیا ہمیں جدید تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہونا چاہیے؟

قاری حنیف جالندھری......جی ہونا چاہیے، مگر دیکھنا یہ ہوگا کہ آپ کے اس اقدام کا مقصد کیا ہے، اس کے پس پشت کیا نیت ہے، اگر نیت اصلاح وجدید تقاضوں سے ہم آہنگ ہو کر اپنے تعلیمی مدارس ومدارج کو اپ ڈیٹ کرنا ہے تو یہ ٹھیک ہے، لیکن اگر مقصد اسلامی روح وتشخص کو ختم کرنا ہے تو یہ صحیح نہیں ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ مغرب کی کوشش ہے کہ وہ نصابِ تعلیم کو سیکولر بنا دے تو یہ غلط ہے۔ ہم ایک اسلامی مملکت میں ہیں، ہمارے نظریات ہیں، عقائد ہیں، ہم ایسی تبدیلی جو ہمارے اسلامی تشخص وروحانی کردار کو متاثر کرے، شریعت سے متصادم ہو تو اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی، ہم سیکولر نظام تعلیم کے حق میں نہیں ہیں۔ مدارس حکومتی کے فنڈز پر نہیں چل رہے، ہم مدارس کو مخیر حضرات کے تعاون سے اپنی مدد آپ کے تحت چلا رہے ہیں، لہٰذا اب اگر حکومت نصابِ تعلیم کو اس طرح کرے کہ مدارس کا کردار مسخ ہو جائے تو اس کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ ہمارا نصاب جدید ہے، ہم انگریزی اور کمپیوٹر کی تعلیم بھی رائج کر چکے ہیں، ہم نے اپنے نصاب کو جدید تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیے وقتاً فوقتاً تبدیلیاں کی ہیں، لہٰذا ہم مطمئن ہیں۔

نمائندہ......لیکن قاری صاحب! مدارس کے طالب علم انٹرنیٹ، انفارمیشن ٹیکنالوجی، جدید اصول سیاسیات اور معاشیات سے تو بالکل ناواقف ہیں، حتیٰ کہ مدرسین تک عالمی صورتحال سے ناواقف ہیں۔ ہمارے خطباء حضرات کے حوالے سے بھی یہ شکایت عام ہے کہ وہ چند واقعات یاد کر چکے ہیں، ہر جمعہ کو انہیں دہرادیا جاتا ہے، یا اسلام کے خلاف عالمی سازشوں کا ذکر چھیڑ کر امریکہ، برطانیہ اور اہل مغرب کو لعن طعن کی جاتی ہے۔ اس بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟

قاری حنیف جالندھری......نہیں، ہم سمجھتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے، مدارس کے طلبہ جدید انفارمیشن ٹیکنالوجی اور عالمی حالات اور علوم سے واقفیت حاصل کر رہے ہیں، لیکن آپ جانتے ہیں کہ ہر فیلڈ کی ایک خصوصیت ہوتی ہے، یونیورسٹی کے طالب علم ہر شعبہ میں مہارت نہیں رکھتے، ہر ڈاکٹر ہر شعبہ کا ماہر نہیں ہے، ایک آئی ٹی کا طالب علم علوم دینیہ پر مہارت نہیں رکھ سکتا، یقیناً اس کی مہارت آئی ٹی پر ہوگی لیکن آپ چاہتے ہیں کہ علوم دینیہ کا ماہر طالب علم تمام دنیاوی علوم پر بھی کامل دسترس کا حامل ہو تو یہ سراسر زیادتی ہے، ایک ہارٹ اسپیشلسٹ آنکھوں کے مرض کا علاج نہیں کرسکتا، ایک ماہر تعلیم معاشی امور کا ماہر نہیں ہوسکتا۔ ایک فٹ بال کا کھلاڑی ماہر کرکٹر نہیں ہوسکتا تو پھر دینی مدرسے کے طالب علم سے آپ کیوں توقع کر رہے ہیں کہ وہ تمام شعبہ جات میں خاص مہارت رکھتا ہو، اسے فقہ، اصولِ دین، ناظرہ، حفظ اور علوم دینیہ پر بھی مہارت حاصل کرنی

ہے،اس کا خاص ہدف تو دینی تعلیم ہی ہے۔ البتہ یہ ٹھیک ہے کہ اسے دیگر علوم پر بھی اتنی واقفیت ضرور رکھنی چاہیے کہ وہ اپنی رائے کا اظہار کر سکے۔

رہی بات خطباء حضرات کی، چونکہ اسلام کے خلاف مذموم سازشوں اور رویے کا اظہار ان ہی اقوام کی جانب سے ہو رہا ہے، افغانستان، عراق، ایران سمیت ہر مسلمان ملک کے خلاف ان ہی ممالک کی حکومتوں کا ردعمل سخت ہے، تو پھر اس پر مسلمانوں کا غم وغصہ عین فطری ہے، اس سے انکار تو ممکن نہیں ہے۔

نمائندہ...... قاری صاحب کیا بات ہے کہ ان ہی ممالک سے ہمارا اختلاف ہے، مگر ہمارے مذہبی شخصیات کی اولادیں ان ہی ممالک میں تعلیم حاصل کرتی ہیں، رہائش اختیار کرتی ہیں، ان کے سب معاملات وہیں ہوتے ہیں؟

قاری حنیف جالندھری...... نہیں، ایسا نہیں ہے، یہ کسی فرد کا ذاتی معاملہ بھی ہوسکتا ہے، آپ اسے اجتماعی بنیادوں پر طے نہیں کر سکتے ہیں۔

نمائندہ...... مدارس کے خودمختارانہ کردار کے حوالے سے بھی کچھ متنازعہ امور پر اتفاق ہوا ہے، اس حوالے سے کیا پیش رفت ہو رہی ہے؟

قاری حنیف جالندھری...... مدارس کی اسناد، ان کے نصاب تعلیم اور طریقۂ تعلیم وغیرہ کے حوالے سے ہماری بات چیت ہو رہی ہے، ابھی کئی ماہ سے یہ معاملہ التوا کا شکار ہے، صدر جنرل پرویز مشرف سے ملاقات میں ہم ان امور پر بات کریں گے، ہم مدارس کی آئینی وقانونی حیثیت پر بات کرنا چاہتے ہیں، جس طرح آغا خان بورڈ کو ایک خودمختارانہ حیثیت میں تسلیم کیا گیا ہے، ہم چاہتے ہیں کہ مدارس کے تمام وفاق بورڈوں کو ایسے ہی اختیارات حاصل ہوں۔ ہم امتحانات لینے اور اپنے طریقۂ تعلیم کے نفاذ اور اسناد کے حوالے سے کچھ مطالبات پر بات کر رہے ہیں، اس پر کافی کام ہو چکا ہے، مگر اب تک کوئی بات حتمی طور پر طے نہیں ہوسکی ہے۔

نمائندہ...... مدارس کے غیر ملکی طلبہ کو ویزا جاری نہ کرنے کا فیصلہ اگر برقرار رہا تو پھر ردعمل کیا ہوگا، کیا اس حوالے سے اعلیٰ عدالتوں سے رجوع کیا جائے گا؟

قاری حنیف جالندھری...... ہم ہر جائز وآئینی حق استعمال کریں گے، ہم سمجھتے ہیں کہ یہ معاملہ انسانی حقوق کا معاملہ ہے، شرعی اعتبار سے، اخلاقی اعتبار سے، خود پاکستان کے قوانین کی رو سے آپ کسی پر پابندی عائد نہیں کر سکتے، ہم مشاورت کریں گے اور متفقہ طور پر اس حوالے

سے لائحہ عمل طے کریں گے۔

نمائندہ......ایم ایم اے کی قیادت کے حوالے سے کہا جارہا ہے کہ وہ آپ پر دباؤ ڈال رہی ہیں کہ آپ ان کے ساتھ حکومت کے مخالف تحریک میں شامل ہوجائیں، اس میں کتنی صداقت ہے؟

قاری حنیف جالندھری......نہیں ایسی کوئی بات نہیں، ایم ایم اے کے قائدین اکابر علماء ہیں، ہماری اور ان کی قدرِ مشترک یہ ہے کہ ہم دین اور مدارس کے لوگ ہیں، مدارس کے طلبہ کی جدوجہد میں صرف ایم ایم اے ہی نہیں پاکستان کا ہر فرد ساتھ ہے، ہم چاہتے ہیں کہ مدارس کا معاملہ اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ کے پلیٹ فارم سے حل ہوجائے، اب حکومت کو بھی سمجھنا چاہئے کہ ہم افہام وتفہیم کے ذریعے مسائل کا حل نکالنا چاہتے ہیں، وہ ہمیں مجبور نہ کرے کہ ہم احتجاج پر غور کریں، اس کے بعد تو سارے آپشن کھلے ہیں۔

نمائندہ......گویا ملک گیر احتجاجی تحریک بھی ممکن ہے؟

قاری حنیف جالندھری......جی! ممکن تو کچھ بھی ہے، ہم واضح کردینا چاہتے ہیں کہ ہم مدارس کے حقوق اور طلبہ کے جائز حق کا تحفظ کریں گے، ہم نے ماضی میں بھی مدارس کے لیے جدوجہد کی ہے، کسی حکومت کو مدارس کے خلاف اقدامات میں کامیابی نہیں ہوئی، ہم پرامن لوگ ہیں اگر مدارس کے خلاف اقدامات ہوئے تو مزاحمت ہوگی ہم مدارس کے کردار کو مسخ کرنے کی کسی عالمی سازش کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔ ابھی حال ہی میں امریکی وزیر خارجہ پاکستان آئیں۔ ایسا لگتا ہے کہ امریکی دباؤ کے تحت یہ فیصلہ کیا گیا ہے کیونکہ ان امریکی حکام کے دورۂ پاکستان کے دوران جو ملاقاتیں ہوئی ہیں ان میں جن ایشوز کے بارے میں کہا جارہا ہے ان میں مدارس اور نصاب تعلیم سرفہرست ہیں، لہٰذا ممکن ہے کہ یہ فیصلہ امریکی دباؤ کے تحت کیا گیا ہو، تاہم اس سلسلے میں ہم یہ واضح کردینا چاہتے ہیں کہ حکومت نے یہ فیصلہ واپس نہ لیا اور واضح پالیسی کے تحت غیر ملکی طلبہ کو پاکستان میں قانونی بنیادوں پر تعلیم حاصل کرنے کی اجازت نہ دی گئی تو ہم مدارس کی رجسٹریشن کے حوالے سے حکومت سے اپنا تعاون واپس لے سکتے ہیں، ہم اس حوالے سے غور کررہے ہیں اور مشاورت جاری ہے۔

• • •

پاکستان کے دینی مدارس

۱۸، اپریل ۲۰۰۵ء بروز بدھ ''وائس آف امریکہ'' نے (واشنگٹن) امریکہ سے اپنے ریڈیو پروگرام ''آپ کی دنیا میں'' رات دس بجے سے گیارہ بجے تک ایک گھنٹے کا پروگرام مرتب کیا، جسے براہ راست پوری دنیا میں نشر کیا گیا۔ پروگرام کا موضوع تھا'' پاکستان کے دینی مدارس'' اور اس میں شرکاء گفتگو تھے: ❶ وفاقی وزیر تعلیم پاکستان محترم جناب جاوید اشرف قاضی صاحب ❷ سابق وزیر داخلہ جنرل (ر) معین الدین حیدر صاحب ❸ آئی ایس آئی کے سابق سربراہ محترم جناب جنرل (ر) حمید گل صاحب ❹ بہاؤ الدین زکریا یونیورسٹی ملتان کے پروفیسر ڈاکٹر انوار احمد صاحب اور ❺ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نمائندے اور ناظمِ اعلیٰ کی حیثیت سے احقر شریک تھا۔

منتظمین نے سب سے پہلے جاوید اشرف قاضی صاحب سے سوال کیا...... ''آپ دینی مدارس کے بارے میں کیا سوچ رہے ہیں اور آپ کی حکومت ان کے بارے میں کیا عزائم رکھتی ہے؟''

وزیر تعلیم...... ہماری خواہش ہے کہ دینی مدارس ہمارے عمومی نظام تعلیم کا حصہ بنیں اور یہ قومی دھارے میں آئیں۔ ان کا نظامِ تعلیم، نصابِ تعلیم، نظام امتحانات اور جملہ امور بالکل الگ ہیں، اسی لیے ہم نے پاکستان ایجوکیشن مدرسہ بورڈ بنایا تھا، تاکہ یہ ہمارے ساتھ شامل ہو جائیں اور ان کی بار بار منت سماعت کی اور دعوت دی، مگر نامعلوم یہ لوگ اس کے اندر کیوں شامل نہ ہوئے۔ ہم یہ چاہتے ہیں کہ دینی مدارس کے ذمہ داران حضرات اور حکومت مل کر ان دینی مدارس کی ترقی اور فلاح و بہبود کے لیے کام کریں، لیکن انہوں نے ہماری اس پیشکش کو قبول نہیں کیا۔

منتظمین...... مولانا محمد حنیف جالندھری سے ''آپ کی اس کے بارے میں کیا رائے ہے؟''

مولانا...... وفاقی وزیر تعلیم ہمیں اس نظام تعلیم کا حصہ بننے کی دعوت دے رہے ہیں، جس

نظامِ تعلیم پر خود عدمِ اعتماد کا اظہار کر چکے ہیں، وہ اس طرح کہ کچھ عرصے پہلے جو پاکستان میں آغا خان یونیورسٹی کو ایک بورڈ کے قیام کی اجازت دی گئی، تو اس کی وجہ حکومت نے یہ بیان کی کہ ان کی تعلیم کا تعلیمی اور امتحانی نظام ہم سے بہتر ہے اور ان کی ڈگری دنیا میں مانی جاتی ہے، جب کہ ہماری ڈگری اور سندوں کا وہ وقار نہیں ہے، ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے ملک کے جو طلباء (اسٹوڈنٹ) ہیں ان کی ڈگری دنیا میں مانی جائے۔ اگر یہ حکومتی مؤقف درست ہے، تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ وزیر تعلیم ہمیں جس نظامِ تعلیم کا حصہ بننے کی دعوت دے رہے ہیں اور جس قومی دھارے میں ہمیں لانا چاہتے ہیں، اس پر تو یہ خود عدمِ اعتماد کر چکے ہیں، اسی لیے انہوں نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ ہمارے تعلیمی نظام اور امتحانی نظام سے زیادہ بہتر آغا خان یونیورسٹی کا تعلیمی نظام اور امتحانی نظام ہے، اسی لیے ہم نے ان کو پورے ملک میں بورڈ قائم کر کے امتحانات لینے کی اجازت دی ہے اور ان کی ڈگریاں دنیا میں مانی جاتی ہیں۔ یہ تو گویا اپنے نظامِ تعلیم پر عدمِ اعتماد کر رہے ہیں اور اپنے امتحانی نظام کو ناکام قرار دے رہے ہیں، جب کہ اس کے مقابلے میں ہمارے مدارس کا نظامِ تعلیم اور امتحانی نظام بہت بہتر ہے تو آپ ہمیں اپنے نظامِ تعلیم کا حصہ بنا کر ہمارے نظام کو بھی تباہ کرنا چاہتے ہیں اور ہمارے بہتر نظامِ تعلیم کو بھی ناکام کرنا چاہتے ہیں۔

ہم تو کبھی بھی ایسے نظامِ تعلیم کا حصہ بننے کو تیار نہیں، جس کے بارے میں حکومت خود یہ کہہ رہی ہے کہ ہمارا اطمینان اس پر نہیں ہے اور وہ ناکام ہے۔

اور جہاں تک پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کی بات ہے تو ہم نے شروع دن ہی سے یہ بات کہی تھی کہ مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کا کوئی فائدہ نہیں۔ یہ ملک کے خزانے پر ایک بوجھ ہوگا اور آپ جو ''ماڈل دینی مدارس'' بنا رہے ہیں یہ درحقیقت ہمارے آزاد دینی مدارس کو ناکام کرنے کے لیے بنا رہے ہیں۔ آپ کی نیت اگر دینی تعلیم (درسِ نظامی) کو عام کرنے کی ہے اور آپ یہ چاہتے ہیں کہ عصری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم بھی دی جائے تو بجائے اس کے کہ آپ ماڈل دینی مدارس بنائیں، آپ تمام اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں میں دینی تعلیم کیوں نہیں شروع کرا دیتے کہ وہاں عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی ہو، کیونکہ آپ تو کہتے ہیں کہ ماڈل دینی مدارس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ بچوں کے پاس دینی تعلیم بھی اور عصری تعلیم بھی ہو، تو اس کے لیے آپ پہلے سے موجود تعلیمی اداروں میں درسِ نظامی یعنی دینی تعلیم شروع کرا دیں۔ چنانچہ اس وقت دیکھیں کہ سات کروڑ روپیہ، ایک سال میں ان تین ماڈل مدرسوں پر خرچ ہوا، جو حکومت نے کراچی،

سکھراوراسلام آباد میں بنائے ہیں اوراس میں طلباء کی مجموعی تعداد چار سو سے پانچ سو ہے اورایک سال کا خرچہ سات کروڑ روپے ہے اور رزلٹ کچھ بھی نہیں ہے۔

مدرسہ ایجوکیشن بورڈ جب بنا تو ہمیں یہ کہا گیا کہ یہ ان مدارس کے لیے ہے، جو حکومت خود بنائے گی، یا رضا کارانہ طور پر جو مدارس اس سے الحاق کریں گے، لیکن جب اس کا قانون اور آرڈیننس سامنے آیا تو اس کو گویا پورے پاکستان کے تمام مدارس کے لیے ایک سپریم ادارہ بنا دیا گیا اور ہر مدرسہ جو وفاقوں میں شامل ہے، اس کے لیے بھی لازمی کیا گیا کہ وہ اس سے الحاق کرے۔ اس سے دینی مدارس کی آزادی، حریت اور خودمختاری متاثر ہوتی تھی، تو ہم نے اس لیے انکار کیا اور ہم یہ سمجھتے تھے کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں، چنانچہ آج حکومت بھی اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ ہم نے غلطی کی اور وہ ماڈل دینی مدارس کو ختم کر رہی ہے اور پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ بھی آخری سسکیاں لے رہا ہے اور حالتِ نزع میں ہے۔

ضد اور اصرار......اس دوران میں نے یہ بات بھی کہی کہ اصل میں تو حکومت کی طرف سے ضد اور اصرار کیا جا رہا ہے۔

ہم ان سے بار بار کہہ رہے ہیں کہ آپ ہمارے پانچوں وفاقوں کو بورڈ کا درجہ دیں اور ہمیں خودمختار تعلیمی امتحانی بورڈ تسلیم کریں تا کہ ہمارے طلباء دینی مدارس کے علاوہ دوسرے میدانوں میں بھی جا کر خدمات سرانجام دے سکیں۔ ہماری عالمیہ کی سند کو آپ نے ایم اے عربی، ایم اے اسلامیات کے مساوی تسلیم کیا، ثانویہ عامہ، خاصہ، عالیہ کو بھی میٹرک، ایف اے، بی اے کے مساوی تسلیم کریں اور اس کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ آپ ہمیں اسمبلی میں قانون اور ایکٹ کے ذریعے ایک بورڈ کا درجہ دیں، تا کہ ہمارے امتحانات قانونی طور پر بھی معتبر ہوں اور ہماری ڈگریوں کا بھی اعتبار ہو۔ ہم نے تو اب میٹرک تک اپنے نصاب میں عصری تعلیم بھی شروع کر دی ہے اور ثانویہ عامہ تک عصری تعلیم اپنے نصاب میں شروع کر چکے ہیں۔

یہ عذر ہوتا تھا کہ آپ کے ہاں مدارس و علمی مراکز میں صرف دینی تعلیم ہے، تو آپ کے وہ طلباء اگر ہمارے حکومتی اداروں میں آئیں گے یہاں آ کر وہ کامیاب نہ ہو سکیں گے، جب تک کہ ان کے پاس کچھ عصری تعلیم نہ ہو، تو ہم نے میٹرک تک عصری تعلیم کو اپنے نصاب میں شامل کیا۔

اس کے بعد تو ویسے اسپیلائزیشن ہے۔ خود ان کے اداروں میں بھی، جن بچوں نے ڈاکٹر بننا ہوتا ہے، وہ میڈیکل کالج میں چلے جاتے ہیں، جنہوں نے انجینئر بننا ہوتا ہے، وہ انجینئرنگ کالج

میں چلے جاتے ہیں اور جنہوں نے بیرسٹر یا وکیل بننا ہوتا ہے وہ لاء کالج میں چلے جاتے ہیں اور جس نے میٹرک کے بعد عالم دین بننا ہوگا، وہ مدرسوں میں آ جائے گا اور وہ خالص دینی تعلیم حاصل کرے گا اور ماہر شریعت بنے گا، لیکن ان کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔

آغا خان بورڈ......ایک غیر ملکی ادارہ ہے اور اس کا پورے ملک میں نیٹ ورک بھی نہیں ہے اور وہ اب جگہیں خرید کر، یا کرایہ پر عمارتیں لے کر اپنے دفتر وغیرہ بنا رہے ہیں تو اس کو اختیار دیا ہے، جب کہ ہمارا تو پورے ملک میں ایک نیٹ ورک ہے اور پورے ملک میں ایک وسیع نظام ہے اور ہم پاکستانی ہیں، نظریاتی لوگ ہیں اور اس وطنِ عزیز میں رہنے والے ہیں، ہمارا تو جینا مرنا اس ملک کے ساتھ ہے، ہمارے تو مفادات اس ملک کے ساتھ وابستہ ہیں حکومت کو تو یہ چاہیے کہ "وفاق" کو بورڈ کا درجہ دیں اور ہماری اسناد کو تسلیم کریں۔

وزیر تعلیم......ہم نے آغا خان کو بورڈ کا درجہ اس لیے دیا کہ وہ تو حکومت کا پابند ہوگا اور یہ مدارس کے وفاق تو ہماری کوئی پابندی قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں۔

مولانا......آپ ان کے پابند ہوں گے، وہ آپ کے پابند نہیں ہوں گے۔ اس وقت بھی صورتحال یہی ہے اور آگے چل کر تو یہ بات بہت زیادہ واضح ہو جائے گی۔

وزیر تعلیم......ہم وفاقوں کو کیسے تسلیم کریں، جب کہ نصاب ان کا اپنا، امتحان کا نظام ان کا اپنا، ڈگریاں یہ خود جاری کریں۔ دنیا میں ایسا کہیں نہیں ہوتا؟

مولانا......ایسا تو بالکل ہوتا ہے، جیسا کہ آپ نے آغا خان بورڈ کو اختیار دیا ہے اور بھی کئی بورڈوں کو اختیار دیں گے، وہ نصاب بنائیں گے، امتحان لیں گے اور وہ سندیں جاری کریں گے۔

وزیر تعلیم......نہیں، نصاب ہم دیں گے۔

مولانا......نصاب آپ اصول کے اعتبار سے دیں گے اس کی ڈیٹیل، نصاب، کتابیں، تفصیلات وہ خود بنائیں گے اور اس میں وہ جو چاہیں مواد لے آئیں اور جہاں تک ہمارے نصاب کی بات ہے، ہمارے نصاب کے دو حصے ہیں۔ ایک ہے درسِ نظامی، قرآن وسنت، دینی تعلیم، فقہ اسلامی۔ اس کے بارے میں آپ لوگوں نے بھی ہم سے ہر میٹنگ میں کہا کہ اس کے بارے میں ہمیں چونکہ معلومات نہیں ہیں اور ہمارا یہ علم نہیں ہے، اس میں آپ سے ہم کچھ نہیں کہتے۔ یہ آپ اپنی مرضی سے اور اپنی صوابدید سے طے کر لیں۔ البتہ جو عصری تعلیم ہے، جیسے انگریزی، سائنس، ریاضی وہ آپ ہماری خواہش کے مطابق داخل کر لیں اور بچوں کو پڑھائیں۔

ہم اس سے متفق ہیں کہ عصری مضامین کے سلسلے میں آپ کا جو دیا ہوا نصاب ہے اور جنہیں ٹیکسٹ بورڈ نے شائع کیا ہے، جو گورنمنٹ اسکولوں میں انگریزی اور سائنس کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، ہم نے طے کیا ہے کہ آئندہ وہی کتابیں اپنے مدارس میں پڑھائیں گے۔

تاہم ہماری رائے...... آپ عصری مضامین از سرِ نو مرتب کرائیں اور اس میں آپ جہاں اپنے ماہرین فن شامل کریں، وہاں علماء کو بھی شامل کریں۔ یہ سب بیٹھ کر ایک نصاب ترتیب دیں اور اسی نصاب کو پہلی کلاس سے دسویں کلاس تک کا پورے ملک کا ایک نصاب بنا دیا جائے اور وہی نصاب اسکولوں میں بھی ہو اور وہی نصاب مدرسوں میں بھی ہو۔

وزیر تعلیم...... یہ مسلکوں کی بنیاد پر پانچ وفاق ہیں۔ دیو بندی، بریلوی، شیعہ، اہل حدیث، جماعت اسلامی، تو اگر ہم ان کو بورڈ کا درجہ دیں، تو اس کا معنی یہ ہیں کہ ہم نے حکومتی اور سرکاری سطح پر مسلکوں کا وجود تسلیم کر لیا، جب کہ ہم تو مسلکوں کو نہیں مانتے۔

مولانا...... زمینی حقائق حقائق سے کبھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ پاکستان کے اندر یہ مسلک موجود ہیں اور ان کا وجود مسلمہ ہے اور خود حکومت نے اس کو تسلیم کیا ہے اور یہ تو صرف اب بہانہ بنا رہے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں غلط فہمیاں پیدا کر رہے ہیں۔ جب قرارداد مقاصد بنی تھی اور پاکستان کا پہلا آئین بنا تھا، تو علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے تمام مکاتب فکر کے متفقہ یہ نکات ان لوگوں کو دیے تھے۔ ان لوگوں نے بھی یہ اس لیے تسلیم کیا تھا کہ اس پر تمام مکاتب فکر متفق ہیں۔ اسلامی نظریاتی کونسل ایک آئینی ادارہ ہے، جس کا مقصد پارلیمنٹ کو رہنمائی دینا ہے، سفارشات تیار کرنا ہے اور اس میں جب بھی یہ علماء رکھتے ہیں تو اس میں یہ خیال کرتے ہیں کہ اس میں تمام مسلکوں کی نمائندگی ہو۔ وفاقی شرعی عدالت بنی تو اس میں یہ کہا گیا کہ ہم جج مسلکوں کی بنیاد پر لیں گے کہ ہر مسلک میں سے ہم جج لیں۔ اسی طرح سپریم کورٹ کا شریعت بنچ ہے۔ صوبائی سطح پر، مرکزی سطح پر، ڈویژن کی سطح پر کوئی بھی کمیٹیاں اگر بنتی ہیں اور اس میں علماء اور مذہبی طبقہ کو نمائندگی دینی ہو، تو وہاں یہ مسلکوں کی بنیاد پر دیتے ہیں۔ وہاں تو مسلک مانتے ہیں، یہاں مسلک کیوں نہیں مانتے؟ وہاں پر مسلکوں کا وجود تسلیم ہے، یہاں پر مسلکوں کا وجود تسلیم کیوں نہیں ہے؟ ان کے پاس ما بہ الامتیاز اور وجہ فرق کیا ہے؟ سوائے اس کے کہ ایک عذر لنگ ہے، کوئی معقول بات نہیں۔

وفاق المدارس کی سند کی منظوری...... پھر جب آپ نے ۱۹۸۱ء میں ضیاء الحق مرحوم کے دور میں

ہماری سند منظور کی تھی اور اس وقت یونیورسٹی گرانٹس کمیشن ایک ادارہ ہوتا تھا، آج کل اسی کا نام ہائر ایجوکیشن ہے، تو اس وقت میں انہوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ آپ پانچوں وفاق ایک سند بنا کر لائیں۔ ہم ایک سند کو مانیں گے، بلکہ انہوں نے پانچوں وفاقوں کی علیحدہ علیحدہ سند کو مانا۔ اس طرح پانچ سندوں کے بارے میں نوٹیفکیشن جاری کیا۔ ایک دیو بندیوں کی، ایک بریلویوں کی، ایک اہل حدیثوں کی، ایک شیعہ کی اور ایک جماعت اسلامی کی، بلکہ اس وقت میں تو کئی وفاقوں کا وجود نہ تھا۔ صرف ہمارا وجود تھا۔ باقاعدہ حکومت نے کہا کہ ہم صرف آپ کو نہیں مانیں گے، بلکہ ہم تو تمام وفاقوں کو مانیں گے، اس لیے ان سے کہا گیا کہ تم بھی اپنے وفاق بناؤ، تو یہ مسلکوں کی بنیاد پر وفاق آپ نے بنوائے ہیں، تنظیمیں تو آپ نے بنوائیں ہیں اور اس موقع پر آپ نے سب کی سندیں تسلیم کی ہیں، یا تو اس وقت بھی آپ ایک سند تسلیم کرتے، اس لیے یہ عذر آپ کا قابلِ قبول نہیں اور پھر ملک میں آپ نے کتنے بورڈ مانے ہوئے ہیں۔ ملتان بورڈ ہے، بہاولپور بورڈ ہے، لاہور بورڈ ہے، پنڈی بورڈ ہے، وغیرہ۔ ہر ڈویژن کے بورڈ ہیں تو اگر پانچ بورڈ آ جائیں گے تو کون سی قیامت آ جائے گی۔ اس لیے آپ کو اس میں بھی کوئی عذر نہیں ہونا چاہیے۔

وزیر تعلیم...... ہم تو ان کو کمپیوٹر دینا چاہتے ہیں، سائنس، ریاضی اور انگلش کے اساتذہ، ان کی تنخواہیں اور کتابیں دینا چاہتے ہیں۔ یہ ہم سے پیسہ نہیں لے رہے اور وہ پیسہ ہمارے پاس اربوں روپے ایسے ہی پڑا ہے اور وہ غیر ملکی نہیں ہے، بلکہ ملکی ہے۔

مولانا...... ہم آپ سے پہلے بھی کہہ چکے ہیں آپ یہ پیسہ پانی، بجلی، گیس کی ان وزارتوں کو دے دیں، جو ہمارے پاس بل بھیج کر رقم وصول کرتے ہیں اور مدارس کو آپ یوٹیلٹی بل سے مستثنیٰ کر دیں۔ اگر آپ کمپیوٹر دیں گے، یا پیسے دیں گے تو آپ سب کو تو نہیں دیں گے، بلکہ چند مدارس کو دیں گے اور زیادہ مدارس رہ جائیں گے، یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں۔

اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ مدارس کے ساتھ تعاون کریں اور اس پروگرام میں مخلص ہیں اور آپ کا کوئی خفیہ سیاسی ایجنڈا نہیں ہے تو پھر اسی طرح دیہات، شہر اور کراچی سے گلگت تک، کوئٹہ سے پشاور تک پورے ملک کے مدارس فائدہ اٹھائیں گے، اگر آپ ان کو بلی، پانی، گیس سے مستثنیٰ کریں گے۔

وزیر تعلیم...... ہم تو آپ کو فنون اور علم کیلئے فنڈز دینا چاہتے ہیں۔ پانی، بجلی، گیس کیلئے نہیں۔

مولانا...... ہمارے ہاں، پانی، بجلی، گیس بھی علوم وفنون کی تعلیم پر ہی خرچ ہوتے ہیں اور اگر

آپ ہمیں یہ رعایت دینگے تو جو پیسہ ہمارا بچے گا، جو ہم پانی، بجلی، گیس کے بلوں پر دیتے ہیں، وہ ہم ان اساتذہ پر ہی خرچ کرینگے۔ ہم وہ ان طلباء پر ہی خرچ کرینگے، وہ بھی تعلیم پر ہی خرچ ہوگا۔

وزیر تعلیم...... آپ تو صرف دینی تعلیم دیتے ہیں، جو ہر شعبہ زندگی کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کافی نہیں؟

مولانا...... آپ کا یہ کہنا کہ جناب ہم صرف دینی اور مذہبی تعلیم دیتے ہیں، تو یاد رکھیے کہ ہمارا مذہب اسلام ہے اور آپ بھی اس سے اتفاق کریں گے کہ وہ صرف ایمانیات، عبادات، عقائد اور نظریات کا ہی دین نہیں ہے، بلکہ وہ پوری زندگی کا ایک نظام اور دستور ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک مکمل نظامِ حیات عطا کیا ہے، لہٰذا ہم اپنے مدارس میں جب ایمانیات، عقائد اور عبادات پڑھاتے ہیں تو ساتھ ساتھ اسلام کا معاشی نظام، اسلام کا اقتصادی نظام، اسلام کا عدالتی نظام، اسلام کا حکومتی نظام بھی پڑھاتے ہیں۔ ہمارے ہاں باقاعدہ کتاب البیوع ہے، جس میں ہم اسلام کا معاشی نظام پڑھاتے ہیں۔ ہمارے ہاں ''کتاب الربا'' ہے جس میں اسلامی بینکاری پڑھاتے ہیں کہ سود سے پاک ہو اور اس میں مضاربہ، مشارکہ، مرابحہ کی بنیادوں پر معاملات ہوتا کہ وہ بینکاری اسلامی بینکاری ہو۔ ہم کتاب الامارۃ والقضاء پڑھا کر اپنا حکومتی اور عدالتی نظام پڑھاتے ہیں کہ قضاء اور عدالتی نظام کیسا ہونا چاہیے؟ ہم اپنے ہاں کتاب المغازی پڑھا کر جنگ کے اصول بتاتے ہیں، اسی طرح ہم کتاب الحدود والقصاص پڑھا کر جرائم اور ان کی سزاؤں کی تعلیم دیتے ہیں اور ہم اپنے مدرسوں کے اندر اخلاقیات پڑھاتے ہیں، ہم اپنے مدرسوں میں پڑوسیوں کے حقوق، رشتے داروں کے حقوق، عورتوں کے حقوق، انسانی حقوق، اقلیتوں کے حقوق، ان تمام کی تعلیم دیتے ہیں۔ ہمارے مدرسوں کی تعلیم جامع ہے اور وہ معاشرے کی اور زندگی کے ہر طبقہ وشعبہ کے لیے جامع ہے، یہ اور بات ہے کہ آپ کو وہ فائدہ نظر نہیں آرہا، کیونکہ ہمارے ملک میں مکمل اسلامی نظام نہیں ہے۔ اگر ہماری پارلیمنٹ میں قانون سازی اسلام کے مطابق ہو، ہماری عدالتیں اسلام کے مطابق فیصلہ کریں، بینکوں میں لین دین اور کاروبار اسلام کے مطابق ہو تو آپ کو ہر جگہ نظر آئے گا کہ مدرسوں کا پڑھا ہوا، وہاں پر کام کررہا ہے، اس لیے آپ کو یہ سمجھنا کہ ہم مذہبی تعلیم دے کر صرف نماز، روزے کی تعلیم دیتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے۔ ہم مکمل ایک سسٹم اور نظام زندگی کی تعلیم دیتے ہیں۔

دیکھیے! دینی مدارس کا جو بنیادی مقصد ہے، وہ آپ کے پیش نظر رہنا چاہیے اور وہ بنیادی مقصد

عالم دین تیار کرنا ہے۔ آپ میڈیکل کالج والوں سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ انجینئر کیوں نہیں بنایا، انجینئرنگ کالج والوں سے آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ڈاکٹر کیوں نہیں بنایا، کیونکہ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا مقصد یہ نہیں ہے۔ آپ دینی مدارس کے بارے میں یہ خیال رکھیں کہ دینی مدارس کا بھی بنیادی مقصد علماء دین اور ماہرین شریعت تیار کرنا ہے ان کا مقصد ڈاکٹر اور انجینئر بنانا نہیں۔ ان سے یہ مطالبہ کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ میڈیکل کالج والوں سے یہ کہیں کہ آپ سائنس دان کیوں تیار نہیں کر رہے؟ آپ قوم کو انجینئر کیوں نہیں دے رہے؟ آپ قوم کو وکیل (ایڈووکیٹ) کیوں نہیں دے رہے؟ اسی طرح جیسے وہ مطالبہ غیر معقول ہے، یہ مطالبہ اور توقع بھی غیر معقول ہے۔

وزیر تعلیم...... یہ لوگ اسی طرح ضد کرتے رہتے ہیں، اسی لیے رفتہ رفتہ لوگوں کا اعتماد ان سے اٹھ رہا ہے اور مدارس کی تعداد اور ان میں طلباء کی تعداد کم ہو رہی ہے۔ ان میں بہت سے مدرسے ایسے ہیں جن میں افغانستان کے طلباء ہیں بالخصوص کراچی میں، اگر افغانستان کی صورت حال بہتر ہو گئی اور ان مہمانان مہاجرین کو ہم نے واپس بھیجا، تو بہت سے مدرسے تو ویسے ہی بند ہو جائیں گے، بالخصوص کراچی میں تو آدھے مدرسے بند ہو جائیں گے؟

مولانا...... مجھے اس بات کا اندازہ نہ تھا کہ ہمارے وزیر تعلیم ملک کے حالات سے اتنے بے خبر ہونگے اور ان کے پاس صحیح اعداد و شمار نہیں ہونگے۔ پوری دنیا تو یہ کہہ رہی ہے کہ گزشتہ دس سے پندرہ سال میں پاکستان میں مدرسے بہت زیادہ بن گئے ہیں اور ان کا کہنا یہ ہے کہ مدرسے کم ہو رہے ہیں اور طلباء کم ہو رہے ہیں، حالانکہ طلباء کی تعداد زیادہ بڑھ رہی ہے، مدارس کی تعداد بڑھ رہی ہے۔

ہمارے وفاق المدارس میں ۱۹۹۰ء سے لے کر ۲۰۰۵ء تک جو مدارس شامل ہوئے ہیں، وہ اس سے پہلے چالیس سالہ تاریخ سے بھی زیادہ ہیں۔ چالیس سال میں دو سے تین ہزار مدرسے تھے، جواب آٹھ سے نو ہزار تک پہنچ گئے ہیں اور میں نے دو ماہ پہلے ایک دن وفاقی وزیر تعلیم کے مطالبے پر ان کو ان تمام مدارس کی فہرست بھی بھیجی ہے، کیونکہ انہوں نے پہلے بھی ایک مجلس میں کہا تھا کہ مجھے یہ اعداد و شمار صحیح نہیں لگتے، تو میں نے ایک ایک مدرسے کی ان کو فہرست دی ہے۔ اس میں ہر ایک مدرسے کا ایڈریس بھی لکھا ہوا تھا، ان کو کم از کم چاہیے تھا کہ یہ اس کا ہی مطالعہ کر لیتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ شاید انہوں نے اس کو بھی نہیں دیکھا۔ اس لحاظ سے ہم جو تعداد بتا رہے ہیں، اس میں ایڈریس اور نام لکھے ہوئے ہیں اور ہمارے پاس تو اس وقت روزانہ ہر مہینے اوسطاً دو سو سے تین سو تک نئے مدارس شامل ہو رہے ہیں اور یہ تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے۔

جہاں تک طلباء کی بات ہے، ہم جتنی بھی تعمیرات کرتے ہیں وہ سال دو سال کے بعد ناکافی ہو جاتی ہیں۔ ہمیں بہت سے طلباء کے داخلے سے معذرت کرنا پڑتی ہے۔ ہماری جتنی بھی کلاس رومز ہیں، ہاسٹلز ہیں، وہ سب طلباء سے بھرے ہوئے ہیں۔ ہمارے ہاں تو جگہ نہیں ہے طلباء کے لیے، پہلے غریب طبقہ آتا تھا اور اب تو متوسط اور مال دار طبقے کے لوگ بھی دینی مدارس میں آنے لگے ہیں، اس وقت ہم وفاق المدارس کے چند اعداد و شمار پیش کرتے ہیں۔ وفاق صرف آخری سال کا امتحان لیتا ہے، ہر سال کا نہیں اور ۲۰۰۳ء میں ایک لاکھ بیس ہزار طلباء نے امتحان دیا اور ۲۰۰۴ء میں ایک لاکھ پینتالیس ہزار طلباء نے امتحان دیا تو گویا کہ ایک سال میں پچیس ہزار طلباء کا اضافہ ہوا اور اس کو آپ اگر جمع کرلیں، ڈبل کرلیں، کیونکہ وفاق نے جتنی کلاسوں کا امتحان لیا، اتنی کلاسیں اور ہیں جن کا امتحان وفاق نے نہیں لیا، بلکہ مدارس خود لیتے ہیں، تو یہ تعداد تقریباً پچاس ہزار بن جائے گی۔ یہ پاکستان کے وہ مدرسے ہیں جو صرف وفاق میں شامل ہیں، جب کہ دوسرے وفاق بھی ہیں اور کچھ مدرسے وفاق سے باہر بھی ہیں۔ ان کے طلباء کو بھی آپ شمار کریں، تو یہ تعداد بہت بڑھ جاتی ہے، ایک سال میں تیس سے چالیس ہزار کا اضافہ یہ کوئی معمولی اضافہ نہیں ہے۔ لہٰذا ان کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے اور اس کا بھی حقائق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

وزیر تعلیم...... بعض دینی مدارس فرقہ واریت، دہشت گردی میں ملوث ہیں۔ ان مدارس میں فرقہ واریت کی تعلیم دی جاتی ہے۔

مولانا...... محترم وفاقی وزیر تعلیم! صدر محترم اس میٹنگ میں تھے، جہاں یہ بات آئی تھی، ہم نے جواب میں کہا تھا کہ ہمارے ہاں کوئی فرقہ واریت کی تعلیم نہیں ہے۔ ہمارے ہاں جو کچھ بھی نصاب میں پڑھایا جاتا ہے، وہ صرف اور صرف ایک ریسرچ اور تحقیق کے اعتبار سے پڑھایا جاتا ہے، جو دنیا کی تمام یونیورسٹیوں اور تعلیمی اداروں میں ہوتا ہے۔ ہم جہاں اپنا مؤقف پیش کرتے ہیں، دوسروں کا مؤقف بھی دلائل کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ یہ ایک تحقیق اور ریسرچ ہے جو پوری دنیا میں ہوتی ہے اور ہمارے ہاں تو یہ ہے کہ ہم حنفی ہیں، لیکن ہم امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ سے جب اپنا اختلاف بیان کرتے ہیں تو بڑے ادب سے، بڑے احترام سے اور بڑے علمی انداز کے ساتھ ان کے دلائل بھی پورے بیان کرتے ہیں، جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ دہشت گردی میں ملوث ہیں۔ میں نے ان سے پہلے بھی کہا ہے کہ اس برصغیر میں مدارس دو سو سے ڈھائی سو سال سے ہیں اور جس کو آپ دہشت گردی کہتے

ہیں (دنیا آج تک اس کی تعریف نہیں کرسکی) تو وہ دہشت گردی، جس کو آپ دہشت گردی کہتے ہیں، وہ تو دنیا میں دس پندرہ سال سے ہے اور مدرسے تو اس سے پہلے کے ہیں، اگر مدرسوں کی وجہ سے ہوتی تو اس سے پہلے بھی ہوتی اور ہم نے ان کو بارہا کہا ہے کہ اگر کوئی مدرسہ ہے تو کون سی طاقت مانع ہے کہ آپ اس کا نام نہیں لیتے اور اس کو متعین کر کے نہیں بتاتے۔ آپ یہ مبہم کہتے ہیں کہ "بعض مدرسے" آپ نام لیں اور بتائیں کہ فلاں فلاں مدرسہ ہے اور ہم نے ان کو یہ پیشکش کی تھی کہ اگر آپ صحیح ثبوت کے ساتھ بات کریں گے، تو ایسے مدرسے جو ملک کے اندر تخریب کاری اور دہشت گردی میں ملوث ہیں، اگر وہ ہم میں سے کسی ایک وفاق میں شامل ہوں گے، تو ہم ان کو نکال دیں گے، ہم ان کے خلاف کارروائی کریں گے اور آپ جو فیصلہ کریں گے، ہم آپ کے ساتھی بنیں گے اور آپ کے ساتھ تعاون کریں گے، مگر آج تک انہوں نے کسی ایک کا بھی نام نہیں لیا۔

اگر ان کے پاس ثبوت ہیں تو یہ نام لیں اور ثبوت دکھائیں، ورنہ یہ مدرسوں کو بدنام کرنے کی ایک سازش ہے اور اگر کوئی آدمی کسی واقعہ میں پکڑا گیا اور اس کے بارے میں صحیح ثبوت بھی ہیں تو یہ ایک انفرادی واقعہ ہے اور اس کو ایک ادارے کا فعل نہیں کہا جا سکتا، جبکہ دوسرے سینٹروں میں آپ دیکھیں، کالجوں میں، یونیورسٹیوں میں باقاعدہ اسلحہ ہوتا ہے اور وہاں کلاشنکوفیں ہوتی ہیں، وہاں کے بہت سے تھانوں میں کیسز درج ہوتے ہیں اور ہمارے مدرسے میں تو آج تک کوئی ایسی بات نہیں ہوئی اور کبھی یہاں رینجرز اور پولیس کو نہیں آنا پڑا۔ یہاں پر چونکہ اس طرح کی تعلیم نہیں ہے تو اس لحاظ سے بھی ان کی بات صحیح نہیں ہے اور اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

افغان طلباء...... جہاں تک افغان طلباء کا تعلق ہے تو جب سے آپ نے سختی کی ہے، یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ کسی بھی غیر ملکی طالب علم کو خواہ وہ افغانستان ہی سے کیوں نہ ہو، آپ ان کو بغیر پاسپورٹ اور ویزے کے داخلہ مت دیں، تو آپ کے اس ملکی قانون اور فیصلے کا احترام ہم نے کیا اور ہم نے ان کو دخلہ ہی نہیں دیا۔ اس لیے ہمارے مدرسوں میں تو افغانی طلباء نہیں ہیں اور اگر کہیں ہوں تو بہت کم برائے نام، اور وہ بھی وہی جن کے پاس پاسپورٹ، ویزا اور پاکستان میں رہنے کا ثبوت ہے۔ لہٰذا آپ کی یہ بات غلط ہے کہ ہمارے ہاں افغانی طلباء ہیں۔ آپ مہاجرین کو بڑے شوق سے واپس بھیجیں، پھر دیکھیں کہ ہمارے پاس طلباء زیادہ ہوتے ہیں یا کم؟

جنرل حمید گل...... یہ دینی مدارس پاکستان میں بہت اچھا کام کر رہے ہیں اور جہاں تک اس

ملک کے بارے میں بات ہے کہ مدارس نے اور علماء نے اس ملک کو نقصان پہنچایا ہے، یہ بالکل غلط ہے، بلکہ ملک کو نقصان ان اداروں کے لوگوں نے پہنچایا، جن پر حکومت اربوں روپے کا بجٹ خرچ کرتی ہے، اس ملک کو لوٹنے والے، اس ملک کو توڑنے والے، اس ملک کو نقصان پہنچانے والے، اس کی جڑیں کھوکھلی کرنے والے اور اس کو دیوالیہ کرنے والے، کرپشن کرنے والے ایک بھی ان مدرسوں کا پڑھا ہوا شخص نہیں ہے۔

وزیر تعلیم ...... یہ صرف امام اور خطیب تیار کرتے ہیں اور بس۔

معین الدین حیدر...... اس ملک کو مؤذن اور خطیب کی بھی ضرورت ہے، اس لیے کہ ہر شہر میں مسجدیں ہیں اور کافی بڑی تعداد میں مسجدیں ہیں اور ہر آبادی میں کئی مسجدیں ہوتی ہیں اور وہاں کے مسلمانوں کی ضرورت ہے، اگر یہ مدارس نہ ہوتے، تو یہ مؤذن، خطیب اور امام کہاں سے آتے۔ حکومت کے پاس تو کوئی ایسا منصوبہ نہیں اور اسی طرح اس ملک کو حفاظِ قرآن کی بھی ضرورت ہے۔ وہ بھی ان مدرسوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ پھر یہاں شریعت کے علماء ماہرین کی ضرورت ہے اور وہ ضرورت بھی، ان مدرسوں نے پوری کی ہے اور کر رہے ہیں۔ اور یہ صرف تعلیم ہی نہیں، بلکہ ان کو کھانا، پینا بھی دیتے ہیں اور مفت دیتے ہیں، یہ کتنا بڑا بوجھ ہے، جو حکومت کو اٹھانا چاہیے تھا، جو انہوں نے اپنے طور پر رضاکارانہ طور پر اٹھایا ہوا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ یہ دینی مدارس بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔

الغرض...... اس موقع پر مذکورہ بالا دونوں ریٹائرڈ جنرلوں نے مدارس کے کردار کو سراہا۔

* * *

تین سوال......تین جواب

پہلا سوال......آپ مدارس میں کیا اصلاحات لانا چاہتے ہیں؟

دوسرا سوال......اصلاحات کیوں لانا چاہتے ہیں؟

تیسرا سوال...... یہ اصلاحات کیسے لانا چاہتے ہیں؟

''ان تین سوالات کے جوابات ہر کوئی جاننا چاہتا ہے اور ظاہر ہے ایک آزاد ملک کے شہری ہونے کے ناطے ہر شہری کا یہ حق ہے، مگر سچ یہ ہے کہ آپ ان سوالات کا جواب دینے سے کتراتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خود کلیئر نہیں ہیں، آپ کو خود پتا ہی نہیں کہ آپ کرنا کیا چاہتے ہیں اور جو کچھ آپ کو پتا ہے، وہ آپ عوام کو بتانا نہیں چاہتے، اس لیے کہ وہ بتانے سے آپ اپنی عوام کی نظروں میں گر جائیں گے۔''

آپ کو خوب معلوم ہے، جس منصوبے پر آپ سے عمل کروایا جا رہا ہے، اگر عوام کو معلوم ہو گیا، تو عوام آپ سے نفرت کرنے لگیں۔ ابھی تک آپ میں اور پبلک میں ایک پردہ حائل ہے، جس کی وجہ سے آپ کا گزارہ چل رہا ہے۔ بہر کیف عوام اتنا جانتے ہیں کہ آپ مدارس کے نظام کو بدلنا چاہتے ہیں اور بدلنا اس لیے چاہتے ہیں کہ امریکہ آپ کو مجبور کر رہا ہے۔ امریکہ نے آپ کو بے پناہ فنڈز دیے ہیں کہ آپ یہ رقم استعمال کر کے مدارس کو ان کی ''اصلیت'' سے نکالیں۔ آپ خود سوچیں یہود و نصاریٰ بے پناہ وسائل خرچ کر کے کیا یہ چاہیں گے کہ مدارس سے اچھے اور سچے مسلمان پیدا ہوں؟ ان کا مسئلہ ہی یہ ہے کہ یہ مدارس اگر اپنی ترتیب پہ چلتے رہے، تو ان سے مضبوط ایمان و اعمال والے لوگ پیدا ہوتے رہیں گے اور یہ لوگ چاہے نہتے ہی کیوں نہ ہوں، پھر بھی ظلم اور دہشت گردی کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں۔ یہ لوگ کفار کی غلامی کا طوق اپنے گلے میں نہیں ڈالتے۔ مدارس سے نکلنے والے بے غیرت کی زندگی پر موت کو ترجیح دیتے ہیں۔ مدارس والے لوگوں میں جذبہ حریت پیدا کرتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کائنات کا ایک ہی خالق اور مالک

ہے، لہٰذا صرف اسی کی غلامی اختیار کرو۔ یہ کہتے ہیں، اللہ نے بندوں کو بندوں کی غلامی کے لیے پیدا نہیں کیا۔ یہ کہتے ہیں، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آخری نبی ہیں اور قرآن، اللہ کی آخری کتاب ہے، لہٰذا اب قرآن کے حکم کے مطابق وہی نظام اللہ کو قبول ہے، جو آخری نبی لے کر آئے۔

مدارس والے دنیا میں انصاف اور مساوات کی بات کرتے ہیں۔ یہ جہاد کی بات کرتے ہیں۔ اب یہ ساری باتیں ایسی ہیں، جو دنیا کے ظالموں، دہشت گردوں اور بت پرستوں کو کسی صورت میں گوارہ نہیں، یہی وجہ ہے کہ سارے دہشت گرد اور ظالم مل کر مدارس کے درپے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں ان مدارس والوں کو انگریزی کمپیوٹر اور جدید علوم کی طرف راغب کر کے ان کو قرآن وحدیث اور اپنے اسلاف سے دور کیا جائے، آپ کو خوب معلوم ہے، دینی مدارس کا مقصد دینی علوم کے ماہرین تیار کرنا ہے اور صرف دینی علوم کے ماہر ہی نہیں، بلکہ ایسے تربیت یافتہ لوگ تیار کرنا کہ جو ہر حال میں حق کی بات کہیں، جو دنیا سے متاثر نہ ہوں، جو بکنے اور جھکنے والے نہ ہو، روپے وپیسے کی چمک جن کی آنکھوں کو خیرہ نہ کر دے، پونڈز اور ڈالرز کی جھنکار جن کے قدم ڈگمگا نہ دے۔ جو فراغت کے بعد کالجوں اور یونیورسٹیوں کی طرف نہ بھاگیں، بلکہ روکھا سوکھا کھا کے دین کا کام کریں۔ جو ہر ایک کی ہاں میں ہاں نہ ملائیں، بلکہ ہر جگہ وہ بات کہیں، جو حق اور سچ ہو۔ اب آپ بتائیں کہ آپ مدارس کے نظام میں کیا تبدیلیاں لانا چاہیں گے کہ جن کی وجہ سے یہ مقاصد زیادہ بہتر طور پر حاصل ہونے لگیں، جن کا میں نے ذکر کیا ہے، سچی بات یہ ہے کہ آپ کو معلوم ہے کہ جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں، اس کی وجہ سے مدارس کے نظام میں کوئی بہتری نہیں آئے گی اور نہ ہی مدارس وہ اہداف حاصل کر پائیں گے، جو مدارس کا اصل مقصد ہے۔ اگر آپ مدارس کا نصاب بدلنا چاہتے ہیں تو ہمارا سوال یہ ہے کہ اس کے بدلنے کے لیے دینی علوم کے ماہرین کی رائے کو ترجیح دینی چاہیے، یا آپ کی رائے کو۔ اس کے لیے کوئی اصول تو ہونا چاہیے نا۔ اگر آپ یہ اصول طے کرتے ہیں کہ آپ کی رائے کو ترجیح دینی چاہیے، باوجود اس کے کہ آپ مدارس کے نظام سے واقف نہیں، تو پھر آپ کو تھوڑا فراخ دلی کا ثبوت دیتے ہوئے، میڈیکل کالجز، انجینئرنگ یونیورسٹی اور فوج کے اداروں کے حوالے سے ہماری رائے کو بھی اہمیت دینی چاہیے، مگر اس طرح کی جب بات ہوتی ہے، تو آپ قہقہہ لگاتے ہوئے فرماتے ہیں: مولویوں کو میڈیکل کالج، انجینئرنگ یونیورسٹی اور فوجی اداروں کا کیا پتا؟ کیا صرف مدارس ہی بے چارے ایسے ہیں کہ جن کے نظام کی بات کرتے وقت بش، کونڈا لیزا رائس، ٹونی بلیئر اور ہمارے روشن خیال یہ چاہتے ہیں

کہ ہم آنکھیں اور کان بند کر کے ان کی بات مان لیں۔ آخر کیوں؟ اس کیوں کا جواب ہمیں پہلے ملا ہے اور نہ آئندہ کوئی اس کا جواب دے سکے گا، اس لیے کہ اس کا جواب کسی کے پاس ہے ہی نہیں۔ یہ بات ہم کئی دفعہ پہلے بھی کہہ چکے ہیں اور اب بھی کہتے ہیں کہ مدارس کا مقصد دینی علوم کے ماہرین پیدا کرنا ہے۔ ڈاکٹر اور انجینئر نہیں۔ لہٰذا اس مقصد کے حصول کے لیے انہیں دینی علوم ہی پڑھانے چاہئیں، جب کہ آپ کا اصرار ہے کہ نہیں تم لوگ انگریزی، حساب، سائنس، اور کمپیوٹر بھی پڑھاؤ اس سے اگر دینی علوم کا نقصان ہوتا ہے تو ہوتا رہے۔

ہم یہ بات پہلے بھی کئی دفعہ کہہ چکے ہیں اور اب بھی کہتے ہیں کہ مدارس کا مقصد دینی علوم کے ماہرین پیدا کرنا ہے، ڈاکٹر اور انجینئر نہیں، لہٰذا اس مقصد کے حصول کے لیے مدارس کو دینی علوم ہی پڑھانے چاہئیں، جب کہ آپ کا اصرار ہے کہ نہیں تم لوگ انگریزی، حساب، سائنس اور کمپیوٹر بھی پڑھاؤ، ان کے پڑھانے سے اگر دینی علوم کا نقصان ہوتا ہے تو ہوتا رہے۔

بعض پڑھے لکھے اور روشن خیال عناد کی وجہ سے اور کچھ مخلصین ہمدردی اور خیر خواہی سمجھ کر یہ مشورہ دیتے ہیں کہ علماء کو دنیا کا کچھ نہ کچھ تو پتہ ہونا ہی چاہیے۔

میں سمجھتا ہوں، جس قدر علماء کو دنیا کا پتہ ہونا چاہیے، وہ ہے اور الحمد للہ علماء کو دنیا کے معاملات کے حوالے سے کبھی دشواری پیش نہیں آئی، البتہ اس بات کا مجھے دکھ ہے کہ دنیا داروں کو جتنا دین کا پتہ ہونا چاہیے وہ نہیں ہے۔ بہت سارے روشن خیالوں کو ہم جانتے ہیں کہ انہیں نماز جنازہ تک کا پتہ نہیں ہے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ آپ اپنے عزیز یا دوست کے جنازے میں کھڑے ہوں اور آپ کو اتنا پتہ بھی نہ ہو کہ اس میں پڑھنا کیا ہے؟ اس موقع پر آپ میت کو اور تو کچھ دے نہیں سکتے اور جو دے سکتے ہیں، اس کا آپ کو پتہ ہی نہیں۔ یہی حال عید کی نماز کا ہے، ہر عید کے موقع پر امام صاحب کو نماز عید کا طریقہ بتانا پڑتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک اچھی خاصی تعداد ایسی ہے، جسے دین سے متعلق موٹی موٹی باتوں کا بھی علم نہیں اور مزے کی بات یہ ہے کہ دنیا کا ہر کام سکھانے کے لوگ پیسے لیتے ہیں جب کہ دین سکھانے کے لیے علماء کوئی پیسہ نہیں لیتے۔ کیا بحیثیت مسلمان، ہم سب کا یہ فرض نہیں کہ وہ کم از کم فرائض کا تو علم سیکھ ہی لیں۔

مجھے میرے دوست ملک سعید نوابی نے بتایا ''ایک دانشور کہنے لگے پرانے زمانے میں مدارس سے سائنسدان بھی نکلتے تھے۔ میں نے کہا: اگر آپ محسوس نہ کریں، تو مجھے تین ایسے سائنس دانوں کے نام بتا دیں، جو مدارس سے نکلے ہوں۔ وہ دانشور صاحب حیرت سے میرا منہ دیکھنے

لگے اور کہنے لگے، مجھے افسوس ہے کہ آپ کو اتنا بھی معلوم نہیں، یہ جابر بن حیان، ابن الہیثم، موسیٰ خوارزمی اور البیرونی وغیرہ مدارس سے ہی تو نکلے تھے۔ میں نے کہا: جناب عالی! کیا آپ نے ان کے حالات زندگی کا مطالعہ کیا ہے، تو دانشور صاحب تھوڑی دیر خاموش رہے اور پھر آہستہ سے بولے: نہیں، میں نے پڑھا تو نہیں، سنا ضرور ہے۔ میں نے کہا کہ حضرت آپ لوگوں کا المیہ ہی یہ ہے کہ آپ ہر سنی سنائی بات کو آگے بڑھا دیتے ہیں اور اگر اس سنی سنائی پر کوئی یقین نہ کرے تو آپ اسے جاہل قرار دینے میں بھی وقت نہیں لگاتے، حالانکہ اللہ جانتا ہے ہم آپ کی باتیں پڑھ کر اور سن کر ہنستے ہیں کہ دانشور صاحب بے چارے کو اتنا بھی پتہ نہیں۔ اکثر بڑے بڑے لکھاریوں کی اردو سن کر چکر آنے لگتے ہیں، ابھی تک جو لوگ ''جدوجہد'' صحیح تلفظ سے نہیں پڑھ سکے، وہ بھی ماشاء اللہ پڑھے لکھے، دانشور، اسکالر اور نقاد کہلاتے ہیں۔ خیر میں نے کہا: جناب! جن سائنس دانوں کے آپ نے نام لیے ہیں، انہوں نے مدرسے میں علم الصرف اور علم النحو بھی نہیں پڑھی تھی، بلکہ ان کا مدرسے جانا ہی ثابت نہیں ہے، ہاں البتہ بوعلی سینا کا تعلق کسی حد تک مدرسے سے تھا، مگر آج تک یہ ثابت نہیں ہوسکا کہ وہ عالم بھی تھا۔ میری بات سن کر وہ دانشور تھوڑے سے گھبرا گئے، انہوں نے فوراً گھڑی کی طرف دیکھا اور کہا: اوہو، مجھے دیر ہوگئی ہے، پھر کبھی ملیں گے۔''

تو جناب اب آپ بتائیں، آپ مدارس میں کیا اصلاحات لانا چاہتے ہیں۔ آپ دیکھیں نا! سرکاری اسکولز اور کالجز میں تو آپ کو کوئی رکاوٹ نہیں تھی، وہاں آپ نے جو چاہا جب چاہا کرلیا، مگر آج اسکولوں اور کالجوں کی جو حالت ہے، وہ آپ کے سامنے ہی ہے۔ آپ کی اصلاحات نے یہ ماحول پیدا کیا کہ طلبہ اپنے ہی اساتذہ کے خلاف جلوس نکالنے لگے، انہوں نے اپنے ہی اسکولوں اور اپنے ہی کالج کے شیشے توڑ ڈالے۔ نہ کوئی استاد کا احترام رہا اور نہ درس گاہ کا۔ اس کے علاوہ، جو مسائل پیدا ہوئے، وہ بھی آپ کو معلوم ہیں۔ گاڑیوں کے شیشے توڑنا، بہنوں، بیٹیوں کو تنگ کرنا وغیرہ وغیرہ، یہ سب آپ کے نظام میں چلنے والوں کا ہی وطیرہ ہے۔ کیا آپ پورے ملک میں ایک مدرسہ دکھا سکتے ہیں، جہاں اسٹرائیک ہوتی ہو۔ جہاں طلبہ نے اپنے مدرسے کے شیشے توڑے ہوں یا اپنے مہتمم کے خلاف جلوس نکالا ہو۔ اگر آپ پریشان نہ ہوں تو ذرا نیب زدگان کی فہرست پر نظر ڈال کر دیکھ لیں آپ کو پوری فہرست میں اپنے ہی اپنے نظر آئیں گے۔

ایف سی کالج، گورنمنٹ کالج، گورڈن کالج، کراچی یونیورسٹی، پنجاب یونیورسٹی، جی ہاں یہ سارے آپ ہی کے اصلاح شدہ تعلیمی ادارے ہیں جہاں سے علم اور تربیت حاصل کرکے وہ لوگ

فارغ ہوئے ہیں۔ ہمارا ایک بھی عالم ان شاء اللہ آپ کو ایسا نہیں ملے گا، جس پر کرپشن ثابت ہو۔

تو جناب آپ کو مدارس کی بجائے اپنے اداروں کی فکر فرمانی چاہیے۔ ہاں یہ بات تو میں بتانا بھول ہی گیا کہ ہمارے مدارس میں آٹھویں کلاس تک مکمل عصری علوم پڑھائے جاتے ہیں لیکن کیا عصری اداروں میں آٹھویں تک نہ سہی پانچویں تک بھی دینی علوم پڑھائے جاتے ہیں؟ جب ہم یہ سوال پوچھتے ہیں، تو آپ فرماتے ہیں، دیکھیں نا جی اگر انگریزی، حساب، اردو، معاشرتی علوم اور سائنس کے ساتھ دینی علوم بھی پڑھائیں تو پھر بچے پر بہت زیادہ بوجھ پڑ جاتا ہے، اتنے مضامین بے چارہ اسٹوڈنٹ کیسے پڑھے گا، تو آپ کا کیا خیال ہے، مدرسے میں پڑھنے والا، اسی طرح کا بچہ نہیں ہے، جیسا اسکول میں پڑھنے والا۔

سچی بات یہ ہے کہ آپ کے پاس اپنے مؤقف کی کوئی ایک بھ دلیل نہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کا کوئی مؤقف ہے ہی نہیں...... اگر آپ کے اپنے پاس کچھ ہوتا، تو آپ ہندوؤں سے کہتے کہ مدارس میں اصلاحات کے حوالے سے ہماری مدد کرو، کتنے شرم کی بات ہے کہ ایک مسلمان ملک ایک ہندو ملک سے کہتا ہے کہ جی آپ تو اپنے ملک میں موجود مدارس سے مطمئن ہیں، ہمیں بتائیں کہ ہم کیسے مطمئن ہوں، واہ سبحان اللہ کیا فہم و فراست ہے اور کیا عقل ہے۔

جناب آپ کی بے اطمینانی کے پیچھے امریکہ کا دباؤ ہے، ورنہ پتا آپ کو بھی ہے کہ مدارس جس ترتیب پر چل رہے ہیں، وہ بالکل درست ہے۔

ہمارا مؤقف بڑا واضح ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ کسی بھی مسئلے پر بیٹھ کر مذاکرات کر لیے جائیں، جس کی زیادہ بہتر صورت یہ ہے ہ یہ مذاکرات اوپن ہوں۔ عوام بھی سنیں، تاکہ عوام کو معلوم ہو کہ اصل معاملہ کیا ہے۔ ہم نے کبھی ضد نہیں کی، ہم نے ہمیشہ کہا ہے کہ بھئی آپ اپنی بات دلائل سے ہمیں سمجھا دیں، ہم مان لیں گے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ ہے کہ آپ ہماری بات بھی تو سنیں نا۔ یک طرفہ ٹریفک تو نہ چلائیں۔ مدارس پر دہشت گردی کا الزام لگا، ہم نے کہا آپ کسی ایک مدرسے سے ایک پسٹل تک برآمد کر کے دکھا دیں، مگر تاریخ گواہ ہے کہ آج تک کسی مدرسے کے حوالے سے دہشت گردی کا ایک الزام بھی درست ثابت نہیں ہوا۔ جنرل حمید گل نے کہا، جب میں آئی ایس آئی کا سربراہ تھا، تو اس وقت مدرسے کے بارے میں مکمل تحقیقات کی گئی، ہم نے کسی مدرسے کو دہشت گردی میں ملوث نہیں پایا، چودھری شجاعت حسین نے ہزاروں کے مجمعے کے سامنے اعتراف کیا کہ جب میں وزیر داخلہ تھا، اس وقت ہم نے پوری تحقیق کی، مگر

ہمیں کسی مدرسے کے حوالے سے دہشت گردی کا کوئی ثبوت نہیں ملا۔

مدارس حکومت سے فنڈز نہیں لیتے، ملک کے عوام مدارس سے تعاون کرتے ہیں، جس سے یہ سارا نظام چل رہا ہے۔ پندرہ لاکھ بچے بغیر کسی فیس کے تعلیم حاصل کررہے ہیں۔ مدارس کی طرف سے مفت کھانا، مفت رہائش اور مفت کتب فراہم کی جاتی ہیں۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ آج ہر طرح کی این جی اوز کو کھلی چھٹی ہے کہ وہ جو چاہیں کریں۔ فحاشی، عریانی پھیلانے کے لیے انہیں فنڈز ملتے ہیں، ان پر بھی کوئی پابندی نہیں، لیکن مدارس کے حوالے سے کبھی چندہ دینے والوں کو ہراساں کیا جاتا ہے، کبھی مدارس کی انتظامیہ کو پریشان کیا جاتا ہے اور کبھی طلباء کو بلاوجہ تنگ کیا جاتا ہے آئے روز ایجنسیوں والے مدارس میں آکر انتظامیہ کا قیمتی وقت ضائع کرتے ہیں۔

ایک سوال جو بڑی اہمیت کا حامل ہے، وہ یہ کہ آیا اوچھے ہتھکنڈوں اور مختلف حربوں کے ذریعے مدارس میں ہونے والے کام کو روکا جاسکتا ہے؟ تو اس کا بالکل واضح اور صاف جواب ہے کہ نہیں، کبھی نہیں۔ اس لیے کہ مدرسہ عمارت کا نام نہیں ہے مدرسہ نام ہے استاد، طالب علم اور کتاب کا۔

تاریخ گواہ ہے جب بھی مدارس کو بند کیا گیا، علماء نے درختوں کے نیچے، گھروں میں اور تہہ خانوں میں بھوک پیاس کی حالت میں تعلیم وتعلم کا کام جاری رکھا۔ روس میں علماء اور مدارس کے خلاف کیا کچھ نہیں کیا گیا تھا۔ کتنی سختیاں، کتنی تکالیف اور کتنی پریشانیاں آئیں۔ حکومت نے سمجھا علماء ختم ہوگئے، دینی تعلیم مٹ گئی، مگر جب روس ٹوٹا، تو معلوم ہوا، اس ظلم وبربریت کے دور میں بھی تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری رہا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ روس ٹوٹتے ہی وہاں ہزاروں علماء منظر عام پر آگئے، تو یہ ایک حقیقت ہے کہ مدرسہ کے کام کو روکا نہیں جاسکتا، اس لیے خواہ مخواہ کسی کو یہ کوشش نہیں کرنی چاہیے، بلکہ جتنی مدارس کی مخالفت ہوگی، مدارس میں اتنا ہی جوش وخروش سے کام ہوگا۔ عوام مدارس سے اتنا ہی زیادہ تعاون کریں گے اور مدرسہ پہلے سے بھی مضبوط ہوجائے گا، لہٰذا عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ مدارس کو اپنی ترتیب پر کام کرنے دیا جائے اور انکے نظام میں کسی قسم کی مداخلت کی کوشش نہ کی جائے۔ رہی بات آپ کی تو آپ پہلے ہمارے تین سوالوں کے جوابات دے دیں۔ اگلی بات پھر کریں گے۔ کیوں بھئی یہ بات ٹھیک ہے نا۔ جی ہاں عوام کا بھی یہی مطالبہ ہے۔

• • •

دینی مدارس کا مقدمہ

مولانا قاری محمد حنیف جالندھری
ناظم اعلیٰ: وفاق المدارس العربیہ پاکستان

وفاق المدارس العربیہ پاکستان اور اتحاد تنظیمات مدارس کے پلیٹ فارم سے دینی مدارس کے تعارف، اہمیت، ضرورت، دفاع اور اعتراضات و پروپگنڈے کے جواب میں لکھے جانے والے مضامین اور بیانات کا ایک ولولہ انگیز مجموعہ

بیت السلام
پبلشر۔ کراچی۔ پاکستان